ذکاء الاذہان بجواب جلاء الاذہان

ہزار تمہاری دس ہماری

مصنف عبدالکریم مشتاق

رحمت اللہ بک ایجنسی ناشران و تاجران کتب بمبئی بازار کھارادر کراچی

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.
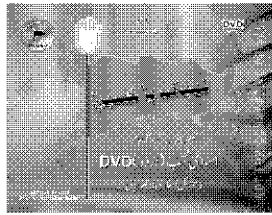
منجانب .

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

3.60

ذکار الاذہان بجواب جلاء الاذہان

ہزار تمہاری دس ہماری

مصنّف

عبد الکریم مشتاق ادیب فاضل

شائع کردہ:-

رحمت اللہ بک ایجنسی (ناشران و تاجران کتب)
بمبئی بازار، نزد خوجہ مسجد و بڑا امام باڑہ، کھارادر، کراچی ۲

نام کتاب ——— ذکاء الاذہان

بجواب کتاب ——— جلاء الاذہان

المعروف ——— ہزار تمہاری دس ہماری

مصنف ——— عبدالکریم مشتاق

طابع ——— اکبر ابن حسن

تعاون کتابت ——— دارالکتابت مسافر خانہ کراچی

پرنٹر ——— نفیس اکیڈمی آفسیٹ پرنٹرز

اشاعت ——— بارِ دوم

سال طباعت ——— سنہ ۱۹۸۲ء

تعدادِ اشاعت ——— ۵۰۰

قیمت ——— صرف / روپے

شائع کردہ

رحمت اللہ بک ایجنسی

(ناشران و تاجران کتب)

بمبئی بازار نزد خوجہ مسجد و بڑا امام باڑہ کھارادر۔ کراچی نمبر ۲

کتاب ھٰذا اہل سنتہ کے جناب مولوی دوست محمد قریشی صاحب صدر تنظیم اہل سنت پاکستان کی تحریر کردہ کتاب "جلاالاذہان" کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ اُن کے دریافت کردہ ایک ہزار اعتراضات کے مکمل و دندان شکن جوابات دینے کے بعد مذہب شیعہ کی طرف سے صرف دس ۱۰ سوالات پوچھے گئے ہیں۔

ان دس ۱۰ سوالوں کا تسلی بخش جواب

دینے والے کو

دس ہزار ۱۰۰۰۰ روپیہ

نقد انعام بصد شکریہ پیش کیا جائیگا۔

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہدیۂ عقیدت

مجیب گنہگار عبدالکریم مشتاق اپنی یہ حقیر کاوش بارگاہِ رسالت مآب فخرِ موجودات، سیّدِ کونین، مالکِ ثقلین، امام الانبیاءؑ والمرسلین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم میں عیدِ میلاد النبیؐ کی تقریب سعید پر نذرانہ پیش کرتا ہے۔

نیز یہی ہدیۂ عقیدت سرکار امام جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر کرتا ہوں کہ امروز سعید ۱۷ ربیع الاوّل کو ان سرکار کا یومِ ولادت بھی منایا جاتا ہے۔

اگر خاکسار کا یہ ادنیٰ تحفہ صادقین کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو اس سے بڑھ کر کوئی عزّ و شرف نہیں ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ

فقیرِ آلِ محمدؐ

عبدالکریم مشتاق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غرض پیش کش

حمد الٰہی اور درود سلام کے بعد گذارش ہے کہ جب کسی قوم کے مخالفین اس کے افراد کو غافل پاتے ہیں تو ایسے سنہرے موقعہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور غلبہ پانے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ مجھے یہ اقرار کرتے ہوئے ندامت بھی محسوس ہو رہی ہے اور افسوس بھی کہ میری قوم خواب خرگوش میں محو ہے اور دشمن چوکس و چوبند ہے کہ ہر سمت سے بھرپور وار کرتا چلا جا رہا ہے لیکن ملت کی دِبّی ابھی دور ہے اور شدتِ جارحیت کے زلزلہ انگن حملے بھی اس قوم کے سہانے سپنے نہیں توڑ سکے۔ گذشتہ چند سالوں سے مسلسل ہمارے خلاف زہر افشانی ہو رہی ہے۔ اور قوم پر طاری نیند کے باعث معاندین خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ قوم نے تقریری محاذ کی طرف توجہ دینے پر اکتفا کر لیا ہے لیکن تحریری سرحدیں خالی دیکھ کر دشمن کے لشکر غول در غول پیش قدمی کر رہے ہیں۔ ہم جیسے چند ناتجربہ کار رینجرز کے سپاہی اس بارڈر کی دیکھ بھال کر رہے ہیں اور غیبی امداد کے توکل پر پُر اعتماد ہیں کہ دشمن ہماری موجودگی میں ایک انچ بھی آگے نہ بڑھ سکے گا لیکن یہ امر مسلّمہ ہے کہ سپاہی جلد ہی تھک جایا کرتے ہیں اور اگر کمک رُک جائے تو دل برداشتہ ہو جاتے ہیں لہٰذا قوموں کی ایسی غفلت یقیناً ان کے تنزل کا سبب بن جایا کرتی ہے۔

اِس کتاب کی غرض پیش کش نہ ہی کسی کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا ہے اور نہ ہی کسی فریق مخالف پر تنقید کرنا مقصود ہے بلکہ اس کا سببِ تالیف دفاع محض ہے۔ میری قوم کی خاموشی و مصلحتی سکوت کو کمزوری سمجھتے ہوئے ایک مولوی صاحب جن کا اسم شریف جناب دوست محمد قریشی صاحب ہے نے

ایک رسالہ موسومہ 'جلاء الافہام' تحریر کیا اور میرے مسلک پر سو اعتراضات کیے ہم نے حسب لیاقت اس رسالہ کا جواب 'ذکاء الافہام بجواب جلاء الافہام' المعروف 'سو سنار کی ایک لوہار کی' کی صورت میں پیش کیا اور سو کے مقابلہ میں صرف ایک سوال دریافت کیا۔ جس کا جواب تادم تحریر کوئی صاحب نہیں دے سکے۔ ان ہی علامہ اہل سنۃ جناب دوست محمد قریشی صاحب نے اب ہم سے مزید ایک ہزار سوالات دریافت کیے ہیں اور اس اعتراضات نامہ کو 'جلاء الاذہان' نامی کتاب میں شائع کیا ہے۔ یہ کتاب حافظ خیر محمد، نور محمد تاجران کتب ۱۴۱۔ بی شاہ عالم۔ لاہور نے چھپوائی ہے۔ حضرت العلامہ اہل سنۃ مولانا دوست محمد قریشی صاحب صدر تنظیم اہل سنت پاکستان نے دعویٰ کیا ہے کہ ان اعتراضات کے مجموعہ کا مطالعہ طلباء اور علماء کے علمی ذوق کو اوجِ ترقی پر پہنچائے گا۔ لہٰذا بندۂ طالب علم نے بھی ان کا مطالعہ بغور کیا لہٰذا شوق ہوا کہ پیدا شدہ علمی ذوق کی ترقی کی جھلکیاں پیشِ خدمت کردوں تاکہ قارئین بوقت ضرورت ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔

تحقیق و تفہیم کی خاطر میں نے ان ہزار سوالات کا جواب دینے کے بعد صرف دس سوالات دریافت کرنے کی جرأت کی ہے۔ اگر کوئی بھی غیر شیعہ صاحب ان سوالوں کا صحیح و تسلّی بخش جواب دیں گے تو ان کی خدمت میں اعلان کردہ انعام مبلغ دس ہزار روپیہ پیش کیا جائے گا۔

چونکہ یہ کتاب جواباً تحریر کی جارہی ہے لہٰذا قارئین سے گذارش ہے کہ اگر وہ بعض مقامات پر تحریر میں جذباتِ ایمانی کا غلبہ محسوس فرمائیں تو اس کو درگذر کریں کیونکہ بحث صفائی کے دوران ایسے مواقع کا پیدا ہو جانا ناگزیر امر ہے۔ البتّہ میں کوشش کروں گا کہ طرزِ نگارش میں رواداری کا لحاظ قائم رکھوں اور کسی بھی فرد کی دل آزاری کا سبب نہ پیدا ہونے دوں لیکن آزادانہ صفائی کو بنظرِ حقارت دیکھنا اور اپنے خلاف ہر بات کو ناگوار

خیال کرنا جہلا کا شیوہ ہوتا ہے ۔ اور جوابِ جاہلاں ہمارے پاس خاموشی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

اگر آپ حق و باطل میں امتیاز کرنا پسند کرتے ہیں تو انشا اللہ یہ کتاب اُفقِ تحقیقات میں روشن ستارہ اور نفی الحقیقت "ذکا الاذہان" ثابت ہو گی ۔

العارض

عبدالکریم مشتاق

اظہارِ تشکر

مجیبِ خاکسار اور ناشرانِ کتاب ہذا عالی جناب خادم حسین صاحب جعفری حویلی کورنگا براستہ عبدالحکیم ضلع ملتان کے بے حد مشکور ہیں کہ انہوں نے کتاب "جلاء الاذہان" مرحمت فرمائی اور ہمیں جوابات لکھنے کا موقعہ فراہم کیا

بحث مسئلہ امامت

ماشاءاللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وآلہ الرحیم اما بعد

ہدیۂ استمداد علویہ پیش کرکے مجموعہ اعتراضات "جلاء الاذہان" کے اعتراض اوّل کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔

اعتراض نمبر ۱:۔ فرمائیے امامت امارت اور خلافت میں مفہوم کے اعتبار سے کیا فرق ہے؟

جواب نمبر ۱:۔ ہمارے نزدیک مسئولہ الفاظ کے مفہوم مندرجہ ذیل ہیں:۔

امامت:۔ دین و دنیا میں پیشوائی کا نام ہے۔ جو دلائل و شرائط اجراء نبوت و ارسال رسل کے ہیں وہی نصب امام کے بھی ہیں یعنی نبی شریعت کا اجراء کرتا ہے اور امام اس کی حفاظت و نگہداشت کرتا ہے۔

امارت:۔ کسی امر میں حکم چلانے کو امارت کہتے ہیں یعنی حاکم بننا نیز یہ لفظ ریاست و اسٹیٹ کے معنیٰ میں بھی استعمال ہو سکتا ہے۔

خلافت:۔ ایک کام میں کسی جگہ ہونا، کسی کے بعد باقی رہنا یا کسی کے بعد آنا یعنی کسی کا جانشین بننا یا ولی عہد ہونا، خلیفہ مقرر ہونا، خلافت کہلواتا ہے۔

اعتراض نمبر ۲:۔ کیا امام بھی پیغمبر کی طرح منصوص ہوتا ہے یا امام کا انتخاب دینی اعتبار سے ممتاز اشخاص کرتے ہیں۔ اگر آئمہ کرام بالنص قرآن منصوص ہوتے ہیں تو اس قسم کی آیت کی نشان دہی فرمائیے جس میں آئمہ کرام کی تعداد اور اشخاص کی تصریح ہو۔

جواب نمبر ۲:۔ امام کا پیغمبر کی مانند منصوص و معصوم ہونا ضروری ہے۔ اور جس طرح امت نبی و رسول کو منتخب نہیں کر سکتی اسی طرح افراد امت کو یہ

اختیار حاصل نہیں ہے کہ اپنی صوابدید کے مطابق کسی کو امام چن لیں۔ چونکہ آئمہ کرام منصوص ہوتے ہیں لہٰذا نصِ قرآن ملاحظہ فرمایئے۔

سورۂ مزمل آیت ۱۵ میں ہے کہ "تحقیق ہم نے تمہاری طرف ایک رسولؐ بھیجا۔ تم پر شاہد جس طرح ہم نے فرعون کی جانب ایک رسول (حضرت موسیٰؑ) بھیجا تھا" محولہ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب رسالت مآبؐ حضرت موسیٰؑ کے مثیل تھے۔ لہٰذا امتِ رسولؐ مقبول کو بھی امتِ موسیٰؑ سے مماثلت حاصل ہے۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ امتِ موسیٰؑ کے اماموں کا تقرّر خود خدا نے کیا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ "ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عطا کی۔ پس آپؐ کو تو شک نہیں ہو سکتا اس میں اور ہم نے کتاب کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت قرار دیا اور ان (بنی اسرائیل) میں ہمارے امر سے ہدایت دینے والے امام ہم نے ہی بنائے جبکہ انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے" (سورہ سجدہ ۲۳،۲۴ پ ۲۱)

اس سے معلوم ہوا کہ امتِ موسیٰؑ میں آئمہ کا تقرّر اللہ نے خود کیا تھا ان آئمہ بنی اسرائیل کی شان بھی معلوم ہو گئی کہ ان کے تمام احکام و ہدایات خدا کی مرضی کے مطابق اسی کے امر سے ہوتے تھے یعنی ان سے غلطی و حکم خدا کی نافرمانی کبھی ہو ہی نہیں سکتی تھی یعنی جس طرح تقرّر آئمہ کا اعلان فرمایا اسی طرح عصمت کا اظہار بھی کر دیا گیا۔ اللہ کی سنّت تبدیل نہیں ہوتی لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ امتِ محمدیہؐ کے آئمہؑ کا تقرّر بھی سنت اللہ کے مطابق منجانب خدا ہی ہونا چاہیئے۔ بصورتِ دیگر امّتِ آخری کی فوقیت برقرار نہ رہے گی۔

اب جبکہ آئمہ کا منصوص ہونا بالنص قرآن ثابت ہو گیا آئمہ کرام کی تعداد کی تصریح ملاحظہ فرمایئے۔

"اور خداوند عالم نے بنی اسرائیل کا عہد و پیمان لیا اور ان میں بارہ نقیب[۱] مقرر کئے

---

[۱] نقیب کے معنی ترازو کی زبان یعنی عدل، قوم کا بڑا آدمی جو قوم کے حقوق و مفادات کی حفاظت کرے سردار۔ لوگوں کے نسبوں سے واقف۔

اور خدا نے (بنی اسرائیل سے) کہا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز کو قائم رکھو اور زکواۃ دیتے رہو۔ اور میرے مقرر کردہ رسولوں پر ایمان رکھو۔ اور خدا کو قرض حسنہ دو تو میں تمہارے گناہوں کو تم سے اتار دوں گا اور تم کو داخل کر دوں گا ان بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں ہوں گی۔ پس جو اس عہد کے بعد منکر ہوا تو وہ راہ سے دور بھٹک گیا" (سورۂ مائدہ ع۱۲)

اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے اس بات کا اعلان فرمایا ہے کہ قوم موسیٰ میں نقباء کی تعداد بارہ تھی۔ اس قوم سے ان کی پیروی کا عہد لیا گیا ہے۔ تائید کی صورت میں جنت کا وعدہ کیا گیا ہے اور کفر و مخالفت پر ہلاکت کا پیغام دیا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ بعد نزول آیۂ مجیدہ یاایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ یعنی اے مومنو! اللہ کی اطاعت کرو، اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اولی الامر کی۔ میں نے پیغمبر خدا سے پوچھا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کو تو پہچان لیا۔ اُن کی اطاعت و فرمانبرداری بھی کی لیکن حضورؐ میں نے "اولی الامر" کو نہیں پہچانا جس کی اطاعت کا حکم دیا جا رہا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا وہ میرے جانشین ہیں وہ میرے بعد تم پر حاکم و متصرّف، نگران و متولی بنائے گئے ہیں۔ ان میں کا پہلا میرا بھائی "علیؑ" ہے۔ اس کے بعد میرا بیٹا "حسنؑ" اور اس کے بعد میرا فرزند "حسینؑ" حسینؑ کے بعد اس ترتیب سے کہ اس کا بیٹا علیؑ بن حسینؑ (امام زین العابدینؑ) پھر محمدؑ بن علیؑ (امام محمد باقرؑ) اے جابرؓ! جب تو میرے اس فرزند کو پائے تو میرا اسلام پہنچا دینا۔ پھر جعفرؑ بن محمدؑ (امام جعفر صادقؑ) پھر موسیٰؑ بن جعفرؑ (امام موسیٰ کاظمؑ) پھر علیؑ بن موسیٰؑ (امام علی رضاؑ) پھر محمدؑ بن علی التقیؑ (امام محمد تقیؑ) پھر علیؑ بن محمد التقیؑ (امام علی نقیؑ) پھر حسنؑ بن علیؑ (امام حسن عسکریؑ) پھر م، ح، م، د بن حسنؑ المھدی (امام آخر الزمانؑ) میرا یہ فرزند آخری زمانہ میں زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح پُر کر دے گا،

جس طرح ظلم وجور سے پر ہوچکی ہوگی۔ (ینابیع المودۃ علامہ سلیمان قندوزی ص۲۶۹، شواہد النبوۃ ص۱۹۵)

منقولہ بالا روایت سے اشخاص کی تصریح بالترتیب ہوجاتی ہے۔ لہذا امام کا معصوم و منصوص ہونا اور آئمہ کرام کی تعداد ۱۲ اور حقیقی آئمہ اثنا عشر کے نام قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔

اعتراض ۳:۔ نیز نہج البلاغہ ص ۸ ج کی اس عبارت کا کیا جواب ہے۔

انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابوبکر و عمر و عثمان علی ما بایعوھم علیہ فلم لکن للشاھد ان یختار ولا للغائب ان یرد انما الشوریٰ للمھاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل و سموہ اماما کان اللہ رضی۔

بلاشبہ میری بیعت ان لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ابوبکر و عمر و عثمان کے ہاتھ پر کی تھی بالکل انہیں شرائط پر جن شرائط پر ان سے بیعت ہوئی۔ پس موجود رہنے والے حضرات کو اختیار کا حق نہیں اور غائب کو رد کرنے کا بلاشبہ مشورہ مہاجرین وانسار کا حق ہے۔ پس اگر وہ کسی شخصیت پر متفق ہوکر اسے امام نامزد کرلیں تو اس میں اللہ کی رضا ہوتی ہے۔

جبکہ امام عالی مقام نے واضح کردیا ہے کہ مہاجرین وانصار کے مشورے سے ہی امامت کا انعقاد ہوتا ہے۔

جواب ۳:۔ یہ اعتراض قریشی صاحب نے "جلاء الافہام" میں بھی کیا ہے اور ہم نے اس کا تفصیلی جواب اپنی کتاب ذکا الافہام بجواب جلاء الافہام (سو سنار کی ایک لوہار کی) میں اعتراض ۲۷ کے تحت لکھ دیا ہے۔ تاہم

اسی کا اعادہ کیا جاتا ہے کہ دلیل ہمیشہ مسلماتِ خصم سے پیش کی جاتی ہے اس لئے معاویہ کے خلاف حضرت امیرؑ نے گذشتہ حکومتوں کے حالات کو دلیل بنا کر حجت قائم فرمائی۔ آپؑ نے معاویہ کو کہا کہ جس طرح تم لوگوں نے خلفائے ثلاثہ کو امام مانا کہ مہاجرین و انصار نے ان کی تائید کی اسی طرح مجھے بھی اُن ہی لوگوں نے تسلیم کیا ہے لہٰذا حسب دستور سابقہ اور اپنے عقیدہ کے مطابق تم بھی میری اطاعت قبول کر لو۔ یہ ایسی دلیل تھی جس سے انکار نہ ہو سکتا تھا۔ اور حضرتؑ نے مخالف ہی کے مسلمات سے استدلال کر کے اپنا موقف ثابت کیا۔ نہ کہ آپ نے اصول شوریٰ کو درست تسلیم فرمایا۔ بلکہ حضرت امیرؑ نے معاویہ کے عقیدے کو بھی بیان کر دیا کہ اس نے اور دیگر لوگوں نے اجماعی خلافت کو رضائے الٰہی سمجھ کر قبول کیا تھا۔

اعتراض ۴ :۔ جب حیدر کرارؑ نے یہ تصریح کر دی ہے کہ امام کو منتخب کیا جاتا ہے تو فرمایئے آپ لوگ امامتِ منصوصہ کا اعلان کیوں کرتے پھرتے ہیں ؟

جواب ۴ :۔ مذکورہ بالا بات صرف عقیدۂ معاویہ کے مطابق اس کے اپنے ہی اصول پر حجت قائم کرتی ہے۔ حضرت امیر المومنینؑ خلافت و امامت کو اپنا حق سمجھتے رہے اور انہوں نے کبھی اجماع و شوریٰ وغیرہ کو درست خیال نہ فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپؑ کی بیعت ہوئی تو آپ نے اپنے پہلے خطبہ میں فرمایا کہ " اللہ کا شکر ہے اس کے اس احسان پر کہ حق اپنی جگہ پر لوٹ آیا۔" بتایئے اگر انتخاب امام کا حق اُمت کو حاصل تھا تو پھر جناب امیرؑ نے ایسا ارشاد کیوں فرمایا ؟ لہٰذا جناب حیدر کرارؑ نے یہ تصریح قطعاً نہیں فرمائی ہے کہ امام منتخب کیا جاتا ہے۔ مگر صرف اتمام حجت کی خاطر معاویہ کے خلاف اس کے مذہب کے مطابق دلیل بیان کی ہے۔ حالانکہ

ہم نے سوال نمبر ۲ کے جواب میں از روئے قرآن ثابت کر دیا ہے کہ امام کا تقرر خداوند عظیم کرتا ہے۔ لہٰذا امامتِ منصوصہ کا اعلان ہم اس لئے کرتے پھرتے ہیں کہ یہ اعلان خدائے تعالیٰ نے اپنی کتاب المبین میں کیا ہے۔

اعتراض نمبر ۵:۔ حضرت امام عالی مقام نے یہ بھی فرما دیا ہے کہ منتخب خلیفے میں خدا تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے۔ تو آپ ان خلفاء پر ناراض کیوں ہیں؟

جواب نمبر ۵:۔ یہ اعتراض بھی "جلاء الافہام" میں تھا۔ اور ہم نے اعتراض نمبر ۴ کے ذیل میں اس کا جواب "ذکار الافہام" میں لکھ دیا ہے۔ جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے معاویہ کے عقیدے کو بیان کیا ہے کہ اس نے اجماعی خلافت کو رضائے الٰہی سمجھ کر قبول کر لیا تھا لہٰذا اب اسے کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیئے۔ کہ لوگوں نے اجماعی طور پر حضرت کو خلیفہ مان لیا تو تم کیسے میری خلافت کے باغی ہوتے ہو۔ رضائے الٰہی سمجھ کر کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ چونکہ معاویہ اور اس کے ساتھیوں کا مذہب یہ تھا کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے حکم و رضا سے ہوتا ہے۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ فریق مخالف کو اس ہی کے عقائد و مسلمات سے قائل کرنا یہ کبھی دلیل نہیں ٹھہرا کرتا کہ دلیل پیش کر کے قائل کرنے والا بذاتِ خود بھی اس مسئلہ سے اتفاق رکھتا ہے۔ لہٰذا امام معصوم کا یہ ارشاد معاویہ اور اس کے متبعین کے لئے تو حجت ٹھہر سکتا ہے لیکن "امام" کی ذاتی رائے نہیں ہو سکتا۔ چونکہ اجماعی منتخب خلفاء منصوص و معصوم نہیں تھے لہٰذا ہم ان سے مناہمت نہیں رکھتے کیونکہ . . . .

اعتراض نمبر ۶:۔ اگر امامت آئمہ کرام کے لئے دربارِ خداوندی سے منصوص ہوتی ہے تو یہ ایک صفت ہے جس طرح نبوّت کسی نبی سے غصب نہیں کی جا سکتی۔ فرمائیے امامت کس طرح غصب ہو

سکتی ہے ؟

جواب ۶ :۔ کسی جھوٹے خدا کا خدائی کا دعویٰ کرنا، کسی کاذب کا دعویٰ نبوت کر دینا عین ممکن اور ثابت ہے۔ جس طرح اِن دعووں سے خدائی و نبوت غصب نہیں ہوتی اسی طرح جھوٹے امام کے دعوے سے امام حقیقی کی امامت غصب نہیں ہو سکتی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ کسی بھی شخص نے کسی امام معصوم کی امامت غصب کر لی بلکہ ہماری شکایت یہ ہے کہ لوگوں نے ایسے افراد کو امام تسلیم کر لیا یا ایسے لوگ خود امام بن بیٹھے جو درحقیقت امام منصوص و معصوم نہ تھے۔

اعتراض ۷ :۔ جب امامت غصب نہیں ہو سکتی تو فرمایئے وہ کون سی چیز تھی جسے (جو) خلفاء ثلثہ نے ان سے غصب کر لی ؟

جواب ۷ :۔ امامت عہدۂ خداوندی ہے جسے چھینا نہیں جا سکتا۔ امام عادل و برحق کی موجودگی میں حکومت کا حق اسی کو حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا چونکہ جناب امیر علیہ السلام معصوم و منصوص امام ہیں لہٰذا حکومت کا حق اُن کو تھا لیکن حضرات ثلثہ نے ان کا یہ حق غصب کر لیا اور حکومت پر فائز ہو گئے۔ لہٰذا شئے مغصوبہ حکومت دنیوی قرار پائی۔

اعتراض ۸ :۔ جب امامت منصوص ہوئی تو مغصوب نہ ہوئی۔ تو خلفاء ثلثہ پر غصب کا الزام لگانا خلاف عقل و نقل نہیں۔

جواب ۸ :۔ بلاشبہ منصوص امامت ناقابلِ غصب ہے۔ خلفاء ثلثہ پر غصب کا الزام منصوص امام کے حقوق کو پامال کرنے کی بنا پر لگانا عقل و نقل سے پوری طرح ثابت ہے۔ اور یہ سارے اثبات کتب اہلسنت میں موجود ہیں۔

اعتراض ۹ :۔ کیا منصوص خلیفہ بھی کسی غیر منصوص خلیفے کے ہاتھ پر بیعت کر سکتا ہے ؟

جواب ۹ :۔ نہیں۔

اعتراض نمبر ١٠ :- اگر بیعت نہیں کر سکتا تو احتجاج طبرسی ص ۵۳
کی اس عبارت کا کیا جواب ہے۔

ثم تناول ید ابی بکر فبایعہ' - اس کے بعد حضرت علیؑ
نے ابوبکر کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کی۔

جواب نمبر ١٠ :- یہ سوال بھی "جلاء الافہام" میں پوچھا جا چکا ہے اور ہم
نے اعتراض نمبر ٢٧ کے جواب میں "ذکاء الافہام" میں لکھا ہے کہ علمائے امامیہ
نے مذکورہ روایت کو درست تسلیم نہیں کیا ہے۔ بحث میں مسلمات لائے جاتے
ہیں نہ کہ مردود اقوال۔ اگر اس قول کو صحیح مانا گیا ہوتا تو پھر شیعہ سنی اختلاف
ہی ختم ہو جاتا۔

اعتراض نمبر ١١ :- اگر انہوں نے بطور تقیہ بیعت کی تو فرمائیے کیا
حضور علیہ السلام نے اس طرح عمل کیا ؟

جواب نمبر ١١ :- اولاً تو حضرت امیرؑ کا بیعت نہ کرنا مکمل طور پر ثابت ہے
لیکن اگر بالفرض محال یہ مان لیا جائے کہ انہوں نے تشدد اور دباؤ کے تحت بیعت
کر لی یا کسی اور مصلحت کی بنا پر ایسا کر لیا تو بھی یہ عمل خلافِ سنتِ رسولؐ
نہیں ہو گا۔

اعتراض نمبر ١٢ :- اگر نہیں کیا تو کیا امام خلافِ پیغمبر کوئی عمل
کر سکتا ہے ؟

جواب نمبر ١٢ :- امام پیغمبر کے خلاف کوئی عمل نہیں کرتا کیونکہ وہ
محافظِ سنت ہوتا ہے۔ لیکن مسئولہ عمل قطعاً عملِ رسولؐ کے خلاف نہیں
ہے۔ کیونکہ کتب صحاح اہلسنت میں کافی احادیث ملتی ہیں جن سے ثابت
ہوتا ہے کہ ظالم حاکموں کی اطاعت قبول کر لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے
مثلاً مسلم شریف میں ہے کہ سلمہ جعفی نے رسول اللہ کی خدمت میں سوال
کیا کہ یا حضرتؐ کیا حکم ہے آپ کا اگر ایسا شخص حاکم بن بیٹھے جو اپنے حقوق

تو ہم سے وصول کرے لیکن ہمارے حقوق ہمیں نہ دے۔ سرورِ کائنات ؐ نے فرمایا کہ ان کی بات سنو، ان کی اطاعت کرو کیونکہ وہ اپنے فرائض کے جوابدہ ہیں اور تم اپنے فرائض کے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۲۰) پس سنی روایت کے مطابق الزام بیعت کی صورت میں بھی مذہب شیعہ محفوظ و مستور رہتا ہے۔ حالانکہ حضرت علی ؑ نے قطعاً بیعت نہیں کی ہے۔

اعتراض ۱۳:۔ اگر حضرت علی مرتضیٰ ؓ نے تقیہ پر عمل کر کے ناحق خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو سیّدنا حسین ؑ نے اپنے باپ اور بھائی سیّدنا حسن ؓ کے خلاف کیوں کیا؟

جواب ۱۳:۔ حضرت امیرالمومنین ؑ نے کسی ناحق خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ہے البتہ آپ نے اپنا حق تلوار سے طلب نہیں فرمایا ہے۔ اسی طرح امام حسن علیہ السلام نے کسی بھی ناحق خلیفہ کی بیعت نہیں کی بلکہ مفادِ اُمّت کے پیشِ نظر چند شرائط عائد کر کے معاویہ کو حکومت کرنے کا موقعہ فراہم کیا تھا۔ اگر اس صلح کو بیعت سمجھا جائے تو جہالت ہو گی کیونکہ صلحنامہ کے شرائط از خود ثابت کرتے ہیں کہ معاویہ خلیفہ برحق نہیں تھا۔ باقی رہ گئی بات امام حسین علیہ السلام کی کہ انہوں نے خاموشی اختیار کرنے کی بجائے جہاد کیوں فرمایا تو یہ مسئلہ بھی ہم آپ کے امام مسلم ہی سے حل کروا دیتے ہیں کہ انہوں نے اپنی صحیح میں روایت نقل کی ہے کہ راوی اس کی اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ کہ حضور ؐ نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب تم پر چند فرمانروا مسلط ہوں گے جو برائیوں کا ارتکاب کریں گے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ ہم ان سے برسرپیکار ہوں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں تب تک نہیں۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۲۲) پس چونکہ یزید ملعون علانیہ فاسق و فاجر تھا منہیات شرعیہ کو رواج دے رہا تھا۔ لہٰذا امام ؑ برحق کے لئے ضروری ہوا کہ اس کے خلاف بمطابق سنّت رسول ؐ جہاد فرمائیں۔ نیز یہ کہ امام حسین علیہ السلام نے کبھی

اتمام حجت کی خاطر کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ فرمایا کہ جنگی حالات پیدا نہ ہوں مگر تاریخ گواہ ہے کہ یزیدی انتظامیہ نے امن و امان کی تمام راہیں مسدود کر دیں اور امامؑ عالی مقام کے لئے جہاد کربلا کے سوا کوئی راستہ نہ چھوڑا۔ لہٰذا چونکہ امام حسین علیہ السلام کے معاملہ درپیش کی نوعیت ہی جداگانہ ہے لہٰذا اس کا تقابل ان کے والد گرامی قدر اور برادرِ صدر سے نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اعتراض ۱۴:۔ نیز ان حضرات میں سے کون حق پر تھا؟

جواب ۱۴:۔ تمام آئمہؑ برحق احق بجانب تھے۔

اعتراض ۱۵:۔ امام کیوں منتخب کیے گئے۔ اس کی علتِ غائی کیا ہے۔؟

جواب ۱۵:۔ اس کا جواب خداوند کریم نے قرآن حکیم میں یوں دیا ہے "ان میں ہمارے امر سے ہدایت دینے والے امام ہم نے ہی بنائے" (سورہ سجدہ ۲۴ پ ۲۱) یعنی امام امر الٰہی سے ہدایت دیتا ہے۔ یہی اس کی علتِ غائی ہے۔

اعتراض ۱۶:۔ امام کیوں منتخب کیے گئے اس کی علت غائی کیا ہے۔

جواب ۱۶:۔ اس کا جواب خداوند کریم نے قرآن حکیم میں یوں دیا ہے "اُن میں ہمارے امر سے ہدایت دینے والے امام ہم نے ہی بنائے" (سورہ سجدہ ۲۴ پ ۲۱) یعنی امام امر الٰہی سے ہدایت دیتا ہے۔ یہی اس کی علتِ غائی ہے۔

اعتراض ۱۷:۔ اگر خدا تعالیٰ نے ان کو اس لئے منتخب فرمایا ہے کہ لوگوں کے ایمان کا تحفظ فرما سکیں تو فرمایئے امام حسن عسکریؑ سے لے کر آج تک جب کہ تمہارے مذہب کے مطابق امام مہدی غار میں غائب ہیں تو آپ لوگوں کی رہنمائی کون کر رہا ہے؟

جواب ۱۷ :- امام زمانہ حضرت امام مہدی علیہ السلام آج بھی منصب ہدایت پر جلوہ افروز ہیں اور مکمل رہنمائی پردہ غیبت میں فرما رہے ہیں۔ واضح ہو کہ ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ وہ کسی غار میں چھپے بیٹھے ہیں بلکہ ہمارا ایمان ہے وہ بندولبست قدرت کے مطابق اپنے فرائض منصبی خوش اسلوبی سے ادا فرما رہے ہیں۔ مگر مشیت ایزدی ہے کہ ہماری ظاہر بین نگاہوں کو اُن تک رسائی نہیں ہو سکی۔ حالانکہ کتب مستند سے قومی شواہد کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بعض حضرات نے شرفِ ملاقات و زیارت کی سعادت حاصل کی ہے۔

اعتراض ۱۸ :- اگر اس وقت بحیثیت امام دنیا میں کوئی موجود نہیں تو اعلائے کلمۃ الحق کی ذمہ داری کن پر عائد ہوتی ہے۔ معصومین پر یا غیر معصومین پر۔ اگر معصومین پر عائد ہوتی ہے تو وہ غائب ہیں اور اگر غیر معصومین پر تو خلفاء پر اعتراض کیسا؟

جواب ۱۸ :- بفضلِ خدا ہمارے امام دنیا میں موجود ہیں کیونکہ حدیثِ رسولِ مقبولؐ ہے کہ زمین کبھی حجتِ خدا سے خالی نہ ہوگی لہٰذا سلسلہ ہدایت جاری ہے اور یہ منصب صرف معصوم کے لئے مخصوص ہے۔ جس طرح خداوند عالم غائب ہوتے ہوئے بھی نظامِ خداوندی چلاتا ہے اسی طرح اس کا مقرر کردہ ہادی معصوم لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتے ہوئے بھی اپنے فرائض بجا لاتا ہے۔ ہدایت دینے کی ذمہ داری کسی غیر معصوم پر عائد نہیں کی جا سکتی۔ اس کی مکمل تشریح میں نے اپنی کتاب "صرف ایک راستہ" کے تمہیدی بیان میں ہدیہ ناظرین کر دی ہے۔ اور غیر معصوم ہادی کے نقائص کو مدلل بیان کیا ہے۔ اُن خامیوں کی روشنی میں غیر معصوم خلیفوں پر اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ خلفاء غیر منصوص تھے لہٰذا دین کے شرعی احکام میں اُن کے نام نہاد اجتہاد کی وجہ سے کافی تغیر و تبدّل ملتا ہے جس کا اجمالی سا خاکہ ہم نے اپنی کتاب "فروعِ دین" میں پیش کیا ہے۔ ملاحظہ فرمایا جا سکتا ہے۔

اعتراض ۱۹ :۔ سنا ہے کہ آپ حضرات اثباتِ امامت کیلئے انی جاعلک للناس اماما سے دلیل قائم کیا کرتے تھے۔ اگر واقعی یہ آیت امامتِ ابراہیمی کے لئے مثبت ہے تو فرمائیے کہ آپ آئمہ کی تعداد بارہ ۱۲ حضرات میں کیوں بند کرتے ہیں۔ کیا اس لحاظ سے آپ کے امام تیرہ ۱۳ نہ ہوئے ؟

جواب ۱۹ :۔ ہم اب بھی عقیدۂ امامت میں یہ آیت پیش کرتے ہیں اور حضرت ابراہیم کو "امام الناس" تسلیم کرتے ہیں کہ لیکن تیرھواں امام اس لئے نہیں مانتے کہ آئمہ اثنا عشر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نائب ہیں۔ اور حضرت ابراہیمؑ کو ان آئمہ میں شمار نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارے آئمہ اثنا عشر جناب خلیل اللہ علیہ السلام کے بھی امام ہیں کیونکہ آپ جناب بھی محمدؐ کے امتی ہیں۔

اعتراض ۲۰ :۔ فرمائیے یہ امامت جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے اور وہ امامت جس کا تصور آپ کے ذہن میں موجود ہے ایک ہے یا مختلف ؟

جواب ۲۰ :۔ مفہوم کے لحاظ سے ضرور فرق ہے۔ جس طرح نبوتِ محمدیہ اور نبوتِ خلیلیہ میں فرق ہے اسی طرح امامتِ ابراہیمیؑ اور امامتِ اثناء عشریہ میں فرق ہے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی امامت انسانوں تک محدود ہے جبکہ آئمہ اہلبیت رسول العالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نیابت کے عہدہ پر فائز ہیں۔

اعتراض ۲۱ :۔ اگر ایک چیز ہے تو کیا آپ اس امامت کے قائل نہیں جو روزِ اول سے ہوتی ہے اور یہ امامت وہی نہیں جو ابراہیم علیہ السلام کو اب عطا ہو رہی ہے تو پھر دعویٰ وحدت کہاں گیا ؟

جواب ۲۱ :۔ کچھ اقدارِ مشترکہ کی بنا پر یہ امامت وہی ہو سکتی ہے

جو ابراہیمؑ کو عطا ہوئی لہٰذا دعویٰ وحدت برقرار رہتا ہے۔ مثلاً یہ کہ امام کا تقرر خود خدا کرتا ہے۔ امام معصوم ہوتا ہے۔ یہ عہد ظالم یعنی مشرک و فاسق کو نہیں پہنچتا ہے۔

اعتراض ۲۲:۔ نیز یہ امامت تو امتحان کی کامیابی کے بدلے میں مل رہی ہے اور جو امامت اس طریقہ سے حاصل ہو اسے کسبی کہا جاتا ہے حالانکہ جو امامت آپ مانتے ہیں وہ وہبی ہے جواب درکار ہے۔

جواب ۲۲:۔ ہمارے عقیدے کے مطابق امام پیدائشی امام ہوتا ہے۔ لیکن فطری اصول کے مطابق قدرت اتمام حجت کی خاطر امتحان لیتی ہے جس میں امام کامیاب ہوتا ہے اور اس امتحان کا مقصود علاوہ دیگر باتوں کے ایک یہ بھی ہوتا ہے کہ شرطِ امامت سے آگاہی ہو جائے کہ کسی بھی میدانِ آزمائش میں ناکام رہ جانے والا شخص دعویٰ امامت نہیں کر سکتا۔ پس جو بھی نام نہاد خلیفہ مسائل میں لاجواب رہ جائے اور کسی دوسرے سے ہدایت لینے کا محتاج ہو ہرگز حقدارِ امامت نہیں ہے۔ اسی لئے خطیب سلونی نے اعلان فرمایا کہ "جو مرضی آئے پوچھو کہ علیؑ زمین کی نسبت آسمانی راہوں سے زیادہ واقف ہے۔"

علمِ امام کو کسی علم سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ کسی دنیوی مکتب یا عام بشر سے تعلیم حاصل نہیں کرتا بلکہ اس کا کسبِ علم براہ راست علم سرمدی سے مربوط ہوتا ہے۔ ایسے علم کو علم وہبی کہا جاتا ہے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی امامت کو کسبی کہا نہیں جا سکتا ورنہ وہ طریقہ کسب بیان کر دیا جاتے؟ واضح ہو کہ قریشی صاحب کے نزدیک اس امامت سے مراد نبوت ہی ہے اور فیصلہ جمہور یہ ہے کہ کسب و جدوجہد سے نبوت حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ پس بمطابق شیعہ امامت اور بقول اہل سنت نبوت اگر وہبی نہ مانی جائے تو قریشی صاحب کو انکارِ نبوت کرنا ہوگا اور تسلیم کرنا پڑے گا کہ کسب ذاتی سے نبی یا رسول بن جانا ممکن ہے۔ جب کہ اہلِ اسلام کے نزدیک یہ امر محال ہے۔ اس لئے اتفاق کرنا پڑے گا کہ وہ امامت خلیلی کسبی نہیں بلکہ وہبی

تھی۔ اور انعقاد امتحان شناختِ معیار و تعلیم شرط کی غرض سے ہوا۔

اعتراض ۲۳:۔ جس طرح جَاعِلُ کا صیغہ اس آیت میں موجود ہے اسی طرح واجعلنا للمتقین میں بھی موجود ہے۔ فرمایئے اگر "جاعل" سے مزعومہ امامت مراد ہے تو "واجعلنا" سے ویسی مرادِ کیوں نہیں لی جا سکتی۔

جواب ۲۳:۔ ایسی مراد لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے جبکہ ہمارے نزدیک کوئی اعتراض نہیں ہے تو معلوم نہیں قریشی صاحب نے کیوں سوال کیا۔

اعتراض ۲۴:۔ اگر امامت بارہ اماموں میں بند ہے، تو واجعلنا للمتقین اماما کا کیا جواب ہے جبکہ اس میں سب مسلمانوں کو امامت کی درخواست کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

جواب ۲۴:۔ قرآن مجید کے منقولہ الفاظ سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہے کہ سب مسلمانوں کو امامت کی درخواست کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آیت موصوفہ اس طرح ہے۔ "وَالذین یقولونَ ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا قرة اعین واجعلنا للمتقین اماما" یعنی اور وہ لوگ جو (ہم سے) عرض کرتے ہیں کہ پروردگار ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہم کو متقین کا امام بنا۔" (الفرقان ۷۴) آیت سے چند مخصوص ہستیوں کی دعاگوئی کی تصدیق ہو رہی ہے نہ کہ حکم دیا جا رہا ہے کہ تمام مسلمان امام بننے کی دعا کریں۔ چونکہ حکم کا ہونا ہی ثابت نہیں ہے لہذا اعتراض بے بنیاد ہے مگر یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ اس کے مخاطب و مراد حضراتِ اہلبیتؑ ہیں جیسا کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ "اس سے مراد ہم اہلبیت ہیں۔" (تفسیر قمی) نیز کتب اہلسنت سے ثابت ہے کہ یہ آیت اہل بیتؑ کی شان میں ہے۔ جیسا کہ دیلمی نے لکھا کہ جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرورِ عالمؐ نے فرمایا ہے کہ پروردگار نے مجھ کو علیؑ کی نسبت وحی بھیجی ہے کہ وہ امام المتقین ہے۔ (ارجح المطالب ص۲۰)

اعتراض ۲۵ :- اگر امام المتقین کا لقب سیدنا علی رضؓ سے مختص ہے تو پھر اس آیت میں عام مسلمانوں کو درخواست کی تلقین کا کیا معنیٰ۔

جواب ۲۵ :- عام مسلمانوں کو درخواست کی تلقین قطعاً ثابت نہیں ہے۔ اور لقب امام المتقین حضرت علی علیہ السلام کے لئے مخصوص ہے جس کا ثبوت کتب سُنیہ میں موجود ہے۔ مثلاً عبداللہ بن سعد بن زرارہ سے روایت ہے کہ حضورؐ فرماتے تھے شب معراج جب ہم اپنے پروردگار کے پاس پہنچے تو خدا نے مجھے علی کے تین القاب القا فرمائے کہ وہ سید المسلمین، امام المتقین اور قائد الغر المحجلین۔ (ارجح المطالب بحوالہ مستدرک حاکم، حلیہ ابو نعیم، مناقب ابن مردودیہ و ابن قانع صفحہ ۲)

پس چونکہ یہ لقب خود حضورؐ نے بحکم خدا حضرت امیرؑ کو عطا فرمایا اور کسی دوسرے شخص کو یہ لقب آنحضرتؐ نے نہیں بخشا لہٰذا مختص ہے۔ امام المتقین، امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے۔

اعتراض ۲۶ :- اور اگر یہ لقب مختص نہیں تو اذان میں بالتخصیص ذکر کرنے کی وجہ کیا ہے؟

جواب ۲۶ :- عرض کر دیا ہے کہ یہ لقب مخصوص ہے حضرت امیر علیہ السلام کے لئے لہٰذا اس تخصیص کے لئے اذان میں ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ یہ لقب بارگاہ رسالتؐ سے کسی دوسرے شخص کو نصیب نہ ہوا۔

اعتراض ۲۷ :- اذان میں جب بارہ اماموں کی امامت آپ کے نزدیک منصوص ہے تو سب کے اسماء گرامی ذکر کیوں نہیں کئے جاتے۔

جواب ۲۷ :- ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کی نبوت منصوص ہے لیکن اذان میں صرف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کی گواہی دی جاتی ہے۔ جو وجہ اس دیگر انبیاءؑ کے اسماء گرامی کے ذکر نہ کرنے کی ہے وہی وجہ دیگر آئمہ کے نام نہ لینے کی ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ حضورؐ سید المرسلین ہیں لہٰذا صرف آپ کا ذکر پورے سلسلۂ رسالت کی شہادت کے لیئے کافی ہے۔ اسی طرح حضرت علی علیہ السّلام سیّد الآئمہ ہیں۔ لہٰذا آپ کا ذکر پورے سلسلۂ امامت اثناعشر کیلیئے محیط ہے۔

اعتراض ۲۸ :۔ کیا آپ کسی برحق امام سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ انہوں نے اذان میں اس اہمیت کے ساتھ ولایت علی کا ذکر کیا ہو۔

جواب ۲۸ :۔ جی ہاں۔ ملاحظہ فرمائیں کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ جب بھی لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کہو تو ولایت علیؑ کا اقرار بھی کرو۔ (بحار الانوار جلد ۱۸ صفحہ ۱۶۴، احتجاج طبرسی صفحہ ۸۴، رسالہ اذانیہ صفحہ ۵ وغیرہ)

اعتراض ۲۹ :۔ کیا آئمہ کرام کا مسلک منصوصیت امامت کے متعلق یہی تھا کہ سب کے سب امام منصوص بنص القرآن ہیں ؟

جواب ۲۹ :۔ جی ہاں۔

اعتراض ۳۰ :۔ اگر امامت ابراہیمی اور امامت آئمہ کرام ایک نہیں تو پھر استدلال کیسا ؟

جواب ۳۰ :۔ تقویت دلیل کے لیئے۔

اعتراض ۳۱ :۔ پیش کردہ آیت میں وارد ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ کیا میری اولاد میں سے بھی امام بنیں گے تو دربار ربوبیت سے جواب ملا یہ میرا وعدہ ظالموں سے نہیں یعنی ظالم امام نہ بن سکیں گے۔ تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بارہ اماموں کے علاوہ ان کی اولاد آپ کے نزدیک درجہ امامت پر فائز ہے یا نہ۔ اگر فائز ہے تو بارہ اماموں میں حصر کی وجہ کیا ہے ؟

جواب ۳۱ :۔ آئمہ اثناعشر علیہم السلام کے علاوہ اولادِ ابراہیمؑ میں سے اُمتِ مسلمہ میں بعد از نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی دوسرا شخص امام

معصوم و منصوص نہیں ہے۔ آئمہ برحق کے لئے حصر کی ظاہری وجہ یہ بھی ہے کہ شرطِ امامت سے آگاہی ہوجائے کہ کوئی ظالم فرد امام نہیں ہوسکتا ہے۔ اور یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا کرے۔

اعتراض نمبر ۳۲:۔ اگر وہ وصفِ امامت سے متصف نہیں تھے تو فرمایئے کہ انہوں نے کون سے ظلم کا ارتکاب کیا۔

جواب نمبر ۳۲:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے دو سلسلے مشہور ہیں۔ حضرت اسحاق کی اولاد اور حضرت اسمٰعیل ؑ کی اولاد۔ آپ کی ساری اولاد نہ ہی امام ہوئی اور نہ ہی صالح و نیکوکار مثلاً یہ کی بنی اسرائیل کے اولادِ ابراہیمؑ ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے اور جناب یعقوبؑ کے فرزندوں کی داستان مشہور ہے اور قصۂ یوسفؑ میں ان کے بھائیوں کا ظلم کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت اسمٰعیلؑ سے جو سلسلہ اولادِ ابراہیمؑ جاری ہوا اُن میں بھی ظالم لوگ گذرے ہیں مثلاً ہم حضورؐ کے حقیقی چچا ابولہب کی مثالِ ظلم پیش کرتے ہیں حالانکہ ابولہب کے اولادِ ابراہیمؑ ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اعتراض نمبر ۳۳:۔ فرمایئے اس رتبۂ امامت کو آپ رتبۂ نبوت کا عین سمجھتے ہیں یا غیر۔ اگر عین سمجھتے ہیں تو جاعلک کا مفہوم کیا ہے؟

جواب نمبر ۳۳:۔ رتبۂ امامت و رتبۂ نبوت میں فرق ہے۔ جبکہ دونوں بارگاہِ خداوندی سے عطا ہوتے ہیں۔ ہم پہلے سوال کے جواب میں وضاحت کرچکے ہیں کہ نبی شریعت کا اجراء کرتا ہے اور امام اس کی نگہداشت کرتا ہے۔ نبی صاحب نبوت ہوتے ہوئے بھی امام ہوسکتا ہے لیکن چونکہ تکمیل شریعت کے بعد کسی نبی کا آنا ممکن نہیں ہے لہٰذا دینِ اکمل و جامع کے محافظ کو امام کہا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۳۴:۔ اگر غیر ہے تو پھر ابراہیم علیہ السلام میں آپ ایسی دو صفتوں کا اجتماع تسلیم کرتے ہیں جن کو حضور علیہ السلام

ہیں تسلیم نہیں کرتے۔

جواب ۳۴:۔ ہم حضورؐ کو امام الانبیاء تسلیم کرتے ہیں اور آپؐ کی امامت و رسالت و نبوت سے کسی کو انکار نہیں ہے۔

اعتراض ۳۵:۔ اگر دونوں صفتوں سے حضور علیہ السلام موصوف ہیں تو وصفِ امامت کی تصریح قرآن پاک سے ثابت کیجیے۔

جواب ۳۵:۔ تلاوت فرمایئے سورہ آلِ عمران ۶۸:۔

"ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ وھذا النبی و الذین اٰمنو واللہ ولی المومنین"

یعنی بے شک حضرت ابراہیمؑ کے والی وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کا اتباع کیا اور یہ نبی (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور صاحبانِ ایمان اور اللہ مومنین کا ولی ہے۔

خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ ذریت ابراہیمؑ سے ان کی وراثت نبوت و امامت کے لئے سزاوارترین وہ ہیں جو کہ ان کے مطیع ہیں اور حضورؐ ختم المرسلین اولی ہیں اور وہ اولے ہیں جو کہ ایمان دار ہیں اور خدا ولی مومنین ہے۔ یعنی اولی الناس کہ حاکم، سردار، پیشوا، امام بعد خدا حضورؐ اور آپؐ کے بعد تابع فرمان علی ہیں۔

اعتراض ۳۶:۔ اگر تصریح دکھانے سے آپ عاجز ہیں تو ابراہیم علیہ السلام کا رتبہ افضل الانبیاءؐ سے زیادہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ فرمایئے کیا جواب ہے۔

جواب ۳۶:۔ ہم نے عاجز رہنے والے لوگوں کو امام ہی نہیں مانا۔ تصریح دکھا دی ہے۔ جواب حاضر ہے۔ غور فرمایئے۔

اعتراض ۳۷:۔ فرمایئے جس امامت کی بشارت خالق کائنات نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو دی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اسی امامت کے متعلق اپنی اولاد کے استحقاق کے سلسلے میں سوال کیا یا کسی اور امامت کے سلسلے میں۔

جواب نمبر ۳۷ :۔ اسی امامت کے مکمل سلسلہ کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے بارگاہِ خداوندی میں سوال کیا۔

اعتراض نمبر ۳۸ :۔ اگر وہی امامت ان کی مراد تھی تو کیا ابراہیمؑ کے نزدیک ان کی پوری ذریت مستحقِ امامت نہ ٹھہری اور ابراہیم علیہ السلام کے نزدیک امامت کا حصر معین افراد میں غلط نہ ٹھہرا۔

جواب نمبر ۳۸ :۔ حضرت ابراہیم نے جس امامت کی دعا فرمائی اس میں پوری ذریت شامل نہ تھی کیونکہ سرداری و پیشوائی سب کے لئے نہیں ہو سکتی تھی بلکہ یہ دعا عمومی الفاظ میں مخصوص تھی اور خود خدا نے عہد کیا کہ یہ منصب کسی ظالم کے لئے نہ ہوگا۔ جب خدا نے دعا قبول کر لی اور عہد فرمایا کہ یہ عہدہ تیری ہی اولاد کے عادل افراد کو ملے گا تو پھر اس حصر سے ابراہیمؑ کا ناخوش ہونا یا اسے غلط سمجھنا قریشی صاحب کی غلط سوچ ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ تمام ذریت کے لئے تمنا نہیں کی بلکہ "ومن ذریتی" عرض کیا ہے۔

اعتراض نمبر ۳۹ :۔ اگر خدانخواستہ دوسرے قسم کی امامت مراد تھی تو کیا ابراہیم علیہ السلام خداوندی حکم کے سمجھنے سے قاصر نہ رہے۔ تشریح درکار ہے۔

جواب نمبر ۳۹ :۔ امامت منصوص ہی مراد تھی لہٰذا درکار تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۴۰ :۔ امامتِ مطلق اور مطلق امامت کے درمیان مفہوم کی حیثیت سے کیا فرق ہے۔

جواب نمبر ۴۰ :۔ ہمارے ہاں ان اصطلاحوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جبکہ ہم صرف منصوص امامت پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ چونکہ یہ تقسیم آپ کے ہاں ہے لہٰذا مفہوم کا فرق دیکھنے کے لئے اپنے امام جناب شاہ محمد اسمٰعیل شہید بریلوی کی کتاب "منصب امامت" کا دوبارہ مطالعہ فرمالیں جہاں سے آپ نے یہ سوال اخذ کیا ہے۔ ہمارے لئے یہ مفہوم بیان کرنا ضروری نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۴۱:۔ فرمائیے قرآنی اصطلاحات کی روشنی میں آپ کی مزعومہ امامت کا کیا مقام ہے؟ کیا یہ لفظ گمراہ فرقے کے مقتداؤں پر بھی استعمال ہو سکتا ہے یا نہ۔

جواب نمبر ۴۱:۔ ہمارے اعتقاد کردہ مقام امامت کو تائید قرآن حاصل ہے۔ باقی یہ لفظ امام حقیقی اور امام کاذب کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔ جس طرح لفظ الٰہ یا ولی وغیرہ خدا کے علاوہ غیر خداؤں اور جھوٹے معبودوں کے لئے وارد ہوا ہے۔

اعتراض نمبر ۴۲:۔ اگر نہیں ہو سکتا تو قاتلوا ائمۃ الکفر (التوبہ) کا کیا جواب ہے۔ جبکہ اس آیت میں کفار کے پیشواؤں پر ایسے خاص الخاص لقب کا استعمال کیا گیا ہے۔

جواب نمبر ۴۲:۔ اپنے معنی ومفہوم کے اعتبار سے یہ لفظ بلا لحاظ نیک وبد استعمال ہوا ہے۔ لیکن اصطلاح اسلام میں اس کے معنی خاص ہو گئے ہیں لہٰذا یہ معنی عام سے معنی خاص کی طرف اس طرح مشہور ہو گیا ہے کہ ہمارے ہاں امام سے مراد امام معصوم لی جاتی ہے۔ اگر لفظی استعمال پر آئیں گے تو پھر شاید ہی کوئی ایسا لفظ بچ سکے جو نیک وبد دونوں گروہوں کے لئے استعمال نہ ہوا۔ لفظ حدیث کے معنی عام بات ہوتے ہیں جبکہ ہمارے ہاں اس سے مراد قول رسولؐ ہے لیکن قرآن میں یہی لفظ گمراہوں کی فضولیات پر استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح ملت، دین، سُنّت وغیرہ وغیرہ دونوں طرح وارد ہوئے ہیں۔ دور نہ جائیے تھوڑے عرصہ کی بات ہے کہ وزیراعظم بھارت آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو کو عربوں نے "رسولِ امن" کہہ دیا تھا۔ فرمائیے کیا نہرو پر اس لفظ کا استعمال حضورؐ کے لئے باعث تدرح (نعوذ باللہ) ہو سکتا ہے؟

اعتراض نمبر ۴۳:۔ اگر کیا گیا ہے تو تخصیص نہ رہی جواب درکار ہے۔

جواب نمبر ۴۳:۔ کسی لفظ کی تخصیص لفظی معنی کی محتاج نہیں ہوتی ہے بلکہ خصوصیت اصطلاحی معنوں سے متعلق ہوا کرتی ہے۔

اعتراض ۴۴ :۔ امام کا لقب ذوی العقول کے لئے ہوتا ہے یا غیر ذوی العقول کے لئے۔ اگر ذوی العقول کے لئے ہوتا ہے تو توریت شریف کو خدا تعالیٰ نے اس لقب سے ملقب کیوں فرمایا۔ ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماما (ہود)

جواب ۴۴ :۔ موقع محل و سیاق و سباق کے مطابق لفظ امام ہر مطلوبہ مقام پر استعمال کیا جا سکتا ہے اور اپنے لغوی معنی کے لحاظ سے اس لفظ کا مفہوم سمجھا جا سکتا ہے۔ ذوی عقل و غیر ذوی عقل کی کوئی قید نہیں ہے۔ البتہ مذکورہ آیت میں امام سے مراد توریت شریف نہیں ہے۔ کیونکہ آیت اس طرح ہے۔ افمن کان علی بینۃ من ربہ ویتلوہ شاھد منہ ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماما و رحمۃ

حاصل آیہ یوں ہے کہ جو شخص منجانب خدا خلائق پر برہان و حجت کے ساتھ (نبی) مامور ہوا اس کے لئے ایک شاہد کا ہونا جو اسی میں سے ہو (امام) لازمی ہے۔ اور اسی شاہد یعنی امام کو خدا نے امام و رحمت فرمایا ہے۔ علمائے اہل سنت کی کثیر تعداد نے تسلیم کیا ہے کہ یہ آیت رسول مقبولؐ اور جناب امیرؑ کی فضیلت میں اتری۔ دیکھئے فرائد السمطین تفاسیر واحدی، ثعلبی، خصائص طبری، ابو نعیم، مناقب ابن مغازلی وغیرہ۔

اعتراض ۴۵ :۔ ذیل کی آیت میں امام کا لفظ شاہراہ پر استعمال کیا گیا ہے۔ اگر واقعہ راستے کو بھی امام کہا جاتا ہے تو تخصیص کا تخیل قطعاً خلاف عقل ٹھیرا۔

وان کان اصحاب الایکۃ لظلمین فانتقمنا منھم وانھما لبامام مبین ○

اور بلاشبہ بستی والے ظالم ہیں پس ہم نے ان سے انتقام لیا اور بے شک دونوں (ل) بستیاں شاہراہ پر واقع ہیں۔

جواب ۴۵ :۔ آپ کا اعتراض خلاف عقل ہے کیونکہ ایک کثیر المعنی لفظ لغوی مفہوم کے تحت مختلف مطالب میں استعمال ہو سکتا ہے اور ایسا استعمال کبھی اصطلاحی معنیٔ خاص کے لئے مضر نہیں ہوتا ہے۔ ورنہ کوئی مثال

پیش کیجئے۔

اعتراض ۴۶ :۔ فرمایئے یوم ندعو کل اناس بامامھم میں جن آئمہ کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے یہ وہی آپ کے مزعومہ متعین آئمہ کرام ہیں یا ان کے علاوہ کوئی اور ہیں۔

جواب ۴۶ :۔ یہ سوال بھی آپ جلاء الافہام میں دریافت کرچکے ہیں۔ تاہم عرض یہ ہے کہ یہاں آئمہ برحق و آئمہ ناحق سب مراد ہیں۔

اعتراض ۴۷ :۔ اگر صرف بارہ امام مراد ہیں تو پھر اناس کے مفہوم کو صرف حضور علیہ السلام کی اُمت سے خاص کرنا پڑے گا حالانکہ حشر کے دن آدم علیہ السلام کی پوری اولاد نیز ہر طبقے کے لوگ جمع ہوں گے جن میں آئمہ اخیار بھی ہوں گے اور آئمہ اشرار بھی فرمایئے بامامھم سے مراد کون سے آئمہ مراد ہیں۔

جواب ۴۷ :۔ اس اعتراض کا جواب بھی ذکاءالافہام میں دیا جاچکا ہے کہ یہاں ہر طرح کے امام سچے و جھوٹے مراد ہیں۔ اور ہر کوئی جس جس امام کا ماموم ہوگا اس کے ساتھ بلایا جائے گا۔

اعتراض ۴۸ :۔ آپ کے مسلکی اصول کے پیش نظر امامھم سے مراد انبیأ علیہم السلام بھی لئے جاسکتے ہیں یا نہ۔

جواب ۴۸ :۔ لئے جاسکتے ہیں۔

اعتراض ۴۹ :۔ اگر بامامھم سے مراد انبیا علیہم السلام نہیں تو امتناعی وجوہ بیان فرمایئے۔

جواب ۴۹ :۔ کوئی امتناعی وجہ نہیں ہے۔

اعتراض ۵۰ :۔ اور اگر انبیأ ہی مراد ہیں تو ان کو ترک کرکے بارہ امام کیوں مراد لئے جاتے ہیں۔

جواب ۵۰ :۔ صرف انبیاء کرامؑ ہی مراد نہیں ہیں بلکہ اُمتِ محمدؐیہ کے

بارہ معصوم و منصوص آئمہ بھی ان میں شامل ہیں۔ انبیأ علیہم السلام کے علاوہ ملتِ مسلمہ کے حقیقی آئمہ اثنا عشر کی امامت نصوص قطعہ سے ثابت ہے۔

اعتراض ۵۱:۔ کیا جمع انبیأ علیہم السلام کی امتوں کے آئمہ صرف یہی ہیں اور قیامت کے دن سب کو ان کی طرف منسوب کرکے بلایا جائے گا۔ کیا اس کا ثبوت متفقہ طور پر اہلِ سنت و اہلِ تشیع کی کتابوں میں موجود ہے۔ اگر ہے تو پیش کیجیے۔

جواب ۵۱:۔ ہمارے آئمہ اثنا عشر صلواۃ اللہ علیہم نہ صرف آدم تا عیسیٰ علیہم السلام کی امتوں کے امام ہیں بلکہ حضورؐ کے علاوہ تمام انبیأ کے بھی امام ہیں اور اس کا سب سے بڑا اور متفقہ ثبوت از کتب اہلسنت و اہل تشیع یہ امر ہے کہ ظہور امام مہدی علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے امام برحق کے پیچھے بحیثیت مقتدی نماز ادا کریں گے۔ جب انبیأ کرام جو امام بھی ہیں ہمارے سلسلہ امامت کے آخری امام کی امامت تسلیم کریں گے تو یہ بات از خود ظاہر ہے کہ اُن کے پیروکاران بھی ہمارے آئمہ کی طرف آئیں گے۔ مشہور حنفی عالم مولوی محمد صالح چشتی اپنی کتاب مناقب مرتضوی کے باب اوّل میں منقبت ۲۷ اس طرح نقل کرتے ہیں کہ "تمام انبیأ نے شب معراج میں جناب رسولِ خدا سے کہا کہ ہم سب لا الٰہ الا اللہ کی شہادت پر اور آپ کی نبوّت اور علی ابن ابی طالب کی ولایت (امامت) کے اقرار کرنے پر مبعوث ہوئے ہیں۔ اسی طرح میثاق امامت کی تاکید روز الست سے کتب فریقین میں ثابت ہے اور یہ بیان ہماری کتاب "علیؑ ولی اللہ" میں ملاحظہ فرمایا جا سکتا ہے۔

اعتراض ۵۲:۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ قیامت کے روز حضرت علی مرتضیٰ سے لے کر امام مہدی تک سارے ہدایت یافتہ لوگ ان کے پیچھے اٹھائے جائیں گے تو کیا اس سے جمیع انبیأ علیہم السلام کی ہتک نہیں کیونکہ تبلیغ کرکے امت تو حضور جمع فرمائیں اور

قیامت کے دن لے جائیں آئمہ کرام۔

جواب ۵۲:۔ بالکل کوئی ہتک نہیں ہے کیونکہ جب خود انبیاءؑ اپنے میثاق کے مطابق آئمہ معصومین کی امامت تسلیم کرتے ہیں تو پھر ایفائے عہد باعثِ عزت و تکریم ہوگا نہ کہ باعثِ ہتک۔ کسی فوجی کرنیل کے ماتحت فوجی دستہ کا اپنے کسی جرنیل کی قیادت میں مارچ کرنا کبھی بھی کرنیل کی ہتک نہیں ہوا کرتا۔

اعتراض ۵۳:۔ مرۃ العقول شرح الفروع والاصول مطبوعہ ایران میں ہے کہ امام ام سے مشتق ہے اور ام عربی میں ماں کو کہتے ہیں۔ جناب کے نزدیک یہ تفسیر حق و صداقت پر مبنی ہے یا نہ۔

جواب ۵۳:۔ یہ تفسیر ہمیں مرۃ العقول میں کہیں نظر نہیں آسکی ہے اگر قریشی صاحب تکلیف کر کے حوالہ مکمل لکھتے تو اس پر اظہارِ خیال کیا جاتا۔ تاہم یہ بات درست ہے کہ "امام" "اَمّ" سے مشتق ہے نہ کہ "اُمّ" سے۔ "اُمّ" کے معنی ماں ہوتے ہیں جبکہ "اَمّ" کا مطلب قصد کرنا، پیشوا ہونا، امام ہونا اور دماغ میں مارنا ہوتا ہے۔ تمام کتب لغت دیکھی جاسکتی ہیں۔ مگر میری ذاتی رائے کے مطابق اگر یہ تفسیر تسلیم بھی کر لی جائے تو مضر نہیں ہے۔

اعتراض ۵۴:۔ اگر حق و صداقت پر مبنی ہے تو اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

جواب ۵۴:۔ یہاں نہ ہی کوئی احتمال ہے اور نہ ہی ابطال استدلال کی گنجائش ورنہ ثابت کیجیے۔

اعتراض ۵۵:۔ اگر یہ تفسیر صحیح نہیں تو عدم صحت پر دلائل بیان فرمائیے۔

جواب ۵۵:۔ اوّلاً تو تفسیر مذکورہ محولہ کتاب میں موجود ہی نہیں لہٰذا عدم صحت کا اوّل ثبوت عدم وجود ہے مگر چونکہ حقیر نے اس تفسیر کو باعثِ ضرر نہیں تسلیم کیا لہٰذا ایسے دلائل کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتا ہوں۔

اعتراض نمبر ۵۶:۔ نیز بر تقدیر تسلیم جب سلسلہ نسب والد سے چلتا ہے تو والد کے نام سے قیامت کے دن کیوں پکارا جائے گا۔

جواب نمبر ۵۶:۔ یہ اعتراض ہماری ناقص سمجھ سے باہر ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ شاید معترض سے سہو ہوگیا ہے والدہ کے نام کی بجائے والد لکھا ہے تاہم اگر حسبِ فہم سوال ہے تو جواب یہ ہے کہ اللہ ستار العیوب ہے لہٰذا والدہ کے نام سے اٹھائے گا تاکہ حرامی لوگوں کا پردہ فاش نہ ہو۔ ممکن ہے کسی مشہور ہستی کا زنیم ہونا نشر عام ہو جاتا!

اعتراض نمبر ۵۷:۔ اگر امام کا معنی شاہراہ لیا جائے جیسا کہ گذر چکا ہے اور پکارا یوں جاتے اے فلاں مسلک والو تو اس میں کیا حرج ہے۔

جواب نمبر ۵۷:۔ شیعانِ اہل بیتؑ کو تو اس میں بھی حرج نہیں ہے کہ شیعہ کے اصطلاحی معنی ہی پیروکارانِ علیؑ و فاطمہؑ ہیں لیکن ایسی صورت میں سُنیوں کے لئے افتراق ہوگا کہ کہا جائے گا۔ مالکیو! شافعیو! حنبلیوں! حنفیو! وہابیو! چکڑالویو وغیرہ وغیرہ۔

اعتراض نمبر ۵۸:۔ آیت کے سیاق و سباق سے پتہ چلتا ہے کہ اس آیت میں امام کا اطلاق اعمالناموں پر کیا گیا ہے۔ فرمایئے کیا رائے ہے۔

جواب نمبر ۵۸:۔ لفظ امام کا اطلاق اعمالناموں پر ہونا ہمارے مذہب کے لئے باعثِ نقصان نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۵۹:۔ قرآن مجید میں ہے وجعلنا ھم آئمۃ یھدون بامرنا ضمیر ھم کا مرجع بیان فرمایئے۔

جواب نمبر ۵۹:۔ آیت کے الفاظ یوں ہیں " وجعلنا ھم آئمۃ یھدون بامرنا" اور ضمیر "ھم" اولاد یعقوب علیہ السلام یعنی بنی اسرائیل کی

طرف راجع ہے۔

اعتراض نمبر ٦٠ :- قرآن مجید ہے :-

و نرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلھم ائمۃ و نجعلھم الوارثین و نمکن لھم فی الارض (القصص)

ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہم احسان کریں ان لوگوں پر جو ضعیف بنائے گئے زمین میں اور بنا دیں ان کو امام اور بنا دیں ان کو وارث اور قدرت ان کے لئے زمین میں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ جن حضرات کو اہل تشیع امام منصوص مانتے ہیں کیا ان کو دنیا میں سلطنت اور تمکین فی الارض (قوت) نصیب ہوئی یا نہ۔

جواب نمبر ٦٠ :- شیعوں کے اکثر آئمہ طاہرین کو نہ ہی سلطنت و قوت حاصل ہوئی اور نہ ہی ظاہری حکومت۔ تفصیل آگے ہے۔

اعتراض نمبر ٦١ :- اگر ہوئی تو سراسر خلاف واقع ہے الا ماشاء اللہ اور اگر نہیں ہوئی تو ارادہ خداوندی کا کیا مطلب رہا۔

جواب نمبر ٦١ :- ارادۂ خداوندی کا مطلب اگلے اعتراض کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

اعتراض نمبر ٦٢ :- اگر ارادۂ الٰہی میں بدا تسلیم کر لیا جائے تو پھر احسان امامت توریث اور تمکین سب کی نفی ہو گی۔ فرمائیے کیا جواب ہے۔

جواب نمبر ٦٢ :- ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اس موقع پر ارادۂ الٰہی میں بدا تسلیم کریں یا احسان امامت توریث شریف اور تمکین وغیرہ کی نفی کریں۔ لہٰذا ان اعتراضات کے مکمل جواب سے قبل ہم منقولہ آیات کو سیاق و سباق

کے ساتھ دوبارہ لکھتے ہیں۔

تلك ایت الکتب المبین ۵ نتلوا علیك من نبا موسیٰ وفرعون بالحق لقوم یؤمنون ۵ ان فرعون علا فی الارض وجعل اھلھا شیعا یستضعف طائفۃ منھم یذبح ابناءھم ویستحی نساءھم انہ کان من المفسدین ۵ ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین ۵ ونمکن لھم فی الارض ونری فرعون وھامن وجنودھما منھم ما کانوا یحذرون ۵

(القصص ۲ تا ۶)

(اے رسولؐ) یہ واضح وروشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ ہم تمہارے سامنے موسیٰؑ اور فرعون کا واقعہ قوم مومنین (کے نفع کے لئے) ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں۔ بے شک فرعون نے زمین میں بہت سر اٹھایا تھا۔ اور اس نے وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ کر دیا تھا اور انُ ہی (گروہوں) میں سے ایک گروہ کو عاجز کر دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کرا دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ بلاشبہ وہ فسادیوں میں سے تھا۔ اور ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ جو لوگ روئے زمین پر کمزور کر دیئے گئے ان پر احسان کریں اور ان ہی کو امام بنائیں اور ان ہی کو وارث بنائیں اور ان کو زمین پر پوری قدرت عطا کریں۔ اور فرعون اور ہامان اور دونوں کے لشکروں کو ان ہی کمزوروں کے ہاتھ سے وہ چیزیں دکھائیں جس سے یہ لوگ ڈرتے تھے۔

خداوند حکیم نے ان آیات میں حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا واقعہ بطور تمثیل

بیان کیا ہے۔ کہ فرعون ملعون زمین پر ظالم و جابر حکمران تھا۔ اس نے رعایا کو متفرق کر دیا تھا اور ایک فرقہ شیعہ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ کر عاجز کر رکھا تھا۔ اس گروہ کی نرینہ اولاد کو ذبح کرا دیتا تھا اور عورتوں کو معموم حالت میں زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ اور اس کے اس فساد نے اس مخصوص گروہ کو ضعیف کر رکھا تھا۔ مگر کسی بھی ظالم و مفسد کو خدا امام نہیں بناتا ہے خواہ وہ کتنا ہی صاحبِ جاہ و حشم ہو اور وسیع مملکت و قوی اقتدار کا حامل ہو۔ بلکہ اللہ کی مرضی و ارادہ یہ ہے کہ وہ اپنا احسان بظاہر کمزوروں و مظلوموں پر کرتا ہے۔ یعنی ذاتِ خداوندی ہرگز ظالم و مفسد پر احسان نہیں کرتا خواہ وہ کتنا ہی بڑا بادشاہ کیوں نہ ہو۔ بلکہ اس کا احسان اُن کمزوروں کے لئے ہے جو نشانۂ ظلم و ستم بنتے ہیں۔ اور منشاًالٰہی یہ ہے کہ وہ ایسے مظلوموں کو امام یعنی پیشوا بناتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ان کو شاہی تخت دے کر بادشاہ سلطنت ظاہری بنائے بلکہ وہ امام بناتا ہے جو دین و دنیا میں پیشوائی کرتا ہے۔ اور ایسے ہی مظلوم اماموں کو ربّ العزت وارث بناتا ہے۔ اور وارث اسے کہتے ہیں جس کی طرف کوئی چیز منتقل ہو کر پہنچے اور میراث امرِ ہدایت کی ہے نہ کہ دنیوی جائیداد یا ریاست کی۔ اور ان آئمہ کو زمین پر پوری قدرت عطا کرتا ہے۔ اور یہ قوت و قدرت بھی شاہی طاقت نہیں ہے بلکہ دیکھنے میں وہ امام کمزور ہاتھ نظر آتے ہیں لیکن ان ہی بظاہر ناتواں ہاتھوں میں یہ جوہر و قدرت ہوتی ہے کہ صاحب سلطنت اُن کے ہاتھ دیکھ کر لرزتے ہیں۔

ان آیات میں کسی صورت سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ آئمہ کے لئے حاملِ حکومت ہونا شرطِ امامت ہے کیونکہ قصہ فرعون و موسیٰؑ کا ہے پیشوائی موسیٰؑ کے پاس تھی اور آخری دم تک تاج و سلطنت فرعون کے پاس رہا۔ چنانچہ باوجود محرومیٔ سلطنت و اقتدار کے موسیٰؑ امام ٹھہرے۔ اُن کو وارث ہدایت بنایا گیا اور بادشاہ نہ ہوتے ہوئے اُن کو اللہ نے زمین پر یہ تصرف دیا کہ ارض تابع فرمان تھی کہ ارض پر دریا میں لاٹھی مار کر راستہ بنا کر اپنا تصرف روحانی و شانِ امامت کا

ثبوت دیا۔ بظاہر کمزور ہاتھوں سے عصا تھام کر جابر حکمران فرعون کے چھکے چھڑا دیئے اور ید بیضا سے اس کے ہوش و حواس گم کر دیئے۔ پس مندرجہ بالا آیات سے شانِ امامت معلوم ہوئی کہ امام منصوص کے لئے تخت و تاج ضروری نہیں ہے بلکہ وہ ہادی ہوتا ہے علومِ الٰہیہ کا وارث ہوتا ہے اور زمین پر تصرف رکھتا ہے۔ حاکم صاحبانِ سلطنت ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ اس سے خائف رہتے ہیں۔ چنانچہ جو ارادہ خداوندِ کریم نے آئمہؑ کے لئے کیا ہمارے آئمہؑ پر ہی پورا ہوتا ہے کہ وہ سب کے سب مظلوم رہے۔ حکمران ہمیشہ ان سے خائف رہے۔ علم میں ان کا کوئی ثانی نہیں اور کتاب علوم قرآن حمید اُن سے اس طرح ساتھ ہے کہ دونوں میں جدائی نہیں ہے۔ ارض پر تصرف تو رہا ایک طرف ہمارے ہی آئمہ کی شان ہے کہ ڈوبا سورج لوٹا دیا۔ اور لوگوں نے خدا ہونے کا گمان کر لیا۔ اگر یہ اوصاف کسی دوسرے میں موجود ہوں تو ظاہر کر دیجیئے۔ خدا کا احسان، امامت، توریت اور تمکین تمام باتیں ثابت قرار پائیں۔

اعتراض ۶۳:۔ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ۔ اور بنا دیا ہم آپ امام جو بلاتے ہیں آگ کی طرف اور قیامت کے ان کی مدد نہ کی جائے گی۔

اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کفار کے اماموں کی امامت بھی خدا ہی بناتے ہیں جیسا کہ جعلنا کے صیغہ سے عیاں ہے۔ فرمایئے ان کی امامت کو آپ حضرات منصوص کیوں نہیں کہتے جبکہ جعل کا صیغہ سب آیتوں میں مذکور ہے۔

جواب ۶۳:۔ چلیئے آپ کی یہ بات مان لی کیونکہ "جعل" ٹھہرانے اور قرار دینے کے معنی میں بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ اور خدا نے آئمہ ضلالت کو داعی جہنم قرار دیا ہے۔ آپ کو خوش کرنے کی خاطر یہ بھی گوارہ کرتا ہوں کہ آئمہ ضلالت کا تقرر بھی خدا نے کر دیا لیکن آخر اس میرے ذاتی اقرار سے آپ کے مذہب کو کیا فائدہ جبکہ بیان کر دیا گیا ہے کہ ایک لفظ مستحسن مقام پر بھی

بولا جا سکتا ہے اور ممدوح جگہ پر بھی۔ یہ طریقہ ہر زبان میں اختیار کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے پیچھے لکھا کہ عربوں نے محمدؐ کو بھی رسول کہا اور پنڈت نہرو کو بھی۔ لیکن دونوں کی رسالت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اعتراض ۶۴:۔ دیکھئے اس آیت میں قائدین ظلمت پر بھی آئمہ کا لفظ اطلاق کیا گیا ہے تو تخصیص کہاں رہی۔

جواب ۶۴:۔ صرف آپ کی سمجھ کا فرق ہے ورنہ ہدایت و گمراہی میں امتیاز پیدا کر کے دراصل اس آیت میں تخصیصی پہلو ہے کہ آئمہ ضلالت اور آئمہ ہدایت میں فرق ہوتا ہے کہ اول الذکر جہنم کی دعوت دیتے ہیں اور مؤخر الذکر جنت کی ضمانت۔

اعتراض ۶۵:۔ وجعلنا منھم آئمۃ یھدون بامرنا لما صبروا وکانوا بآیاتنا یوقنون۔ اور بنائے ہم نے ان میں سے امام بلاتے ہیں لوگوں کو ہمارے امر سے جونہی کہ انہوں نے صبر کیا اور رکھتے ہماری آیات سے یقین رکھتے۔

اس آیت میں صبر کی جزاء پر منصب امامت کا عطا ہونا ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درجہ امامت نہ تو حد عوہ معینہ آئمہ پر بند ہے اور نہ امامت وہبی ہوتی ہے۔

جواب ۶۵:۔ اس آیت سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہو رہا ہے کہ صبر کی جزا میں منصب امامت عطا ہوتا ہے بلکہ اظہار شرط ہے کہ امام صابر ہوتا ہے اور حامل الیقان۔ اللہ تعالیٰ بلا وجہ کسی کو امام مقرر نہیں کرتا بلکہ اس کا بنایا ہوا امام صابر ہوتا ہے۔

اور صبر کی تعریف یہ ہے کہ مجبور نہ ہو بلکہ مختار ہوتے ہوئے بھی صبر کرے۔ نیز یہ کہ امام صاحب یقین ہوتا ہے اور اس کے دل میں شک کبھی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ صبر و یقین کے معیار پر سوائے آئمہ اثنا عشر علیہم السلام کے اور کوئی بھی شخص

پورا نہیں اتر سکا۔ لہٰذا ہم کھلا چیلنج دیتے ہیں کہ اگر کوئی بھی نقلی امام معیار صبر اور یقین پر ہمارے آئمہ برحق سے افضل دکھا دیا جائے تو ہم قائل ہو جائیں گے۔ یہی دونوں معیار امامت کے وہبی ہونے کی روشن دلیل ہیں۔

اس اعتراض کی تردید بصورتِ دیگر یوں ہے کہ معترض قریشی صاحب کے نزدیک امام سے مراد نبی ہے۔ اگر نبوت کسبی ہو سکتی ہے تو امامت بھی ہو سکے گی ورنہ سوچ لیجئے تو ہین نبوت ہو گی۔ کیونکہ آپ کے زعم کے مطابق امامت سے مراد نبوّت ہے۔

اعتراض ۶۶:۔ نیز اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جن کو بارگاہِ خداوندی سے منصب عطا ہوتا ہے ان سے اللہ تعالیٰ تبلیغ دین اور اعلانِ حق کا کام لیتے ہیں اور اگر کسی امام سے یہ فرائض ادا نہ ہوں تو سمجھا جائے گا کہ یہ منصب امامت پر فائز نہیں ہیں۔ فرمائیے ان حالات میں تقیہ کے تصوّر کی کیا حقیقت رہتی ہے۔

جواب ۶۶:۔ چونکہ حکم تقیہ بذات خود تبلیغ دین میں شامل ہے اور اعلانِ حق ہے۔ لہٰذا تقیہ منصب امامت کے لئے کسی نقص کا باعث نہیں ہے۔ افسوس ہے آپ نے اسمٰعیل شہید صاحب کی منصب امامت دیکھی بھی اور پھر نہیں دیکھی۔ امامت باطنہ کے ضمن میں موصوف نے اس بات پر سیر حاصل بحث کی ہے اور تسلیم کیا ہے کہ منصب امامت کے لئے سیاسی اقتدار ضروری نہیں ہے۔ قریشی صاحب مطالعہ کر کے اپنے شکوک و شبہات دور کر سکتے ہیں۔

اعتراض ۶۷:۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے فقدان سے امامت کی نفی معلوم ہوتی ہے آیت کی پوری تشریح درکار ہے۔

جواب ۶۷:۔ تقیہ حکم دین ہے قرآن و حدیث سے مکمل طور پر ثابت ہے عقل و نقل کی تائید سے تقیہ معقول ہے۔ لہٰذا تقیہ پر عمل کرنے سے امامت کی نفی نہیں معلوم ہوتی بلکہ یہ عمل اعلائے کلمۃ اللہ کے تحت ہے۔ قریشی صاحب

کے اس وسوسہ کا شافی جواب بھی منصب امامت میں اسی جگہ شاہ اسمٰعیل صاحب نے تحریر کیا ہے۔

اعتراض ۶۸:۔ من قبلہ کتاب موسیٰ اماما ورحمۃ (الاحقاف)
اور اس سے پہلے کتاب موسیٰ ہے جو امام بھی ہے اور رحمت بھی۔
اس آیت میں (کتاب) توریت پر امام کا لفظ اطلاق کیا گیا ہے تو لامحالہ آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ امامت کا مفہوم ہرف (صرف) وہی نہیں ہے جو آپ حضرات کے تخیل میں مسلمات سے ہے۔

جواب ۶۸:۔ ہم امامت کے دیگر مفہومات سے انکار نہیں کرتے البتہ ہمارا عقیدۂ امامت مخصوص مطالب رکھتا ہے اور امامت کے معنی خاص اس قدر معروف ہیں کہ بلا قرینہ ہم امامت سے مراد نیابتِ پیغمبرؐ سمجھتے ہیں۔

اعتراض ۶۹:۔ آیت مباہلہ بھی اثباتِ امامت کے لئے پیش کی جاتی ہے فرمایئے اس کا پیش کیا جانا بطورِ استدلال کے ہوتا ہے یا بطورِ تائید کے۔

جواب ۶۹:۔ آیت مباہلہ دونوں طریقوں سے ثبوتِ امامت ہے۔

اعتراض ۷۰:۔ اگر بطورِ استدلال کے ہے تو یہ خلافِ واقع ہے کیونکہ اس واقعہ سے یوم مباہلہ حضور علیہ السلام نے استنباط نہیں فرمایا۔

جواب ۷۰:۔ آیت مباہلہ دلیل ہے کہ حضرت علیؑ نفسِ رسولؐ ہیں لہٰذا نفسِ رسولؐ کا اعزاز پاکر از روئے قرآن حضرت امیرؑ وارث و قائم مقام رسولؐ قرار پاجاتے ہیں۔ جو شخص رسولؐ کا نفس ہوگا وہ تمام امت سے افضل ہوگا اور یہ فضیلت معیارِ امامت ہے۔

اعتراض ۷۱:۔ اور اگر بطورِ تائید ہے تو بھی خلاف عقل ہے کیونکہ مباہلہ سے مقصد ظالموں پر لعنت کرنا ہے اور شبِ ہجرت

تحفظ رحمت تھا جس سے غرض ظالموں پر لعنت ہو وہ تو مستحق ٹھہریں اور جس صدیق اکبر کو شب ہجرت ساتھ لے جائیں جس کا مقصد تحفظ رحمت تھا وہ منصب امامت سے کیوں محروم رہیں۔

جواب ۷ :۔ واقعہ مباہلہ تاریخ اسلام میں بہت اہمیت کا حامل ہے لیکن ہمیں قریشی صاحب پر سخت تعجب ہے کہ انہوں نے اس کو استدلالی تسلیم کرنے کو خلاف واقع قرار دیا ہے۔ حالانکہ تمام تواریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ جب حضرت ابوبکر مسلمانوں کے بادشاہ بنے تو انہوں نے انصار کے سامنے اپنا قرابت دار رسولؐ ہونا دلیل بنایا اور کہا کہ ہم قریش جو کہ خاندانِ رسولؐ سے کے افراد ہیں لہذا امامت ہمارا حق ہے۔ لیکن قرآن مجید میں آیت مباہلہ نے یہ تائید کر دی کہ علیؑ نفسِ رسولؐ ہیں اور ان کے دونوں بیٹے فرزندانِ پیغمبرؐ ہیں۔ لہذا آیت مباہلہ خود عمل ابوبکر سے دلیل و تائید ثابت ہوئی۔ لہذا قریشی صاحب کو حضرت ابوبکر کی مخالفت کرنا زیب نہیں دیتا۔ یہ بات عقل کے عین مطابق ہے کہ جن افراد کو خود حضورؐ اپنے وارث، فرزند اور نفس قرار دیں۔ بعد از رسولؐ ان کو مراتب و فضائل سے گرانے کی کوشش کی جائے۔

مباہلہ کا مقصد صرف یہی نہ تھا کہ ظالموں پر لعنت کی جائے بلکہ یہ ایک حق و باطل کی کسوٹی تھا۔ جیسا کہ آیت کے شانِ نزول کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ حضورؐ کے وقت کا ہے کہ نجران کے عیسائی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پیغمبر کریمؐ نے خاطر تواضع فرمائی۔ مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور وہاں وہ اپنے طریقہ سے عبادت بھی کرتے تھے۔ حضورؐ نے آدمؑ کی مثال دے کر ان کو سمجھایا کہ الوہیت و ابنیت مسیح کا عقیدہ درست نہیں ہے۔ لیکن نصاریٰ پر اس وعظِ رسولؐ کا کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر حضورؐ نے ان سے قسما قسمی کرنا چاہی جس کو اصطلاحِ اسلام میں مباہلہ کہتے ہیں آپؐ اپنی صاحبزادی سیدہؑ و صدیقہ، حسنینؑ شریفین اور حضرت علیؑ کو لے کر میدانِ مباہلہ میں تشریف لے جانے کے لئے چلے مگر نصاریٰ نجران بھاگ گئے۔

صاحب تفسیر کشاف کی رائے ہے کہ آلِ عبا کی فضیلت میں اس سے بڑھ کر

اور کوئی دلیل نہیں کیونکہ جس وقت یہ آیت اتری تو جناب رسولِ خداؐ نے ان چار بزرگواروں کو بلایا جناب امام حسینؑ کو گود میں لیا اور امام حسنؑ کا ہاتھ پکڑا۔ حضرت فاطمہؑ اور جناب امیرؑ پیچھے پیچھے تشریف لاتے۔ پھر حضورؐ نے فرمایا جب میں دعا مانگوں تو تم آمین کہنا اسقف لارڈ بشپ نے عیسائیوں سے کہا اے عیسائیو میں ایسے چہرے نورانی دیکھتا ہوں اگر خدا سے یہ دعا مانگیں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو خدا اس کو اپنی جگہ سے ہٹا دے گا۔ تم ان سے مباہلہ مت کرو۔ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور زمین پر کوئی بھی نصرانی باقی نہ رہے گا۔ پس ان کے لارڈ پادری نے آکر عرض کیا کہ ہم مباہلہ نہیں چاہتے جزیہ قبول کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اگر یہ نصاریٰ لوگ مباہلہ کرتے تو سوّر اور بندر ہو جاتے۔ اور اس وادی میں آگ لگ جاتی۔ (تفسیر کشاف جلد ۱ صفحہ ۳۰۷ تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۹۹ تذکرہ خواص الامۃ صفحہ ۹)

اس مباہلہ میں دراصل تصدیق نبوت و رسالت اور حقانیت دینِ اسلام کی ضرورت تھی محض لعنت فرمانا مقصود ہرگز نہ تھا۔ یہ مباہلہ حضرات پنجتن پاکؑ کی تمام صحابہ پر فضیلت کی دلیل ہے اور ان سب کو صدیق اکبر، مصدّق نبوّت، شاہدِ رسالت اور حجت حقّہ ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ اگر نبی اکرمؐ سچے رسول نہ ہوتے تو اپنی اولاد طاہرہ کو ایسے پُر خطر مقام پر ہرگز لے جانے کا قصد نہ کرتے جہاں کہ عذاب کا احتمال تھا۔ مگر یہ ہستیاں بلا خوف و خطر یقینِ کامل کے ساتھ اللہ کی راہ میں جان فدا کرنے کو حاضر ہوئیں۔ چنانچہ ہمیشہ مخالفینِ اسلام کے مقابلہ میں پنجتن پاکؑ ہی اپنی ہر قسم کی قربانی پیش کرتے رہے اور اسلام کو محفوظ رکھا۔ باقی باتوں کے علاوہ ایک انتہائی لطیف اور سبق آموز نکتہ یہ ہے کہ جو بھی ان پاک نفوس کے مقابلے میں آئے گا وہ ملعون ہو گا۔ اب خود فیصلہ کر لو کہ جن کی صداقت پر غیر مسلم یقین کر کے مقابلہ سے دستبردار ہو گئے آپ کے صدیق نے اُن ہی سچوں کو جھوٹا قرار دے کر آپ کے مبینہ مقصد کی زد میں آگئے۔ علی الھذا البیان مباہلہ صرف لعن طعن کی غرض سے نہ تھا بلکہ حفاظتِ دین کے لئے تھا۔ اور چونکہ دین کی

پیشوائی کا منصب معصوم ہستیوں کے لئے وقف ہے لہٰذا حضورؐ نے کسی ایک بھی غیر معصوم کو ساتھ نہ لیا اور عملاً اس بات کو واضح کر دیا کہ دنیا جس کو مرضی صدیق اکبر سمجھے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس ہر عوام فرد کو خدا اور رسول بھی ایسا ہی بنائیں ورنہ مباہلہ میں ضرور حضورؐ اور بھی صدیقوں کو شامل فرما لیتے۔

قریشی صاحب نے روز مباہلہ اور شب ہجرت میں موازنہ کیا ہے اور میدانِ شناختِ حق و باطل کو محض لعنت کدہ سے تعبیر کر کے روز مباہلہ کی فضیلت سے انکار کیا ہے جبکہ شب ہجرت کو تحفظِ رحمت کی رات کہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ روز مباہلہ روز عید ہے اور شبِ ہجرت شب برات سے کم نہیں۔ لیکن اتنا فرق ضرور ہے کہ مباہلہ کا دن حق و باطل کے فیصلے کا دن تھا۔ اور ہجرت کی رات بظاہر پُر مصائب تھی کہ رسولؐ کو شہر بدر ہونا پڑا۔ ذرا گستاخی کروں کہ حق کو میدان چھوڑ کر جانا پڑا۔ عام الفاظ میں باطل سے بھاگنا پڑا۔ مگر نہیں دراصل حق مغلوب ہونے کے لئے آیا ہی نہیں ہے۔ اگر ایک حق نے گدی چھوڑی تو دوسرا حق اس پر قائم مقام ہوا۔ کیونکہ خلافت و امامت قائمقامی پیشوائی کا نام ہے لہٰذا ہم اسی واقع پر فیصلہ کئے لیتے ہیں۔ قریشی صاحب! جب کوئی حاکم کسی دوسری جگہ دورے پر جاتا ہے تو اس کی کرسی پر جو عہدہ دار اس کے فرائض کی نگہداشت کرتا ہے اسے قائمقام کہا جاتا ہے نہ کہ افسر کے ساتھ دورہ پر جانے والے افراد کو قائمقام کہا جاتا ہے۔ شب ہجرت حضورؐ نے تمام امور کا چارج عملاً حضرت علیؑ کو عطا کیا۔ امانتیں سپرد فرمائیں۔ اہلِ خانہ کی حفاظتی ذمہ داریاں عائد فرمائیں۔ اپنا بوریہ لبستر حوالے کیا۔ ضروری و متعلقہ ہدایات و احکامات صادر فرما کر اپنا ولی عہد مقرر فرمایا۔ اور اللہ کی بارگاہ سے مرضاتِ خداوندی کی کنجیاں لے کر تمام خزانے حوالے کر دئیے۔

جبکہ حضرت ابوبکر کو نہ ہی جانشین مقرر کیا اور نہ ہی ساتھ لے جانے کا حکم دیا بلکہ حضرت صاحب خود ہی پیچھے ہو لئے کہ شاید حضورؐ جب دورے پر

تشریف لے جا رہے ہیں تو خوب خاطر تواضع ہوگی اور مہمان نوازی کی جائے گی۔
دورانِ سفر افسر صاحب کو ان ساتھی صاحب کی تشفی کرنا پڑی اور تسلی دینا پڑی کہ مت خوف کھا اللہ میاں عنقریب تمہیں خوب زردہ پلاؤ کھلائے گا۔

اب عقلاً انصاف سے فرمایئے کہ جو شخص تلوار کے سائے میں سویا رحمت کی حفاظت اس نے کی یا جو غارِ محفوظ میں چھپا اور باوجود مشاہدہ حفاظتِ قدرت کے خوفزدہ رہا اور دشمن کو سر پر پاکر آنسو بہاتا رہا کہ خدا کو قرآن میں مذمت کرنا پڑی۔ ایک حفاظت کرنے والے کو مرضاتِ الٰہی نصیب ہوتیں اور دوسرے کو لاتحزن کی سرزنش۔ پس جو حاملِ مرضاتِ الٰہی ہو معصوم و منصوص امام ہوگا اور جو محفوظ مقام پر بھی خوفزدہ رہا اور رحمت کی حفاظت کرنے کی بجائے عملاً زحمت ثابت ہوا قطعاً منصب امامتِ الٰہیہ کے لائق نہیں ہے۔

بحث آیت ولایت

اعتراض ۲۷:۔ اثباتِ امامت کے لئے آیت انما ولیکم اللہ و رسولہ والمومنین بھی پیش کی جاتی ہے فرمایئے عربی لغت میں لفظِ ولی کے کتنے معانی ہیں۔

جواب ۲۷:۔ لفظ ولی کے عربی زبان میں کافی معنی ہیں مثلاً حاکم، والی، وارث، مہربان، مددگار، دوست، نگہبان، مالک، رشتہ دار وغیرہ۔ لیکن دراصل موسمِ بہار کی دوسری بارش کو ولی کہتے ہیں۔

اعتراض ۲۸:۔ کیا ولی کے معنی میں سے کوئی ایک معانی خلیفہ بلافصل بھی ہے۔ اگر ہو تو عربی لغت کا حوالہ دیا جائے۔

جواب ۲۸:۔ لفظِ "ولی" کے اصل معنی "موسمِ بہار کی دوسری بارش" کے ہیں یعنی ایجاد لفظ کی غایت ہی یہ ہے کہ رحمت کی دوسری بارش کو "ولی" کہتے ہیں۔ اور چونکہ ایک کے بعد دوسرے میں کوئی فصل ممکن ہی نہیں ہے لہذا بہارِ دین کی پہلی بارش

کا نام رحمتہ اللعالمین ہے اور دوسری بارش کا نام "ولی المؤمنین" ہے۔ اگر ایک اور دو میں فصل ہو سکتا ہے تو پھر میں مان لوں گا کہ "ولی" خلیفہ بلا فصل کے معنی میں استعمال نہیں ہو سکتا۔

مگر یہ جھگڑا تو نبی کریمؐ نے حدیث ولایت بار بار ارشاد فرما کر طے کر دیا ہے کہ "علی میرے بعد سب مومنین کا ولی ہے۔" اب ولی کو حاکم کے معنی میں آپ تسلیم کریں تو ارشاد رسولؐ کے مطابق علیؑ بعد از رسولؐ سب مومنین کے ولی ہیں۔ آپ کے لئے اب صرف دو راہیں ظاہر ہیں۔ اوّلاً یہ کہ علیؑ چوتھے نمبر پر حاکم ہیں۔ دوم یہ کہ علیؑ بعد از رسولؐ سید المطاع ہیں یعنی خلیفہ بلا فصل ہیں۔

اگر پہلی صورت درست مان لی جائے تو اس میں ایک بہت واضح قباحت موجود ہے کہ ارشاد رسولؐ ہے کہ "علیؑ میرے بعد کل مومنین کا ولی ہے" حدیث موصوفہ میں لفظ "کل" اور "مومنین" قابل توجہ ہیں۔ فرمایئے اس "کل" میں اصحاب ثلاثہ شامل تھے یا نہیں۔ اگر نہیں تھے تو وہ مومنین نہ ہوئے اور تھے تو بتایئے کہ انہوں نے برخلاف حکم رسولؐ پیغمبر کے بعد علیؑ کو ولی یعنی خلیفہ کیوں تسلیم نہ کر لیا۔ اب یا تو اُن حضرات کو بے ایمان تسلیم کیجئے یا نافرمان رسولؐ اور یہ دونوں باتیں آپ کے لئے ناقابل قبول ہوں گی لہٰذا ثابت ہوا کہ دوسری صورت ہی صرف الٰہی واحد راہ ہے جس کو مان لینے سے حضرات ثلاثہ کا ایمان بھی سلامت رہ سکتا ہے اور نافرمانیٔ رسولؐ سے بھی حفاظت حاصل رہتی ہے۔ لہٰذا آپ کو اپنے مذہب کا بھرم رکھنے ہی کی خاطر بادل نخواستہ ماننا پڑے گا کہ "ولی" سے مراد "خلیفہ بلا فصل" بھی ہے۔

باقی "ولی عہد" کے لفظ پر غور فرمایئے کہ "ولی عہد" فرمانروا کے فوراً بعد تخت نشین ہوتے ہیں یا تین دیگر بادشاہوں کے بعد۔ اگر "ولی عہد" چوتھے نمبر پر ہو سکتا ہے تو ہم "بلا فصل" کی اصطلاح پر مزید غور کریں گے۔ فی الحال آپ ہمارے بیان کردہ لفظ "ولی" کے معنی ہر مستند کتاب لغت میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

اعتراض ۲۷:۔ جب عہدۂ ولایت کے مستحقین کے سلسلے میں مومنون جمع مذکر لایا گیا ہے تو صرف سیدنا علیؓ کے ساتھ ولایت کو خاص

کرنا کن اصول و ضوابط کے ماتحت ہے۔

جواب ۷۴:۔ ولایت علویہ کی تخصیص اس اصول و ضابطہ کے تحت ہے کہ آیت میں بیان کردہ شناخت کی علامت سوائے حضرت علی علیہ السلام کے کسی بھی دوسرے فرد میں نہیں مل سکی۔ اور تمام سنی و شیعہ مفسرین و محدثین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ آیت جناب امیر علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی۔ آپ کے لئے کھلی چھٹی ہے کہ اپنی ہی کتب صحیحہ و معتبرہ سے کوئی ایسی روایت ڈھونڈ دیجئے جس میں یہ ذکر ہو کہ آیت موصوفہ علیؑ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی شان میں اتری۔ باقی رہی صیغہ جمع مذکر کی بات تو قرآن مجید میں متعدد جگہوں پر خداوند واحد نے اپنی اکیلی ذات کے لئے جمع کے صیغے استعمال کئے ہیں۔ اگر وہ استعمال باضابطہ بمطابق اصول قرار پاتا ہے تو پھر آیت مذکورہ میں جمع کے صیغہ کا ہونا بھی خلاف قاعدہ نہیں ہے۔

اعتراض ۷۵:۔ کیا وَهُمْ رَاكِعُونَ کے جملے کا مفہوم یہی ہے کہ بحالت رکوع زکواۃ دی جائے۔ اگر یہی ہے تو کیا اس عمل کا اجراء قیامت تک رہ سکتا ہے یا اس زمانے تک بند ہے۔

جواب ۷۵:۔ عام مسلمانوں کے لئے اس عمل کا جاری ہونا ثابت نہیں ہے۔ نہ ہی حضورؐ نے کوئی ایسا حکم امت کو دیا ہے۔ قرآن مجید نے صفت بیان کی ہے جس کے موصوف صرف حضرت علیؑ ہو سکے ورنہ کسی غیر کو ثابت کیجئے۔

اعتراض ۷۶:۔ اگر قیامت تک کے لئے ہے تو تخصیص اور اگر کسی ایک فرد اور ایک زمانے تک بند ہے تو اس کا ثبوت درکار ہے۔

جواب ۷۶:۔ اعتراض کی عبارت مبہم سی ہے۔ بہرحال اس عمل (حالت رکوع میں زکواۃ دینا) کا تعلق صرف جناب امیرؑ سے ہے۔

اعتراض ۷۷:۔ کیا بحالت رکوع ادائے صدقہ از قسم زکواۃ حضور علیہ السلام سے بھی ثابت ہے یا نہ۔ اگر ہے تو ثابت کیا جائے ورنہ کیا یہ عمل خلاف سنت نہیں ٹھہرے گا۔

جواب ۴۷ :- گو کہ بظاہر ایسا عمل حضورؐ سے ثابت نہیں لیکن یہ عمل خلافِ سنّت ہرگز نہیں ٹھہرے گا کیونکہ حدیثِ تقریری سے اس عمل کو حمایت و تائید رسولؐ حاصل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ تمام معتبر تفاسیر سنیہ میں یہ واقعہ نقل ہوا ہے۔ مثلاً بیضاوی شریف کشاف، مدارک، زاہدی، معالم التنزیل، ثعلبی اور تفسیر کبیر وغیرہ۔ ہم امام اہلسنّت فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر سے اپنا مطلب بیان کرتے ہیں۔ علامہ رازی لکھتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری کہتے ہیں کہ ہم رسولِ خداؐ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ سائل نے آکر سوال کیا کسی نے اس سوالی کی حاجت روائی نہ کی۔ اس نے آسمان کی طرف سر بلند کر کے کہا کہ خدایا گواہ رہنا میں نے مسجد رسولؐ میں استدعا کی مگر کوئی متوجہ نہ ہوا حضرت علیؑ رکوع میں تھے۔ آپؑ نے داہنے ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کیا۔ سائل نے یہ انگشتری نکال لی۔ حضورؐ نے یہ واقعہ معلوم کر کے فرمایا الٰہی میرے بھائی موسیٰؑ نے تجھ سے سوال کیا کہ اے میرے پروردگار میرا سینہ کھولدے اور میرے کام کو آسان کر اور میری زبان کی رسہ کشادہ کر دے تاکہ باآسانی لوگ میری بات سمجھ سکیں میرے لئے ایک وزیر تجویز کر دے میرے اہل سے بھائی ہارون کو اور اس سے میری پشت قوی کر دے خدایا وہی دُعا میں پیش کرتا ہوں کہ میرے بھائی علیؑ کو منصب ہارون عطا فرما دے۔ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ بعد ختم دعا آیت موصوفہ نازل ہوئی۔

علامہ فخر الدین رازی کے مطابق چونکہ یہ عمل موجودگی رسولؐ میں وقوع پذیر ہوا اور حضورؐ نے معلوم کرنے پر دعائے خیر مانگی اور حضرت علیؑ کو روکنے ٹوکنے کی بجائے ان پر خوش ہوئے لہٰذا یہ عمل خلافِ سُنّت ہرگز نہ ہوا۔ مگر اس شخص کے نزدیک جو سُنّت کو جانتا ہی نہیں۔

اعتراض ۴۸ :- ادائے زکوٰۃ بحالتِ رکوع اگر آج کسی سے ثابت ہو تو وہ مستحق ولایت ٹھہرے گا یا نہیں۔ اگر نہیں تو امتناعی وجوہ بیان کئے جائیں۔

جواب ۴۸ :- اگر آج ادائے زکوٰۃ بحالتِ رکوع کسی کیلئے ثابت ہو جائے تو میں اسے ولی تسلیم کر لوں گا بشرطیکہ زکوٰۃ لینے والا کوئی آسمانی فرشتہ ہو۔ اور

خداوند تعالیٰ اس کی تعریف کرے۔

یہاں ایک وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ لازمی امر نہیں ہے کہ ہر فعلِ نبیؐ معصوم امت کے لئے سنت بن جاتا ہے اور اس کی اتباع کرنا ضروری ہوتا اور اس کی عدم نقل سے مخالفت سنّت ہوتی ہے۔ اگر یہ بات صحیح مان لی جائے تو دین میں بہت بڑا شگاف پڑ جاتے۔ مثلاً یہ کہ عمل رسولؐ ہے آپ نے دعویٰ نبوت کیا۔ اب اگر امت بھی اس عمل کو سُنت سمجھ کر اتباع کرنے کی خاطر خود کو "نبی" بنانا یا کہنا یا کہلوانا شروع کر دے تو پورا دین غرق ہو جائے گا۔ اسی طرح کئی مخصوص اعمال حضورؐ نے کئے مگر وہ سنّت نہ بنے اور اُمت نے ان پر عمل کرنے کی کوشش نہ کی۔ مثلاً حضورؐ نے چاند کو دو ٹکڑے کیا۔ سورج کو لوٹایا۔ مگر یہ افعال و معجزات مخصوص بالذات نبیؐ قرار پائے۔ اور صرف وہ احکام و اعمال سنّت ٹھہرے جن کا حکم حضورؐ نے جاری فرمایا۔ ممانعت وارد نہ فرمائی۔ یہی معاملہ آئمہ معصومین کا ہے لہٰذا ضروری نہیں ہے کہ ہر وہ کام جو امامؑ برحق کرے وہ اُمت کے لئے کرنا بھی ضروری ہو۔ اور اس کا نتیجہ بھی وہی ہو۔

اعتراض ۷۹:۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ سیدنا علی مرتضیٰ نے بحالت رکوع زکواۃ ادا کی تھی تو واضح کیا جائے کہ آپ کے پاس سونے کا نصاب موجود تھا۔ جس کی وجہ سے آپ پر یہ فریضہ عاید ہوتا تھا یا نہ۔

جواب ۷۹:۔ جواب ۷۷ میں تفسیر کبیر سے نقل کردہ روایت پر غور کیجیے کہ سائل نے مسجد رسولؐ میں کچھ مانگا تھا جس طرح کہ عموماً سوال کرنے والے مانگتے ہیں کہ خدا کے نام پر کچھ دو۔ ہر سوالی مخصوص اس زکواۃ کا طالب نہیں ہوتا جو کہ حسب قواعد شرعی ہوا کرتی ہے۔ ایسے مانگنے کو خیرات کہتے ہیں۔ بس جناب امیرالمومنین نے خیرات دی تھی جس کو زکواۃ کے نام سے بارگاہ احدیت سے معزز کیا گیا۔ لہٰذا ایسی نفلی زکواۃ کے لئے صاحبِ نصاب ہونے کی شرط نہیں ہے۔

اعتراض ۸۰:۔ اگر نہیں تھا ادائے زکواۃ سے کیا مطلب۔

جواب ۸۰:۔ ادائے زکواۃ سے مطلب خیرات ہے۔ زکواۃ کے لغوی معنی

میں "مال کو پاکیزہ کرنے کے لئے کچھ حصہ نکالنا" بھی ہے۔ چونکہ آپ لغوی معنیٰ پر زیادہ انحصار کرتے ہیں لہٰذا یہاں بھی لغت ملحوظ رکھیں۔

اعتراض ۸۱:۔ اگر آپ صاحب نصاب تھے تو بوقت دعوت خطبہ برائے سیدہ فاطمہؓ آپ نے صدیق اکبر کو یہ جواب کیوں دیا۔ ولیکن از تنگدستی شرم میکنم۔ لیکن تنگدستی کی وجہ سے شرم محسوس کرتا ہوں۔ (یعنی اگر حضورؐ مہر کا مطالبہ فرمائیں تو میں کس طرح ادا کروں گا) جلاء العیون

جواب ۸۱:۔ گذشتہ سوال کے جواب میں عرض کیا جا چکا ہے کہ ادائے خیرات کے لئے صاحب نصاب ہونا ضروری نہیں۔

اعتراض ۸۲:۔ کیا نماز میں اس قسم کا فعل فعلِ کثیر تو نہیں اور اس سے نماز میں نقص تو نہیں آتا۔ فقہی جنتی کا نشان دہی فرمائیے بشرطیکہ ضرورت پر محمول نہ ہو۔

جواب ۸۲:۔ اس سوال کا جواب ہم قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے دیتے ہیں۔ ارشاد ربّ العزت ہے:۔

" فنادته الملٰئکة وھو قائم یصلی فی المحراب ان اللہ یبشرک بیحیٰی مصدقا بکلمة من اللہ و سیدا وحصورا ونبیا من الصٰلحین ۝ قال رب انّٰی یکون لی غلٰم وقد بلغنی الکبر وامراتی عاقر قال کذٰلک اللہ یفعل ما یشاء ۝ قال رب اجعل لی اٰیة قال اٰیتک الا تکلم الناس ثلٰثة ایام الا رمزا واذکر ربک کثیرا وسبح بالعشی

(حضرت زکریا علیہ السلام) محراب (مسجد) میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کھڑے ہوئے کہ فرشتوں نے اُن کو آواز دی کہ خدا تم کو یحییٰ (کے پیدا ہونے) کی خوشخبری دیتا ہے جو کلمۂ خدا کی تصدیق کرے گا اور سید ہوگا اور پاکدامن ہوگا اور صالح نبی ہوگا۔ (زکریاؑ نے) عرض کیا کہ پروردگار مجھے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ میں بڑھاپے کو پہنچا ہوا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے (خدا نے) فرمایا اسی طرح (جیسے) خدا جو چاہتا

والابکار ہ"

(آل عمران ۴۱ - ۳۹)

ہے کہتا ہے (زکریا نے) عرض کی پروردگار
میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما ارشاد
ہوا تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک
لوگوں سے بات نہ کر سکو گے مگر اشارہ سے

اور اپنے رب کا ذکر کثرت سے کیا کرو
اور رات کو صبح سویرے تسبیح کیا کرو۔"

اگر واقعہ موصوفہ کی روشنی میں جناب زکریا علیہ السلام کی نماز میں کوئی نقص آیا ہے تو پھر ہم بتادیں گے کہ محض سائل کے انگشتری اتارنے سے جناب امیرؑ کی نماز میں نقص ہوا یا نہیں۔ جس طرح منقولہ آیات مبشرہ بمقام مدح وارد ہوئی ہیں اسی طرح آیتِ ولایت مقام مدح میں وارد ہوئی ہے۔ اگر یہ فعل منافی عزتِ نماز ہوتا تو جس کی نماز پڑھی جا رہی تھی وہ تعریف کرکے تاجِ ولایت کیوں عطا کرتا۔

اولاً تو یہ فعل کثیر نہ تھا تاہم اگر بالفرض اسے فعل کثیر مان بھی لیا جائے تب بھی لائقِ قدح نہیں کیونکہ جب اسی نے جس کی عبادت میں حضرت امیرؑ نے فعل مذکور کیا ممتاز الفاظ میں تعریف فرمائی۔ روایات میں یہ بھی درج ہے کہ سائل عام سوالی نہ تھا بلکہ فرستادہ خدا فرشتہ تھا اور بعضوں کے نزدیک جبرئیل تھے۔ اور فرشتوں سے درحالتِ نماز گفتگو مانع نماز نہیں ہے جیسا کہ واقعہ زکریاؑ بیان ہوا ہے۔ لیکن مجھے تعجب ہے کہ محض اشارہ سے انگلی میں سے انگوٹھی اتروا لینے پر تو اعتراض کیا جاتا ہے لیکن جب امامہ بنت زینب کو حالتِ نماز میں حضورؐ کے ساتھ چسپاں کیا جاتا ہے تو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ اسی طرح بی بی عائشہ کا حالتِ نماز میں حضورؐ کے پیروں کو گدگدانا کتب سُنیّہ میں مرقوم ہے لیکن یہ گدگدیاں مانع نماز نہیں کہی جاتی ہیں۔ بقول امام بخاری حضور سرکار دو عالمؐ نے ایک نماز منبر پر کھڑے ہو کر پڑھی قیام و قرأت منبر پر اور سجدے

زمین پر[۱]۔ فافہم ۔ ہم قریشی صاحب سے عرض کرتے ہیں کہ پہلے اپنے گھر کی خبر اچھی طرح لے لیا کریں پھر اعتراض کرنے کے لئے قلم کو تکلیف دیں۔

اعتراض ۸۳:۔ خلافت و امامت کے سلسلے میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ سے بھی استدلال کیا جاتا ہے۔ بتایئے مولا کا معنیٰ کہیں خلیفہ بلا فصل مذکور ہے۔

جواب ۸۳:۔ جی ہاں مولا کے معنی آقا و سید المطاع ہر جگہ ملاحظہ فرمائے جا سکتے ہیں۔ خلیفہ چونکہ بادشاہ ہوتا ہے لہٰذا سید المطاع ٹھہرا۔ "خلیفہ بلا فصل" کے معنی حدیث منقولہ ہی میں مذکور ہیں کہ حضورؐ نے براہِ راست حکم دیا کہ جس جس کا میں (محمدؐ) مولا ہوں اُس اُس کا علیؑ مولا ہے۔ چونکہ اپنے اور علیؑ کے درمیان آپ نے کسی غیر کو شامل نہ کیا اور اپنے فوراً بعد علیؑ کو مولا بنایا لہٰذا بلا فصل قرار پائے ورنہ حدیث میں ثابت کر دیجیے کہ حضورؐ نے فرمایا ہوں جس کا میں مولا اس کا فلاں، فلاں فلاں اور علیؑ مولا ہے۔

اعتراض ۸۴:۔ اگر مولا کے معنی سردار لیا جائے تو کیا اس لحاظ سے حضرت علیؑ مرتضیٰ جملہ انبیاء علیہم السلام سے افضل نہ ٹھہریں گے جبکہ سیّدنا علی وصفِ نبوّت سے موصوف نہیں اگر (چہ) درجہ نبوّت یقیناً درجہ ولایت سے زیادہ ہے

جواب ۸۴:۔ ہمارے اعتقاد کے مطابق بلاشبہ حضرت علی علیہ السلام حضورؐ کے علاوہ جملہ انبیاءؑ سے افضل ہیں اور ولایت کا درجہ بے شک نبوّت سے زیادہ ہے

---

[۱] استقبال قبلہ نیت لوگ صف بستہ قرأت فرمائی رکوع کیا منبر پر رکوع سے سر اٹھا کر پچھلے پیروں پلٹے زمین پر اُترے اور زمین پر سجدے کئے دونوں سجدوں سے فارغ ہوئے سر مبارک اٹھایا کھڑے ہوئے منبر پر چڑھ گئے پھر رکوع منبر پر اور سجدے نیچے اتر کر زمین پر۔ یوں ہی نماز پوری کی۔ (صحیح بخاری جزا صفحہ ۵۳ مطبوعہ مصر باب الصلوٰۃ علی السطوح والمنبر)۔ قریشی صاحب آپ نے بخاری شریف دیکھی یا نہیں؟ ہماری خاطر آپ ضرور دیکھیں اور پھر فیصلہ کریں کہ یہ فعل کثیر ہوا یا نہیں حضورؐ کی نماز اور امامت کا کیا انجام ہوا۔ نیز اہل جماعت کا کیا حشر ہو گا۔

اس کا ثبوت از خود آیت ولایت میں انّما کے حصر سے ملتا ہے کہ اللہ" ولی" ہے۔ رسول "ولی" ہیں اور علیؑ ولی ہیں۔ ولایت ایک ایسا درجہ ہے کہ خود ذاتِ خداوندی نے اپنے کو "ولی" کہا جبکہ کسی بھی جگہ "اللہ" نے "نبی" ہونا نہیں فرمایا۔ قرآن مجید میں ایک ہی مرتبہ ولایت کا ذکر کیا گیا ہے جس کی تشریح میں نے اپنی کتاب "علی ولی اللہ" میں ہدیۂ ناظرین کی ہے مطالعہ فرمایا جا سکتا ہے۔

اعتراض ۸۵ :۔ کیا اس معنی کے پیشِ نظر حضور علیہ السلام سے برابری لازم نہیں آتی اور زمانۂ نبوّت میں ایک مرتبے پر دو حضرات فائز المرام نہ ماننے پڑیں گے۔

جواب ۸۵ :۔ بالکل نہیں۔ اگر آپ کی مزعومہ بات قبول کر لی جائے تو پھر تمام خلفائے اہلسنت کو حسب اعتقاد اہل سنت حضورؐ سے برابری حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ "خلافت" کے معنی ہیں "ایک کام میں کسی جگہ ہونا" جب آپ حضرات ثلاثہ کی خلافت کو مانیں گے تو آپ کے زعم کے مطابق یہ سب حضورؐ کے برابر ہو گئے جبکہ یہ سراسر غلط ہے۔ حضورؐ اپنے مقام پر ولی یعنی صاحبِ اختیار ہیں اور ان کے ربیب جناب علیؑ اپنے مقام پر ولی الامر ہیں۔

اعتراض ۸۶ :۔ اگر مولا کا معنی محبوب اور دوست تسلیم کر لیا جائے تو کون سی حرج کی بات ہے

جواب ۸۶ :۔ ایسا تسلیم کر لینے پر حکم رسولؐ کی مخالفت ہوتی ہے اور کلام نبیؐ میں معنوی تحریف کا ارتکاب ہوتا ہے۔

اعتراض ۸۷ :۔ کیا ان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المومنین بلاشبہ وہی اللہ حضور علیہ السلام کے مولا ہیں اور جبرئیل امین اور نیک مومنین۔ میں مولا کا معنی دوست نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہاں یہی معنی نہیں لیا جاتا۔

جواب ۸۷ :۔ کسی لفظ کے معنی اخذ کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ سیاق و

سیاق اور قرائن کی طرف توجہ رکھی جائے ورنہ مفہوم صحیح حاصل نہ ہوگا۔ مثلاً یہ کہ "دال ہنڈیا میں پک رہی ہے"۔ "آپ کی دال میرے سامنے نہیں گل سکتی"۔ "اللہ تعالیٰ دال روٹی کا گذارہ چلا رہا ہے"۔ "دال ایک حرف تہجی ہے"۔ "لفظ علی دال ہے کہ علی صاحب اختیار ہیں"۔ ان پانچوں جملوں میں ہم نے ایک لفظ "دال" استعمال کیا ہے لیکن ہر فقرہ میں اس کا مطلب جدا ہے۔ لہٰذا چونکہ مسئولہ آیت میں مولا بمعنی سردار استعمال نہیں ہوا لہٰذا وہاں من پسند لغوی معنی تراشنا جہالت ہوگا۔

اعتراض ۸۸:۔ اگر ان اللہ ھو مولاہ والی آیت میں مولا کا معنی سردار لیا جائے تو معنی یوں بن جائے گا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ حضور علیہ السلام کے سردار ہیں اور جبرئیل بھی سردار ہیں اور نیک مومن بھی سردار ہیں۔ فرمایئے اس معنے سے حضور علیہ السلام کو سب کا غلام تصوّر کر لیا جائے۔

جواب ۸۸:۔ اگر آپ من پسند معنوں سے تفسیر بالرائے کریں گے تو بجز گمراہی کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لہٰذا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہی معنی اختیار فرمایئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تعلیم فرمائے کیونکہ قرآن ان پر نازل ہوا ہے نہ کہ آپ پر۔

اعتراض ۸۹:۔ اگر یہ مسئلہ عقائد قطعیہ میں سے تھا تو پروردگار عالم نے یاداؤد جعلناك خلیفة للناس کی طرح صراحتاً کیوں نہیں فرمادیا یا علی انا جعلناك خلیفة بلا فصل بعد النبی۔

جواب ۸۹:۔ وہ اس لئے نہیں فرمایا کہ سرکار رسالتؐ آب اللہ کی وحی کے امین تھے تمام رموز و اسرار و معانی قرآن بتانے کے لئے موجود تھے لہٰذا نام لینے کی بجائے صفات بیان کر دیں واقعات کی نشاندہی کر دی کہ نام سے زیادہ کام یاد رہتا ہے اور لوگوں کی تحریص و ترغیب و اصلاح مقصود تھی۔ اس شخص کا حسن کا خاص واقعہ یہ ہے توقیر و عزت بھی لوگوں کو معلوم ہو جائے نیز یہ کہ مسلمانوں کے لئے وجہ امتحان بھی ہو جائے۔ اصلی مومن و منافق میں تمیز ہو سکے۔ جو منافق ہوگا، وہ رسول اکرمؐ کے بیان کردہ معنی سے اعراض کر کے اپنی علیحدہ منطق قائم کرے گا اور جو

مومن خالص ہوگا وہ اس کو بے چون وچرا تسلیم کرے گا۔

یہ بھی خدا کی بہت بڑی مصلحت تھی کہ نام نہ لیا ورنہ آپ لفظ "علیؑ" کے معنوں میں اپنی غلط تاویلیں کرتے جس طرح کہ آپ حضرات کی عادت ہے اگر حسب مفروضہ "یا علی انا جعلناک خلیفتہ بلا فصل بعد النبی" کا جملہ بھی نازل ہو جاتا پھر بھی بمطابق فطرت آپ کا گمان یہی ہوتا کہ "علی" سے مراد علیؑ ابن ابیطالب نہیں بلکہ بڑا اور بلند معنی ہیں لہٰذا چونکہ ابوبکر حضرت امیرؑ سے بلند قد تھے اس لیئے یہ آیت ان کی شان میں نازل ہوئی ہے اگر اس سے مراد علی داماد رسول ہوتے تو پھر آیت ان معنی میں آتی کہ "اے علی بن ابی طالب شوہر بتولؑ و داماد رسولؐ ہم نے تجھے نبی کے بعد بلافاصلہ خلیفہ بنایا ہے" لیکن خدا کی قسم آپ پھر بھی اُسے تسلیم نہ کرتے۔ اور کوئی حدیث گھڑ کر آیت کی تکذیب کر دیتے۔

افسوس ہے کہ "ثانی اثنین" میں بغیر نام آئے ابوبکر مقصود ہو لیکن علیؑ کا نام پوچھا جائے۔!

اگر آپ عقیدہ قطعیہ "توحید پر ایمان لانے" کا حکم قرآن میں بصراحت دکھلا دیں تو پھر ہم عقیدۂ امامت کو بھی اُسی طرح دکھادیں گے جیسا آپ چاہتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۹۰:۔ جب یہ مسئلہ اتنا اہم تھا تو حضورؐ نے ذو معانی لفظوں پر اکتفا کیوں فرمایا۔ آخر کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

جواب نمبر ۹۰:۔ رسول کریمؐ نے ہر وہ لفظ استعمال فرمایا ہے جو معنیٰ سیادت و پیشوائی کے لیئے موزوں تھا اور ان سب سے با مقصد لفظِ "ولی" ہے۔

اعتراض نمبر ۹۱:۔ کیا آیت کے ماقبل اور مابعد والی آیت کا تعلق ہوتا ہے یا نہ۔ کیا ماقبل کی آیت ادائیگی مفہوم کے لئے قرینہ بن سکتی ہے یا نہ۔

جواب نمبر ۹۱:۔ بے شک آیت ولایت سے پہلی آیت اور بعد کی آیت دونوں آیت موصوفہ سے متعلقہ ہیں اور ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔

اعتراض نمبر ۹۲:۔ اگر نہیں بن سکتی تو باہمی ارتباط نہ رہا۔ حالانکہ قرآن

افصح اور ابلغ کی کلام ہے۔ اگر ہوتا ہے تو ما قبل والی آیت میں محبت و مودت کا ذکر ہے۔ فرمایئے اس ربط و نسق کے پیش نظر والی (ولی) کا معنی محبت کیوں نہ لیا جائے۔

جواب ۹۲:۔ چونکہ آیت مربوط ہے اور اس کا ماحصل یہ ہے کہ فضیلت یعنی فضل "اللہ" کے اختیار میں ہے جس کو چاہے افضل قرار دے یعنی خدا خود اپنی مرضی سے جسے چاہتا ہے دوسروں کے مقابلے میں بڑھا دیتا ہے لہٰذا مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ خدا کے افضل کردہ افراد سے محبت رکھیں کیوں کہ خدا ان کو محبوب رکھتا ہے اور وہ خدا کو محبوب رکھتے ہیں۔ وہ ایسے افضل ہیں کہ مومنین کے لئے تو منکسر ہیں اور کفر کرنے والوں کے لئے راہِ خدا میں جہاد کرنے والے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں کرتے۔ چونکہ آیت کا بنیادی نفسِ مضمون محض محبت نہیں بلکہ عطائے فضیلت ہے لہٰذا ربط و نسق کے پیشِ نظر "فضل" کے مفہوم کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اور آیت میں محبت کا تذکرہ ضمنی ہے نہ کہ مطلق حتمی۔ چنانچہ آیات اِس طرح ہیں:۔

یاایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکفرین یجاھدون فی سبیل اللہ و لا یخافون لومۃ لائم ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ واسع علیم ٥ انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ و یؤتون الزکوٰۃ

اے اہلِ ایمان! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب خدا ایسے لوگوں کو ظاہر کر دے گا۔ (جن کو اس نے مقرر و افسر نامزد کیا ہے) جن سے وہ محبت رکھتا ہے اور وہ اس (خدا) سے محبت رکھتے ہیں۔ (ان کی شناخت یہ ہوگی کہ) ایماندار مومنین کے ساتھ نرم (منکسرانہ) رویہ رکھیں گے کفر کرنیوالوں کے ساتھ کڑے ہوں گے۔ جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں اور کسی ملامت کرنے والے

وھم راکعون ہ ومن یتول اللہ ورسولہ والذین امنوا فان حزب اللہ ھم الغلبون ہ
(المائدۃ ۵۲-۵۴)

کی ملامت کی کوئی پرواہ نہ کریں گے۔ (ایسے لوگوں کو منتخب کر کے معزز بنا دینا) یہ خدا کا فضل ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے (انسان کا کام نہیں ہے) اور وہ گنجائش والا ہے واقف کار ہے۔ (اس کا علم غلط انتخاب نہیں حاصل کر سکتا ہے)
(چونکہ وہ مالکِ فضل ہے لہٰذا) بتحقیق اللہ تمہارا صاحب اختیار حاکم ہے اور اس کا رسولؐ اور وہ مومنین جو نماز ادا کرتے ہیں اور زکواۃ ادا کرتے ہیں حالتِ رکوع میں۔ اور جس نے اللہ، رسولؐ اور مومنین موصوفہ کو ولی مانا ہے وہ خدائی جماعت میں ہے جو کہ غالبوں کی جماعت ہے۔

ان تینوں آیات میں خدا نے اپنے مقرر کردہ سردار کی شناخت وعلامتیں بیان کر کے حکم دیا ہے ان کو حاکم اولی التسلیم کیا جائے کیونکہ تمام آیات مربوط ہیں اور ہمارے عقیدہ کی ترجمانی کرتی ہیں لہٰذا قریشی صاحب اور اُن کے ہم مشربوں کو کھلے دل سے جامِ ولایت نوش فرمالینا چاہیئے بصورت دیگر از روئے قرآن ارتداد ثابت ہوگا۔ روز خیبر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں یہ فرما کر "کل میں علم اس کو دوں گا جو خدا اور رسول کا محبوب ہوگا اور خدا اور رسول اس کے محبوب ہوں گے" آپ کا تعارف میدان میں کروا دیا تھا اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو یہ فضل نصیب نہ ہو سکا تھا۔ لہٰذا قرآن وحدیث کی نصوصِ قطعیہ سے حضرت امیر علیہ السلام کا "ولی" ہونا ثابت ہے اور اس کا انکار دین سے ارتداد ہے۔

اعتراض ۹۳:- شانِ نزول کے سلسلے میں ادائے زکواۃ بحالتِ رکوع کا جو واقعہ تفاسیر میں منقول ہے جب اس کی تردید معتبر تفسیروں میں ابن ہمہ الفاظ ہو چکی ہے تو استدلال کیوں کیا جاتا ہے ۔ ولیس لیصح شیٔ منھا بالکلیة تصحف (تضعف) اسانیدھا وجھالة رجالھا (تفسیر ابن کثیر ص ج ۲) ان روایات میں سے کوئی بھی صحیح نہیں کیونکہ ان روایتوں کی سندیں ضعیف ہیں اور راوی مجہول ہیں ۔

جواب ۹۳:- یہ واقعہ جمہور اعلام امت کا تسلیم شدہ ہے اور بہت بڑی جماعت آئمہ اہلِ سنت اس شانِ نزول پر متفق ہے ۔ مثلاً مجاہد، سدی، قتادہ، مقاتل، ضحاک، ابن جریر، شعبی، ابن عیینہ، ابن سیرین، کلبی، طبری، قرطبی، واحدی، ثعلبی، حاکم، ابوالقاسم دربانی، ابن مردویہ، ابوبکر رازی، فخر الدین رازی، نیشاپوری، ابوالحسن مغربی، خوارزمی، ابن مغازلی، زمخشری، غزالی، بیضاوی، عمر نسفی، البغوی، سیوطی، جمال الدین، صدر الدین، محب الدین طبری، سبط ابن جوزی، محمد صالح کشفی، سلیمان قندوزی، عبید اللہ بسمل، علامہ رافعی، ملا جامی، دیلمی، ابن حجر مکی وغیرہم اتنے علماء کے خلاف صرف ابن کثیر کی حقیقت کیا رہے گی جبکہ ابن کثیر مخالف اہل بیت اور تابعدار بنی امیہ تھا۔ اس مذہبی لڑاکے کی بات ہمارے لیئے قابلِ اعتبار نہیں ہے کیونکہ شیعہ دشمنوں کی صفِ اوّل میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ لہٰذا محض بغض شیعہ و عداوت اہلبیت و اطاعتِ معاویہ و یزید میں اس نے یہ لکھا ہے۔ حالانکہ خود اس شامی ملاّ نے اپنی تفسیر کی تیسری جلد کے ص ۲۶ پر یہی شانِ نزول تحریر کیا ہے۔

اعتراض ۹۴:- اشھد ان علیاً ولی اللہ میں بھی ولی سے مراد سردار لیا جاتا ہے یا محبوب اور واضح فرمایئے کہ اضافت کے اقسام میں سے کون سی اضافت ہے۔

جواب ۹۴:- جی ہاں "ولی" سے مراد سردار لی جاتی ہے اور یہ اضافت تفضیلی ہے۔

اعتراض نمبر ۹۵ :۔ اگر انما ولیکم والی آیت کو دلیل تسلیم کر لیا جائے تو اس آیت میں "ولی" کی اضافت کم کی طرف ہے اور علی ولی اللہ" میں "ولی" کی اضافت اللہ کی طرف ہے فرمایئے دلیل مطابق دعویٰ کیسے رہی۔

جواب نمبر ۹۵ :۔ دلیل بمطابق دعویٰ ہے کہ آیت میں خبر و حکم ہے اور جملہ مذکورہ میں تصدیق و شہادت ہے۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ترکیب میں مختلف مقامات پر اضافت کا بھی لحاظ رکھا جائے۔ موقع محل کے مطابق مضاف و مضاف الیہ میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ مگر مطالب و مفہوم میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔ جیسا کہ آیت میں ہے کہ مخصوص مومنین تمہارے ولی ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ بے شک علیؑ اللہ کے مقرر فرمودہ ہمارے ولی ہیں۔ ایسی صورت میں دلیل دعویٰ قطعاً محفوظ ہے۔

اعتراض نمبر ۹۶ :۔ اگر یہ آیت سیدنا علی کی امامت کے لئے مفید مان لی جائے تو باقی یازدہ اماموں کی امامت کے لئے کون سی آیت آپ کے پاس موجود ہے۔

جواب نمبر ۹۶ :۔ بہت ہیں۔ کچھ پیچھے بیان کر دی ہیں اب صرف ایک آیت اور سن لیجئے جو سورۂ نساء میں ہے۔ کہ "یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم" اس کی تفسیر روضۃ الاحباب جلد ۲ صفحہ ۸۲۸ میں ملاحظہ کر لیں۔

اعتراض نمبر ۹۷ :۔ ولی کی جمع اولیاء اور اس کے ماقبل والی آیت میں ہے۔ یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصاری اولیاء۔ اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ۔ دیکھئے اس آیت میں اولیاء سے مراد دوست ہیں۔ فرمایئے اس آیت میں دوست مراد کیوں نہ لیا جائے۔ اثنا عشری براہین سے آگاہ فرمایئے۔

جواب نمبر ۹۷ :۔ آیت ولایت سورہ مائدہ کی ۵۵ ویں آیت ہے جبکہ محولہ آیت کا نشان ۵۱ ہے۔ اس لئے یہ آیت ماقبل والی نہیں ہے۔ یہ سارا سلسلہ آیات ہمارے موقف کی تائید کرتا ہے۔ ان آیات میں مقصد ہدایت شریعت ہے کہ اہل کتاب زمانہ جاہلیت کے

حکم کی تمنا کرتے تھے اور محرف کتب پر عامل ہونے کے خواہشمند تھے لہٰذا خدا نے ان کی تردید کی اور لوگوں کو ان کے ہادی و پیشوا ماننے سے روک دیا۔ اور حضورؐ و مومنین خاص کو ہادیانِ برحق اور پیشوا قرار دیا۔ لہٰذا اس آیت میں بھی دوست کے معنی لینے کی بجائے پیشوا اور رہبر کے معنی وسیع و صحیح ہیں۔ پورے سلسلہ کلام کا مطالعہ فرما کر فیصلہ کیجیئے اور پھر اعتراض فرمایئے۔ اگر آپ یہاں محض دوست بنا مراد لیتے ہیں پھر بتایئے اہل جزیہ کے لئے کیا حکم شریعت ہوگا؟ حالانکہ اسلام کا مذہب سراسری دوستی کا سبق دیتا ہے اور دوستانہ طریقہ ہی سے غیر مسلموں میں تبلیغ کا حکم صادر کرتا ہے۔ مباہلہ میں نصرانیوں سے صلح اور خیبر میں یہودیوں سے معاہدہ ثابت کرتا ہے کہ یہود و نصاریٰ سے بایں معنی دوستی ممنوع نہیں ہے جو کہ معترض کے مزعومہ ہیں۔ دراصل آیت مسئولہ میں اولیاء سے مراد پیشوا، سرپرست اور رہبر و ہادی ہیں نہ کہ محض دوست۔ اور ولی یا اولیاء کا استعمال انتہائی موزونیت سے ہوا ہے۔

بحث آیت تطہیر

اعتراض ۹۸:۔ سنا ہے کہ مسئلہ امامت کو ثابت کرنے کیلئے آیت تطہیر کو بھی پیش کیا جاتا ہے فرمایئے اس سے سیدنا علیؑ اور سیدنا حسنؑ و حسینؑ اولاً بالذات مراد ہیں یا ثانیاً بالعرض۔

جواب ۹۸:۔ آیتِ تطہیر امامت کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے اور معترض نے اس آیت کی روح کا تذکرہ کرنا پسند نہ کیا جبکہ سیدہ طاہرہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے بغیر اس آیت میں کوئی جان نہیں ہے۔ بہرحال جواب اعتراض یہ ہے کہ متذکرہ حضرات اس آیت میں بالذات مراد ہیں۔

اعتراض ۹۹:۔ اگر اولاً بالذات مراد ہیں تو آیت مقدسہ میں ان سے متعلق خطاب ثابت کیجیے۔

جواب نمبر ۹۹ :- "عنکم" اور "یطھرکم" سے خطاب ثابت ہے۔ صیغہ حاضر یعنی مخاطب جمع استعمال ہوا ہے جس سے از خود خطاب ثابت ہے۔

اعتراض نمبر ۱۰۰ :- نیز "یطھرکم" میں مراد ایجادِ تطہیر ہے یا بقاءِ تطہیر ہے۔

جواب نمبر ۱۰۰ :- بقائے تطہیر مراد ہے۔

اعتراض نمبر ۱۰۱ :- اگر ایجاد تطہیر مراد ہے تو قبل از تطہیر جب تک اس کے خلاف تسلیم نہ کیا جائے تب تک ایجاد تطہیر مسلّم نہیں۔

جواب نمبر ۱۰۱ :- ہم بقائے تطہیر کے قائل ہیں نہ کہ ایجادی پاکی کے۔

اعتراض نمبر ۱۰۲ :- اگر ایجاد تطہیر بایں معنی تسلیم کر لیا جائے تو معصومیت ذاتی کی نفی لازم آتی ہے فرمایئے کیا ارشاد ہے۔

جواب نمبر ۱۰۲ :- اس آیت میں ایجاد تطہیر باں معنی ہرگز نہیں ہیں جو آپ سمجھتے ہیں کہ اہل بیت کو نجاست سے طاہر کر دیا گیا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ خدا نے اہل بیت کو ہر طرح کے رجس سے محفوظ رکھا۔

اعتراض نمبر ۱۰۳ :- اور اگر بقائے تطہیر مراد ہے تو لیذھب عنکم الرجس کے مفہوم کے خلاف ہے کیونکہ اذھاب ازالہ کے معنی کیلئے ہے۔

جواب نمبر ۱۰۳ :- "بقائے تطہیر" کی مراد کو "لیذھب عنکم الرجس" سے کوئی نقصان نہیں ہے کیونکہ "اذھاب" سے مراد ازالہ نہیں ہے۔ بلکہ "اذہاب" کے معنی "دور رکھنا" "بچانا" "محفوظ رکھنا" "لے جانا" "ہٹائے رکھنا" وغیرہ ہے۔

اعتراض نمبر ۱۰۴ :- اذہاب الرجس جیسا کہ قرآن میں وارد ہے اگر تسلیم کر لیا جائے تو براہ کرم رجس کا مفہوم بیان فرمایئے اور تصریح فرمایئے کہ اذہاب الرجس قبل از اذہاب مثبتِ رجس تو نہیں۔

جواب نمبر ۱۰۴ :- رجس سے مراد ہر طرح کی ظاہری و باطنی نجاست ہے جس سے خدا نے اہل بیت محمدؐ کو بالتحقیق دور رکھا۔ نہ کہ معاذ اللہ وہ پہلے ناپاک تھے اور بعد میں خدا نے وہ ناپاکی دور کر کے ان کو پاک کیا بلکہ ہمیشہ سے اللہ کا ارادہ یہی ہے کہ وہ ان

پاک ہستیوں کو ہر طرح کی پلیدگی سے دور رکھے۔ لہٰذا اندریں وضاحت قبل از اذہاب کسی قسم کا رجس ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اور ارادہ خدا سے ظاہر ہے کہ یہ طہارت بقائی ہے۔ اس لئے قبل و بعد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے پس جب خالق نے ان ذوات کو خلق فرمایا تو سراپا طہارت خلق کیا۔

اعتراض ۱۰۵:۔ اگر نہیں تو کیسے اور اگر ہے تو کیا عقیدہ عصمت کے منافی تو نہیں۔

جواب ۱۰۵:۔ چونکہ آپ کے مزعومہ مفہوم کے مطابق معاملہ ہی نہیں ہے لہٰذا عقیدۂ عصمت ہر طرح محفوظ ہے۔

اعتراض ۱۰۶:۔ اندریں حالات یہ آیت ازواجِ مطہرات کے حق میں کیوں نہ مان لی جائے جبکہ خطاب بھی ان کو ہے اور مقدم و موخر صیغے انہیں کے لئے لائے گئے ہیں۔

جواب ۱۰۶:۔ کیونکہ اس آیت میں خصوصاً مقدم و موخر صیغوں کے خلاف صیغہ مذکر استعمال ہوا ہے جبکہ ازواج کے لئے ہر جگہ مؤنث صیغے استعمال ہوئے۔ اس لئے یہ آیت ازواج کے حق میں نہیں مانی جا سکتی ہے۔ اور پھر یہ ہے کہ ازواج میں سے کوئی بھی بتول ہرگز نہ تھیں۔ اگر کوئی ام المومنین مبّرہ نجاست حیض ثابت کر دی جائے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے کہ ازواج کو اس آیت میں شامل سمجھا جائے۔

اعتراض ۱۰۷:۔ اگر یہ آیت بقول شما عترت رسول صلعم کے حق میں ہے تو فرمایئے کہ حضور علیہ السلام کی دعا اللّٰھم ھؤلاءِ اھل بیتی فطھرھم کا کیا مطلب ہے۔

جواب ۱۰۷:۔ اس دعا کا مطلب ہے کہ "اے اللہ میرے ان اہل بیت کو طاہر رکھ۔" یعنی خود حضورؐ نے چادر میں بلا کر "ھؤلاءِ" کے اشارہ سے شناخت کروائی ہے کہ "آلِ عبا" وہ مخصوص ہستیاں ہیں جن کے لئے یہ آیت تطہیر نازل ہوئی ہے اور "ھؤلاءِ" سے

باہر والے گھر والے اس طرح کے پاک نہیں ہیں۔

اعتراض ۱۰۸:۔ کیا خدا تعالیٰ کے سامنے آنحضرتؐ اہل بیت کو معین کر کے دکھلانا چاہتے تھے کہ اہل بیت یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کو قبل ازیں ان کا علم نہ تھا۔

جواب ۱۰۸:۔ جی نہیں۔ خدا کو تو سب کچھ معلوم ہے۔ دراصل حضورؐ اہل بیتؑ الہامؑ کا تعارف کرا رہے تھے تاکہ دیگر گھر والے افراد کو اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ ہم ان ہستیوں جیسے پاک نہیں ہیں۔ اسی طرح آپ جیسے حضرات کو بتانا مقصود تھا کہ پاک نفوس کون ہیں۔

اعتراض ۱۰۹:۔ اگر اللہ تعالیٰ جانتے تھے تو حضورؐ نے یہ دعا کیوں کی۔

جواب ۱۰۹:۔ اللہ تعالیٰ کیا نہیں جانتا۔ اس کو ہر ایک کی حاجت معلوم ہوتی ہے پھر اس سے دعا کیوں کی جاتی ہے۔ کیا کسی دعا کے کرنے سے علم خدا کی نفی ہو جاتی ہے ہرگز نہیں۔ دراصل حضورؐ نے دعا اس لئے فرمائی کہ دنیا جان لے۔

اعتراض ۱۱۰:۔ کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ اہل بیتؑ کے کئی اور افراد کو پاک کرنا چاہتے پیش کر دیئے۔

جواب ۱۱۰:۔ جی نہیں۔ ہمیں تو ایسا معلوم نہیں ہوتا۔

اعتراض ۱۱۱:۔ اگر ھؤلاء کے مشارالیھم سے پہلے تھے تو فطھرھم میں کس چیز کی درخواست ہے۔

جواب ۱۱۱:۔ اسی طہارت کی درخواست تھی اور اس دعا سے مقصود تخصیص کا اظہار تھا تاکہ کوئی غیر طاہر گھر والا کہیں پاک ہونے کا دعویٰ نہ کر دے اور اگر کردے تو یہ دعا اس کی تکذیب کرے۔

اعتراض ۱۱۲:۔ × کوئی نہیں ہے۔

جواب ۱۱۲:۔ ایک ہزار اعتراضات کی بجائے ۹۹۹ رہ گئے۔

اعتراض ۱۱۳:۔ کہا جاتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے سیدنا علیؑ، سیدنا حسنؓ، سیدہ فاطمہؑ کو چادر کے نیچے لیا اس لئے ثابت ہوا کہ یہی پاک ٹھہرے۔ فرمائیے ان کی تطہیر دعا سے پہلے بھی تھی یا نہ۔

جواب ۱۱۳:۔ "کہا جاتا ہے" کہہ کر خیانت سے کام نہ لیں بلکہ آپ کی کتب صحاح سے مکمل طور پر آلِ عبا کی طہارت ثابت ہے۔ اور جواب سوال یہ ہے کہ پاک النفاس کی طہارت قبل از دعا بھی تھی کہ طہارت بقائی ہے۔

اعتراض ۱۱۴:۔ اگر دعا سے پہلے تھی تو اب دعا کیوں فرمائی گئی۔

جواب ۱۱۴:۔ اس کا جواب یہ ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صراطِ مستقیم پر تھے لیکن راہِ راست پر ہونے کے باوجود ہر نماز میں یہ دعا کیوں فرماتے تھے کہ "اھدنا الصراط المستقیم" کہ آپ کے بقول اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ ہم کو سیدھا راستہ دکھلا۔ جب وہ خود سیدھے راستے پر تھے تو دعا کیوں ہر روز متواتر مانگتے تھے جو آپ اس سوال کا جواب دیں گے وہی جواب اپنے اعتراض کے جواب پر دہرا لیجئے۔

اعتراض ۱۱۵:۔ کیا تطہیر میں دعا کو دخل ہے یا چادر کو۔

جواب ۱۱۵:۔ دراصل معاملۂ طہارت میں دونوں کا اصولی دخل نہیں ہے لیکن عمل حضورؐ عبث نہیں ہو سکتا کہ رسولؐ خالی از حکمت کوئی فعل نہیں بجا لاتے۔ تعارف و شناخت کے لئے دونوں کو دخل ہے۔

اعتراض ۱۱۶:۔ اگر چادر تطہیر سے پہلے یہ ہستیاں پاک تھیں تو چادر کا کیا مطلب۔

جواب ۱۱۶:۔ بلا شک و شبہ چادر میں آنے سے قبل اہلِ بیتؑ اطہار پاک تھے اور چادر میں لینے کا ایک ظاہری مقصد یہ تھا کہ دیگر رشتہ دارانِ رسولؐ اور مخصوص و طاہر اہلبیت میں امتیاز نمایاں ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ مشکوٰۃ شریف کی روایت کے مطابق ام المومنین حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو چادر میں آنے کی اجازت نہ دے کر حضورؐ نے

واضح فرمادیا کہ کوئی دوسرا فرد اہل خانہ ان ہستیوں میں شامل نہیں ہے جن کی طہارت کی ضمانت خداوند پاک قرآن پاک میں دے رہا ہے۔

اعتراض نمبر ۱۱۷:۔ اور اگر چادر نے آکر پاک کیا تو حضورؐ کی بعثت کیوں ہوئی جبکہ ویزکیہم، خداتعالیٰ نے ان کے حق میں ارشاد فرمایا ہے۔

جواب نمبر ۱۱۷:۔ چادر سے پاک نہیں کیا ہے بلکہ وہ پہلے سے ہی پاک تھے۔

اعتراض نمبر ۱۱۸:۔ تطہیر و تزکیہ میں کیا فرق ہے۔

جواب نمبر ۱۱۸:۔ تطہیر کے معنی پاک ہونا، دھویا ہوا ہونا، مصفیٰ ہونا وغیرہ ہیں۔ جبکہ تزکیہ کے معنی دراصل کسی خالی شئے کو پُر کرنا، بھرنا، مشک کو پُر کرنا، کسی نجس چیز کو پاک کرنا، مال میں سے زکواۃ نکالنا، اور اپنی تعریف کرنا وغیرہ ہیں۔ دونوں الفاظ کا معنوی فرق صاف ظاہر ہے۔

اعتراض نمبر ۱۱۹:۔ کیا یہ صحیح ہے کہ تطہیر کا صیغہ اہل بیت کے حق میں ہے اور تزکیہ کا صیغہ صحابہ کرام کے حق میں۔ تشریح درکار ہے۔

جواب نمبر ۱۱۹:۔ یہ درست ہے کہ طہارت کے مالک اہل بیتؑ رسولؐ ہیں۔ اور تزکیہ اصحاب رسولؐ رضوان اللہ علیہم کے لئے ہے۔

اعتراض نمبر ۱۲۰:۔ آخر کیا وجہ ہے کہ تطہیر کے صیغے سے تو مسئلہ معصومیت مستفاد ہوا اور یزکیہم میں تزکیہ سے عصمت مستفادہ نہ ہو۔

جواب نمبر ۱۲۰:۔ جواب نمبر ۱۱۸ میں معنوی تشریح کو ملحوظ رکھیں کہ تزکیہ کسی خالی چیز کو پُر کر دینے کو کہتے ہیں۔ اس لئے عصمت کے لئے تزکیہ کافی نہیں ہے۔ کہ معصوم ہمیشہ پاک ہی پاک ہوتا ہے اور نجس رہ کر طاہر نہیں بنتا ہے۔

اعتراض نمبر ۱۲۱:۔ قلیل وقت میں اگر چادر پنجتنوں کے سروں پر آ جانا ان کو معصوم بنا دیتا ہے تو بیس سال مسلسل ازواجِ مطہرات کا چادروں کے نیچے گھنٹوں آرام کرنا کیوں عصمت کا باعث نہیں۔

جواب ۱۲۱: — ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

بے شک ازواج کو سایہ چادر کئی سال نصیب ہوا۔ لیکن یہ مرضیٔ خدا ہے کہ چادرِ تطہیر میں ازواج کو داخل ہونے کی اجازت نہ ملی۔ جیسا کہ اُم المومنین بی بی اُمِ سلمہؓ کو اجازت نہ ملنا صحاح میں مرقوم ہے۔ اللہ کا فضل ہے جسے مرضی عطا کرے۔ ابلیس کئی صدیاں خدا کی عبادت کرتا رہا۔ فرشتوں کا سردار مقرر ہوا۔ لیکن باوجود قربت وریاضت و برگزیدگی کے منصب خلافت سے محروم ہوا اور انکار پر راندۂ درگاہ قرار پایا۔

اعتراض ۱۲۲: — اگر تسلیم کر لیا جائے کہ معصومیت کے لئے صیغۂ تطہیر ہی مختص ہے تو جو مرید اور تطہیر کے دونوں صیغے صحابہ کرام کے حق میں بھی وارد ہیں فرمائیے کیا جواب ہے۔ چنانچہ قرآن مجید ہے **ولکن یرید لیطھرکم و لیتم نعمتہ علیکم** لیکن خدا تعالیٰ ارادہ کرتے ہیں کہ اے صحابہ کرام تم کو پاک کر دیں اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دیں۔

جواب ۱۲۲: — صیغۂ تطہیر و مرید اس وقت معصومیت ثابت کریں گے جب اذہاب رجس کی گارنٹی موجود ہو۔ جبکہ کسی جگہ قرآن میں ایسا بیان اصحاب کے لئے موجود نہیں ہے۔ اور پھر آیت محولہ کے منقولہ ٹکڑے میں بھی اصحاب کا بیان خاص ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ الفاظ آیت تیمم میں سے لئے گئے ہیں۔ جس میں ہر مسلمان مراد ہے۔ اور نجاست سے پاک ہونے کا سہل طریقہ بدل وضو بیان ہوا ہے۔ جبکہ مفہوم آیت سے ثابت ہے پلیدگی دور کرنے اور پاک کرنے کے لئے یہ الفاظ نازل ہوتے تو پھر طہارت کاملہ کس طرح مراد ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر یہ بھی وارد ہو کہ ہر طرح کی نجاست سے پاک ہوں گے تو ہم ماننے کو تیار ہیں۔ اگر اصحاب اہل بیت اطہار ہیں تو ہم چیلنج دیتے ہیں کسی صحابی کا ضعیف سے ضعیف ایسا قول نقل کیا جائے جس میں انہوں نے اہل بیت ہونے

یا معصوم و طاہر ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ بے شک کتابیں اپنی دیکھیے۔

اعتراض نمبر ۱۲۳:۔ استدلال تو تب صحیح رہتا اگر طہرکم بصیغہ ماضی مذکور ہوتا یہاں یطہرکم بصیغہ مضارع ہے اور متعلق بارادہ الٰہی ہے ہو سکتا ہے کہ موافق قول شما بد ہو جائے اور رائے بدل جائے۔

جواب نمبر ۱۲۳:۔ اگر ماضی کا صیغہ استعمال ہوتا تو شاید آپ جیسے ناصبی اُسے حال و مستقبل کے لیے قبول نہ کرتے خدا چونکہ خبیر و حکیم ہے لہٰذا اُس نے صیغہ مضارع استعمال کر کے زمانہ حال و مستقبل کی ضمانت دے دی تاکہ اعتراض کی گنجائش نہ رہے اور پھر حصر "انما" اور "یرید اللہ" کے بند ھن سے ماضی کو جکڑ لیا تاکہ طہارت ہر زمانے کے لیے مثبت قرار پائے۔

اعتراض نمبر ۱۲۴:۔ سنا ہے کہ بعض جاہلین کرام "کم" ضمیر جمع مذکر مخاطب سے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ اگر اہل بیت سے مراد حضور علیہ السلام کی بیویاں ہوتیں تو تب "کم" کے قائم مقام "کن" ہوتا۔ پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب "کم" کا خطاب اہل بیت سے ہے اور اہل اگرچہ لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے لیکن معنے کے اعتبار سے جمع ہے پھر دیدہ دانستہ ایسی حرکت کیوں۔

جواب نمبر ۱۲۴:۔ جہاں بھی بیویوں کا ذکر ہوا ہے اللہ نے صیغہ جمع مؤنث استعمال کیا ہے پھر آخر اس ایک ہی آیت (تطہیر) میں خلاف معمول خدا نے صیغہ میں تبدیلی کر کے جنس کیوں بدل دی۔ حضورؐ نے چادر میں مخصوص افراد کو کیوں ڈھانپا اور اپنی زوجہ محترمہ کو اندر آنے کی اجازت کیوں نہ دی۔ علمائے اہلِ سنتہ کی کثیر تعداد مثل امام احمد بن حنبل، ابن مردویہ، ثعلبی، سیوطی وغیرہ نے متفقہ اقبال کیا ہے یہ آیت پنجتن پاک کی شان میں نازل ہوئی اور پھر یہ کہ معنی وہ ہی قابلِ قبول ہوں گے جو خود صاحب القرآن

رسول ہی نے بتلائے کیونکہ قرآن ان پر نازل ہوا۔ ان سے بہتر کلام خدا کو کوئی نہیں سمجھ سکتا چنانچہ علامہ امام اہلسنت جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ جب آیت تطہیر نازل ہوئی تو اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدتوں ہر نماز کے وقت خانہ علی و فاطمہؑ کے پاس تشریف لاتے اور چوکھٹ تھام کر فرماتے تھے "السلام علیکما یا اہل بیت" دیکھئے تفسیر دُر منثور جلد ۵ ص ۱۹۹، ۱۹۸۔ اگر بیویاں آیت میں شامل ہیں تو آپ کسی بی بی کے دروازہ پر حضورؐ کا سلام فرمانا ثابت کر دیجئے۔ لہٰذا ہم دیدہ دانستہ کوئی حذف نہیں کرتے بلکہ صرف تعمیل حکم رسولؐ کی گذارش کرتے ہیں۔

اعتراض ۱۲۵ :- اور اگر ہماری یہ تحریر طبع مبارک کے مناسب نہیں تو "اتعجبین من امر اللّٰہ رحمۃ و برکاتہ علیکم اہل البیت" کیا خدا تعالیٰ کے امر سے تعجب کرتی ہے اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں تم پر اے اہلِ بیت۔ یہں علیکم بضمیر جمع مذکر مخاطب کیوں جبکہ اس سے پہلے اتعجبین میں خطاب بضمیر واحد مؤنث مخاطب ہے۔

جواب ۱۲۵ :- سورۂ ہود سے نقل کردہ یہ الفاظ زوجۂ ابراہیم علیہ السلام حضرت بی بی سارہ کے لئے ظاہر ہوتے ہیں۔ بی بی سارہ حضرت ابراہیمؑ ہی کے خاندان میں سے تھیں اور ان کا نسب حضرت خلیل کے نسب سے ملتا ہے۔ آپ کے بطن مبارک سے پاک نبیوں کا ظہور ہوا۔ لہٰذا آپ کو بحیثیت والدہ نبی اہل میں شامل کیا گیا ہے اور رحمت و برکت جملہ اہلِ بیت کے لئے یکساں بیان ہوئی ہے نہ کہ بی بی صاحبہ کے لئے مخصوص ہے۔ لہٰذا آیت تطہیر میں معاملہ جداگانہ ہے کہ وہاں اعزاز عصمت سے سرفرازی زیر بحث ہے نہ کہ اہلِ خانہ کی کوئی نزاع ہے۔ ہمارے لئے نہ ہی گرامر کی بحث مفید ہے اور نہ ہی لغوی معنی سیدھی سی بات ہے کہ خود حضورؐ نے اپنے گھر والوں میں سے چند ہستیوں کو مصطفےٰ فرمایا اور عبا میں لے کر ان کا تعارف کرا دیا کہ یہ

باعصمت ہیں اور پھر ان کے گھر پر سلام کہتے رہے۔

اعتراض ۱۲۶:۔ اذ اقال لاھلہ امکثوا میں فرمایئے جمع مذکر مخاطب کے ذریعہ کن ذکور سے خطاب ہے۔

جواب ۱۲۶:۔ یہ الفاظ تیس قرآن میں نہیں ہیں البتہ یہ عبارت اس طرح ہے کہ اذ ا ٰرا نار اً فقال لاھلہ امکثوا۔ یہ جملہ سورۂ طٰہٰ کے پہلے رکوع میں ہے اور اس وقت کے قصے میں بیان ہوئے ہیں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی شادی سے دس برس بعد اپنی بیوی صفورا بنت شعیب کو سسرال سے رخصت کرا کے اپنی ماں کے پاس لے چلے تھے یہاں پہنچ کر لڑکا پیدا ہوا۔ اندھیری رات شدت کی سردی راہ سے نابلد ریوڑ الگ تتر بتر ہوئے۔ بیوی کا یہ حال کہ اس حالت میں طور کی طرف آگ دیکھی تو اس کی طرف بڑھے ترجمہ آیہ اس طرح ہے کہ جب انہوں نے آگ دیکھی تو اپنے گھر کے لوگوں سے کہنے لگے کہ تم لوگ ٹھہرو۔ اب صیغہ جمع مذکور کے ساتھ اگر یہ خطاب جناب موسیٰ علیہ السلام کی اہلیہ کے لئے بھی مان لیا جائے تو کوئی حرج ہمارے لئے واقع نہیں ہوتا ہے کیونکہ ہمیں نہ ہی اس بات پر اصرار ہے کہ جمع مذکر کا صیغہ واحد یا جمع مؤنث کے لئے استعمال نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اہل کے معنی اہلیہ ہونے سے انکار ہے۔ جیسا کہ گذشتہ اعتراض کے جواب میں عرض کیا جا چکا ہے۔

اعتراض ۱۲۷:۔ اگر یہاں اہل کیطرف ضمیر کا تخاطب ہے تو وہاں کیوں نہیں۔

جواب ۱۲۷:۔ اس لئے نہیں کہ خود رسول کریمؐ نے چادر تطہیر میں لپیٹ کر تخصیص فرما دی اور روزانہ خانۂ طہارت پر سلام کہتے رہے۔

اعتراض ۱۲۸:۔ جب دلائل کے پیش نظر مخاطبات ازواج مطہرات ہی ہیں تو ان کے متعلق شبہات کیوں۔

جواب ۱۲۸ :۔ اس لئے کہ دلائل بے دلیل ہیں کیونکہ جب عملاً حضورؐ نے تعارف کرادیا اور اپنی زوجہ کو داخل ہونے سے منع کر دیا ازواج کو علیحدہ رکھا۔ تو پھر نبیؐ کے احکام کو نظر انداز کر کے تفسیر بالرائے کرنا یا قیاس سے خلاف منشاء خدا و رسولؐ معنی وضع کرنا محض بے بنیاد قیاس ہوگا۔ یہی وجہ ہے علمائے سُنیہ کی کثیر تعداد نے ازواج کو خارج تسلیم کیا ہے۔ مثلاً امام نووی نے اپنی شرح مسلم شریف میں واضح لکھا ہے کہ "نساءہ لیس من اهل بیته" یعنی ازواج اہل بیت میں شامل نہیں ہیں۔
(شرح مسلم نووی جلد ۲ صفحہ ۲۸)

اعتراض ۱۲۹ :۔ کیا ان کو مطہرات تسلیم کرنے سے آپ کے مذہب کے اصول کو نقصان پہنچتا ہے۔

جواب ۱۲۹ :۔ نہ صرف یہ کہ ہمارے اصول کو ضعف ہوتا ہے بلکہ خود سُنی اصول بھی ایسی صورت میں محفوظ نہیں رہتے۔ اوّلاً خدا کی ذات پر اعتراض ہو سکتا ہے کیونکہ اس نے طہارت کاملہ کی ضمانت دی ہے جبکہ ازواج ہرگز بتول نہ تھیں بلکہ احادیث میں الگ سے کُتب حیض مرتب ہیں اور ظاہر ہے کہ حیض و نفاس وغیرہ نجاسات میں سے ہیں۔ پھر رسالت کی اخبار پر جرح ہو سکتی ہے کہ جب خود حضورؐ نے ایک خاص اہتمام سے مصداق ہستیوں کا تعارف کرادیا تو پھر آپؐ نے ازواج کو علیحدہ کیوں رکھا اور امت خلافِ منشأ نبیؐ خواہ مخواہ اپنے قیاس کو کس بنیاد پر مسلط کر سکتی ہے۔ پھر یہ کہ خود ازواج نے تسلیم کیا ہے کہ ہم اس آیت کی مصداق نہیں ہیں اور جب مدعی سُست ہو تو گواہ کی چستی مفید نہیں ہوتی۔

اعتراض نمبر ۱۳۰ :۔ کیا یہ صحیح ہے کہ عزت و عظمت کے پیش نظر حضور اکرمؐ نے اپنی پاک چادر حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاؤں تلے بچھائی تھی۔

جواب نمبر ۱۳۰ :۔ یہ بات صحیح ہے۔ اور اس کے علاوہ کئی واقعات ایسے بھی ہیں کہ حضورؐ نے مہمان نوازی و عزت افزائی اور تواضع کی خاطر کئی دیگر لوگوں سے ایسے

حسنِ اخلاق کا مظاہرہ فرمایا ہے حتیٰ کہ بعض روایات غیر مسلموں کے لئے بھی نقل ہوئی ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۳۱:۔ اگر صحیح ہے تو فرمایئے کیا آپ کے مسلک میں حلیمہ سعدیہ بھی پاک ٹولے میں داخل ہیں یا نہ۔

جواب نمبر ۱۳۱:۔ ہم نے پیچھے عرض کیا ہے کہ محض چادر باعثِ تطہیر نہیں ہے۔ باقی حضرت حلیمہ سعدیہ کی عزت و بزرگی سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کا درجہ حضورؐ کی والدہ جیسا ہے لیکن وہ معصوم نہیں ہیں جس طرح پنجتن پاکؑ ہیں

اعتراض نمبر ۱۳۲:۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ آیت حضرت علی مع حسنین مکرمین کی والدہ ماجدہ کے حق میں نازل ہوئی ہے تو کیا ان کی اولاد بھی آپ کے نزدیک پاک ہے یا نہ۔ اگر یہ ہے تو پانچ تنوں میں حصر کیوں۔

جواب نمبر ۱۳۲:۔ جو تخصیص پانچ نفوس کو طہارتِ کاملہ کی اس آیت سے نصیب ہے وہ حصری ہے اور ان حضرات کی اولاد اس قسم کی تطہیر کے مصداق نہیں ہیں۔ تاہم ان کے پاکباز ہونے میں کلام نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۱۳۳:۔ اگر ساری اولاد پاک نہیں تو بارہ ہستیوں کی تعداد کے تعین کا ثبوت درکار ہے۔

جواب نمبر ۱۳۳:۔ بارہ امام دراصل ایک ہی نور سے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہمارا پہلا بھی محمد اور آخری بھی محمد درمیانی بھی محمد اور ہم سارے محمد ہیں یعنی پورا سلسلہ معصومین ایک ہی نور ہے۔ ان کے تعین کا سب سے اوّل اور قاطع ثبوت یہ ہے کہ خود رسولؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کتب فریقین میں وارد ہوئی ہے۔ اور پھر ناقابلِ انکار ثبوت یہ ہے کہ سوائے امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب اور ہمارے گیارہ اماموں کے کسی بھی دوسرے شخص نے عصمت کا دعویٰ ہرگز نہیں کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تمام اہل سُنّتہ کا اتفاق ہے کہ بعد از رسولؐ صحابہ میں سے کوئی معصوم نہیں ہے ۔ البتہ عدول یعنی نیک ہیں ۔ باقی ہم نے گذشتہ اوراق میں بارہ ہستیوں کی تعداد کا تعین مع ثبوت پیش خدمت کر دیا ہے ۔ ایک ثبوت اور حاضر ہے کہ سیّد علی ہمدانی اور مناقب خوارزمی کے حوالہ سے مولوی عبید اللہ بسمل امرتسری ایک حدیث رسولؐ لکھتے ہیں ۔

"سلمان فارسیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں حضورؐ کے پاس گیا ۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حسینؑ آپ کی رانوں پر بیٹھے ہیں ۔ حضورؐ ان کی آنکھیں اور منہ چوم رہے ہیں اور فرما رہے ہیں تو سیّد ہے اور تو امام ہے اور امام کا بیٹا ہے اور تو حجت (خدا) ہے اور حجتِ خدا کا بیٹا ہے ۔ تو خدا کی نوؔ حجتوں کا باپ ہے ۔ جن کا نواںؔ ان کا قائم ہے ۔"

(ارجح المطالب ص۴۳۲)

اب غور فرمائیں اس قدر واضح اظہار و اعلانِ رسولؐ کے بعد جو کتب سُنیہ میں نقل ہے اور کیا ثبوت دیا جائے ۔ ؟

اعتراض ۱۳۴ ۔ آخر پانچ تنوں پر پاک لقب کا حصر اور بارہ حضرات پر معصومین کے لقب کے استعمال قوی ثبوت آپ کے پاس کون سا ہے ۔ تصریحی بیان درکار ہے ۔

جواب ۱۳۴ ۔ القابات کی عطا منجانب خدا و رسولؐ ہوتی ہے جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی کو لقب و اعزاز سے نوازیں تو باعثِ فضیلت ہوتے ہیں ۔ اسی طرح پانچ تنوں کے لئے دیگر اثبات کے علاوہ ایک قوی ثبوت آیتِ تطہیر ہے جس پر جمہور علمائے اہلسنت کا اتفاق ہے ۔ یہ آیت پنجتنؑ پاک کی شانِ طہارت میں نازل ہوئی ۔ مثلاً کوکب دری شرح ترمذی جلد ۲ ص ۲۵۶ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ " قال ابو سعید الخدری ان اهل البیت فی اٰیۃ التطہیر خاص برسول اللہ و علی و فاطمه و حسن و حسین " ۔ یعنی حضرت ابو سعید خدریؓ

سے مروی ہے کہ بے شک اہل البیت آیہ تطہیر میں خاص ہے واسطے رسول اللہ کے علیؑ اور فاطمہ اور حسنین کے۔ پس پنجتن پاک کی طہارت کا حصر قرآن مجید اور حدیث شریف سے تصریحاً ثابت ہوا۔

اب آیئے بارہ اماموں کی عصمت کی طرف۔ ہم نے گذشتہ صفحات میں نقل کیا ہے کہ آیہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (نساء) آئمہ طاہرینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اب ہم مشہور سُنی امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ امام رازی لکھتے ہیں کہ "اولی الامر کا مطاع کُلی و معصوم ہونا ظاہر ہے" (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۳۵۷، ۳۵۶) اور اولی الامر سے مراد رسولؐ کے حقیقی بارہ خلفاء ہیں۔ اس کا تصریحی ثبوت ہم گذشتہ بیان میں پیش کر چکے ہیں۔ مزید اطمینان کے لئے روضۃ الاحباب جلد ۳ صفحہ ۸۲۸ میں ملاحظہ فرمالیں کہ رسول اکرمؐ نے کن بارہ اولی الامر معصوموں کا ذکر فرمایا ہے۔

اعتراض ۱۳۵:۔ فرمائیے جب حضورؐ اکرم کی بعثت تلاوت کلام الٰہی، تعلیم قرآن اور تزکیہ نفوس کے لئے ہوئی ہے تو کیا حضورؐ ان فرائض کی ادائیگی میں کامیاب رہے یا نہ۔

جواب ۱۳۵:۔ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے فرائض کی ادائیگی میں کامیاب رہے۔

اعتراض ۱۳۶:۔ معاذ اللہ اگر کامیاب نہیں رہے تو نبوت کی ناکامیابی اسلام کے لئے مضر ہے۔

جواب ۱۳۶:۔ ربِ کعبہ کی قسم اللہ کا رسولؐ کامیاب رہا۔

اعتراض ۱۳۷:۔ اور اگر کامیاب رہے تو تینوں فرائض میں یا ان میں سے بعض میں۔

جواب ۱۳۷:۔ حضورؐ نے اپنے تمام فرائض منصب نبوت میں کامرانی کامیابی حاصل فرمائی۔

اعتراض ۱۳۸: اگر بعض میں کامیاب رہے اور بعض میں ناکامیاب تو بھی حضورؐ کی شان کے خلاف ہے۔

جواب ۱۳۸: حضور اکرمؐ تمام امور میں کامیاب رہے ہیں۔

اعتراض ۱۳۹: اور اگر سب میں کامیاب رہے تو ماننا پڑے گا کہ حضورؐ کے سب صحابہ مہاجرین و انصار مزکیٰ، مطہر اور مجلّیٰ ہیں حالانکہ یہ آپ کے مسلک کے خلاف ہے۔ جواب عنایت فرمایئے۔

جواب ۱۳۹: حضورؐ کو منصب ہدایت پر فائز کیا گیا نہ کہ آپ کو داروغہ بنا کر بھیجا گیا۔ آپ کے فرائض میں یہ ہرگز شامل نہیں تھا کہ آپؐ ہر خاص و عام کو زبردستی مزکیٰ، مطہر و مجلّیٰ بنائیں۔ آپؐ کا کارِ رسالت یہ تھا کہ خدا کا پیغام قرآن مجید کی صورت میں دنیا کو پہنچا دیں۔ اس کی تشریح و توضیح اپنی سنت کی شکل میں بتا دیں۔ لیکن یہ ذمہ داری قطعاً آپ کے سپرد نہ کی گئی کہ وہ لوگوں کو زبردستی یا تشدد سے اپنا ہمنوا بنائیں۔ آپ کی حیثیت معلم کی ہے کہ جس قدر کسی طالب علم کا ذہن و ذکا اور لیاقت و فراست دماغی ہو گی اسی قدر اخذِ علم ہو گا۔ استاد کا لیکچر او تدریس سب طلباء کے لئے یکساں ہوتا ہے لیکن طلباء اپنے ظرف کے مطابق مستفید ہوتے ہیں۔ نالائق و ناکامیاب طالب علموں کا ذمہ دار استاد نہیں ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ یہی معاملہ حضورؐ کے لئے بھی سمجھئے جو بھی ذہین، راغب اور صالح تھے انہوں نے استادِ اعظم کے مواعظ حسنہ سے جی بھر کر فائدہ اٹھایا اور جو غبی ذہن اور کج فطرت اشخاص تھے وہ کورے رہ گئے۔ پس صحابہ کے مزکیٰ، مطہر اور مجلّیٰ ہونے کا فائدہ تو حضورؐ کے لئے باعثِ توصیف ہو سکتا ہے لیکن جملہ فضائل کا فقدان اور شاگردوں کی محرومی حضورؐ کے لئے ہرگز ہرگز باعثِ تنقیص نہیں۔ یہ بات عقلاً محال ہے اور نقلاً بے دلیل اور بے ثبوت ہے۔ اگر سارے صحابی ایک ہی طرح کے خصائل و فضائل کے متصف ہیں تو پھر اصحابِ ثلاثہ یا اصحابِ عشرہ مبشرہ وغیرہ کی تخصیص کیوں ہے۔

اعتراض ۱۴۰: جس رجس سے اہل بیت ..... (دور کیا) بیمار جس تھا۔

دکو پاک کہا وہ کون)

جواب ۱۴۰:۔ رجس کے مستعمل معانی اس طرح ہیں کہ ہر طرح کی نجاست ظاہری، پلیدگی، گناہ، کفر، ہر برا کام، لعنت، فعل قبیحہ وغیرہ لہٰذا اہلبیت کو ان تمام نجاسات سے محفوظ رکھا گیا ہے۔

اعتراض ۱۴۱:۔ رجس اور رجز کے درمیان مفہوم کے اعتبار سے کیا فرق ہے۔

جواب ۱۴۱:۔ رجس کا مفہوم جواب بالا میں تحریر کر دیا ہے اور رجز کا مطلب پلیدی، بت پرستی، شرک، بت، عذاب اور وبا وغیرہ ہے۔ دونوں میں فرق واضح و ظاہر ہے۔ رجز کے معنی میں عموماً باطنی پلیدگی کا مفہوم غالب پایا جاتا ہے جبکہ رجس میں ظاہری و باطنی دونوں مفہوم یکساں ظاہر ہوتے ہیں۔

اعتراض ۱۴۲:۔ تفسیر کنز العرفان حاشیہ تفسیر امام حسن عسکری رجس وَھُوَ مرادف للنجاست یعنی رجس کا معنی نجاست ہے۔ فرمائیے اس سے آپ متفق ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو اختلافی وجوہ بیان فرمایئے۔

جواب ۱۴۲:۔ مذکورہ معنی کو درست مان لینے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اعتراض ۱۴۳:۔ (طباعت ناقص ہے عبارت ناقابل مطالعہ ہے۔ حسب فہم مراد اعتراض بیان کرتے ہیں) شرح الصافی صہ ۲۹۴ پ ۶۴ میں ہے کہ مراد برجس در آیت سورۂ احزاب شک در ربوبیت رب العالمین است۔ فرمایئے کیا رائے ہے۔

جواب ۱۴۳:۔ متفق رائے ہے۔

اعتراض ۱۴۴:۔ اگر یہی دونوں معنی تسلیم کر لئے جائیں تو اذہاب الرجس یعنی ازالۃ الرجس بمعنے ازالۃ الشک فی الربوبیت وازالۃ النجاستہ بنے گا۔ خدارا اس مسئلے کو کسی اچھے طریقے سے حل فرمایئے

اوراپنی علمی جواہر ریزوں

جواب ۱۴۴:۔ اس مسئلے کو بالکل سیدھے سادے الفاظ میں حل کیا جاسکتا ہے کہ بلا شبہ خدا نے پنجتن پاکؑ کو رجس سے اس طرح پاک رکھا جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے کہ ان پاک نفوس نے نہ ہی ذات خداوندی کے لئے کبھی شک کیا اور نہ ہی کوئی پلیدگی ظاہری یا باطنی ان کے قریب آسکی۔ ازالہ کے لفظ کی بحث ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اس مسئلہ میں علمی جواہر ریزی کی قطعی ضرورت نہیں عام فہم آدمی بھی جانتا ہے۔ شرک بھی نجاست ہے اور مشرکین کو قرآن میں نجس کہا گیا ہے پس وہ نفوس ہی آیہ موصوفہ کے مصداق ہونگے جنہوں نے کبھی شرک نہ کیا اور نہ ہی شک فرمایا۔ اور ہر طرح کی نجاست سے پاک رہے سوائے اصحاب کسائے کے اور کوئی ایسا فرد اصحاب میں نظر نہیں آتا ہے حتیٰ کہ خود اہلسنت نے حضرت علیؑ کو کرم اللہ وجہہ کہا ہے اور حسنینؑ کو کریمین کہتے ہیں۔ اور سیّدہؑ کو بتول تسلیم کیا ہے۔ جبکہ اہل سُنّت کے سب سے افضل صحابی جناب ابوبکر کے بارے میں فرمانِ رسولؐ ہے ان کے دل میں شرک چیونٹی کی رفتار سے بھی پوشیدہ چلتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب ازالۃ الخفا صفحہ ۱۹۹ وغیرہ۔ پس متذکرہ بالا مسئولہ معنی تسلیم کرنے پر کوئی نقص ہمارے عقائد میں ہرگز واقع نہیں ہوتا ہے کیونکہ ہم "اذھاب" سے مراد وہ ازالہ قطعی نہیں لیتے ہیں جو آپ کے زعم کے مطابق ہے اور یہ بحث ہم ابتدا میں مفصّل طور پر ہدیہ قارئین کر چکے ہیں۔

اعتراض ۱۴۵:۔ اگر اہل البیت کا اطلاق برعایت آیت ازواج مطہرات پر ہو اور برعایت حدیث عترت رسول مقبولؐ پر کیا حرج ہے۔

جواب ۱۴۵:۔ اہل بیت اطہار کا اطلاق برعایت آیت ازواج پر تسلیم کرنا تحریفِ قرآن کے مترادف ہے۔ حکم رسولؐ کی خلاف ورزی ہوتی ہے علمائے سابقین کو جھٹلانا پڑتا ہے کیونکہ ازواج کا نجاستِ ظاہری سے مبرہ و منزہ نہ ہونا

مسلّم امر ہے اور اگر ان کو آیت تطہیر کا مصداق تسلیم کر لیا جائے تو تکذیب ارادہ خداوندی واقع ہوتی ہے۔ رسولِ کریم پر الزام آتا ہے کہ اگر ازواج اس آیت کی حقدار تھیں، تو اُن کو چادر میں آنے کی اجازت کیوں نہ دی۔ ہم نے ام المومنین بی بی اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت مشکوٰۃ شریف سے پہلے نقل کر دی ہے۔ اب ایک دوسری ام المومنین سے روایت پیشِ خدمت ہے۔

"عن عبد الله بن ابی طالب لما نظر رسول الله الی الرحمة هابطة قال ادعوا لی ادعوا لی فقالت صفية من يا رسول الله قال اهل بيتی عليا وفاطمة والحسن والحسين فالقی عليهم النبی كساءه ثم رفع يديه ثم قال اللهم هولاء الی فصل علی محمد و آل محمد وانزل الله انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت و يطهركم تطهيرا۔ (مستدرک امام حاکم)

یعنی حضورؐ نے جب نورِ رحمت خاصہ کا نزول دیکھا تو فرمایا میرے لئے بلاؤ بی بی صفیہؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہؐ کس کو؟ فرمایا میرے اہل بیت کو۔ یعنی علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ کو پس وہ لائے گئے۔ حضورؐ نے اُن پر چادر (تطہیر) ڈالی۔ پھر ہاتھ اٹھائے اور فرمایا۔ اے اللہ یہ ہے میری آل۔ پس صلوٰۃ بھیج اوپر محمدؐ اور آلِ محمدؐ کے اس وقت اللہ تعالیٰ نے آیہ انما یرید اللہ نازل فرمائی۔

بعد ختم ہونے نزولِ آیت کے اہل بیتؑ بی بی صاحبہ نے چادر کو اٹھا کر اوپر لیا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں صاف لکھا ہے کہ

قالت فدخلت فی الکساء بعد ما قضاه لابن عمه وابنيه وابنته فاطمة رضی الله عنها

(مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۹۸)

یعنی میں (ام المومنینؓ) اس چادر میں اس وقت داخل ہوئی جب حضورؐ اپنے چچازاد (علیؑ) اور اپنے بچوں (حسنینؑ) اور اپنی دختر (فاطمہؑ) کے لئے دعا پوری کر کے نکل چکے تھے۔

اب مجھے قریشی صاحب کی سمجھ پر افسوس آتا ہے کہ جنہیں ہادیٔ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود داخل کر کے خصوصاً بلوائیں وہ اہل بیت بر بنائے آیت نہ ہوں اور جن کو باوجود خواہش کے رسولؐ داخلہ کی اجازت نہ دیں ان کو مصداقِ آیت سمجھا جائے یہ عجیب منطق جو عملِ رسولؐ کو عبث ثابت کرے ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ سُنّی و شیعہ علمائے متقدمین کی کثیر تعداد نے مطابق حکم خداوندی اور رسولؐ تسلیم کیا ہے کہ ازواج اِس آیت کی مصداق نہیں۔ مولوی رشید احمد گنگوہی قریشی صاحب کے استادوں میں سمجھے جا سکتے ہیں اپنی شرح ترمذی شریف میں صاف صاف لکھتے ہیں کہ "اہلِ بیت کے اس آیت میں مختص بازواج ہونے کا قول صحیح نہیں" (کوکب دری شرح ترمذی جلد ۲ ص ۱۵۶)
پس معلوم ہوا کہ ازواج کو بر بنائے آیت شامل سمجھنا قرآن و حدیث و علماء کی تکذیب کرنا ہے۔

اعتراض ۱۴۶: چوں حضرت بر در خانہ رسید خدیجہ را بقدوم آنحضرت بشارت دادند۔ و خدیجہ بپائے برہنہ از غرفہ (خانہ) بصحن خانہ دوید چوں در را کشودند حضرت فرمود۔ السلام علیکم اہل بیت۔

جب حضورؐ علیہ السلام گھر کے دروازے پر پہنچے، خدیجہ کی نوکرانیاں حضورؐ کی بشارت لے آئیں خدیجہ ننگے (پا) برہنہ چوبارے سے صحن کی طرف دوڑی جب دروازہ کھولا تو حضورؐ نے فرمایا السلام علیکم یا اہل البیت۔

دیکھیئے اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل البیت کا اطلاق اپنی گھر والی پر کیا ہے۔ فرمایئے وجہ انکار کیا ہے۔

جواب ۱۴۶: ہمارا دعویٰ ہے کہ نزولِ آیت کے زمانہ میں پنجتن پاکؑ کے علاوہ اور کوئی آیت تطہیر میں شامل و داخل نہیں۔ بحث اہل بیت کے لفظ پر مقصود نہیں ہے بلکہ نفس مضمون اہل بیت کی تطہیر ہے۔ مگر قریشی صاحب اپنے فضول اعتراضات بغیر آیۂ تطہیر میں شمولِ ازواج کے خواہ مخواہ کر رہے ہیں حالانکہ

صرف لفظ اہل بیت پر بحث سے وہ بامراد نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ زبان عربی میں اہلِ بیتِ نسبی، اہلِ بیتِ سکونت وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بلکہ اگر لفظ کی بحث پر آیا جائے تو کتبِ سنیہ میں "بلی" کو بھی اہلِ بیت لکھا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے حضرت عبداللہ بن ابی قتادہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا سے سنا کہ بلی بھی اہلبیت میں سے ہے۔" (مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صہ ۳۰۹ مطبوعہ مصر)

اسی طرح امام ابو حنیفہ نے اپنے اسناد حماد سے انہوں نے ابراہیم سے روایت کی ہے کہ بلی کے جوٹھا کا کوئی حرج نہیں کیونکہ بلی منجملہ اہل بیت کے ہے۔ (کتاب الآثار مصنفہ قاضی ابو یوسف صہ مطبوعہ مصر)

کیوں جناب قریشی صاحب یہ بلی پر لفظ اہل بیت مجازاً یا حقیقتاً بلحاظ سکونت ہے پس محض الفاظِ مجازیہ کی آڑ لے کر پنجتن پاک کی تخصیص تطہیر کا ملہ تامہ باطل نہیں کی جا سکتی ہے۔ اور اگر آپ کے نزدیک حقیقتاً ہے تو آپ کا ازواج کے لئے اتنی محنت کر کے مختلف مقامات سے الفاظ کا ڈھونڈ کر لانا بیکار ورق گردانی ہوا کیونکہ اظہارِ حقیقت کے لئے ایسی تگ و دو کی ضرورت نہ ہوتی۔ محترم معترض ہماری بحث لفظ اہل بیت سے نہیں ہے بلکہ اہل بیت تطہیر سے ہے اور یہ اہل بیت مترف میں ہے کہ پنجتن پاک ہیں۔

مسئولہ حوالہ جو آپ نے نقل کیا ہے کہ حضور نے سیدہ خدیجۃ الکبریٰ صلواۃ اللہ علیہا کی نسبت آپ کو "اہلِ بیت" کہہ کر سلام کیا ہے اگرچہ وہ بھی آپ کے دعوٰی زعم کے مطابق نہیں کیونکہ تطہیر کی آیت کے نزول یا شمول کا کوئی ذکر نہیں جبکہ بحث کا معرض ہے "پنجتن پاک کی تخصیص" مطلق اہل بیت میں نہیں۔ مگر قریشی صاحب بوکھلاہٹ میں اعتراضات کے نمبر بڑھانے کی وجہ سے ادھر ادھر ہاتھ پیر مارتے جا رہے ہیں مگر ان شاء اللہ کسی طرح بھی آیت تطہیر میں بالاصل غیر کو شامل نہ کر سکیں گے۔ رہا ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کا اہلبیت ہونا تو بے شک ہم اس کے قائل ہیں کیونکہ بی بی صاحبہ صرف زوجہ رسول ہی نہیں بلکہ ام المومنین اصل اہلبیت رسالت

مآب ہیں۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی بخاری شریف کی شرح فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۰۴ میں لکھا ہے۔ "لفظ اہل بیت جو درشان سیدہ خدیجہ الکبریٰ بخاری شریف کی حدیث میں آیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ بی بی خدیجۃ الکبریٰ اہل البیت النبی ہیں ہیں اور مرجع ہیں۔ اور اہل بیتِ تطہیر وہ ہیں جن کی شان میں آیتِ تطہیر نازل ہوئی۔ جیسا کہ حضورؐ نے اس کی تفسیر میں بی بی اُمِ سلمہ کی روایت میں چادر اوڑھا کر ان کو اہلِ بیت فرمایا۔ ان اہلِ بیتِ تطہیر کا مرجع بی بی خدیجۃ الکبریٰ ہیں۔ کیونکہ حسنینؑ سیدہ فاطمہؑ سے ہیں اور سیدہ فاطمہؑ جناب خدیجہؓ کی دختر نیک اختر ہیں۔ اور حضرت علیؓ نے بیت خدیجۃ الکبریٰ میں نشوونما پائی صغر سنی کی حالت میں پھر آپ کی دختر سے ان کی شادی ہوئی۔ پس ظاہر ہو گیا کہ اہلِ بیتِ نبوی کا رجوع اور اصل جناب خدیجۃ الکبریٰ کی طرف ہے۔ اس کے غیر کی طرف نہیں۔ (یعنی اہلِ بیتِ تطہیر کی اصل صرف سیدہ خدیجہؓ ہیں۔ اس میں دیگر ازواج شامل نہیں۔)

کیوں قریشی صاحب! اب تو جواب آپ کے گھر ہی سے دے دیا ہے۔ فرمائیے سمجھ شریف میں آیا یا نہیں۔ اگر ابھی بھی نہیں سمجھے کہ بی بی خدیجہؓ کس قسم کی اہلِ بیت ہیں تو پھر بخاری شریف اور اس کی شرح کو اپنے امام بخاری اور علامہ ابن حجر کی قبروں پر پھول بنا کر ڈال آئیے اور ان کی ارواح کی آواز سن لیجئے کہ جواب دیتے ہیں اہلِ بیت شرف میں داخل ہیں یا سکونت میں۔ جن کی نسبت آپ کو شک ہیں ان کو یہ شرف حاصل ہے یا نہیں۔ ہم تو یہی عرض کریں گے کہ ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست ✤ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

الغرض خود آپ کے علماء ہی کے بیان سے ثابت ہو گیا کہ اصل اہل بیتِ تطہیر خمسۂ نجباء ہی ہیں۔ ان کے ساتھ جیسا کسی کا تعلق ہو گا تو اہل نسب ہو گا۔ ولادت کا ہو گا تو اہلِ ولادت ہو گا۔ سکونت کا ہو گا تو اہلِ بیتِ سکونت ہو جائے گا مگر اہلِ بیتِ تطہیر بس پانچ ہیں۔ کاش آپ نے ذرا سوچ سمجھ کر اعتراضات کئے ہوتے۔ کیونکہ غلط بحث سے جان نہیں چھوٹا کرتی۔ پنجتن پاکؑ کے ساتھ آیتِ تطہیر میں غیر کا شمول تو دکھایا ہوتا مجاز کو

حقیقت اور حقیقت کو مجاز، سکونت کو شرف اور شرف کو سکونت کے مقام پر استعمال کر کے مغالطہ پیدا کرنا آپ کو کوئی فائدہ نہ دے سکا قریشی صاحب! روزی رساں اللہ ہے۔ دیانت کا دیوالیہ تو مت نکالئے۔

شیخ جی دام خیانت جسقدر چاہے بچھائیے، مدعا ثابت ہے اپنے عالم تقریر کا

اعتراض ۱۴۷:۔ حیات القلوب میں ہے ص۶۷۹ جلد ۲

شکر می کنم خداوندے را کہ ہمیشہ بدی ہا را از اہل بیت ما دور گرداند

میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ ہمارے اہل بیت سے خدا تعالیٰ ہمیشہ برائیوں کو دور کرتا رہے۔

بلاشبہ یہاں بھی اہل بیت کا لفظ حضرت کریم نے اپنی بیویوں پر استعمال فرمایا ہے۔ آخر وجہ کیا ہے کہ شیعہ حضرات اپنی کتابوں میں ان روایات کو لائیں تو ان کے لئے جائز اور ہم یہی لقب اسی روایت کے مطابق ازواج مطہرات پر استعمال کریں تو (نا) جائز۔

جواب ۱۴۷:۔ ہمیں افسوس ہے کہ حیات القلوب میں ہمیں یہ عبارت اس طرح نہیں مل سکی جیسے قریشی صاحب نے نقل کی ہے۔ قریشی صاحب نے حسب عادت اس مقام پر بھی علمی خیانت کا مظاہرہ کیا ہے۔ خط کشیدہ الفاظ محرف ہیں اصل عبارت یوں ہے: "بدیہا را ازما اہل بیت دور گرداند" اس کا ترجمہ قریشی صاحب نے یوں کیا ہے کہ "ہمارے اہل بیت سے خدا تعالیٰ ہمیشہ برائیوں کو دور کرتا ہے" ہمارا دعویٰ ہے کہ اگر قریشی صاحب "ازما اہل بیت" کی ترکیب نحوی کر کے یہ ترجمہ صحیح ثابت کر دیں تو ہم ان کو منہ مانگا انعام دیں گے ورنہ ہم صرف ان کی عاقبت سنواری کے لئے صرف یہی عرض کریں گے کہ دین کے معاملہ میں خیانت کاری سے باز آجائیں کیونکہ عداوتِ اہل بیتؑ نے پہلے ہی ان کی گٹھڑی اعمالنامہ کو بہت بھاری بنا رکھا ہے۔

قریشی صاحب جی بندۂ کم فہم چھوٹا منہ بڑی بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا ہے کہ عربی

نیز یہی ایک طرف آپ کی فارسی بھی کمزور ہے اور اُردو دانی توہم نے "ذکاالافہام" میں ظاہر کردی ہے۔ یا تو فی الحقیقت قلّتِ علم ہے جسے ہم مذموم نہیں کہتے مگر یہاں تو قصداً بددیانتی اور خیانت ظاہر ہے کیونکہ فارسی کی ابتدائی تعلیم پانے والے لوگ بھی اس سے واقف ہیں کہ آپ کا خود ساختہ ترجمہ "از اہل بیت ما" غلط ہے۔ کیونکہ ترجمہ میں "اہل بیت" کو مضاف اور "ما" کو مضاف الیہ ظاہر کیا گیا ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ دراصل "از ما اہل بیت" کا مطلب و ترجمہ یہ ہے کہ "علم اہلِ بیت سے" نہ کہ "ہمارے اہلِ بیت سے"۔

عبارت مذکورہ کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ حضورؐ نے اپنے آپ کو اہلِ بیت سے فرمایا اور ضمیر جمع مذکر سے اہل بیت تطہیر کی طرف اشارہ کیا۔ جن کو خدا نے عار و ننگ اور اضافتِ بد سے محفوظ رکھا ہے۔ ورنہ اہلِ بیت شرف پر عار لاحق ہوتی۔ دراصل یہ عبارت ایک پُر شرارت واقعہ کے بیان میں ہے کہ حضرت بی بی ماریہ قبطیہ پر غلط تہمت لگائی گئی اور سورۂ نور میں اللہ نے اس قصّہ کے ذمہ دار لوگوں کی مذمت کی ہے۔ لیکن یہاں ہم یہ تفصیل نہیں لکھنا چاہتے شائقین حضرات صحیح مسلم میں پورا واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔ چنانچہ اگر معاذ اللہ ایسا واقعہ صحیح ہو جاتا تو اہلِ بیتِ شرف پر عار اور ننگ لاحق ہو جاتا۔ خداوند تعالیٰ نے حکمتِ عملی سے اس گھرانہ کو ایسی عار سے محفوظ رکھا۔

الغرض اس روایت میں حضرت ماریہ کی نسبت اہلِ بیت کا لفظ نہیں اگر ہے تو ام الولد ہے۔ حضورؐ کے بچہ کی ماں ہیں۔ اہلِ ولادت سے تعلق ہو کر داخلِ نسب ہو جائیں گی۔ اولاً تو ہم کو لفظِ اہلِ بیت سے بحث ہی نہیں ہے اور اعتراض کے مطابق یہ لفظ محوّلہ عبارت میں زوجہ کے لئے ہرگز استعمال ہی نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا جائز و ناجائز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

اعتراض ۱۲۸:۔ مجالس المومنین مؤلفہ نور اللہ شوستری جلد ۲ صہ ۸۹ میں حضرت سلمان فارسی کو اہل البیت کہا گیا ہے۔ حالانکہ حضورؐ کی عترت سے نہیں ہے۔ وجہ جواز بیان فرمایئے۔

جواب نمبر ۱۴۸ :- حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ حدیث کتبِ فریقین میں موجود ہے اور بے شک یہ صحیح حدیث ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت سلمانؓ یا دیگر اصحاب یا نیک بندے جن کی نسبت ایسے الفاظ ہیں وہ حقیقتاً اہلِ بیت میں داخل ہیں۔ بلکہ حقیقت اور مجاز الحاق اور اصل منسوب اور منسوب الیہ کا فرق ہے۔ لفظ "منا" "منی" کے مفہوم میں بحث ہے ورنہ اہلِ بیت وہی ہیں جن پر اہلِ بیت نسب، ولادت اور شرف کے ہر سہ مصادیق صادق آئے ہیں۔ چنانچہ اہل سنت کی مستند کتاب جیسے علامہ بیہقی نے لکھا ہے "سنن کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۵۲" میں ہے کہ "واثلہ کو جو حضورؐ نے حکم اہلِ بیت میں داخل فرمایا ہے یہ اصلی اور حقیقی اہلِ بیت کے ساتھ بعض امور میں تشبیہ کی وجہ سے مجاز ہے حقیقت نہیں ہے۔" معلوم ہو رہا ہے کہ قریشی صاحب صرف اعتراضات کی تعداد پوری کرنے پر توجہ دے رہے ہیں اور اپنی کتب سے نظریں چرائے ہوئے ہیں۔ اور حقیقت و مجاز کا فرق بھی بھلا بیٹھے ہیں۔ ورنہ "سلمان منا اہل البیت" میں غلطی نہ کھاتے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو اہل البیت کا مصداق تسلیم کر لینے کا یہ بھی ایک جواز ہے کہ سلمانؓ حضورؐ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اور عربی مقولہ ہے کہ "مولی القوم منہم" جیسا کہ ابنِ عربی نے "فتوحات مکیہ" جلد ۱ صفحہ ۱۹۷ میں لکھا ہے کہ "سلمانؓ کے ملحق باہل البیت ہونے کا راز یہ ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بدلِ کتابت یعنی آزاد ہونے کا بدل خود عطا فرمایا تھا۔ پس وہ (سلمانؓ) حضورؐ کے آزاد کردہ غلام اور مولی القوم منہم کہ اس قوم کا آزاد کردہ غلام انہیں میں شمار ہوتا ہے مشہور ہے پس بطور رفقہ بھی سلمان کا شمار بایں لحاظ اہل بیت میں ہوگا۔

مزید یہ کہ عربی زبان میں "منی" اور "منا" کا لفظ بعض اوقات تابعداروں کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ مثلاً "فمن تبعنی فانہ منی" یعنی جس نے میری اتباع کی وہ مجھ سے ہے۔ یا "فمن رغب عن سنتی فلیس منی" کہ جس نے میری

سنّت سے منہ موڑا وہ مجھ سے نہیں یعنی میرا تابعدار نہیں پس اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ باقی صحابہ تو میرے تابعدار ہیں مگر سلمان ہم سب اہل بیت کا تابعدار اور مخلص شیعہ ہے جیسا کہ امام جعفرؑ صادق کا ارشاد ہے کہ سلمان منا اہل بیت کا قول رسولؐ صحیح ہے۔ سائل نے پوچھا کہ یا حضرت کیا سلمان اولاد عبدالمطلب سے ہے۔ ارشاد فرمایا نہیں۔ ہم اہل بیت سے ہے۔ عرض کی کہ کیا وہ (سلمان) اولاد ابی طالب سے ہیں۔ جواب دیا نہیں ہم اہل بیت سے ہیں۔ سوال کرنے والے نے دریافت کیا کہ حضورؐ اس کا مطلب کیا ہے۔ امام نے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کیا پھر فرمایا جہاں تیرا خیال جا رہا ہے وہ بات نہیں بلکہ مطلب یہ ہے ہماری طینت کو علیین سے پیدا کیا اور ہمارے شیعوں کی طینت کو اس سے نچلے درجہ کی طینت سے پیدا کیا۔ پس وہ شیعہ ہم سے متصل ہیں بلحاظ طینت یعنی ہمارے تابعدار ہیں۔ اور ہمارے دشمنوں کو سجینؔ[۱] سے پیدا کیا۔ لہٰذا وہ انؔ سے ہیں۔ اور ہمارے شیعہ ہم سے ہیں اور سلمانؓ لقمان سے بہتر ہے۔

یعنی مطلب یہ ہوا کہ سلمانؓ ہم اہل بیت کا حقیقی معنوں میں تابعدار ہے۔ عندالعارفین یہ لوگ کثرت اتباع کی وجہ سے فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول اور فنا فی حب آلِ محمد علیہم السلام ہو کر اہل اللہ، اہل الرسول اور منا اہلبیت کا خطاب پا چکے ہیں ورنہ حقیقت میں نہ اللہ ہیں نہ رسول اور نہ ہی اہل بیت صرف نسبت اور اضافت ہے جیسا کہ حدیث شریف میں اھل القرآن اھل اللہ وخاصتہ رواہ الترمذیؔ کہ اہل قرآن اہل اللہ ہیں یعنی اللہ کے خاص ہیں یعنی اللہ کی طرف ان کی نسبت اور اضافت ہو گی۔ (ترمذی)

چنانچہ محی الدین ابن عربی فتوحات مکیہؔ جلد ۱ صفحہ ۱۹۶ پر لکھتے ہیں کہ سلمان منا اہل البیت کہنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ پاکوں کی طرف منسوب بھی پاک ہی ہو سکتا ہے

---

[۱] جہنم کے ایک سخت میدان کو کہتے ہیں جہاں نافرمان لوگوں کی روحیں مقید رہتی ہیں۔

لہٰذا سلمان منسوب باہل بیت ہوئے تو عنایت الٰہی صرف نسبت کی وجہ سے سلمان کے حال پر متوجہ ہو گئی۔ اب خدارا آپ بھی غور کریں کہ صرف نسبت کا یہ عالم ہے تو اہل بیت تطہیر بذات خود کیسی طہارت کے مالک ہیں۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ وہ عین طہارت ہیں۔ میرے خیال میں اب جواز بیان آپ کی سمجھ میں آجانا چاہیئے کیونکہ کبھی کبھی تو آپ بھی یہی کہتے ہیں کہ "شیعہ تو پاکوں کو کہتے ہیں یہ رافضی ہیں"۔

اعتراض ۱۴۹:۔ مناقب فاخرہ للعترۃ الطاہرہ ص۲۳ میں ہے کہ آل دو قسم ہے ایک آل جسمانی ہے جن پر صدقہ حرام ہے دوسری آل روحانی ہے اس میں علماء راسخین، اولیاء کاملین، حکماء متلمین مشکواۃ انوار سے مقتبسین بالاحقین سب کے سب آجاتے ہیں اور یہ جسمانی آل سے زیادہ پختہ ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اہل کمال کی اس تحقیق سے آپ کو اتفاق ہے یا نہ۔ اگر اتفاق ہے تو حدود متعین نہ رہے والا وجوہ امتناعی بیان آپ فرمائیے!

جواب ۱۴۹:۔ حقیقت و مجاز کی روشنی میں منقولہ تشریح صحیح ہے، اور گذشتہ جوابات میں ہم یہ بحث تفصیل سے لکھ چکے ہیں اعادہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ باقی "جسمانی" اور "روحانی" کے الفاظ کا امتیاز از خود حدود کو واضح کرتا ہے اس لئے یہ کہنا کہ حدود متعین نہ رہے قلت غور و فہم کی دلیل ہے۔ اگر حدود معدوم ہوتے تو پھر روحانی اور جسمانی کی قید کس طرح باقی رہ سکتی ہے۔

باقی لغوی اعتبار سے یہ لفظ خاص قرابت داروں اور گھر کے لوگوں کے لئے وضع ہوا ہے۔ بعض کے نزدیک آل اصل بناوٹ میں اہل تھا۔ (ہ) ہمزہ بدل گیا جیسے کہ ہیہات اور ایہات میں "ہ" ہمزہ سے بدلا ہے۔ اور تو الی ہمزتین کی وجہ سے ایک ہمزہ (الف) سے بدل گیا۔ اسی لئے اس کی اسم تصغیر "اہیل" مستعمل ہے۔ اور امام کسائی مشہور عالم نحو کے نزدیک اس کی تصغیر "اویل" بھی ہے۔ ابن عرفہ کے نزدیک آل سے وہ قریبی رشتہ دار مراد ہیں جو کسی شخص کی

طرف قرابت میں رجوع کریں۔ اور یہ ماخوذ ہے لفظ اویل سے کہ اس کے معنی رجوع کے ہیں۔ (کتاب الغریبین لابی عبید احمد بن ابی عبید العبدی)

ابن درید جمہرہ میں لکھتا ہے کہ آل سے قریبی رشتہ دار مراد ہیں۔

اس بات کے معین کرنے میں کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کون ذواتِ مقدسہ ہیں مسلمانوں نے اختلاف کیا ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک ازواجِ رسولؐ، علیؑ ابن ابی طالب، جناب سیدہ طاہرہؑ، حسنینؑ نبیؐ کے آل امجاد ہیں۔ ایک گروہ نے وہ اشخاص مراد لئے ہیں جن پر زکواۃ و صدقات حرام ہیں یعنی اولاد عبدالمطلب تیسرے گروہ نے پیروکارانِ دین حقہ کو بھی شامل کیا ہے اور ایک گروہ نے صرف پنجتن پاک کو ہی آلِ مراد لیا ہے۔

پھر ایک فصیح اعرابی کا یہ مقولہ کہ کسی آدمی کے گھر کے لوگوں کو خاص کر اس کی آل جانا جاتا ہے۔ علامہ کمال الدین بن طلحہ شافعی کے نزدیک حضورؐ کی آل آپؐ کے اہلبیت ہیں اور اہلبیت آل ہیں۔ پس یہ دونوں معنی میں متحد ہیں۔ اور اس حقیقت کا انکشاف اس سے ہوتا ہے کہ آل اصل میں اہل ہے۔ علماء کے اس بیان سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ آل سے مراد اہل بیت ہیں۔ اب رہا یہ امر کہ آل اور اہل بیت سے کون ذواتِ مقدسہ مراد ہیں تو اس کے لئے مندرجہ ذیل حدیث ثبوت کے لئے کافی ہے۔ بیہقی نے روایت لکھی ہے کہ "ام المومنین ام سلمہؓ نے فرمایا کہ بہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہؑ کو کہا کہ اپنے شوہر اور دونوں فرزندوں کو میرے پاس لے آؤ۔ اور جب وہ اپنے ہمراہ لائیں تو حضورؐ نے ان پر اپنی چادر اڑھا دی۔ اور فرمایا "اے میرے پروردگار یہ آل محمدؐ ہے تو اپنی رحمت اور برکت ان پر نازل رکھ جیسے کہ تو نے ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ پر پر نازل فرمائی۔ بے شک تو حمید و مجید ہے۔"

ان تمام امور کی روشنی میں مشہور علامہ کمال الدین بن طلحہ شافعی اپنی کتاب مطالب السئول میں اپنا فیصلہ اس طرح لکھتے ہیں:۔

"یعنی آل کے تمام معنی ان چار ذواتِ مقدسہ یعنی علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ علیہم السلام میں مجتمع ہیں۔ کیونکہ یہی حضور اکرمؐ کے اہلبیت ہیں اور ان ہی پر صدقہ حرام ہے اور یہی آنحضرتؐ کے دین کے پورے پیرو ہیں۔ اور یہی حضورؐ کے طریقہ پر چلنے والے ہیں پس آل کے نام کا حقیقت میں ان ہی پر اطلاق ہو سکتا ہے اور ان کے غیر پر صرف مجازاً ہی بولا جا سکتا ہے۔ اور علماء کا اس پر اتفاق ہے۔"

اعتراض نمبر ۱۵۰:۔ تفسیر امام حسن عسکری ص ۱۳ میں ہے:

اِنَّ کُلَّ مومن و مومنۃ من شیعتنا ھو من رحم محمدؐ

بلاشبہ ہمارے شیعوں کے سب مومن مرد اور مومن عورتیں رحم محمدؐ میں سے ہیں۔

فرمائیے اس کا کیا جواب ہے کیا اس میں شیعوں کو عترت رسولِ مقبولؐ قرار نہیں دیا گیا۔

جواب نمبر ۱۵۰:۔ یہاں بھی "رحم محمد" مجازاً استعمال ہوا ہے حقیقی معنی میں نہیں حضورؐ امت کے روحانی باپ ہیں اور امہات المومنین تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں لیکن یہ رشتے مجازی ہیں حقیقی نہیں۔ ام المومنین عائشہؓ سب مسلمانوں کی ماں ہیں۔ کیا قریشی صاحب یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ بی بی موصوفہ کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر وہ ایسا اقرار کر لیں تو پھر اپنے اعتراض کے مطابق یہ بھی سمجھ لیں کہ شیعہ عترت رسول ہیں۔ ورنہ جن معنوں میں ازواج رسولؐ ہماری مائیں اور حضورؐ ہمارے باپ ہیں ان ہی معنی میں شیعہ رحم محمدؐ میں سے ہیں۔ باقی ایسے استعارے و تشبیہات ہر خاص و عام روزمرہ کی گفتگو میں استعمال کرتے ہیں۔ جن سے مطلب مجازاً لیا جاتا ہے۔ نہ کہ حقیقتاً۔ باقی "رحم" کا لفظ عربی زبان میں تعلق داروں اور قریبیوں کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۱۵۱:۔ جب لیذھب عنکم الرجس اھل البیت سے پہلے خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات سے ہے جیسا کہ ان کنتن تردن، فتعالین، امتعکن، اسرحکن

یات منکن، ینساء النبی لستن، ان اتقیتن، فلا تخضعن، وقرن ولا تبرجن۔ واطعن سے واضح ہے تو پھر اہل بیت سے مراد آپ حضرات کے نزدیک ازواج مطہرات کیوں نہیں۔

جواب ۱۵۱ :۔ یہ ایک سیدھا سادا فطری اصول ہے کہ جب کبھی بھی خلافِ معمول کوئی حرکت ہوتی ہے تو اس تسلسل شکنی اور تبدیلی میں کوئی نہ کوئی وجہ تخصیصی ضروری ہوتی ہے۔ اسی فطرت کے مطابق جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہر جگہ متواتر جہاں بھی ازواج کی بات ہو رہی ہے خطاب مؤنث صیغہ سے ہے یہ اچانک صرف ایک جگہ مذکر صیغہ کیوں آگیا ہے۔ لہٰذا خود بخود یہاں موقع سوچ اور محل غور پیدا ہوتا ہے کہ مسلسل گفتگو کے انداز میں تبدیلی کیوں کر دی گئی۔ اگر یہاں ازواج ہی مراد ہوتی تو پھر آخر صیغہ وجنس کی تبدیلی کیوں کر دی گئی۔ اب چونکہ اشتباہ کی گنجائش پیدا ہوئی، اور مفہوم کی وضاحت کی ضرورت نے جنم لیا۔ اس لئے قرآن کے بیان کردہ اصول کے مطابق رسولؐ کی طرف رجوع ضروری ہو گیا کہ مقررؐ سے تشریحِ تقریر پوچھی جائے چنانچہ آنحضرتؐ نے اس کی وضاحت بایں الفاظ کی ہے:

رسول کریمؐ نے فرمایا۔ یہ آیت (آیت تطہیر) پانچ تن کے حق میں نازل ہوئی ہے یعنی میرے، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے حق میں۔ اصل عبارت یوں ہے:

"عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ نزلت ھذہ الآیۃ فی خمسۃ فیّ وفی علی وفاطمہ وحسن وحسین انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت" الخ (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۸۵)

اس حدیث رسولؐ میں لفظ "خمسہ" یعنی پنجتن وارد ہوا لہٰذا مشہور اصطلاح نصی ثابت ہو گئی۔ نیز قریشی صاحب کے نزدیک ابن کثیر شامی معتبر ہے اسی کی تفسیر سے قریشی صاحب نے آیتِ ولایت کی شانِ نزول پر اعتراض کیا ہے لہٰذا اب اصولاً اعتراض باطل ہو جاتا ہے۔ مگر ہم اصحاب کا اقرار بھی دکھلاتے ہیں اور یہ حوالہ اہلِ سنت کی صحیح ترین کتاب معتمدہ سے پیش کرتے ہیں تاکہ حجت تمام ہو جائے۔

"من اهل بیتہ نساءہ قال لا و ایم اللہ ان المراۃ تکون مع الرجل العصر من الدھر ثم یطلقھا فترجع الی ابیھا وقومھا اھل بیتہ اصلہ وعصبۃ الذین حرموا الصدقۃ بعدہ"

(صحیح مسلم شریف جلد ۲ ص ۲۸۰)

یعنی حضرت زیدؓ بن ارقم سے کسی نے سوال کیا کہ حضورؐ کے اہل بیت کون ہیں؟ حضورؐ کی ازواج؟ فرمایا نہیں! خدا کی قسم تحقیق عورت مرد کے ساتھ کچھ زمانہ گذارتی ہے پھر طلاق دیتا ہے۔ پس اپنے باپ اور قوم کی طرف رجوع کر جاتی ہے اہل بیت آپؐ کے اصل اور آپ کے خاندان کے لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔

اب جبکہ رسول اکرمؐ، صحابہ و تابعین اور آئمہ اہل سنت سب کے سب ازواج کی نفی کر رہے ہیں تو پھر اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم
جنید و شبلی و عطار ہم مست

مگر اللہ جانے قریشی صاحب کی نظر نا عاقبت اندیش کو کیا ہو گیا ہے کہ کچھ دیکھتے ہی نہیں ہیں۔

اعتراض ۱۵۲:۔ اگر اس آیت سے مراد حضورؐ کی ازواج مطہرات نہ لی جائیں تو پھر واضح فرمایئے کہ اس آیت کا ماقبل کے ساتھ کیا تعلق ہے۔

جواب ۱۵۲:۔ اس بات کی وضاحت تو آپ کو اپنے خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان سے دریافت کرنا چاہیئے جنہوں نے اس آیت کو موجودہ جگہ پر فٹ کرنے کی کوشش کی۔ ہم تو صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ دراصل سورۂ دہر کی آیت ہے جسے کتابت کی غلطی سے شاید سورۂ احزاب میں لکھ دیا گیا ہے۔

اعتراض ۱۵۳:۔ اگر تعلق قطعاً نہیں ہے تو کیا کلام الٰہی کا بے ربط و بے تعلق ہونا لازم نہ آئے گا۔

جواب ۱۵۳: ۔ تعلق نہ سمجھنے سے تو محض کلام کا غیر مربوط و غیر متعلق ہونا ہی ظاہر ہوگا لیکن تعلق تسلیم کر لینے سے تو پورا دین ہی لرز اٹھے گا کہ خدا کی تکذیب ہو جائے گی، وحی موضوع بن جائے گی اور صحابہ و علماء کو جھوٹا قرار دینا پڑے گا۔ باقی یہ تو سب مانتے ہیں کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب بمطابق نزول ہرگز نہیں ہے۔ اور یہ کلام الٰہی کو جمع کرنے والوں کی مہربانی ہے کہ کتاب میں کئی مقامات پر ربط و تعلق بحال نہیں رکھا ہے۔

بحث آیت مباہلہ

اعتراض ۱۵۴: ۔ قرآنی آیت کے پیش نظر آیت مباہلہ کا نزول تصدیق توحید اور تردید شرک کے لئے ہوا ہے یا اثبات خلافت کیلئے۔

جواب ۱۵۴: ۔ بے شک آیت کا نزول تصدیق توحید اور تردید شرک کے لئے ہوا بلکہ دراصل تصدیق حق اور تکذیب باطل کے لئے ہوا ہے لیکن چونکہ صداقت اس آیت کا نفس مضمون اور عنوان ہے اس لئے اس آیت کو اثبات خلافت میں پیش کیا جاتا ہے کیونکہ صداقت بھی دلیل امامت ہے۔

اعتراض ۱۵۵: ۔ اگر تصدیق توحید کے لئے ہے تو اثبات خلافت کیسے ہوگی اور اگر اثبات خلافت کے لئے ہے تو مفہوم سے مناسبت ثابت کر کے دکھائیے۔

جواب ۱۵۵: ۔ آپ کے دعوی حضرت العلامہؒ کے صدقے جاؤں۔ جناب علامہ بزبان خود صاحب یہ کہاں کا علمی نکتہ ہے کہ ایک دلیل محض ایک ہی موقف کے لئے ہوتی ہے۔ حالانکہ قوی دلیلیں مختلف موضوعات پر قائم ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ اگر آپ تھوڑا غور کریں تو سمجھ جائیں کہ بظاہر یہ آیت تصدیق توحید* کا ثبوت نہیں بنتی دگو کہ

* خلافت و توحید کا ساتھ روز اول سے ہے کہ ابلیس نے خلافت کا انکار آڑ توحید میں کیا۔

بلاشبہ اپنی جگہ پر توحید کی دلیل ہے) کیونکہ جب مباہلہ سے نصاریٰ دستبردار ہو گئے تو عملاً ثبوت ظہور پذیر نہ ہوا۔ اور جھوٹ و سچ کا فیصلہ نہ ہوا۔ بلکہ جزیہ پر بات اٹک رہی۔ لیکن یہ واقعہ خلافت کے لئے واضح برہان قرار پایا۔ کیونکہ رسولؐ نے موجودہ نفوس میں صادقین کا انتخاب کر کے ان حضرات کی سچائی و صداقت کی تصدیق کر دی۔ اب اگر یہ سچے دعویٰ خلافت کریں تو اس کو نہ ماننا قرآن کا انکار ہوگا پس چونکہ صداقت دلیلِ خلافت ہوتی ہے اس لئے جانشینِ رسولؐ کے لئے صادق ہونا ضروری ہے اور حضورؐ نے مباہلہ میں حضرت علی علیہ السّلام کو صاحبِ صدق قرار دیا اسی لئے جناب امیرؑ نے فرمایا ہے کہ "میرے سوا جو صدیقِ اکبر ہونے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے"۔ پس آیت مباہلہ کو اثباتِ خلافت میں شمار کرنا اتنی بڑی دلیل ہے کہ جس کو توڑا نہیں جا سکتا کیونکہ اس کے انکار سے صرف دو صورتیں پیدا ہوں گی یا حضرت علیؑ کی صداقت کو مانا جائے یا خدا اور رسولؐ پر بدظنی کر کے اُن کو جھوٹا سمجھا جائے۔ اگر علیؑ سچے ہیں تو انہوں نے خلافت کا دعویٰ کیا لہٰذا نہ ماننے والوں نے صادق کو جھٹلایا اور اگر جھوٹا ہے تو آیتِ مباہلہ مشکوک ہو گئی۔ یہ دونوں صورتیں اہلِ سُنّت کے مذہب پر صواعق محرقہ ہیں۔ پس ایسی قاطعہ دلیل سے خوفزدہ ہو کر قریشی صاحب نے اسے ثبوت نہیں مانا۔ شاید ریت کا محل ڈھیر ہوتا نظر آتا ہے۔

اعتراض ۱۵۶:۔ کیا آپ حضرات حضرت علیہ السلام سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے بوقت روانگی برائے مباہلہ یوں فرمایا ہو کہ ان افراد کو اس لئے لئے جا رہا ہوں تاکہ مسئلہ خلافت واضح ہو جائے۔

جواب ۱۵۶:۔ جی ہم مطلوبہ بات ثابت کر دیں گے بشرطیکہ آپ یہ ثابت کر دیں کہ حضورؐ نے فرمایا ہو کہ "میں ان افراد کو اس لئے لئے جا رہا ہوں تاکہ مسئلہ توحید واضح ہو جائے۔" جب آپ مطلوبہ عبارت ثابت کر دیں تو پھر ہم سے ایسا مطالبہ کیجئے جواب دیں گے۔ باقی جب معیارِ خلافت یعنی صداقت کا مسئلہ واضح کر دیا تو از خود ثابت ہو گیا کہ دین و دنیا کے پیشوا یعنی امام حقیقی وہ ہی ہو گا جس کی زبان سے کبھی کلمہ کذب جاری نہ ہوا ہو۔ اور جو آدمی چالیس برس جھوٹ کا پجاری رہا ہو اور سچے

خدا کا حکم ثابت ہو وہ سچے رسولؐ کی نیابت کا اہل نہیں ہے۔

اعتراض ۱۵۷:۔ اور اگر ثابت کرنے سے عاجز ہیں تو پھر آپ کا استدلال یقیناً غیر مستند رہا اور غیر مستند استدلال قابلِ قبول نہیں ہے۔

جواب ۱۵۷:۔ ہر استدلال کسی شرط سے مشروط ہو کر مستند ہوا کرتا ہے لہٰذا ہماری دلیلِ صداقت مستند ہے جسے رد کرنا امرِ محال ہے لہٰذا چونکہ عاجز رہنے والے خلیفوں کو ہادی نہیں مانتے ہیں اس لئے بعد دعلیؑ غالب ہیں۔ اگر کوئی دم خم ہے تو دلیل کو قطع کرنے کی جرأت کر کے دیکھئے۔

اعتراض ۱۵۸:۔ قرآن مجید میں ہے:

ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم انفسنا وانفسکم

بلائیں ہم اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو۔

ابناء، نساء اور انفس بصیغہ جمع وارد ہے اور جمع سے مراد فردِ واحد لینا مجاز ہے۔ پس اس آیت میں وجوہ تعذرِ حقیقت اور وجوہ تحقق مجاز بیان فرمایئے۔

جواب ۱۵۸:۔ قریشی صاحب کو بھرتی کے اعتراضات کی ضرورت ہے کیونکہ انہوں نے ایک ہزار بلکہ ۹۹۹ اعتراضات کی تعداد کسی طرح پورا کرنی ہے۔ لہٰذا اندھادھند بلا سوچے سمجھے ہانکے چلے جا رہے ہیں۔ ابناء، نساء اور انفس جمع کے صیغے ہیں لہٰذا واحد مراد مجازی ہے لہٰذا قریشی صاحب تعذرِ حقیقت اور تحقق مجاز کی وجوہات پوچھ رہے ہیں۔ ان کو جواب دینے سے قبل میں ایک واقعہ بیان کرتا ہوں کہ ایک عیسائی سے ہماری گفتگو ہوئی ان کو بھی صیغوں کی بیماری تھی اور گرامر سے تھوڑی بہت واقفیت تھی۔ چونکہ وہ تثلیث کے قائل تھے لہٰذا انہوں نے بہت ساری

آیاتِ قرآنی نقل کر رکھی تھیں جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ ان صاحب کا اصرار تھا کہ عربی زبان میں جمع کا صیغہ کم سے کم تین نفر کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ اب جبکہ خود تمہاری الہامی کتاب میں اللہ نے اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے اس لئے یا تو یہ تسلیم کرو کہ خدا تین کا مرکب ہے یا پھر آیاتِ قرآنی کی تکذیب کرو۔ ہم نے بہت مغز ماری کی کہ بھائی صاحب یہ تعظیماً استعمال ہوئے ہیں لیکن وہ چونکہ لفظ کے حقیقی معنوں پر ڈٹے رہے اور مجاز کو تسلیم نہ کیا لہٰذا ہمیں کسی اور طریقہ سے ان کو قائل کرنے میں کامیابی ہوئی اور وہ طریقہ یہاں بیان کرنا خلافِ ضابطہ ہے لہٰذا معذرت خواہ ہوں۔ لیکن وہ عیسائی تھے لہٰذا مباہلہ میں اپنے بزرگوں کی سنّت پر عمل کر کے مقابلہ سے دستبردار ہوئے مگر قریشی صاحب اُن قریش بزرگوں کے چشم و چراغ ہیں جنہوں نے اُن سچّوں کو جھوٹا بتایا ہے جن کی صداقت کی گواہی قرآن کی آیتِ مباہلہ نے دی ہے۔ لہٰذا میرا جواب اوّل قریشی صاحب کو یہ ہے کہ جو مراد خدا کے لئے جمع کے صیغوں کی صورت میں واحد لینے کے وجوہات تعذرِ حقیقت اور تحقق مجاز ہیں بالکل وہی وجوہات یہاں دُہرا لیجئے۔ دوم یہ کہ ہم اکیلے قرآن کو ہادی بھی تسلیم نہیں کرتے اور نہ ہی تفسیر بالرائے کے قائل ہیں بلکہ قرآن مجید کے اُسی مفہوم کو صحیح مانتے ہیں جو رسولِ کریم صلعم نے بتایا۔ اب جب خود رسول اکرم صلعم نے عملاً مصادیق کی حقیقی تصاویر میدانِ مباہلہ میں بر سرِ عام پیش کر کے مکمل تشریح فرما دی تو اس رسول صلعم کی مراد کے خلاف کوئی اور مراد وضع کرنا اس شخص کو زیبا نہیں دیتا جو اُمّتِ محمدؐ میں سے ہو۔ پس رسول صلعم کے فیصلے کے بعد ہمیں یہ حق نہیں ہے کہ اس پر اپنی ذاتی جرح و تاویل کریں جبکہ لغوی اعتبار سے بھی جمع و واحد کے صیغوں کا استعمال موقع و محل کے مناسبت سے مجازی و حقیقی مفاہیم کو مانع نہیں ہے۔

اعتراض ۱۵۹: ۔ جبکہ ابناء نساء انفس کی نسبت خصوصاً حضور علیہ السلام اور مخالفین کی طرف موجود ہے تو ایک طرف سے مجاز اور دوسری طرف سے حقیقت مراد لینا کن وجوہ کی بنا پر ہے۔

جواب نمبر ۱۵۹: ۔ حقیقی و مجازی مراد کی بحث کا خاتمہ خود عمل رسولؐ سے ہو جاتا ہے۔ ہمیں صرف نسبت رسولؐ سے تعلق ہے اور مخالفین سے کوئی واسطہ نہیں لہٰذا انصاریٰ کے لئے ہم ہرگز اس بحث میں ملوث نہیں ہوتے ہیں کہ انہوں نے ان الفاظ سے عملاً کیا مراد لی ۔ کیونکہ اُن کا فعل ہمارے لئے حجت نہیں ہو سکتا، البتہ حضورؐ کے انتخاب نے یہ ثابت کر دیا کہ معرکہ حق و باطل میں جب سچوں اور جھوٹوں کے فیصلے کا وقت آجائے تو رسولؐ کی نگاہ میں علیؑ، فاطمہؑ اور حسنینؑ سے سچا کوئی دوسرا مسلمان نہیں ہے ۔ آیت نے ان کی سچائی کو مستند کیا اور یہ بات سنّتِ الٰہی قرار پائی کہ افضل کی موجودگی میں مفضول کا انتخاب نہ ہی سنّتِ رسولؐ ہے اور نہ ہی سنّتِ الٰہیہ ۔ چونکہ نصاریٰ نے مباہلہ کرنے ہی سے انکار کر دیا تھا لہٰذا عملاً اُن کے بارے میں مجاز و حقیقت کا سوال پوچھنا ہی جہالت ہو گا ۔ ہاں البتہ چونکہ حضورؐ میدانِ مباہلہ میں تشریف لے آئے اور اپنی نسبت کی خود تشریح فرما دی اس لئے اگر وہ رسولؐ مانے جاتے ہیں تو مسلمانوں کو اس انتخاب میں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ حکم قرآنی ہے کہ جب کوئی فیصلہ حضورؐ فرما دیں تو اس کو دل سے تسلیم کیا جائے اس میں شک نہ کیا جائے ۔ مگر افسوس ہے کہ قریشی صاحب کے ایک بزرگ قریش نے میدانِ حدیبیہ میں رسولؐ پر شک کر کے اعتراض کر دیا اور اب جناب معترض اُن شیخ صاحب کی سُنّت پر عمل کر کے میدانِ مباہلہ میں شک کر رہے ہیں ۔

اعتراض نمبر ۱۶۰: ۔ کیا یہ صحیح ہے کہ مباہلہ جھوٹوں پر لعنت کے لئے منعقد ہوا کرتا ہے ۔

جواب نمبر ۱۶۰: ۔ جی ہاں ۔

اعتراض نمبر ۱۶۱: ۔ کیا یہ بھی صحیح ہے کہ حضور علیہ السلام حتی الوسع دعائے لعنت سے احتراز فرمایا کرتے تھے ۔

جواب نمبر ۱۶۱: ۔ جی یہ بھی صحیح مگر کچھ ملعون ایسے بھی بدبخت تھے جن پر

رحمت للعالمینؐ نمازیں اکثر لعنت کیا کرتے تھے۔ (بخاری)

اعتراض نمبر ۱۶۲:۔ کیا یہ صحیح ہے کہ نصاریٰ نجران کے سرپرست نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ اگر حضور علیہ السلام مباہلہ کے لئے ان لوگوں کو ساتھ لائیں جن کے ساتھ حضورؐ کا خونی رشتہ اقرب ہے تو مباہلہ کرو ورنہ کر لینا اور حضور علیہ السلام کو جب یہ علم ہوا تو حضرت علیہ السلام چار نفوس زکیہ کو ساتھ لے گئے تاکہ مباہلہ نہ ہونے پائے۔

جواب نمبر ۱۶۲:۔ مجھے اس مفروضہ سے اتفاق نہیں ہے کیونکہ اس میں توہین رسولؐ کا پہلو اغلب ہے۔ میری ذاتی تحقیق کے مطابق یہ بات عیسائیوں کی مشہور کردہ ہے مشہور بات یہ ہے کہ نصاریٰ نے کہا کہ اگر حضورؐ جگر پاروں کو لائیں تو مباہلہ نہ کرنا دیگروں کو لائیں تو مباہلہ ضرور کر لینا۔ مگر یہ بات میں صحیح نہیں سمجھتا ہوں کہ حضورؐ کو جب اس امر کا علم ہوا تو آپ نے جان بوجھ کر پنجتن پاک کو منتخب کیا۔ نصاریٰ کا یہ خدشہ بھی صداقت اسلام کی انجیل میں بشارت کو ثابت کرتا ہے۔ معاذاللہ حضورؐ مباہلہ نہ ہونے کی غرض سے اپنے اہل بیتؑ کو نہ لائے تھے۔

اعتراض نمبر ۱۶۳:۔ اگر یہ ساری تقریر واقع کے مطابق ہے تو افضلیت اور دلیل خلافت کی کیا حیثیت باقی رہے گی۔

جواب نمبر ۱۶۳:۔ اوّلاً یہ ساری تقریر میرے نزدیک ناقابل قبول ہے مگر بفضل خدا یہ مفروضہ بھی افضلیت اور خلافت و امامت کی قوی دلیل بن جاتا ہے اس لیے کہ غیر مسلم عیسائیوں تک نے اہل بیتؑ اطہار کو بابرکت و باصدق تسلیم کیا اور اعتراف کر لیا کہ یہ نفوس اگر میدان مباہلہ میں آ گئے تو حق ان کی قدمبوسی کرے گا اور مخالفین کی ہلاکت ہو گی۔ عیسائی اہل کتاب تھے ضروری ہے کہ کسی قدیمی پیش گوئی کی روشنی میں ہی ان لوگوں نے ایسا کیا ہو گا ورنہ بلا وجہ اہل بیتؑ سے خوف کا ہونا غیر معقول تھا۔ پس ثابت ہوا کہ کتب سابقہ میں بھی پنجتن پاکؑ کے

فضائل ہیں اور اسی لئے عیسائیوں نے ان کے مقابلہ میں آنے سے انکار کر دیا ان۔ جذیہ دینا مان لیا۔ لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ عیسائی اہل بیتؑ کو سچے اور افضل مانتے تھے۔ لہٰذا فضیلت قائم رہی اور افضل کی موجودگی میں مفضول کی خلافت بلا دلیل ہے۔

اعتراض نمبر ۱۶۴:۔ بقول شما جب حضرت علی مرتضیٰ کو نفسِ رسولؐ تسلیم کیا جائے تو فرمایئے حقیقتاً یا مجازاً۔

جواب نمبر ۱۶۴:۔ "بقول شما" کہہ کر انکار قرآن و حدیث نہ کریں۔ خدا را ظاہری مسلمانی کا برقعہ تو سر پر سلامت رکھیئے۔ ہم حضرت علیؑ کو حقیقتاً اور مجازاً دونوں طریقوں سے نفسِ رسول تسلیم کرتے ہیں کیونکہ دراصل محمدؐ اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۶۵:۔ اگر حقیقتاً نفسِ علیؑ نفسِ رسولؐ تھا، تو سیدہ کے ساتھ جواز نکاح کے سلسلے میں اشکالات کے کیا جوابات ہیں۔

جواب نمبر ۱۶۵:۔ یہ حقیقت و معرفت کے راز ہیں۔ عالمِ حقیقت میں مجاز کا گذر نہیں ہے۔ مجازاً نکاح کے سلسلے کے اشکال اظہر من الشمس ہیں۔ البتہ حقیقی نکاح اس جوڑے کا خدا نے عرش پر کیا اس لئے یہ جواب خدا سے پوچھو۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ جتنا مجھے خدا نے توفیق دی کہ جب رسولؐ نے فرمایا علیؑ میر النفس ہے لہٰذا ایمان ہے کہ رسولؐ نے حقیقتاً فرمایا۔ جوازِ نکاح کی شکل یہ ہے کہ ابن مسعودؓ نے روایت کیا ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ تحقیق اللہ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ فاطمہؑ کا نکاح علیؑ سے کروں۔ ملاحظہ فرمایئے تفسیر کبیر اور طبرانی شریف بحوالہ ارجح المطالب صفحہ ۲۳۳۔ اب جب خدا خود ہی ایک نکاح کا حکم دیتا ہے تو پھر مخلوق کو اس پر اعتراض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حکمِ خدا از خود جواز ہے۔

اعتراض نمبر ۱۶۶:۔ اگر مجازاً ہے تو یقیناً محبت و مودّت مراد لی جائے جو فریقین کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ فرمایئے اس مفہوم سے احتراز کیوں۔

جواب ۱۶۶:۔ ہمیں مجازی مفہوم کو مان لینے میں کب عذر ہے اور محبت و مودۃ کے کب مخالف ہیں۔ ہماری شکایت یہی تو ہے کہ سنی مشائخ نے محبت و مودۃ کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے عداوت و نفرت کا مظاہرہ کیا اور محض چہاں کے طور محبت کا دعویٰ ہے۔

اعتراض ۱۶۷:۔ اگر خلافت کے لئے آیت مباہلہ کو تسلیم کر لیا جائے تو باقی یازدہ آئمہ کرام کی امامت کے لئے ازیں قسم کون کسی آئیتیں پیش کی جائیں گی۔

جواب ۱۶۷:۔ خلافت حقہ کے اثبات میں قرآن مجید سے متعدد شواہد پیش کئے جا سکتے ہیں بلکہ اگر مجھ سے پوچھو تو کہوں گا سارا قرآن ثبوت امامت ہے مگر پہلے آپ صرف آیۃ مباہلہ کو تو تسلیم کریں پھر دوسری بات کریں گے۔ اس آیت کو خود امیر المومنین علیؑ ابن ابیطالب نے اپنی خلافت کی دلیل بنایا۔ جیسا کہ دار قطنی روایت کرتے ہیں کہ روز شوریٰ حضرت امیر علیہ السلام نے احتجاج کیا بغرض اتمام حجت کے اہل شوریٰ سے فرمایا کہ میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ میرے سوا تم میں کوئی ایسا شخص موجود ہے جو رشتہ میں حضرتؐ کا قریبی ہو اور کسی شخص کے نفس کو آپؐ نے اپنی جان قرار دیا ہو اور کسی کے بیٹوں کو اپنا بیٹا بنایا ہو۔ سب حاضرین نے کہا اللہ کی قسم آپ کے سوا کوئی نہیں۔ (ارجح المطالب ص۴۳) اب جب خود حضرت علیؑ اس آیت سے دلیل قائم فرمائیں اور صحابہ اس کو تسلیم کریں اور اعتراض نہ کریں کہ خلافت کے معاملہ میں یہ آیت کیوں لاتے ہو۔ قریشی صاحب کا اعتراض صحابہ کے عمل کے خلاف ہوگا یا نہیں۔ اب چونکہ علیؑ سے جھوٹ ممکن نہیں ہے لہٰذا جس کو اپنا قائمقام بتائیں گے وہ سچا ہوگا۔ حسنؑ و حسینؑ تو اس آیت میں داخل مانے جاتے ہیں لہٰذا حسینؑ صدیق ہوئے تو جب وہ علیؑ ابن الحسینؑ کو اپنا خلیفہ بتائیں گے تو انکار کی گنجائش نہ ہوگی۔ اور اسی طرح ہر امام اپنے بعد دوسرے کا تعارف کراتا جائے گا۔ اصل خلافت کا معاملہ امیر المومنینؑ سے

متعلق ہے جب اُن کے لئے آیت تسلیم کر لی جائے گی تو از خود باقی آئمہ کے لئے مسلمہ قرار پائے گی۔ مگر آپ کے مرغے کی ٹانگ تو ایک ہی ہے۔ جس طرح اس آیت کا انکار کر دیا ہے اسی طرح پورے قرآن کا انکار کرتے جائیں گے۔ باقی مسئلہ خلافت میں قرآنی دلائل اس قدر دئیے جا چکے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی باطل کر دینا سورج کو مغرب سے طلوع کر دینے کے برابر ہے۔ اسی لئے ہماری کتب لاجواب ہیں۔

اعتراض ۱۶۸:۔ جب مباہلہ میں سیّدہ شریک ہیں تو فرمائیے ان کو امامت جیسی نعمت سے کیوں محروم کیا گیا۔

جواب ۱۶۸:۔ اس لئے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ امامت رسول اکرمؐ کی نیابت ہے اور حضورؐ مرد ہیں۔ اس لئے سیّدہؑ کو امامت نہ ملی بلکہ عصمت و طہارت کی اس ملکہ کو منبع امامت ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آئمہ کی والدہ قرار پائیں۔ اگر کوئی عورت نبی یا رسول ہوتی تو پھر شاید سیّدہ بھی امام ہوتیں۔ تاہم بی بی پاکؑ عورتوں کے لئے معصومہ و صدیقہ طاہرہ ہیں اور سیّدۃ النساء و خاتونِ جنت ہیں عورتوں کی پیشوا و سردار ہیں۔

اعتراض ۱۶۹:۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ انفس سے مراد سیّدنا علیؓ ہیں اور ابنائنا سے مراد سیّدین مکرمین ہیں تو نسائنا سے مراد سیّدہ کیسے مراد لی جا سکتی ہے جبکہ ندع میں داعی اوّلاً بالذّات حضور علیہ السلام ہیں اور سیّدہ مطہرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی ہے۔

جواب ۱۶۹:۔ کیا بیہودہ اعتراض کیا ہے آخر "نسائنا" میں وہ کونسی قباحت ہے جو صاحبزادی کے مراد کو نقصان دے۔ ہاں اگر کوئی ایسا مخصوص لفظ استعمال ہوتا جس سے مراد بیوی یا زوجہ ہی ہوتی تو اعتراض درست ہوتا مگر "نساء" تو ہر عورت کے عمومی معنی میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم میں جب

نسائ ابنا کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ تو نسائ سے بیٹی مراد ہوئی ہے۔ مثلاً یذبحون ابنائکم ویستحیون نسائکم۔ یقتلون ابنائکم ویستحو ن نسائکم۔ یذبح ابنائھم ویستحی نسائھم۔ قالوا اقتلوا ابناء الذین امنوا معہ استحیوا نسائھم۔ میں نسائ سے مراد بیٹی ہی لی گئی ہے۔

اعتراض نمبر ۱۷۱:۔ آخر کیا وجہ ہے کہ مباہلہ میں سیدنا حسن رضؓ دونو (سیدنا حسن وحسین دونوں) شریک ہیں لیکن حالت یہ ہے کہ خلعت امامت سے سیدنا حسین رضؓ کی اولاد تو نوازی گئی اور سیدنا حسن رضؓ کی اولاد محروم رہی۔

جواب نمبر ۱۷۱:۔ وہی وجہ ہے جس کے باعث خدا نے یوسف علیہ السلام کو تو خلعت نبوت سے نوازا مگر آپ کے دیگر بزرگ بھائی اس سے محروم رہے، حالانکہ وہ بھی نبی کے بیٹے تھے۔ لیکن امامت میں خدا نے حسنؑ وحسینؑ دونوں کی اولاد کو شریک کیا ہے۔ کیونکہ امام حسن علیہ السلام کی صاحبزادی کی شادی امام حسین علیہ السلام کے فرزند سید الساجدینؑ سے ہوئی اور امام محمد باقرؑ کی ولادت ہوئی لہٰذا امامت حسن وحسین علیہما السلام کی اولاد میں ہی رہی۔

اعتراض نمبر ۱۷۱:۔ اگر مباہلہ سے معصومیت کا استدلال قائم کیا جاتا ہے تو فرمایئے کہ پوری آیت میں وہ کون سا لفظ مذکور ہے جس سے اس قسم کا معنی مستفاد ہو سکتا ہے۔

جواب نمبر ۱۷۱:۔ "ثم نبتہل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین" کی تلاوت فرمایئے۔ "لعنت" اور "کاذبین" کے الفاظ پر غور فرمایئے۔ لعنت رحمت سے دوری کی حالت ہے اور کذب تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اور حضورؐ نے آل پاکؑ کو عملاً مصادیق آیت قرار دے کر حجت تمام کی۔ ان ہستیوں پر ہمیشہ رحمت کی چادر کا سایہ رہتا ہے۔ اور ان سے جھوٹ کا ارتکاب ممکن نہیں اور ظاہر ہے کہ ہر گناہ خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ حق نہیں باطل ہوگا۔ اور ہر باطل جھوٹ

ہے جس سے اہل بیتؑ محفوظ ہیں لہٰذا رحمت اور صداقت دونوں عصمت کی ناقابلِ تردید براہین ہیں۔ پس استفادہ حاصل کر لیا جائے۔

اعتراض ۱۷۲:۔ اگر مباہلہ میں تشریف لے جانے والے چند نفوس زکیہ افضل شمار کئے جائیں تو صراحت فرمائیے کہ یہ نفوس آپس میں افضلیت کی حیثیت سے برابر ہیں یا کم و بیش۔

جواب ۱۷۲:۔ عصمت، طہارت و صداقت کے لحاظ سے برابر ہیں کیونکہ ایک ہی نور سے خلق کئے گئے ہیں۔

اعتراض ۱۷۳:۔ اگر برابر ہیں تو نبی اور غیر نبی اور امام و غیر امام میں امتیاز نہ رہا جبکہ حضرات ثلاثہ یعنے سیدنا علی مع حسنین غیر نبی ہیں اور حضرت سیدہ (غیر امام)۔

جواب ۱۷۳:۔ منصب، عہدہ اور مراتب کی وجہ سے امتیاز برقرار رہتا ہے

اعتراض ۱۷۴:۔ اور اگر کم و بیش ہیں تو کیوں جبکہ واقعہ میں شمولیت اور مباہلہ کے لئے تشریف لے جانے میں برابر کے شریک ہیں۔

جواب ۱۷۴:۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک واقعہ میں سب شرکا کا عہدہ ہم مرتبہ ہو۔ جب کوئی وزارتی وفد کسی غیر ملکی دورہ پر جاتا ہے تو سرکردہ وزیر کی حیثیت ممتاز رہتی ہے جبکہ وفد کے دوسرے افراد کی حیثیت مشترکہ ہوتی ہے۔

بحث آیت تبلیغ

"یا ایّھا الرّسول ما اُنزل الیک"

(آیت کے منقولہ الفاظ نامکمل ہیں اصل آیت یوں ہے۔ یا ایھا الرسول بلّغ ما انزل الیک)

اعتراض ۱۷۵:۔ فرمایئے اس آیت کے کون سے کلمے میں سیدنا علی مرتضٰی کی امامت بلا فصل کا ذکر ہے۔

جواب ۱۷۵:۔ "ذٰلک الکتاب لا ریب فیہ" میں کون سے کلمے میں یہ ذکر ہے کہ قرآن میں شک نہیں ہے۔ غالباً کہا جائے گا کہ "ذٰلک الکتاب" سے مراد قرآن مجید ہے۔ اسی طرح "ما انزل الیک" سے مراد اعلانِ خلافت وامامت علی ولی اللہ علیہ السلام ہے۔

اعتراض ۱۷۶:۔ بلّغ امر کا صیغہ ہے جس مسئلے کی تبلیغ پر حضورؐ مامور تھے اس کا ذکر قرآن مجید میں اس سے پہلے کسی آیت میں مذکور ہے یا نہ۔

جواب ۱۷۶:۔ اس مسئلہ کا ذکر قرآن مجید کی کئی آیات میں مذکور ہے۔

اعتراض ۱۷۷:۔ اگر مذکور ہے تو علی السبیل الصراحۃ نشاندہی کی جائے ورنہ دعوٰی باطل۔

جواب ۱۷۷:۔ آپ کے اعتراض کو رفع کرنے کے لئے صرف ایک آیت یعنی آیت ولایت کافی ہے۔ جو اسی سورہ مائدہ کے چھٹے رکوع میں ہے جبکہ آیت زیر بحث دسویں رکوع میں ہے۔

اعتراض ۱۷۸:۔ بلغ کا معنی پہنچا دے ہے یا پہنچا تا رہ ہے اگر پہنچا دے ہے اور اس سے مراد امر امامت ہے تو اصول کافی کی اس حدیث کا کیا جواب ہے کہ امر ولایت ایک راز تھا جس کو خدا تعالیٰ نے چھپا کر جبرئیل کو بتا دیا اور جبرئیل نے مخفی طور پر حضور علیہ السلام کو اور حضور علیہ السلام نے مخفی طور پر حضرت علی کو بتایا مگر تم ہو کہ اسے افشا کرتے پھرتے ہو۔

کیا اخفا اور تبلیغ دونو ایکدوسرے کی ضد نہیں تشریح درکار ہے۔

جواب ۱۷۸:۔ بلغ کے معنی پہنچا دیتے ہیں اور مراد آیت موصوفہ میں اعلانِ خلافت ہے۔ اصولِ کافی کی جس روایت کا آپ نے تذکرہ کیا ہے وہ کتاب الایمان والکفر" میں اس طرح ہے اور یہ روایت باب ۹۸ میں زیر عنوان "راز کو چھپانا" نقل کی گئی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے ایک حادثہ کے متعلق سوال کیا۔ حضرت نے جواب سے انکار کیا اور خاموش ہو گئے پھر فرمایا اگر جو تم چاہتے ہو ہم تمہیں بتا دیں تو یہ ایک مصیبت بن جائے گا تمہارے لئے بھی اور صاحب امامت کے لئے بھی۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ وحی کی اللہ نے جبرئیل کو، جبرئیل نے حضرت رسول خداؐ کو حضورؐ نے علیؑ کو ولایت کے اسرار سے آگاہ کیا اور علیؑ نے جس کو چاہا بتایا۔ اور تم اسے ظاہر کرتے ہو"۔ روایت سے صاف ظاہر ہے کہ اس میں اخفاء راز کی تاکید کی گئی ہے نہ کہ تبلیغ عقیدۂ امامت و ولایت کی ممانعت فرمائی ہے۔ راز کا ظاہر کرنا ہر مذہب میں مذموم ہے۔ باقی اخفاء اور تبلیغ بے شک ایک دوسرے کی ضد ہیں مگر ایسی ضد نہیں کہ جو یکجا نہ ہو سکیں ہو سکتا ہے کہ تبلیغ رازداری کے ساتھ ہو۔ ہر امر اگر کسی مصلحت کے تحت حکم اخفاء میں رکھا جائے تو ضروری نہیں کہ اسے ظاہر کرنا اس وقت بھی ممنوع ہو جب وہ مصلحت باقی نہ رہے مثلاً خداوند عالم کنز اً مخفی تھا لہٰذا اس نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں لہٰذا "اخفا" ختم۔ حضورؐ نے چالیس سال تک امرِ نبوت کو پوشیدہ رکھا۔ مگر جب اخفا کی ضرورت

جاتی رہی علانیہ کارِ نبوّت انجام دینا شروع کر دیا۔ تو کیا اخفا کی آڑ لے کر اب توحید و رسالت کی تبلیغ بند کر دی جائے؟ حالانکہ خدائی کے اسرار اور نبوّت کے راز آج تک مخفی ہیں۔ اسی طرح حدیث میں ولایت کے ان اسرار و رموز کے اخفا کا حکم ہے جن کو ظاہر کرنا خلافِ مصلحت ہو۔

اعتراض ۱۷۹:۔ اگر بلّغ کا معنی پہنچا دے ہے تو فصل لربک کا کیا معنی ہے دوام و استمرار مراد ہے یا تجدّد حدوث۔

جواب ۱۷۹:۔ بلّغ امر کا صیغہ ہے اور اس کے معنی "پہنچاؤ" ہی ہیں۔ اسی طرح فصل لربک کے معنی ہیں نماز پڑھ اپنے پروردگار کی۔ دوام و استمرار مراد ہے بلحاظِ وقت و ضرورت ایسا دوام و استمرار نہیں کہ مسلسل بلا توقف ہر وقت بلکہ مقررّہ اوقات پر اور بمطابق ضرورت و احتیاج (حسب سنت رسولؐ) تجدید و حدوث کا پہلو آیہ بلّغ سے صرف اعلان عام کے لئے نکل سکتا ہے اور صیغے کو اس سے کوئی ضعف نہیں پہنچتا ہے۔ اسی طرح سورۂ کوثر میں جو فصل لربک کا امر ہے تو حضورؐ نے نماز شکرانہ ادا فرمائی اور قربانی دی۔ لہٰذا دوام و تجدید یا استمرار و حدوث کسی بھی صورت سے آپ آیہ موصوفہ کو زیر بحث لائیں ہر طریقہ سے ہمارا مقصد پورا ہوگا۔

اعتراض ۱۸۰:۔ کہا جاتا ہے کہ یہ آیت خم غدیر کے مواقع پر نازل ہوئی حالانکہ اس روایت کے راوی ضعیف ہیں۔ روایات کا مدار عطیہ پر ہے میزان الاعتدال میں ضعیف کہا گیا ہے۔ بہت سے علماء نے اسے شیعہ (کہا) ہے۔ اسی طرح کلبی کے متعلق بھی کلام ہے۔ ابوبکر بن عیاش تو غلطیاں کرتا تھا۔ لہٰذا استدلال صحیح نہ رہا۔ جواب درکار ہے۔

جوابِ ۱۸۰:۔ اہل سنت کے محدثین جلیل الشان نے جن میں چند کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں ثابت کیا ہے کہ آیہ موصوفہ روز غدیر نازل ہوئی۔

(۱) ابو محمد عبدالرحمٰن بن محمد المعروف ابن ابی حاتم (۲) احمد بن عبدالرحمٰن شیرازی (۳) احمد بن موسیٰ ابن مردویہ (۴) احمد بن محمد ثعلبی (۵) ابو نعیم احمد بن عبداللہ (۶) علی بن احمد واحدی (۷) مسعود بن ناصر سجستانی (۸) عبداللہ بن عبید حسکانی۔ (۹) علی بن حسن ابن عساکر (۱۰) محمد بن عمر رازی (۱۱) محمد بن طلحہ شافعی (۱۲) عبدالرزاق بن رزق اللہ (۱۳) حسن بن محمد نیشاپوری (۱۴) علی بن شہاب الدین ہمدانی (۱۵) حاجی عبدالوہاب بن محمد (۱۶) جمال الدین عطاء اللہ بن فضل اللہ شیرازی (۱۷) عبدالرحمٰن بن ابوبکر سیوطی (۱۸) محمد محبوب بن صفی السیدیہ (۱۹) محمود بن احمد عینی (۲۰) علی بن محمد المعروف ابن صباغ (۲۱) شہاب الدین احمد (۲۲) میرزا محمد بن معتمد خاں بدخشانی وغیرہ

اگر تمام علماء کی عبارتیں نقل کی جائیں تو طوالت ہو گی۔ اگر شوق ہو تو ہماری کتاب "حدیث غدیر" کی جلد دوم میں ص ۲۶۶ سے ص ۵۴۲ تک مطالعہ کر لیجئے۔ تمام کتابوں کی عبارتیں مع توثیق علمائے سنیہ مل جائیں گی۔ اس جگہ بطور تسکین ہم بڑی تفسیر یعنی تفسیر کبیر سے امام اہلسنت فخرالدین رازی کا بیان دہراتے ہیں۔ امام صاحب نے نزول آیہ یا ایہا الرسول کے دس اسباب درج کئے ہیں۔ ان میں دسواں سبب یہ لکھا ہے کہ آیت موصوفہ فضیلت علیؑ میں نازل ہوئی بوقت نزول نبی اکرمؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علی بھی مولا ہے۔ خدایا جو علی کو دوست رکھے اس کو تو بھی دوست رکھ جو اس سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے جناب امیرؑ سے ملاقات کر کے فرمایا مبارک ہو کہ آج اچھی صبح کی تھی۔ آپ میرے اور کل مومنین اور مومنات کے مولا ہوئے۔ اس واقعہ کو ابن عباس، براء بن عازب اور محمد بن علی (امام محمد باقر علیہ السلام) نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح یہ روایت حضرت ابی سعید خدری، عبداللہ بن مسعود، جابر بن عبداللہ، براء بن عازب اور مجاہد وغیرہ سے مختلف اسناد کے ساتھ نقل ہوئی ہیں اور مختلف محدثین نے اپنا اپنا سلسلہ لکھا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اس روایت کا مدار عطیہ پر ہے قطعاً غلط ہے۔ ہم ثبوت

کے لئے امام ثعلبی کی تحریر نقل کرتے ہیں جن میں نہ ہی عطیہ کا ذکر ہے اور نہ ہی ابوبکر ابن عیاش یا کلبی کا۔ چنانچہ ابو اسحٰق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی اپنی تفسیر کشف البیان عن علوم القرآن میں لکھتے ہیں کہ:۔

قال ابوجعفر محمد بن علی معناہ بلغ ما انزل الیک من ربک فی فضل علی بن ابی طالب فلما نزلت ھذا الایۃ اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بید علی فقال من کنت مولاہ فعلی مولاہ اخبرنا ابو القاسم یعقوب بن احمد بن السری انا ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد نا ابو مسلم ابراھیم بن عبداللہ الکجی نا حجاج بن منھال نا حماد عن علی بن زید عن عدی بن ثابت عن البراء قال نزل مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع کنا بغدیر خم فنادی

ابوجعفر محمد بن علیؑ فرماتے ہیں کہ آیہ بلغ ما انزل حضرت علیؑ ابن ابیطالب کی فضیلت میں نازل ہوئی تو جناب رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی مولا ہے۔ ہمیں خبر دی ابوالقاسم یعقوب بن احمد السری نے (راویوں کے نام عربی عبارت میں دیکھیں) کہ براؑ بن عازب کہتے ہیں کہ جب ہم جناب رسولِ خداؐ کے ساتھ حجۃ الوداع میں غدیرِ خم پر آئے تو حضورؐ نے صلوٰۃ جامعہ کا حکم فرمایا۔

اسی طرح بہت طریقوں سے اس روایت کو نقل کیا گیا ہے۔ اب محض کسی پر شیعہ کا اتہام کر کے روایت سے انکار کرنا کسی غیر جانبدار محقق کے لئے باعث تسلی نہیں ہو سکتا جبکہ متہم راوی کے علاوہ بھی دیگر اسناد رواۃ موجود ہوں۔ ہم نے بائیس علماء کے نام پیش کئے ہیں جنہوں نے روایت کو درست تسلیم کیا ہے اب ایک فرد کے کمزور اعتراض کی بنا پر جمہور علمائے اہل سنت کی بات کو رد نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ آج کل تو لوگوں نے سارے سنی مذہبی لٹریچر کو شیعہ ساختہ قرار دے کر قصہ ہی پاک کر دیا ہے۔

اعتراض نمبر ۱۸۱:۔ کوئی اعتراض نہیں ہے۔

جواب نمبر ۱۸۱:۔ اب اعتراضات کی تعداد ۹۹۸ رہ گئی۔ بجائے ایک ہزار کے۔

اعتراض نمبر ۱۸۲ :۔ خدا تعالیٰ نے اعلانِ امامت کو ما انزل سے تعبیر کیوں فرمایا جبکہ ما انزل سے مراد مسئلہ توحید بھی لیا جاتا ہے چونکہ مذہب کی جان ہے۔

جواب نمبر ۱۸۲ :۔ یہ سوال تو خدا سے پوچھئے کہ جس نے یہ الفاظ نازل کئے ہیں تو یہی کہوں گا کہ جس طرح قرآنِ صامت کے لئے یہ الفاظ استعمال ہوئے اسی طرح قرآنِ ناطق کے لئے بھی ایسا ہی کیا گیا۔ کیونکہ علیؑ اور قرآن میں جدائی نہیں ہے۔ باقی رہا مسئلہ توحید کا مراد لینا۔ تو یہ آپ کا مفروضہ ہے۔ آخر امامت مراد لینے میں آپ کا کیا نقصان ہے۔ جبکہ "توحید" مراد لینے سے پورے مذہب کی جان ہی جاتی رہے گی کہ بائیس سال کی رسالت میں رسولؐ نے اعلانِ توحید ہی نہ کیا۔ اور یہ سارا زمانہ دین بلا توحید یعنی بے جان رہا۔ اور پھر آیت کے اگلے الفاظ "واللہ یعصمک من الناس" توحید کی مراد کو قبول کرنے سے روکتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ اعلان اس امر کیلئے ہے جس سے لوگوں کی شرارت کا خدشہ ہے جبکہ "توحید" کے مسئلہ میں ایسا امکان ہرگز نہیں تھا۔ اب یہ چیلنج ہے کہ اگر آپ کسی بھی روایت سے خواہ وہ ضعیف و موضوع ہی کیوں نہ ہو اپنی چند کتابوں سے ثابت کر دیں کہ اس امر سے مراد توحید تھی تو ہم آپ کی بات مان لیں گے ورنہ آپ ہماری مراد تسلیم کر لیں جو کہ آپ کی کتابوں سے ثابت ہے۔

اعتراض نمبر ۱۸۳ :۔ قرآن مجید میں ہے۔

یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک — ایمان لاتے ہیں ساتھ اس کے جو کہ نازل کیا گیا ہے طرف تیرے اور جو کہ نازل کیا گیا ہے آپ سے پہلے۔

ظاہر ہے کہ ما انزل سے مراد قرآن ہے اور ما انزل من قبلک سے مراد توریت و انجیل ہے۔ فرمائیے کیا جواب ہے۔

جواب نمبر ۱۸۳ :۔ جس طرح "ما انزل" سے مراد قرآن ہے اسی طرح قرآنِ ناطق" ہے۔

اعتراض ۱۸۴:۔ جب آپ کے مفسر صافی تفسیر صافی ص ۲۱ مطبوعہ ایران میں یومنون بما انزل الیک کی تفسیر میں لکھ رہے ہیں ما انزل الیک من القرآن والشریعۃ یعنی ما انزل الیک سے مراد قرآن اور شریعت ہے۔ فرمایئے کیا جواب ہے۔

جواب ۱۸۴:۔ ہمیں قرآن مراد لینے سے کوئی خدشہ نہیں کیونکہ ہمارے نزدیک علیؑ اور قرآن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن اگر آیہ موصوفہ میں کتاب قرآن مراد لی جائے تو حیثیت رسولؐ پر حرف آئے گا کہ آپ نے اتنا عرصہ قرآن کی تبلیغ نہ فرمائی جواب تاکید اکید ہے کہ اگر یہ امر نہ پہنچایا تو سمجھو کہ رسالت کا کوئی کام ہی نہیں کیا۔ پس ناموس رسولؐ اور پاسداری رسالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسا گمان نہیں کیا جا سکتا۔

اعتراض ۱۸۵:۔ کیا آپ اس کے قائل ہیں کہ ان القرآن یفسر بعضہ بعضا بلاشبہ قرآن بعض بعض کی تفسیر کرتا ہے جب قرآنی آیت اس آیت کی تفسیر میں موجود ہے تو غیر مثبت مقصد کو مشکل سے ثابت کرنے کی کیا وجہ ہے۔

جواب ۱۸۵:۔ بلاشبہ قرآن کی بعض آیات بعض کی مفسر ہیں بشرطیکہ ان کو محمد و آل محمد علیہم السلام کی ہدایات کے مطابق سمجھنے کی کوشش کی جائے بصورت دیگر اگر تفسیر بالرائے پر عمل کیا جائے گا تو سوائے گمراہی کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اسی آیت کی مثال لے لیجئے کہ آپ "ما انزل" کے الفاظ کو محض اس لئے مراد آیت زیر بحث لکھ رہے ہیں کہ وہ قرآن کے لئے استعمال ہوئے حالانکہ اللہ نے امن و سکینہ نازل کیا مائدہ نازل کیا، پانی نازل کیا، لوہا نازل کیا۔ اب اگر آپ کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کر کے قرآن کی قرآن سے تفسیر کرنا شروع کر دی جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ "ما انزل" سے مراد لوہا ہے، پانی ہے۔ لیکن یہ طریق کار کبھی قابل قبول نہ ہوگا متکلم و مخاطب کے مابین گفتگو کو سمجھنے کے لئے بہترین طریقہ یہ ہے کہ مخاطب سے مفہوم اخذ

کیا جائے۔ پس جب رسولِ کریمؐ نے اس آیت کو امرِ ولایت سے متعلق قرار دیا ہے تو پھر ہمیں کیا ضرورت ہے کہ بلاوجہ اِدھر اُدھر کے مقاصد کی تلاش کرتے پھریں اور نافرمانیِ پیغمبرؐ کا ارتکاب کریں۔ قرآن اللہ نے رسولؐ پر نازل کیا ہے لہٰذا حضورؐ کی تعلیم و ہدایت کے بغیر اس کو سمجھنا نبی کی رسالت و نبوت کی ضرورت سے انکار کرنا ہے جو کفر ہے۔

اعتراض ۱۸۶:۔ کیا آپ کی کسی تفسیر میں وارد ہے کہ حضورؐ کو تبلیغ کا حکم ہوا تو حضور علیہ السلام نے اپنے قلب میں خوف محسوس کیا یا نہ۔

جواب ۱۸۶:۔ اولیاء اللہ اور انبیاءؑ کو خوف سے محفوظ قرار دیا گیا ہے۔ حضورؐ کو خدشہ تھا کہ لوگ ان کا قول جھٹلائیں گے۔ اور علیؑ کے بارے میں اعلانِ امامت سے ناخوش ہوں گے۔ اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں ضمیمہ مقبول احمد تفسیری نوٹ ۷۹ صـ ۱۰۲۔

اعتراض ۱۸۷:۔ اگر کیا تو جن واقعات کے رونما ہونے کے ڈر سے حضور علیہ السلام نے خوف محسوس کیا وہ واقعات رونما ہوئے یا نہ۔

جواب ۱۸۷:۔ بمطابق خدشہ بالکل وہ واقعات رونما ہوئے بلکہ آپ کا اعتراض کرنا بھی ان ہی واقعات کی کڑی ہے۔ اور اسے مزعوم خوف نہیں کہا جا سکتا۔

اعتراض ۱۸۸:۔ اگر رونما ہوئے تو تفصیل و تشریح درکار ہے۔ اور اگر نہیں ہوئے تو کیا نبوی اندازہ العیاذ باللہ غلط نہ نکلا۔

جواب ۱۸۸:۔ واقعہ عقبہ، حارث فہری کا واقعہ، قصہ قرطاس، جیش اسامہ سے تخلف، سقیفہ کی سازش، احراقِ خانہ بتولؑ، واقعہ فدک و غصب خمس و حکومت خانوادۂ رسالت کی تباہی و بربادی، سانحۂ کربلا اور حسنؑ کے تابوت پر تیر افشانی، محبتِ آلِ محمدؐ رکھنے والوں کی شامت الغرض اسلام کا زوال ظاہری اور مسلمانوں کی حقیقی ذلت و خواری یہ سب رونمائی اسی خدشہ کا نتیجہ ہیں۔

اعتراض ۱۸۹:۔ اس امر کی تبلیغ کے لئے مخاطبین کفار تھے یا مسلمین۔ اگر کفار تھے تو ان کو ولایت سیدنا علی سے کیا تعلق اور اگر مسلمین تھے تو ان سے خوف کیسا!

جواب ۱۸۹:۔ حضور عالمین کے رسول ہیں آپ کی تبلیغ ہر شخص کے لئے تھی لیکن خدشہ مسلمانوں سے تھا کیونکہ ان میں بیشتر کا کلمہ حلق سے نیچے نہیں اترا تھا۔ اور بعض کی نگاہیں تخت پر ٹکی ہوئی تھیں اور ان کی امیدوں پر پانی پھرنے کی امید تھی۔

اعتراض ۱۹۰:۔ اصول کافی صفحہ ۱۸۷ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت نویں تاریخ ذی الحجہ کی جمعہ کے دن نازل ہوئی حالانکہ آپ لوگ اس امر کے مدعی ہیں کہ یہ آیت خم غدیر کے مواقع پر نازل ہوئی ہے۔ تحقیق درکار ہے۔

جواب ۱۹۰:۔ اصول کافی صفحہ ۱۸۷ پر مذکورہ بیان نہیں ہے بلکہ اصول کافی کی کتاب الحجت کے صفحہ ۲۲۴ پر باب نمبر ۶۳ میں اس طرح ہے کہ "ابو جارود نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت کو فرماتے سُنا کہ خدا نے بندوں پر پانچ چیزوں کو فرض کیا ہے۔ جن میں سے انہوں نے چار کو لیا اور ایک کو چھوڑ دیا۔ میں نے کہا اس کا نام بتایئے فرمایا اوّل نماز کو واجب کیا لوگ نہیں جانتے تھے کیسے پڑھیں۔ جبرئیل نے آکر کہا اے محمدؐ ان کو نماز کے اوقات بتایئے۔ پھر زکواۃ کا حکم آیا فرمایا اے محمدؐ نماز کی طرح ان کو زکواۃ کے مسائل بھی بتایئے جیسے نماز کے بتلائے ہیں۔ پھر روزہ کا حکم آیا۔ جب روز عاشور ہوا تو آپ نے قرب و جوار کی بستیوں میں روزہ کا حکم بھیجا۔ (پھر اس روزہ کا حکم منسوخ ہوا) اس کے بعد رمضان کے روزے فرض ہوئے پھر حج کا حکم آیا۔ نماز زکواۃ اور روزے کی طرح آپ نے حج کو بھی سمجھایا۔ پھر ولایت کا حکم آیا۔ روز عرفہ کو جمعہ کا دن تھا۔ اس کے بعد آیت الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہوئی اور دین مکمل ہوا۔ ولایت کا حکم آنے کے بعد اس وقت رسول اللہ نے فرمایا۔ میری اُمت عہد جاہلیت کے عقیدہ کو لئے ہوئے ہے جب

میں اپنے ابن عم (علیؑ) کے متعلق ایسا حکم سناؤں گا کوئی یہ کہے گا کوئی وہ۔ بغیر زبان پر لائے یہ بات میرے دل میں آئی پس خدا کا ایک تاکیدی حکم میرے پاس آیا اور مجھے ڈرایا کہ اگر تم نے اس حکم کی تبلیغ نہ کی تو تادیب کرے گا اللہ۔ پس اس کے بعد آیہ یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الخ نازل ہوئی۔ پس رسول اللہؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا .... الخ

اس روایت سے ہرگز یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ آیت یاایھا الرسول بلغ روز عرفہ نازل ہوتی بلکہ روز عرفہ حکم ولایت کے اعلان کرنے کی وحی ہوئی اور حضورؐ نے اپنی عذرداری بارگاہ الہی میں پیش کی پھر خدا نے یقین حفاظت کے ساتھ تاکید فرمائی۔ خط کشیدہ فقرے قابل غور ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۹۱:۔ لفظ "انزل" اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل ہے یا مجازی معنوں میں۔ اگر حقیقی معنوں میں مستعمل ہے تو یہ خلاف واقعہ ہے کیونکہ اس سے پہلے سیدنا علی کے نام کی بمع عہدہ امامت کے تصریح نہیں ہے اور اگر مجازاً ہے تو اس سے قطعی عقائد ثابت نہیں کئے جاسکتے۔

جواب نمبر ۱۹۱:۔ "انزل" اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوا ہے اور آیت ولایت میں عہدۂ امامت و ولایت کی تصریح کی جاچکی ہے۔ صفت بیان کرکے خدا نے خود نام پر اعتراض کرنے کا جواب دے دیا ہے۔ پھر یہ کہ علمائے اہل سنت نے یہ اقبال کیا ہے کہ زیر بحث آیت میں حضرت امیر علیہ السلام کا نام بصراحت موجود تھا۔ اور یہ الفاظ حذف کر دیئے گئے۔ "ان علیا مولی المومنین" عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ الفاظ زمانہ رسولؐ میں قرائت کئے جاتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں تفسیر در منثور جلد ۲ صفحہ ۲۹۸ علامہ سیوطی، نیز دیکھئے اسباب النزول علامہ واحدی، حلیۃ الاولیاء حافظ ابونعیم۔ شرح صحیح بخاری علامہ عینی، تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی وغیرہ۔

جب اوّل مرتبہ اللہ کی طرف سے حکم صادر ہوا کہ علیؑ کی خلافت کا اعلان عام کر دیا جائے تو حضورؐ فتنہ وطعن کے خیال سے ذرا جھجکے کیونکہ آپؐ کو معلوم تھا کہ اُمت میں کیسے عناصر موجود تھے۔ لیکن مشیت الہٰی اور اتمام حجت کا تقاضہ تھا کہ یہ آخری حکم پہنچایا جائے۔ لہٰذا آیت کے الفاظ خود بخود بتاتے ہیں کہ یہ حکم پہلے دیا جا چکا ہے لیکن اس میں تاخیر معذور رہے لہٰذا اب تاکید کی ضرورت ہوئی اور حفظ وامان کی تسلی دی گئی اور یہ صاف ظاہر ہے کہ خطرہ اُمت ہی سے تھا نہ کہ غیر مسلموں سے کیونکہ وہ تو مغلوب ہو چکے تھے۔ یہی ہوا کہ لوگوں نے اس حکم کو عملاً قبول نہ کیا۔

بحث حقانیّت خلافت خلفائے راشدین
رضی اللہ عنہم اجمعین

اعتراض نمبر ۱۹۲:۔ فرمایئے جس امامت وخلافت کا وعدہ خدا تعالیٰ نے آیت استخلاف میں فرمایا ہے آپ کے نزدیک پورا ہوا ہے یا نہ۔

جواب نمبر ۱۹۲:۔ آیت استخلاف میں جس خلافت فی الارض کا وعدہ اللہ نے کیا ہے وہ پورا ہوا۔

اعتراض نمبر ۱۹۳:۔ اگر پورا ہوا ہے تو ان خلفائے سے مراد بارہ امام ہیں یا کوئی اور۔؟

جواب نمبر ۱۹۳:۔ دراصل اس سے مراد حضور سرورکائنات صلعم اور مومنین کرام ہیں کیونکہ آیت میں "منکم" کا من بیانیہ ہے۔ (کشاف)

اعتراض نمبر ۱۹۴:۔ اگر بارہ امام مراد ہیں تو فرمایئے ان کو ارضی خلافت نصیب ہوئی یا نہ۔؟

جواب نمبر ۱۹۴:۔ "وعد اللہ" بصیغہ ماضی بولا گیا ہے۔ جو مستقبل پر حاوی نہیں ہو سکتا ہے۔ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے جیسا علامہ زمخشری

نے اپنی تفسیر کشاف میں اور تفسیر بیضاوی میں جلد ۲ صفحہ ۸۷ مطبوعہ لکھنؤ میں ہے کہ "خطاب للرسول ولامتہ آولہ ومن معہ ومن للبیان" کہ اس میں خطاب رسول کریم سے ہے اور من تبعیضہ نہیں بلکہ بیانیہ ہے۔ اسی طرح علامہ اہلحدیث نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے تفسیر فتح البیان جلد ۶ صفحہ ۳۲۳ میں لکھا ہے " الخطاب للنبی صلعم ومن معہ" جب گفتگو گذرے ہوئے زمانہ کی ہے اور رسول کے خلفاء آئندہ زمانے میں بنتے ہیں اس لئے اس سے مراد خلفائے رسول یعنی آئمہ اطہار نہیں لی جا سکتی ہے۔ لہٰذا حکومت ارض کے ملنے یا نہ ملنے کی بحث بیکار ہے۔ البتہ خلافت آئمہ برحق کو حاصل ہوئی ہے۔ خواہ اُن کو ارضی حکومت بظاہر نہ مل سکی لیکن حقیقت میں وہی ارض و سما کے حاکم تھے کیونکہ خدائی نمائندہ تھے۔

اعتراض ۱۹۵:۔ اگر ہوئی تو یہ خلافِ واقعہ ہے کیونکہ سیدنا علیؑ اور سیدنا حسنؓ کے علاوہ کوئی بھی بادشاہ نہیں ہوا اور اگر نصیب نہیں ہوئی کہ معلوم ہوا کہ یا تو آیت استخلاف سے مراد یہ حضرات نہیں ہیں اور یا خدائے تعالیٰ کی مراد یہ نہیں اور یا اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا (العیاذ باللہ) بہرحال وضاحت درکار ہے۔

جواب ۱۹۵:۔ خدا نے اپنا وعدہ زمانہ رسولؐ میں پورا کر دیا جیسا کہ تفسیر خازن صفحہ ۲۳۷ اور معالم التنزیل جلد ۳ صفحہ ۸۵ میں ہے کہ نزول وحی کے بعد حضورؐ صحابہ کے ساتھ مکہ معظمہ میں دس برس رہے اور حکم تھا کہ کفار کی ایذا پر صبر کریں تو صبح و شام ان کی حالت خوف میں ہوتی پھر ان کو ہجرت کا حکم ملا کہ مدینہ منورہ چلے جائیں۔ پھر حکم جہاد ملا حالانکہ وہ سب حالتِ خوف میں تھے۔ کہ کوئی ان میں سے سلاح (ہتھیارِ جنگ کو جدا نہ کرے جس پر ایک صاحب نے کہا کہ کیا وہ دن بھی آئے گا کہ ہم امن سے رہیں گے اور ہتھیارِ جنگ اتار دیں گے۔ تو خدا تعالیٰ نے یہ آیت (استخلاف) اتاری جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کو کفار کی زمین کا وارث کریں گے خواہ عرب ہوں خواہ عجم چنانچہ وہ وعدہ عین حیاتِ سرورِ عالم صلعم ہی میں پورا ہو گیا کہ بادشاہ، سردار و باشندہ زمین ان کو بنا دیا۔

بعد فتح مکہ بہت سے مہاجرین صحابہ کرام پھر مکہ میں آکر آباد ہوگئے۔ حرم مکہ شریف جو کبھی کفار و مشرکین کا مسکن تھا اب موحدین کا جائے امن و امان ہوگیا۔ کفار و مشرکین و یہود سے مکہ و مدینہ دونوں چھین کر مسلمانوں کے حوالہ کیا گیا اور وعدۂ الٰہی زمانۂ نبوت میں پورا ہوگیا کہ مسلمان کل جزیرۂ عرب میں سکون کے ساتھ گذارہ کرنے لگے یہ وعدہ تمام اہل اسلام کے لئے ہے اور اسلام کا حقیقی غلبہ امام مہدیؑ کے زمانہ میں ہوگا۔ جب دنیا عدل سے بھرپور ہوگی اور باطل دُم دبا کر بھاگ چکا ہوگا۔ ہر طرف امن ہی امن ہوگا۔

اعتراض ۱۹۶:۔ جب خلافت کے متعلق عہد الٰہی ایمان داروں اور نیک لوگوں سے ہے اور جن حضرات کو خلافت نصیب ہوئی وہ تمہارے نزدیک نااہل ہیں وہ تخت نشین نہ ہوسکے کیا تمہارے اس مسلک کے مطابق خدا تعالیٰ کا عہد غلط ثابت نہ ہوا۔

جواب ۱۹۶:۔ اولاً تو یہ عہد حضورؐ کے زمانہ میں پورا ہوا۔ لہٰذا اس لحاظ سے اعتراض غیر مربوط ہے لیکن اگر یہ اصرار کیا جائے کہ آیت میں وعدہ مومنوں اور نیک لوگوں سے ہے لہٰذا جو بھی بادشاہ ہوگا وہ اس آیت کے استدلال سے نیکوکار ہوگا تو یہ بات خلاف واقعہ ہوگی کیونکہ ایسی صورت میں دو اشکال جنم لیتی ہیں پہلی یہ کہ جب وعدہ صاحبان ایمان اور صالحین سے ہے تو پھر کیا جو لوگ حکومت ارضی سے محروم رہے وہ بے ایمان و بدکار تھے یا تھے تو وہ ایماندار اور نیکوکار مگر اللہ نے ان سے ایفائے عہد نہ کیا بلکہ دو تین دوسرے افراد کو سلطنت دے کر باقی لوگوں کو ٹرخا دیا۔ اس شکل کی دونوں صورتیں مضر ہوں گی۔ دوسری شکل یہ ہے کہ جب وعدہ مشروط ہے ایمان و نیک کرداری کے ساتھ تو پھر ضروری ہے کہ عہد کا لحاظ رکھا جائے اور غیر صالح افراد تخت کے قریب نہ آئیں لیکن کیا وجہ ہے کہ جلدی ہی خدا بھول گیا اور یزید و ولید جیسے فاسق افراد کو عہد کا فائدہ پہنچنا شروع ہوگیا اب یا تو یہ مانئے یہ عہد خلافت مزعومہ سے متعلق نہیں، یا شرائط کا انکار کر کے قرآن

کی تکذیب کیجئے یا پھر خدا کو وعدہ خلاف قرار دیجئے۔

یہی وجہ ہے کہ علمائے اہل سنتہ نے بھی علانیہ اقرار کیا ہے کہ آیت موصوفہ کا تعلق خلفائے اربعہ سے ہرگز نہیں ہے چنانچہ علامہ اہلحدیث نواب مولوی صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں کہ "بدلاً من الکفار و ھو وعد یعم جمیع الامۃ وقیل ھو خاص بالصحابۃ ولا وجہ لذالک یعنی یہ غلبہ کفار کے بدلہ میں خدا اہل اسلام کو تسلط دے گا یہ وعدہ عام ہے خاص نہیں تمام امت اس میں شامل ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا تعلق خاص اصحاب سے ہے مگر اس کی کوئی وجہ نہیں پھر لکھتے ہیں" وقد ابعد من قال انہا مختصۃ بالخلفاء الاربعۃ او بالمہاجرین"۔ یعنی تحقیق بہت ہی دور گیا ہے وہ شخص جو یہ عقیدہ رکھے کہ خلافت مخصوص ہے خلفاء اربعہ یا مہاجرین سے۔ (تفسیر فتح البیان ص۳۲۸)

ایسا ہی بیان تفسیر جلالین جلد ۲ ص۵۰ مطبوعہ حیدری بمبئی میں ہے پس جب عہد ثابت ہی نہیں تو بحث کیسی۔

اعتراض ۱۹۷:۔ عہد الہٰی کی پختگی کا مدار علم غیب پر ہے اور یہی خالق و مخلوق کے درمیان ما بہ الامتیاز صفت ہے پس جب نقض عہد ثابت ہوا تو علم الہٰی میں نقص لازم آیا۔ فرمایئے کیا تحقیق ہے۔

جواب ۱۹۷:۔ یہ سوال تو شیعوں کو آپ سے پوچھنا چاہئے کیونکہ آپ کے عقائد کے مطابق یہ آیت خلفاء کے لئے دلیل ہے حالانکہ خدا کے وعدے دائمی ہوتے ہیں عارضی نہیں۔ آپ کی توضیح مان لی جائے تو علم الہٰی کی نفی ماننا لازم آتا ہے کیونکہ اس سے ایک نتیجہ یہ بھی برآمد ہوتا ہے کہ خلافت اوّل کے وقت باقی خلفاء اس آیت کے برخلاف غیر صالح اور بے ایمان ثابت ہوتے ہیں۔ پس اس آیت سے خلافت اربعہ مراد لی جائے تو ماننا پڑے گا کہ صرف چار چھ آدمی ایماندار تھے جو خلیفہ بن گئے۔ باقی سب غیر مومن کیونکہ خلافت کے لئے مومن ہونا ضروری ہے۔ اب یا تو خدا کا نقض عہد اور قلت علم تسلیم کریں یا صحابہ کو غیر مومن ورنہ اپنے موقف کو

غلط تسلیم کر لیجئے۔

اعتراض ۱۹۸:۔ آخر کیا وجہ ہے کہ جہاں بھی خدا تعالٰی نے وعدے فرمائے صحیح نکلے مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت، حضرت طالوت کی ملوکیت، ام موسٰی کے سیّدنا موسٰی کی ملاقات و نبوت کے متعلق جیسا عہد فرمایا ویسا پورا ہوا اور جب رسالت مآب کے متعلق وعدہ فرمایا تو العیاذ باللہ ویسا پورا ثابت نہ ہوا۔ فرمایئے کیا جواب ہے۔

جواب ۱۹۸:۔ ہم نے بیان کر دیا ہے کہ حضورؐ سے وعدہ پورا کیا گیا۔

اعتراض ۱۹۹:۔ اگر آیت استخلاف سے مراد صرف حضرت علیؓ کی خلافت مراد لی جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ جمع مذکر کے صیغے سے فرد واحد مراد لیا جائے جبکہ صیغہ جمع سے ایسا معنی لینا مجاز ہے اور نہ کثرت کا معنی حقیقت اور مجاز بغیر تعذر حقیقت کے محال ہے۔

جواب ۱۹۹:۔ آیت استخلاف سے مراد صرف حضرت علیؑ کی حکومت نہیں ہے بلکہ استخلاف سے مطلب صرف ظاہری سلطنت وجاہ و حشم ہے ہی نہیں مگر ہم یہاں یہ بحث نہیں کرتے۔ صرف آپ کے اعتراض کو رد کرنے کے لئے کہتے ہیں، آپ صیغہ کا حقیقی معنی لیجئے۔ اور اسے جمع مذکر مان کر حضرت رسول کریمؐ، حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کی حکومت کو تسلیم کر لیجئے۔ مجاز و حقیقت کے چکر میں مت پڑیئے۔

اعتراض ۲۰۰:۔ بالفرض اگر سیّدنا علیؑ کی خلافت مراد لی جائے تو فرمایئے باقی آئمہ کی امامت کہاں سے ثابت ہوگی۔

جواب ۲۰۰:۔ اگر آپ اس آیت کو حضرت علیؑ کی خلافت پر نص قبول کر لیں تو باقی آئمہ کی امامت اسی آیت سے ثابت ہوگی۔

اعتراض ۲۰۱:۔ "منکم" کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ خطاب ان لوگوں سے ہے جو ۵ھ تک مسلمان ہو چکے تھے ظاہر ہے کہ سیّدنا علی مرتضٰیؑ

کے علاوہ باقی امام بعد میں پیدا ہوئے فرمائیے اس آیت سے مراد وہ کیسے ہو سکتے ہیں تشریح درکار ہے۔

جواب ۲۰۱ :- علم کے دروازے سے دور رہنے کا نتیجہ ہے کہ ایسا جاہلانہ سوال اہل سنت کے حضرت العلامہ نے کر کے اپنی جہالت کا بین ثبوت دیا ہے۔ جناب قریشی صاحب! "منکم" جمع حاضر کا صیغہ ہے نزول آیہ کے وقت اس کے مخاطب صحابہ حاضرین تھے مگر حکم عام ہے کسی کی تخصیص ظاہر نہیں ہوتی ہے۔ منکم سے محض شرطِ ایمان و اعمالِ صالحہ کی تمیز ہو سکتی ہے۔ مگر حاضر صیغوں سے اور خطابات سے اگر بقولِ شما عوام اُمت یعنی بعد کے مومنین کو خارج کر دیا جائے تو پورے دین کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اسلام کے احکام کے مکلف صرف صحابہ رہ جاتے ہیں اور ان کے بعد پوری اُمتِ محمدیہ آزاد ہو جاتی ہے۔ جو کہ کسی صورت سے قابلِ تسلیم نہیں ہو سکتا ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ منکم سے مراد تمام مومنین ہیں۔ غور کریں اور واحد و جمع حاضر کے صیغوں کو دیکھیں۔ مثلاً حرمت علیکم امھاتکم و بناتکم و اخواتکم و عماتکم الخ میں ضمیر جمع حاضر مذکر ہے۔ آپ کے زعم باطل کے مطابق اگر یہ خطاب صرف اُن مومنین کے لئے مان لیا جائے جو بوقت نزول آیہ مذکورہ موجود تھے تو پھر ان کے بعد کی نسلوں پر مائیں بہنیں وغیرہ سب حلال ہو جائیں گی۔ اسی طرح کوئی ایک حکم بھی ایسا نہ رہے گا جسے ترک نہ کرنا پڑے کہ وہ سب اس وقت کے موجود اصحاب کے لئے نازل ہوئے تھے۔ لہٰذا ایسا اعتراض پورے دین کا بوریہ بستر گول کر دے گا۔

لیکن مولا علیؑ کی مدد سے جس طریقہ سے بھی آؤ گے حیدری ملنگ کے شکنجے سے نجات نہ پاؤ گے۔ اگر دین کا بیڑا غرق کر کے بھی "منکم" کے صیغہ کے بارے میں ضد پر اڑے رہیں گے تو بھی میرا پہلا دعویٰ یہ ہو گا کہ آپ کی تاریخ بینی پر ضرب کاری لگاؤں کہ حضرت علیؑ کے علاوہ ۲ھ تک کوئی امام پیدا نہ ہوا تھا کی تردید کروں کہ ۲ھ تک حضرت علیؑ کے علاوہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ پیدا ہو چکے تھے۔ اور جمع کا صیغہ آپ کے باطل اعتراض کے تحت بمطابق وارد ہو جاتا ہے۔ پس اعتراض انتہائی مردود ہے۔

اعتراض نمبر ۲۰۲:۔ اگر آیت استخلاف سے مراد بقول شما باقی آئمہ کرام مراد لئے جائیں تو ارضی فتوحات کے حدود اربعہ متعین فرمایئے۔ جن کو انہوں نے فتح کیا۔

جواب نمبر ۲۰۲:۔ اگر آپ آیت میں ارضی فتوحات کا حکم یا وعدہ و بشارت ثابت کردیں تو ہم حدود اربعہ بھی بیان کر دیں گے۔ جبکہ ہمارے نزدیک اسلام زمین کی فتح کے لئے نہیں بلکہ دلوں کی تسخیر کے لئے ظاہر ہوا ہے۔ شریعت میں ارضی فتوحات کا کوئی ذکر ہے ہی نہیں ہے۔ محض دفاعی جنگ کی اجازت ہے وہ بھی جب امن و امان اور مذاکرات کے تمام راستے مسدود ہو جائیں پھر۔ خدا کا مقرر کردہ خلیفہ تو ساری زمین پر متصرف ہوتا ہے بلکہ اس کا کنٹرول ارض و سماء پر ہوتا ہے محض چند میل کا ٹکڑا جارحیت سے فتح کر لینا خلیفۂ برحق کے لئے کوئی اعزاز و فضیلت نہیں ہے۔ اگر خلیفہ کے لئے فتوحات ضروری ہیں تو بتایئے حضرت آدمؑ نے جو علاقہ فتح کیا اس کا حدود اربعہ کیا تھا اور کس کس بادشاہ کے خلاف ابو البشر نے فوج کشی کی۔ جب خدا کا پہلا خلیفہ ارضی فتوحات کے بغیر خلیفہ ہے تو آئمہ کیوں نہیں؟

اعتراض نمبر ۲۰۳:۔ نیز اگر یازدہ امام اس آیت سے مراد لئے جائیں تو ضروری ہو گا کہ وہ امن کی زندگی بسر کریں یعنی ان کا خوف امن میں بدل جائے جیسا کہ "ولیبدلنھم من بعد خوفھم" کا مصداق ہے۔ فرمایئے یہ عہد ان سے پورا کیوں نہ ہوا۔

جواب نمبر ۲۰۳:۔ اگر آپ اس آیت کو آئمہ کے لئے دلیل تسلیم کرلیں تو خدا کی قسم ان ذوات کے علاوہ تاریخ اسلام میں آپ کو ایک بھی شخص ایسا نہ مل پائے گا جو اس قدر بے خوف و نڈر تھے کہ سب سے بڑے خوف "موت" کو شہد سے شیریں سمجھتے تھے، اور موت سے اس طرح مانوس تھے جس طرح شیر خوار پستانِ مادر سے ہوا کرتا ہے۔ اگر ان سے خوف دور کر کے ان کو نڈر و بے خوف نہ بنادیا ہوتا تو کس طرح اقتدار سے ٹکر لیتے اور بلا تخت و تاج و سلطنتِ ظاہری اپنی حکومت کا سکہ ہر خاص و عام کے دل پر

بیٹھانے۔ تاریخ شاہد ہے کہ حکومت اُن سے ہمیشہ خوفزدہ رہی اور انہوں نے کبھی استبدادی قوت سے ڈرنہ کھایا جن لوگوں کو آپ اس آیت کا مصداق ٹھہراتے ہیں پہلے ان کی خبر لیں کہ ان کی حالت امن کس نوعیت کی تھی۔ کسی ملک کی جنگی حالت کو دستور زمانہ کے مطابق پُرامن نہیں ٹھہرایا جاتا ہے بلکہ زمانہ جنگ میں لوگ ہنگامی حالات نافذ کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صاحب کے زمانہ میں فتنہ ارتداد، حضرت عمر کا دور محاذ آرائی اور حضرت عثمان کا دور اندرونی خلفشار کی نذر ہوا ہے۔ لہٰذا ایسے زمانے کے حکمرانوں کو بے خوف تسلیم کرنا اور امن کا مصداق ٹھہرانا تاریخ کے حقائق سے آنکھیں بند کرنا ہے۔ حضرت ابوبکر کو ہمیشہ خوف رہتا تھا کہ علیؑ اور اُن کے حامی تختہ نہ اُلٹ دیں حالانکہ حضرت کے عزائم ہرگز ایسے نہ تھے۔ اسی طرح جناب عمر کی حالت ایسی رہی اور یہی کیفیت عثمان صاحب کی تھی۔ پتہ نہیں ان حضرات کو رات کو نیند بھی امن کی آتی تھی یا نہیں۔ بہرحال خوف ہر طرح ثابت ہے۔

اعتراض ۲۰۴:۔ جب شیعوں میں آیت کے نازل ہونے کا فائدہ کچھ بھی مرتب نہ ہوا تو پھر لازم آئے گا کہ یہ انعام خلافت قیامت تک جاری ہے حالانکہ آپ بارہ اماموں میں حصر فرماتے ہیں۔ فرمایئے کیا جواب ہے۔

جواب ۲۰۴:۔ آیت کا فائدہ تو حضورؐ کی حیات طیبہ ہی میں مرتب ہو گیا اور خوف کو امن میں بدل دیا گیا کہ اسی آیت کی تفسیر قرآن کی اس آیت سے ہو جاتی ہے۔ لقد صدق اللّٰہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللّٰہ امنین محلقین رؤسکم ومقصرین لاتخافون (سورہ فتح) یعنی بے شک خدا نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا کہ تم لوگ ضرور بالضرور مسجد حرام میں سر منڈا کر یا بال کتروا کر بڑے امن وامان و اطمینان کے ساتھ داخل ہو گے۔ اور کسی طرح کا خوف نہ کرو گے۔ اس آیت نے آیہ استخلاف کی تفسیر کر دی اور الفاظ امنین اور لاتخافون سے صاف ظاہر ہے کہ مطلوبہ امن و بے خوف و خطر کا ہونا وعدۂ خداوند کریم سرور دو عالم صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زمانہ پاک میں پورا ہو گیا۔ باقی خدا کی خلافت تا قیام

قیامت قائم رہے گی۔ اور جب تک رسول کے بارہ خلفا پورے نہیں ہوں گے قیامت نہ برپا ہو گی جیسا کہ فریقین کی احادیث سے متفقہ طور پر ثابت ہے۔ ہمارا بارہ[۱۲] اماموں کا حصر نص سے ثابت ہے۔ صحیحین میں بارہ خلفا کی احادیث موجود ہیں اور بارہویں برحق خلیفہ کا تعلق آخری زمانہ سے ہے لہٰذا جب تک امام مہدیؑ کا ظہور نہ ہو گا قیامت نہ ہو گی اس لئے مذکورہ حصر اور بارہ اماموں کی خلافت و نیابت آیت موصوفہ کے لئے کسی بھی طرز سے مانع یا مخالف نہیں ہے۔

اعتراض ۲۰۵:۔ اگر وعدہ الٰہی حضرت مہدی کے متعلق ہے جیسا کہ بعض اکابر شیعوں کا قول ہے تو فرمایئے عہد علوی کو کس عہد سے تعبیر کیا جائے گا۔

جواب ۲۰۵:۔ اگر وعدہ خداوندی قیامت تک ہے تو اس کا تعلق امام مہدیؑ سے ضرور ہے اور عہد علوی کو عہد رسالت مآبؐ سے تعبیر دے سکتے ہیں کیونکہ بوقت شوریٰ حضرت علیؑ نے زمانہ حضرات شیخین کو عہد رسالت سے مختلف قرار دیا اور ان کی سیرت کی شرط کو نامنظور کر کے حکومت کو ٹھوکر مار دی۔ پس حضرت امیرؑ کا عہد نمونہ عہد رسالت تھا۔ رسولؐ نے تنزیل قرآن پر جہاد فرمایا اور وصیٔ رسولؐ نے تاویل قرآن پر۔

اعتراض ۲۰۶:۔ نیز سیدنا حسینؑ کی جنگ کو کس عنوان سے معنون کیا جائے گا۔

جواب ۲۰۶:۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی جنگ جہاد ہے کیونکہ از روئے قرآن یزید فاسق ہونے کی وجہ سے کافر تھا جیسا کہ "ان المنافقین ھم الفاسقون"[۱] کہ بے شک منافق فاسق ہیں اور "وما یکفر بھا الا الفاسقون"[۲] یعنی منافق کافر اور فاسق ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔

---

[۱] سورۂ توبہ [۲] سورۂ بقرہ

اعتراض ۲۰۷:۔ قرآن مجید میں ہے

والذین هاجروا فی الله من بعد ما ظلموا لنبوئنهم فی الدنیا حسنة

جن لوگوں نے خدا کے راستے میں مظلوم ہونے کے بعد ہجرت کی ہم ضرور ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے۔

حاشیہ مقبول میں امام جعفر صادق کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے مراد مظلوم مہاجرین کی خلافت اور غلبہ ہے اور حضرت علی مرتضیٰ کے بغیر آپ جن کو خلیفہ امام تسلیم کرتے ہیں ان میں سے کوئی بھی مہاجر نہیں ہے۔

جواب ۲۰۷:۔ سورۃ النحل کی آیہ منقولہ کی تفسیر کے تحت حاشیہ مقبول میں ہمیں یہ بات نہیں مل سکی۔ تاہم حضورؐ خود بھی مہاجر تھے اللہ کے خلیفہ تھے ان کے دور میں جیسا غلبہ و تمکین ہوئی کسی دوسرے زمانہ میں نہ ہو سکی۔ اس کے علاوہ اگر معترض کی یہ بات مان لی جائے کہ مہاجر ہی کا خلیفہ ہونا ضروری ہے تو پھر ایک طرف دیگر مہاجرین کی تنقیص ہوتی ہے اور دوسری طرف عہد خداوندی پر حرف آتا ہے کہ آیت استخلاف میں یہ وضاحت موجود نہیں ہے کہ خلیفہ مہاجر ہو گا اور نہ ہی روایت محوّلہ سے ایسی کوئی بات ثابت ہوتی صرف خلافت و غلبہ کا ذکر ہے جو حضورؐ کے عہد میں پورا ہو جاتا ہے۔ آیت منقولہ میں صرف راہِ خدا میں ہجرت کرنے والے صحابہ رضوان اللہ علیہم کے حسنات دنیا کی بشارت ہے۔ جو فتح مکہ کی صورت میں پوری ہو گئی۔

اعتراض ۲۰۸:۔ بقول شما اگر اس سے بھی حضرت مہدی مراد لیے جائیں تو لازم آئے گا کہ ضمیر جمع سے فرد واحد مراد لیا جائے۔

جواب ۲۰۸:۔ ضمیر کا صیغہ بدلنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں حضورؐ، علیؑ، امام حسنؑ اور امام مہدی علیہم السلام کی خلافت پر ہمارا موقف ثابت ہو سکتا ہے۔

اعتراض ۲۰۹:۔ نیز کیا اس سے یہ لازم نہ آئے گا کہ ہجرت

تو ہو عہد حبیب کبریا میں اور امامت نصیب ہو عالم دنیا کے آخری لمحات میں پھر یہ بھی کہ جو ہجرت سے سرفراز ہوں وہ امامت سے محروم رہیں اور درجہ امامت پر فائز ہوں وہ شرف ہجرت سے محروم رہیں۔

جواب ۲۰۹:۔ جس طرح ہجرت عہد رسولؐ میں ہوئی اسی طرح تصرف فی الارض و تمکین کا وعدہ خدا نے فتح مکہ کی صورت میں پورا کر دیا لیکن چونکہ وعدۂ خداوندی دائمی ہوتا ہے اس لئے امام مہدی کے زمانہ میں تمام دنیا پر مسلمانوں کی حکومت قائم کر کے خدا غلبہ اسلام کی تعبیر مکمل کر دے گا۔ جنہوں نے صدق دل سے ہجرت کی اللہ نے اپنے رسولؐ کی حیاتِ دنیوی ہی میں اُن کو حسنات دنیا سے نوازا اور آخرت کے مراتب بلند کیے۔ اگر آپ کے نظریہ کے مطابق شرف ہجرت کے ساتھ درجۂ امامت پر فائز ہونا ضروری ہے تو پھر بتائیے کیا ہجرت صرف ثلاثہ ہی نے کی تھی کیونکہ ان چار پانچ مہاجرین کے علاوہ بادشاہ اور کوئی نہ بن سکا۔ بتلایئے باقی ہجرت سے سرفراز ہونے والوں کو خلافت سے کیوں محروم رکھا گیا۔ کیا خدا وعدہ سے پھر گیا یا مہاجر والی شرط آپ نے خدا کی طرف غلط منسوب کر کے اللہ پر جھوٹ باندھا۔ یا تو سارے مہاجرین کو خلیفے ثابت کریں یا خدا کو وعدے کا منحرف مان کر کفر کا ارتکاب کریں ورنہ اعتراض غلط مان لیں۔

اعتراض ۲۱۰:۔ اگر قرآنی آیات کے پیش نظر ایسا کہہ دیا جائے کہ استخلاف کے متعلق وعدہ بھی مہاجرین مظلومین سے تھا اور وہ من وعن پورا بھی ہو چکا۔ فرمایئے اس میں کیا حرج ہے۔

جواب ۲۱۰:۔ ایسا مان لینے سے ہمارا کوئی حرج نہیں بلکہ ہم تو ابتدا ہی سے مقر رہتے چلے آرہے ہیں۔ یہ وعدہ حضورؐ کی حیات طیبہ میں پورا ہو گیا مگر اس سے خلافت ثلاثہ کو قطعاً کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے یہ امر ہے کہ تینوں حضرات مظلوم مہاجرین نہ تھے۔ دوم یہ کہ حضرت بلال اور عمارؓ وغیرہ پر انتہائی مظالم ہوئے مگر وہ خلیفہ نہ بن سکے اس لئے کہ ہجرت و مظالم اگر شرط خلافت ہے تو میں کہوں گا کہ بلال حبشیؓ کو بادشاہ ہونا چاہیئے تھا۔ مکی زندگی میں حضرات ثلاثہؓ

محفوظ تھے ورنہ اُن کے مصائب اور اثباتِ مظلومیت سے تاریخی حقائق کی روشنی میں مطلع فرمایا جائے۔ آیتِ استخلاف میں بیان کردہ شرائط میں ایک شرط بھی زمانہ ثلاثہ سے مطابقت نہیں رکھتی۔ جب ہم اُن کے ایمان کو اور اعمال کو غیر جانبداری سے دیکھتے ہیں تو وہ معیار کے مطابق نہیں پاتے۔ شرط یہ ہے کہ استخلاف حسبِ سنتِ سابقہ ہوگا۔ جبکہ گذشتہ انبیاءؑ کے واقعات سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ کسی بھی نبی کے اہلِ بیت محروم رہے ہوں اور صحابی وارث بن بیٹھے ہوں۔ تمکین دین کا فقدان ہے۔ حالتِ امن مل نہیں پاتی اور یہ ساری تفصیلات ہم نے اپنی کتاب "وصی رحمۃ اللعالمینؐ" میں درج کر دی ہیں۔ ملاحظہ فرمالیجیے۔

اعتراض ۲۱۱:۔ تفسیر قمی اور تفسیر صافی میں ہے کہ حضرت حفصہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد خلیفہ ابوبکرؓ بنیں گے ان کے بعد تیرا باپ عمر تو حضرت حفصہؓ نے فرمایا حضرت آپ کو کس نے خبر دی ہے تو آپ نے فرمایا مجھے اس خدا نے خبر دی ہے جو خبر دار ہے (بے خبر نہیں) اور علیم ہے (جاہل نہیں) فرمایئے اس قدر زبردست بشارت سے انکار کیوں؟

جواب ۲۱۱:۔ اس بشارت سے کسی کو انکار نہیں ہے حضورؐ کی پیشگوئی پوری ہوئی اور دونوں اصحاب برسرِ اقتدار آگئے۔ مگر اس پیش گوئی سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہے کہ آپ نے دونوں کو برحق خلیفہ قرار دیا ہو بلکہ آئندہ کی خبر سے آگاہ کیا ہے اور مستقبل کے حالات کی پیشگوئی فرمائی ہے جو پوری ہوئی۔ اسی طرح مشکواۃ کی کتاب الامارت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "تم امارت حکومت پر لالچی ہو جاؤ گے مگر قیامت کے دن پچھتاؤ گے"۔ جو حرف بحرف پوری ہوئی۔

اعتراض ۲۱۲:۔ فرمایئے حضور علیہ السلام کی یہ بشارت پوری ہوئی یا نہ اگر پوری ہوئی ہے تو انکار کیوں ہے۔ اور اگر پوری نہیں ہوئی تو کیا اس سے نقص فی النبوۃ تو لازم نہیں آئے گا؟

جواب ۲۱۲ :۔ سرکارِ دوعالم کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ اور حسبِ فرمانِ رسولؐ اہلبیتؑ کو ان کے حقوق سے محروم کر دیا گیا۔ اور تختِ شاہی پر قبضہ کر کے لوگوں نے حرصِ امارت کا واضح ثبوت مہیا کر دیا۔ باقی اس پیشگوئی سے صرف حضرات شیخین کا بادشاہ بننا ثابت ہوتا ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ البتہ اس سے فضیلت یا خلافت کے مسئلہ کو کسی طرح بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ہماری تفاسیر میں یہ روایت فضائل کی نہیں بلکہ مطاعن سے ہے اور وہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے اپنی زندگی میں آئندہ کے حادثات سے بعض متعلقین کو باخبر کر دیا تھا۔ تاکہ اتمام حجت ہو جائے۔

اعتراض ۲۱۳ :۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت عہدِ الٰہی کے مطابق نہیں ہے اور آئمہ کرام بروئے کتب اہلِ تشیع تقیہ کی وجہ سے اعلا کلمۃ اللہ سے ساکت رہے تو فرمایئے نبوی دین کائنات کے گوشے گوشے میں کس طرح پھیل گیا۔

جواب ۲۱۳ :۔ آئمہ کی طفیل ہی اس وقت اسلام زندہ ہے۔ اور یہی اُن کے خلفائے برحق ہونے کا امتیازی نشان ہے کہ بغیر تخت و حکومت و فوج کشی کے انہوں نے دنیا میں اسلام پھیلایا۔ کہیں علم و عرفان کے دریا جاری کئے اور کہیں صوفیائے تصوّف کی شجرکاری فرمائی۔ میں نے اپنی کتاب "صرف ایک راستہ" میں یہی چیلنج بنی نوع انسان کے سامنے پیش کیا ہے کہ اگر کوئی بھی فرد ہمارے آئمہ کے مراتب عالمیہ کا مقابلہ کر سکے تو ہم اسے ہادی تسلیم کر لینے کو تیار ہیں۔ مگر بقول شبلی انشاء اللہ تمام علوم اہلبیتؑ ہی کے گھرانے سے ملیں گے۔ اور کوئی شخص ان کا ثانی قرار نہ پا سکے گا۔ آپ کا دعویٰ اشاعتِ دین تو خود اپنی ہی زبانوں سے جھوٹا ثابت ہو چکا ہے کہ آپ لوگوں نے بوکھلاہٹ میں یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ تمام اسلامی لٹریچر ہم شیعوں کا وضع کردہ ہے۔ لہٰذا جب تمام اسلامی تصانیف و رشحات فکری ہم نے کی ہے۔ تو آپ کے ہاتھ صرف تلوار رہ گئی لہٰذا غیر مسلم آج بھی الزام لگا رہے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ ہمارے حسینؑ

نے کربلا کے میدان میں اپنے خون سے اسلام کے مردہ جسم میں جان ڈالی اور آپ کے بزرگوں نے ہمیشہ اپنی تلوار سے یہ خون بہایا۔ اگر آئمہ ساکت رہے تو پھر اہلِ سنت کے چاروں اماموں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو اپنا استاد کیوں مانا۔ تقیہ از خود حق ہے اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ تقیہ سے مطلب سکوت نہیں ہے۔ اسلام کی نشر و اشاعت صرف آئمہ اہل بیت اور متمسکین ثقلین ہی نے کی ہے اس گروہ کے علاوہ دیگر لوگوں نے غیر اسلامی پرچار کیا۔ لوٹ مار اور جنگ و جدل سے پرامن ریاستوں کو زیر کیا اور لوگوں نے محض خوف کی وجہ سے کلمہ گوئی کا اظہار کیا۔ ان فتوحات سے مسلمانوں کی حکومت کے حدود تو وسیع ہوئے مگر اسلام کی راہیں مسدود ہو گئیں۔ دین کو موم کی ناک بنا دیا گیا اور اس میں اس قدر تفرقہ بازی ہوئی کہ اسلام خود ہی اپنے خون میں نہایا۔ آج تک ملّت کا بکھرا ہوا شیرازہ اکٹھا نہ ہوا۔ آئے دن نئے نئے فرقے جنم لے رہے ہیں۔ دن بدن اتحادِ اُمت کمزور تر ہوا جاتا ہے۔ یہ سارا زوال آپ کے بزرگوں کے اُن قبیح افعال کے وبال کا نتیجہ ہے جب کبھی اسلام کو قربانی کی ضرورت ہوئی تو محمدؐ کے خانوادہ نے ہر طرح کا ایثار دیا۔ سر کٹائے، اسیری قبول کی، گھر لٹائے۔ بچے قربان کئے، عورتوں کا پردہ لنگ اسلام بنا دیا لیکن آپ کے بڑوں نے ہمیشہ حرص غنائم اور لوٹ کھسوٹ میں اپنی تمام زندگی گذار دی۔ یہ حقانیت کی روشن دلیل ہے کہ جس علیؑ اور اولادِ علیؑ کے خلاف کئی سال نفرت پھیلائی گئی۔ آج اسے اسلام کے تمام علوم کا منبع جانا جاتا ہے۔ روحانی پیشوا مانا جاتا ہے مسلمان مشکل کشا کہتے ہیں غیر مسلم خدا کہتے ہیں جبکہ تمہارے بزرگوں کے نام کی کبھی کسی نے تین پائی کی نیاز تک نہیں دی۔ نہ ہی اُن کا کوئی نعرہ ہے اور نہ ہی ویسا احترام ہے جس طرح کہ آئمہؑ برحق کا ہے۔ نبوی دین کی نشر و اشاعت اگر ثلاثہ کے زمانہ میں ہوتی تو اس سے کہیں زیادہ فتوحات زمانہ بنی امیہ و عباسیہ میں ہوئیں۔ ہم دین کی اشاعت اس وقت مانیں گے جب ہمیں حضراتِ ثلاثہ کی علمی خدمات سے آگاہی کی جائے۔ جبکہ میرا دعویٰ ہے کہ کوئی بھی شخص "دینؐ کا تعارف بزبان ثلاثہ کسی کتاب سے ثابت نہیں

کر سکتا۔ جب "دین" کی تعریف ہی حضرات موصوفہ کی زبان سے معلوم نہیں ہو سکتی ہے تو پھر تعارف و اشاعت دین کیسے ہوا۔ محض فتوحات سے اشاعتِ دین نہیں ہوا کرتی بلکہ دین کی اشاعت مواعظ حسنہ سے ہوتی ہے۔ تلواروں سے زمینیں تو زیر ہو جاتی ہیں، لیکن نظریات کی تسخیر ہرگز نہیں ہوتی ہے۔ اس موضوع پر ہم نے اپنی کتاب "فروع دین" میں زیرِ عنوان جہاد بحث کی ہے۔

اعتراض ۲۱۴:- نیز یہ دین آپ حضرات کے نزدیک بھی دینِ حق کہلانے کا حقدار ہے یا نہ۔ اگر حقدار ہے تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ جن خلفاء کی وساطت سے اللہ کا دین حد تک پہنچا ان کی خلافت حق پر مبنی تھی۔

جواب ۲۱۴:- دینِ خداوندی حق ہے اور اس کو محفوظ رکھنا اور پھیلانا خدا کے ذمہ ہے۔ دین کی ہدایت کا انتظام بھی خدا ہی کی طرف سے کیا جاتا ہے اور وہ اگر چاہے تو اپنے دین کو بدکاروں سے بھی مسلط کرا سکتا ہے۔ جس طرح کہ خود حضرت موسیٰؑ کو فرعون کی گود میں پروان چڑھا کر اس کا غرور خاک میں ملا دیا۔ اسی طرح حدیثِ رسولؐ ہے کہ "خدا اس دین کی شخص فاجر سے تائید کرے گا"۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد پ ۱۲ ص ۴۸)۔ پس سنت الہیہ اور قولِ رسولؐ کے مطابق مبینّہ وساطت بھی اصحابِ ثلاثہ کے برحق ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔

اعتراض ۲۱۵:- اور اگر دین دینِ حق کہلانے کا مستحق نہیں تو اس دینِ حق کی نشاندہی فرمایئے جسے عہدِ الٰہی کے مطابق دنیا میں پھیلایا گیا۔ بہرحال کوئی ایسی راہ تلاش فرمایئے کہ عہدِ الٰہی بھی پورا ہو اور اس کا مصداق بھی ہم دنیا کے سامنے واضح کر سکیں۔

جواب ۲۱۵:- خدا نے اپنا دینِ حق اپنے رسول برحق پر نازل کیا اور بحیثیت رسولؐ حضورؐ کا فرض منصبی ہی یہ تھا کہ آنحضرتؐ خدا کے دین کو دنیا میں پہنچائیں چنانچہ عہدِ خداوندی کے مطابق درپیش گوناگوں مشکلات و مصائب کے حضورؐ نے اپنا

فریضہ پورا کیا۔ اللہ نے آپ کی مدد کی۔ اور خوف کو امن میں بدل کر پورے عرب میں اسلام کی روشنی پھیل گئی۔ وہی اصل دین ہے جسے حضورؐ نے پھیلایا۔ اس دینِ حق کا وارث سرورِ دو عالم نے بحکم خدا اپنے اہلبیت کو بنایا۔ جنہوں نے اس کا اجراء کیا اور حفاظت کی۔ باوجود انتہائی کٹھن مشکلات کے بلا جاہ و حشم و ثروت آپؐ کی اولاد نے اس دین کو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا۔ اور اس کا ناقابلِ تردید ثبوت یہ ہے کہ فقہ جعفریہ کو تمام مذاہبِ اسلامیہ پر برتری حاصل ہے اور ہر مسلک کا امام اپنے کو اسی گھرانہ کا خوشہ چین تسلیم کرتا ہے۔ صاحبِ اقتدار ہو کر اپنے گیت گوالینا اور بات ہے اور بوریہ نشین اور گوشہ نشین رہ کر کلمے پڑھوانا اور اعجاز ہے۔ پس عہدِ خداوندی کا مصداق مذہب آلِ محمد علیہم السلام ہے۔ جسے دشمنوں کی تائید بھی حاصل ہے۔ لہٰذا صرف محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کا دین ہی دنیا کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔ آپ کے علاوہ دیگر لوگوں کا دین اگر ان کے نظریات سے مختلف ہے تو یقیناً باطل ہے اب رسولِ مقبولؐ کی ایک حدیث بلا تبصرہ نقل کر کے دعوتِ غور دیتے ہیں کہ حق و باطل کی تمیز خود کر لیں۔ علامہ اہل سنۃ علی متقی ناقل ہیں کہ "حضرت ابو ذر غفاری (صدیق) رضی اللہ عنہ سے خبر دی گئی ہے کہ لوگ مالِ خدا کو کھا جائیں گے اور ظلم و بدعت اختیار کر لیں گے۔ حضرت علیؑ سے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ عنقریب وہ لوگ حاکم ہوں گے جو کہ دین سے متنفر ہو کر دنیا کو پلٹ جائیں گے۔ میراث کو کھا جائیں گے اور صحیح دنیا کو تختۂ مکاری بنائیں گے۔ اس وقت پر آفت میں تم کیا کرو گے؟ (حضورؐ کا دریافت فرمانا ثابت کرتا ہے کہ یہ حاکم حضرت علی علیہ السلام کی زندگی ہی میں ظاہر ہوں گے) حضرت علی نے جواباً عرض کیا کہ میں ان مصائب و بلیّات پر صبر کروں گا اور جس چیز کو وہ مایہ ناز سمجھیں گے چھوڑ دوں گا۔" (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۶۹ بحوالہ آلایات صفحہ ۱۹۲)

اعتراض نمبر ۲۱۶:۔ کیا صحابہ کرام مہاجرین و انصار کو آپ لوگ مجلسِ شوریٰ میں صحیح رائے دینے کا اہل تسلیم کرتے ہیں یا نہ۔

جواب ۲۱۶:۔ مسئلہ امامت و ہدایت دین میں غیر معصوم صحابہ مہاجرین و انصار کو ہم رائے دینے کا اہل تسلیم نہیں کرتے۔

اعتراض ۲۱۷:۔ اگر تسلیم ہے تو پھر مسئلہ خلافت کو تسلیم کرنے سے انحراف کیوں جبکہ خلفاء اربعہ کی خلافت کا انعقاد انہی کے مشورے سے ہوا ہے۔

جواب ۲۱۷:۔ مسئلہ خلافت میں غیر معصوم رائے اس لئے معتبر نہیں ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ جس طرح نبیؐ بناتے وقت خدا مجلس شوریٰ کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اسی طرح نائب نبی معصوم بھی منجانب خدا مقرر ہوتا ہے کیونکہ ہدایت خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ رہا خلفاء اربعہ کا معاملہ تو ان میں سے کوئی ایک بھی مہاجرین و انصار کی مجلس شوریٰ کی رائے سے بادشاہ نہ بنا۔ ہر خلیفہ کے لئے مخالفت کے عناصر موجود رہے جب خود صحابہ نے صحابیوں کو اہل الرائے تسلیم نہ کیا تو پھر ہمارے انکار پر تعجب کیسا؟

اعتراض ۲۱۸:۔ اور اگر تسلیم نہیں ہے تو پھر اس آیت کا کیا جواب ہے جس میں حضور علیہ السلام کو ان سے مشورے طلب کرنے کا امر کیا گیا ہے (وشاورھم فی الامر)

جواب ۲۱۸:۔ پہلے پوری آیت سنیئے پھر اعتراض کا جواب۔ منقولہ ٹکڑا سورہ آل عمران کی آیت ۱۵۹ سے ہے جو یوں ہے۔

فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لا نفضوا من حولك فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم فى الامر فاذا عزمت فتوكل على الله ان الله يحب المتوكلين ○

"اے رسولؐ خدا کی ایک مہربانی ہے کہ تم (سا) نرم دل (رسول و سردار) ان کو ملا۔ اور تم اگر بد مزاج اور سخت دل ہوتے تب تو یہ لوگ (خدا جانے کب کے) تمہارے گرد سے تتر بتر ہو گئے ہوتے۔ پس (اب بھی) تم ان سے درگزر کرو اور ان کے لئے مغفرت کرو اور ان سے

کام کاج میں مشورہ کر لیا کرو (مگر اس
پر بھی جب کسی کام کا عزم کر لو تو اس کو
خدا پر بھروسہ رکھتے ہوئے (بلا مشورہ
غیرے) کر لو بے شک خدا توکل کرنے
والوں سے محبت کرتا ہے"۔

آیت کے ابتدائی الفاظ سے ظاہر ہے کہ اس آیت میں لوگوں کی دلی کیفیت کا حال بتایا ہے کہ کچھ لوگ یہ خواہش رکھتے تھے کہ حضورؐ ان کو اپنی رائے و مشورہ میں شرکت بخشیں۔ چنانچہ اللہ نے تنبیہہ کی کہ میرا رسولؐ تو بہت نرم دل اور نیک مزاج ہے اور یہ میری ایک مہربانی ہے میں نے خلق عظیم نبی تمہاری طرف بھیجا ہے لہٰذا اُن کے بارے میں دل میں غیر بات نہ سوچا کرو۔ اور پھر حضورؐ کو فرمایا کہ اگر تم ایسے بلند اخلاق نہ ہوتے تو یہ لوگ تمہارا ساتھ کب کا چھوڑ جاتے۔ کیونکہ ان کی فطرت ہی ایسی ہے لہٰذا تم اللہ پر بھروسہ کرو اور ان کی باتوں کو درگذر کر لیا کرو۔ اب چونکہ ان کو شوق ہے کہ تم ان سے مشورہ کرو اور یہ فطرتِ انسانی بھی ہے کہ اگر کسی سے کوئی رائے لی جائے تو اسے اعزاز و افتخار محسوس ہوتا ہے لہٰذا ان کی حوصلہ افزائی اور خوشدلی کے لئے اخلاقی ضوابط کے تحت کام کاج میں مشورہ کر لیا کرو۔ مگر جب کوئی اہم مسئلہ ہو اور تم اس میں عزم کر لو تو یہ ضروری نہیں ہے کہ تم ان کے مشوروں کے پابند ہو بلکہ اپنے خدا پر بھروسہ کر کے حسب منشائے خود اس کام کو سرانجام دو۔

اس آیت میں یہ ہرگز ثابت نہیں ہے کہ امورِ نبوت بھی ان لوگوں کے مشوروں سے طے ہونگے بلکہ محض اخلاقی ضوابط کے تحت مشاورت کا حکم دیا ہے نہ کہ اہم و ضروری مسائل میں حضورؐ کو اُن کی رائے کا پابند کیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خلافت کا مسئلہ اس قدر اہم تھا کہ آپ کے بزرگوں نے اسے دفنِ رسولؐ پر فوقیت دی تھی۔

اعتراض ۲۱۹:۔ امرِ خلافت کے سلسلے میں جس طرح انہوں نے مشورے کر کے فیصلے کئے ہیں آپ حضرات کی نظروں میں پسندیدہ ہیں یا نہ؟

جواب نمبر ۲۱۹:۔ مسئولہ فیصلے ہمارے نزدیک تو ناپسندیدہ ہیں ہی مگر خود اُن ہی میں سے کے مہاجرین و انصار نے اُن فیصلوں کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھا۔ تفاصیل کتبِ احادیث و تواریخ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

اعتراض نمبر ۲۲۰:۔ اگر پسندیدہ نہیں ہیں تو سیدنا علی کی خلافت تسلیم کیوں ہے جبکہ اس کا انعقاد بھی مجلسِ شوریٰ مہاجرین و انصار کے فیصلے سے ہوا ہے؟

جواب نمبر ۲۲۰:۔ آپ کے زعم کے مطابق ہم نے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت تسلیم نہیں کی ہے بلکہ ہم حضرت علی علیہ السلام کو رسول اللہ کا خلیفہ بلافصل مانتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲۲۱:۔ صحابہ کرام کے اس مشورے پر خدا تعالیٰ راضی ہوئے یا ناراض۔ اگر راضی ہوئے تو تمہاری ناراضگی کے وجوہ کیا ہیں؟

جواب نمبر ۲۲۱:۔ مسئولہ مشورے پر نہ ہی خدا راضی ہوا نہ ہی خدا کا رسول۔ بلکہ نہ ہی اہلبیتؑ راضی ہوئے اور نہ ہی مخلصین صحابہ کرامؓ۔ یہی ناراضگی ہمارے ناراض ہونے کا سبب ہے۔

اعتراض نمبر ۲۲۲:۔ اور اگر ناراض ہیں تو اس آیت یا حدیث کی نشاندہی فرمایئے۔

جواب نمبر ۲۲۲:۔ ملاحظہ فرمایئے آیت ۲۲ اور ۲۳ سورۂ محمدؐ۔ "وہ وقت بالکل قریب ہے کہ تم لوگ حاکم بن جاؤ گے زمینِ (خدا) پر فساد برپا کرو گے اور اپنے رشتے منقطع کرلو گے۔ ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے کانوں کو بہرہ کر دیا ہے اور آنکھوں کو اندھا کر دیا گیا ہے۔" اس آیت میں مستقبل قریب کے لئے اللہ نے حاضر و موجود صحابہ کو بادشاہ بننے کی پیشگوئی کی ہے۔ اور اس کے مصداق اوّل صحابہ ثلاثہ ہی کو ماننا پڑے گا جنہوں نے فساد فی الارض برپا کیا۔ آل محمدؐ سے اپنے ایمانی رشتے منقطع کئے۔ اب یا تو قرآن کا انکار کریں یا پھر حکومتِ صحابہ کا۔ خدا کی ناراضگی اور لعنت قرآن سے ثابت ہوگئی اب حدیث سے رسولؐ کی ناراضگی ملاحظہ کیجئے۔

صحیح مسلم شریف اور تاریخ واقدی میں ہے کہ صحابہ سے حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ جس وقت تم پر خزانہ فارس اور روم کے منہ کھولے جائیں گے اس وقت تم لوگ کیسے ہو گے؟ عبدالرحمان بن عوف نے کہا جیسا کہ ہمیں خدا نے حکم دیا ہے ویسے ہی ہوں گے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کبھی نہیں" (یعنی تم ویسے ہرگز نہ ہو گے جیسے خدا نے حکم دیا ہے بلکہ مخالف احکام خدا ہو گے) بلکہ تم باہم حسد و نفسانیت کرو گے (یعنی قطع ارحام کے مرتکب ہو گے) اور بغض رکھو گے (جو سب سے بڑا فتنہ اور جڑ فساد ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے تمہارے مشرک ہونے کا خوف نہیں مگر حرص و ہوا میں پھسر جاؤ گے (دین سے)۔ اب معترض خود غور فرمائیں کہ روم و فارس کے خزانے کب ہاتھ آئے اور اس وقت حاکم مسلمین کون تھے؟

ہم نے قرآن مجید اور صحیح مسلم شریف سے آپ کی مزعومہ خلافت کو خدا اور رسولؐ کی ناراضگی کا باعث ثابت کر دیا۔ سعد بن عبادہ جو کہ عشرہ مبشرہ کے صحابہ میں ہیں خلافت ابوبکر کے مخالف تھے۔ سیدہؑ کی ناراضگی بخاری سے ثابت ہے۔

اعتراض ۲۲۳: نیز اس عبارت کا کیا جواب ہے جسے نہج البلاغہ میں سیدنا علیؓ کا خطبہ قرار دیا گیا ہے۔ فان اجتمعوا علی رجل وسموہ اماما کان للہ رضی۔ پس اگر مہاجرین و انصار کسی ایک پر جمع ہو جائیں اور اس کا نام امام رکھ لیں تو اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے۔

جواب ۲۲۳: یہ جواب ہم نے ذکا الافہام میں بھی دیا ہے اور اس کتاب میں اعتراض ۲۳ کے جواب میں لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں صرف ایک بات لکھتے ہیں۔ "وسموہ اماما" کے الفاظ پر غور فرمائیں کہ حضرت امیرؑ نے "امام نام رکھیں" فرما کر ثابت کیا ہے کہ عوام اجماع کر کے "امام" نام رکھ سکتے ہیں۔ مگر وہ "امام" منجانب خدا نہیں ہوتا ہے برائے نام ہوتا ہے۔

اعتراض ۲۲۴: اگر بقول شما امامت منصوص من اللہ ہو چکی تھی

تو ذکر اجماع اہل انرائی اور امام کی نامزدگی کیوں ۔

جواب ۲۲۴ :۔ ہم تو امامت منصوص کے قائل ہیں مگر آپ حضرات کو اس سے اختلاف ہے مگر بتائیے جب امامت منصوص ہی نہیں تو پھر آیت استخلاف ثلاثہ کی خلافت کی دلیل کیسے ہو سکتی ہے۔ باقی رہا حضرت علیؑ کے خطبہ میں اجماع و نامزدگی کا بیان تو یہ محض معاویہ کے خلاف اس کے عقائد کے مطابق استدلال تھا۔ یہ جواب ہم بالوضاحت پہلے لکھ چکے ہیں۔

اعتراض ۲۲۵ :۔ جب نامزدگی سے امام منتخب ہوتا ہے تو مسلک اہلِ تشیع کی تردید میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ نے ایسا بیان کیوں دیا۔

جواب ۲۲۵ :۔ حضرت امیر علیہ السلام نے ہمارے مسلک کی تردید ہرگز نہیں فرمائی ہے بلکہ صرف معاویہ کے خلاف اس کے نظریات و عقائد کے مطابق دلیل پیش کر کے اُسے لاجواب کر دیا ہے۔ جبکہ حضرت علیؑ کا عقیدہ ایسا نہ تھا ورنہ سیرت شیخین سے انکار نہ کرتے۔

اعتراض ۲۲۶ :۔ سیدنا عثمانؓ کی وفات کے بعد سیدنا علیؓ کی خلافت کا انعقاد کس طریقے سے ہوا وضاحت درکار ہے۔

جواب ۲۲۶ :۔ ہمارے ایمان کے مطابق حضرت علیؑ کی خلافت منصوص ہے اور حضورؐ کے بعد آپ دین و دنیا کے حاکم ہیں۔ حضرت عثمان کے پیدا کردہ حالات نے عوام کی آنکھیں کھولیں لہٰذا انہیں حق کے قدموں میں جھکنا پڑا۔ حضرت امیرؑ نے ہر طرح انکار کیا اور ایک ہفتہ کے قریب لوگوں نے غور و خوض کرنے کے بعد منت سماجت اور خدا و رسولؐ کے واسطے دئیے تب آپ نے حکومت کی ذمہ داری قبول فرمائی اور سب سے پہلی شرطیہ لگا کر شوریٰ و اجماع کے اصول پر ضرب کاری لگائی کہ میں اپنی مرضی سے خدا اور رسولؐ کے قوانین کے حدود میں حکومت کروں گا۔ جسے صحابہ حاضرین نے قبول کر کے اس بات پر مہر ثبت کر دی کہ شاورت و سیرت شیخین کے شرائط خلافِ اسلام ہیں اور حاکم اسلام صرف خدا اور رسولؐ کی ہدایات و آراء و

مشاورت کا پابند ہوتا ہے۔ چنانچہ جب بعد اصرار حضرت امیرؑ نے مناسب سمجھا کہ حالات لاکھ ناساعد سہی مگر اتمام حجت کے بعد اب ادائے فرض سے پہلو تہی نہیں کی جا سکتی ہے تو اپنی آمادگی کا اظہار بایں الفاظ فرمایا۔ "مجھے منظور ہے مگر اس بات کو جان لو کہ یہ منظوری اس صورت میں ہے کہ میں تمہیں اس راہ پر چلاؤں گا جسے میں بہتر سمجھوں گا۔" (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۹۹)

اب اندازہ لگائیے کہ یہ عوامی رجحانات اور تبدیلی حالات کا کرشمہ ہے کہ حضرت عمر کے بعد سیرت شیخین کی شرط عائد کر کے خلافت کی پیشکش کی گئی تھی جسے آپ نے رد کر دیا تھا اور اب عثمان کے بعد حکومت انہیں سونپی جاتی ہے تو بجائے اس کے کہ وہ اجماعی و شورائی جماعت صحابہ مہاجرین و انصار حضرت کو اپنے مشوروں یا شرائط کا پابند کریں حضرت امیرؑ ان کو اپنی اطاعت مطلق کی شرط کا پابند بناتے ہیں کہ وہ دوسروں کی صوابدید کے بجائے اپنی فہم و فراست پر عمل پیرا ہوں گے۔ اور ان اطاعت قبول کرنے والوں کو بھی وہی راہ اختیار کرنا ہوگی جسے آپ تجویز فرمائیں اور بہتر سمجھیں۔ یہ حضرت علیؑ کی اصول پسندی کی نمایاں فتح اور شوریٰ و اجماع کے ڈھونگ کی فاش شکست ہے۔ یہ خدائی خلیفہ کی شان ہے کہ جس کے سامنے مسلمانوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور بلا چون و چرا اسے تسلیم کر لیا۔ کیونکہ صحیح اصول کی پاسداری دوسروں کو جلد یا بدیر جھکنے پر مجبور کر ہی دیا کرتی ہے۔

اعتراض ۲۲۷:۔ حضرت امیرؑ کی خلافت کے انعقاد میں جملہ صحابہ کرام مہاجرین و انصار کے مشوروں کو دخل ہے یا بعض کو۔ اگر سب کو دخل ہے تو کسی معتبر کتاب کی مستند عبارت کی نشاندہی فرمائیے۔

جواب ۲۲۷:۔ حضرت امیرؑ کی خلافت کے انعقاد میں کسی صحابی کا کوئی دخل نہیں ہے کیونکہ آپ کی خلافت منصوص ہے۔ البتہ بعد از عثمان جب آپ کو حاکم مانا گیا تو چند لوگوں کے علاوہ تمام صحابہ نے حضرتؑ کی بیعت کی اور یہ بیعت عمومی طور پر حضرات ثلاثہ سے پختہ تھی کہ اہل مکہ و مدینہ کے علاوہ یمن مصر اور عراق

وغیرہ کے باشندوں نے بھی انتہائی سرگرمی سے آپ کی خلافت کو تسلیم کیا۔ اگر جمہوریت کے نظام کی نگاہ سے دیکھا جائے تو ایسی واضح اکثریت کسی اور حاکم کو حاصل نہ ہو سکی۔ علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ "اہل بدر میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا اور سب کے سب حضرت کے پاس آئے اور کہا کہ ہم آپ سے زیادہ کسی کو خلافت کا حقدار نہیں سمجھتے ہاتھ بڑھائیے تاکہ ہم بیعت کریں۔ چنانچہ انہوں نے بیعت کی۔" (صواعق محرقہ ص۱۱۸)

اعتراض ۲۲۸:۔ اور اگر بعض اجلہ اصحاب کرام کی آراء کو دخل ہے تو وہ بعض کون ہیں ان کے اسمائے گرامی سے مطلع فرمائیے۔

جواب ۲۲۸:۔ ساری قوم نے متفقہ طور پر حضرت کو خلیفہ تسلیم کیا صرف چند افراد نے اس سے پہلوتہی کی ان کے نام یہ ہیں۔ حسان ابن ثابت، کعب ابن مالک، مسلم ابن مخلد، ابوسعید خدری، محمد بن مسلم، نعمان بن بشیر، زید بن ثابت، رافع ابن خدیج، فضالہ ابن عبید، کعب ابن عجرہ، قدامہ ابن مظعون، عبداللہ ابن سلام مغیرہ ابن شعبہ، سعد ابن ابی وقاص، عبداللہ ابن عمر، صہیب ابن سنان، سلمہ ابن وقش، اسامہ ابن زید اور وہبان ابن صیفی۔

اعتراض ۲۲۹:۔ جن صحابہ کی آراء سے حضرت امیر کی امامت و خلافت منعقد ہوئی ہے انہی صحابہ کی آراء خلفا ثلاثہ کی خلافتوں کے حق بھی دی جا چکی تھیں یا نہ۔

جواب ۲۲۹:۔ حضرت علیؑ کی امامت و خلافت تو منصوص ہے لہٰذا کسی صحابی کی رائے کی محتاج نہیں۔ جب لوگوں نے اپنی رائے کے انتخابات کے نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے تو ان کی آنکھیں کھلیں اپنے کئے پر نادم ہوئے۔ پچھتائے۔ بحضور امیرؑ گڑگڑائے اللہ و رسولؐ اور ناموس دین کے واسطے دئے۔ اپنے قصور کا اعتراف کر کے حضرت امیرؑ کے موقف کو تسلیم کیا اور پرزور الفاظ میں حضرتؑ کی رائے کو مانا۔ یعنی خلفاء کے انتخاب اور حضرت علیؑ کے چناؤ میں نہایت وسیع فرق ہے کہ آپ سے پہلے حکمرانوں نے تخت سنبھال

کر لوگوں سے بیعت حاصل کرنے کی کوششیں کیں لیکن جناب امیرؑ کو خود آکر یہ ذمہ داری قبول کرنے کی استدعا کی گئی اور آپ نے سب سے پہلے شرط ہی یہ لگائی کہ جس راہ پر میری مرضی ہو گی تم کو چلاؤں گا تمہاری رائے کی پابندی نہیں کروں گا۔ جسے موجودہ لوگوں کی بڑی بھاری اکثریت نے تسلیم کیا۔ پس جناب امیرؑ کی شرط کا تعین ثابت کرتا ہے کہ صحابہ کی آراء انعقاد خلافت میں قطعاً ضروری نہیں ہے۔ اور جو پہلے لوگوں نے ایسا کیا اسے حقیقت سے کوئی وابستگی نہیں تھی۔

اعتراض نمبر ۲۳۰:۔ اگر جواب نفی میں ہے تو مستند حوالہ درکار ہے اور اگر جواب اثبات میں ہے تو یہاں قبولیت اور وہاں عدم قبولیت کی وجہ کیا ہے؟

جواب نمبر ۲۳۰:۔ جواب نفی کے ثبوت میں ہم نے تاریخ کامل ابن اثیر کی جلد ۳ صد ۹۹ سے حضرت علیؑ کا فرمان اوپر نقل کیا ہے۔ اور قبولیت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ حضرت نے صحابہ کی آراء کی شرط کو رد فرما کر اپنی اطاعت کلی کا عہد لیا۔ پس چونکہ صحابہ ثلاثہ کی حکومت میں آراء صحابہ کا دخل ہے لہٰذا ہم اسے قبول نہیں کرتے۔ اور حضرت علیؑ نے کٹھ پتلی حاکم بننے کی بجائے سید المطاع ہونے کی شرط پر حکومت قبول کی اس لئے ہم بھی اسے مانتے ہیں۔ حالات نے لوگوں کو اقرار کرنے پر مجبور کر دیا کہ حضرت علیؑ کے علاوہ کوئی دوسرا مستحق خلافت نہیں جیسا کہ لوگوں نے کہا "ہم آپ سے زیادہ کسی کو خلافت کا حقدار نہیں سمجھتے اور نہ سابقہ خدمات کے لحاظ سے آپ سے کوئی مقدم ہے اور نہ ہی کوئی رسول اللہ سے قرابت میں آپ سے قریب تر ہے" ہم آپ کو اللہ کا واسطہ دیتے ہیں آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس عالم میں ہیں کیا آپ اسلام کی حالت اور فتنوں کو ابھرتے دیکھ نہیں رہے کیا آپ اللہ سے بھی نہیں ڈرتے؟" (تاریخ کامل جلد ۲ صد ۹۹-۹۸) پس جب علیؑ نے اپنا حق منوا لیا اور دنیا نے اوروں کو آزما لیا تب انہوں نے عنان حکومت سنبھالا۔

اعتراض نمبر ۲۳۱:۔ فرمائیے کیا یہ صحیح ہے کہ سیدنا عثمانؓ کی

شہادت کے وقت بعض صحابہ کرام مدینہ منورہ سے باہر تھے اور بعض مدینہ میں اور جو بعض مدینہ میں تھے ان میں سے بعض نے انتخاب کے سلسلے میں توقف کیا اور بعض نے تائید کی۔ بہرحال جس طرح بھی ہوا، تحقیق درکار ہے۔

جواب ۲۳۱/: قتل عثمان کے وقت کچھ لوگ مدینہ میں نہ تھے اور موجود لوگوں کی قلیل تعداد جن کے نام میں نے اوپر درج کئے ہیں حضرت علیؑ کا خلیفہ ہونا پسند نہ کرتے تھے لیکن تمام موجود اہل بدر نے انصار نے اور بیرونی پردیسی مسلمانوں نے بڑی سرگرمی سے حضرتؑ کی حکومت کو تسلیم کیا۔ صرف ایک قلیل گروہ نے اس میں توقف کیا۔ بہرحال مجموعی طور پر رائے عامہ کی بھاری اکثریت نے حضرتؑ کو حاکم مانا۔ حضرت عثمان کو ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ میں موت کے گھاٹ اتار اگیا اور باوجود اصرار عوام و خواص کے حضرت علی ۲۵ ذی الحجہ ۳۵ھ تک حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لینے سے اجتناب فرماتے رہے۔ اس ایک ہفتہ میں قوم کو مکمل آزادی تھی اور پورا اختیار تھا کہ فیصلہ کریں چنانچہ ہفتہ بھر کے غور و خوض کے بعد حضرت علیؑ نے اطاعت کلی کی شرط پر آمادگی کا اظہار فرمایا۔ امیر المومنینؑ نے کسی شخص کو آزادئ رائے سے محروم نہ رکھا بلکہ ہر شخص کو آزاد چھوڑ دیا۔ نہ کسی پر دباؤ ڈالا اور نہ کسی پر سختی گوارا کی۔ جس کسی نے برضا و رغبت بیعت کرنا چاہی اس سے بیعت لے لی اور جس نے بیعت سے علیحدگی اختیار کرنا چاہی اس سے مطالبہ بیعت نہ کیا کیونکہ آپ بنیادی طور پر انعقاد خلافت کے لئے جمہوری رائے کو ضروری ہی خیال نہ فرماتے تھے۔ اس کے برعکس حضرت ابوبکر نے تشدد و طاقت سے لوگوں سے بیعت حاصل کی۔ حضرت عمر کی نامزدگی ہوئی لہٰذا کسی ایک کی رائے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت عثمان کے وقت شوریٰ میں صرف چھ رکنی کمیٹی کو انتخاب امیر کا اختیار دیا گیا۔ لہٰذا پہلے تین خلیفوں کے انتخاب میں عوامی رائے قلیل ترین تھی بلکہ نہ ہونے کے برابر تھی۔ جمہوری طریقوں سے بھی صرف حضرت علیؑ ہی کی حکومت کو جمہوری کہا جا سکتا ہے جن کا انتخاب برسر اقتدار آنے سے قبل لوگوں نے

کیا جبکہ اصحاب ثلاثہ پہلے حاملِ اقتدار ہوئے اور پھر طاقت و کرسی کے بل بوتے پر لوگوں کو اپنی بعیت کرنے پر مجبور کیا۔ ہم نے اپنی کتاب "صرف ایک راستہ" کے سیاسیات کی فصل میں پوری طرح ثابت کیا ہے کہ اصحابِ ثلاثہ کی حکومت کو کسی بھی طرز حکومت سے کوئی تعلق نہیں ہے جو مستحسن قرار پائے۔ اور یہ اعجازِ خداوندی ہے کہ اس کا برحق خلیفہ ایک طرف خدائی خلیفہ بلا فصل بھی ہے اور دوسری طرف جمہوری اصولوں کے مطابق بھی اس کا انتخاب درست قرار پاتا ہے جبکہ دیگر حضرات نہ جمہوری و اجماعی تھے اور نہ ہی منصوص و معصوم۔

اعتراض ۲۳۲:۔ اگر گذشتہ تحقیق صحیح ہے تو فرمایئے کہ کیا رائے دینے والوں کی تعداد قلیل یا اقل نہ رہے گی کیا خیال ہے۔

جواب ۲۳۲:۔ گذشتہ تحقیق سے ثابت ہے حضرت علیؑ کو اکثریتی رائے حاصل تھی جبکہ اصحابِ ثلاثہ کو قلیل رائے بھی نہ ملی۔

اعتراض ۲۳۳:۔ اگر یہاں قلیل تعداد کی آراء پر انعقادِ خلافت اور انتخابِ امامت ہو سکتا ہے تو وہاں کثیر کی آراء سے انعقادِ خلافت کیوں نہیں ہو سکتا۔

جواب ۲۳۳:۔ انعقادِ خلافتِ الٰہیہ کے لئے انسانی رائے ضروری ہی نہیں ہے بلکہ لغو ہے۔ پھر بھی حضرت علیؑ کو بھاری اکثریت حاصل ہوئی۔ جبکہ حضرت ابوبکر کی خلافت کا انعقاد صرف حضرت عمر کی رائے اور چالاکی سے ہوا۔ حضرت عمر کو حضرت ابوبکر خلیفہ بنا کر احسان کا بدلہ چکا گئے اور حضرت عثمان کو صرف عبدالرحمٰن بن عوف نے لبادہ خلافت پہنایا۔ تینوں کی حکومت میں کوئی رائے شماری ہرگز نہ ہوئی لہٰذا قلت عدم وجود سے بدرجہا بہتر ہوتی ہے جبکہ حضرت علیؑ کو مفاد پرستوں کے علاوہ ہر طبقہ نے خلیفہ تسلیم کیا اور وہ عوامی ووٹوں سے رعایا کے پُرزور اصرار سے مسندِ حکومت پر تشریف آور ہوئے۔

اعتراض ۲۳۴:۔ جن حضرات کی آراء کو یہاں مقبول کیا گیا آپ کے

نزدیک وہ کامل الایمان تھے تو امام معصوم کی اس روایت کا کیا جواب ہے؟ ارتد الناس بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا ثلثۃ نفر معاذاللہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب صحابہ کرام تین افراد کے (سوا) مرتد ہو گئے۔

جواب ۲۳۴:۔ جس شخص نے بھی ثقلین رسولؐ میں سے کسی ایک ثقل کی بھی مخالفت کی یا انحراف کیا ہم اسے کامل الایمان تسلیم نہیں کرتے خواہ وہ کیسا ہی بڑا بادشاہ کیوں نہ ہو۔ امام معصوم کی جو روایت آپ نے نقل کی ہے اس میں لفظ صحابہ موجود نہیں بلکہ "ناس" ہے یعنی زمانہ یا دنیا یا لوگ۔ اور ارتداد سے مراد منحرف ہونا ہے۔ وعدہ سے پھر جانے کو ارتداد کہتے ہیں اور ثلثہ یعنی تین کا لفظ بطور محاورہ وکنایہ کے ہے اس سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ حقیقی تین کے علاوہ باقی تمام کافر ہو گئے۔

اعتراض ۲۳۵:۔ کوئی اعتراض نہیں ہے۔

جواب ۲۳۵ اب ہزار کی بجائے صرف ۹۹۷ اعتراضات باقی رہ گئے۔

اعتراض ۲۳۶:۔ اگر آپ کے نزدیک صدیقی خلافت غصب و ظلم پر محمول ہے تو اہلسنت کی کسی معتبر روایت سے سیدنا علی کی تصریح اس سلسلے میں ثابت کیجئے۔

جواب ۲۳۶:۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

"فلما توفی رسول اللہ قال ابوبکر انا ولی رسول اللہ فجئتماہ تطلب میراثک من ابن اخیک و یطلب ھذا میراث امراتہ من ابیھا فقال رسول اللہ لا نورث ما ترکناہ صدقۃ فرا تیماہ اثما کاذبا غادرا خائنا"

حضرت عمر بن خطاب حضرت علیؓ و عباسؓ سے کہتے ہیں کہ جس وقت رسول خداؐ نے وفات پائی تو ابوبکر نے کہا میں رسولؐ کا ولی ہوں پس تم دونوں (عباسؓ و علیؓ) آئے کہ طلب کرتا تھا عباسؓ میراث اپنے بھتیجے سے اور طلب کرتا تھا علیؓ میراث اپنی زوجہ کی اس کے باپ کی جانب سے

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۱)

بجواب ابوبکر نے کہا کہ رسولِ خدا نے فرمایا کہ نہیں ہمارا وارث ہوتا ہے کوئی جو کچھ ہم انبیاء چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے پس اس بات کے کہنے پر تم نے اس کو (ابوبکر) کو آثم (گناہ گار) کاذب (جھوٹا) غادر (باغی و دغاباز) اور خائن (خیانت کرنیوالا بددیانت) کہا۔"

صحیح مسلم جیسی معتبر کتاب سے تصریح ثابت کر دی ہے۔ فرمائیے اب کیا ہوگا؟ گواہی عمر صاحب کی ہے۔

اعتراض ۲۳۷:۔ اگر سیدنا علیؓ بقول شما خلفائے ثلثہ کی خلافت کو ناحق سمجھتے تھے تو آپ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عباس اور حضرت ابوسفیان کی عرضداشت کے جواب میں بیعت سے کیوں انکار فرمایا۔

هذا ماء اجن ولقمة يغص بها آكلها ومجتني الثمرة لغير وقت ايناعها كالزارع بغير ارضه

یہ امر خلافت تلخ پانی ہے اور ایسا لقمہ ہے جو کھانے والے کا گلا گھونٹ لیتا ہے اور پھل کو پکنے سے پہلے توڑنے والا اس کی مثال اس زمیندار جیسی ہے جو دوسرے کی زمین میں کاشت کر رہا ہو۔

نہج البلاغۃ جلد ا ص ۳۵-۳۶

جواب ۲۳۷:۔ جس یادداشت کی طرف معترض نے اشارہ کیا ہے وہ ابوسفیان کی تھی جسے اس نے حضرت عباسؓ کے سامنے پیش کیا اور پھر حضرت علیؓ کے پاس آیا اور ان سے کہا "ایسا کیوں ہوا کہ خلافت قریش کے ایک پست ترین خاندان میں چلی گئی سُو اگر آپ (علیؑ) چاہیں تو میں (ابوسفیان) خدا کی قسم مدینہ کو سواروں اور پیادوں سے

بھردوں" (تاریخ طبری جلد ۲ ص ۴۴۹) ابوسفیان وفاتِ رسولؐ کے وقت مدینہ میں نہ تھا۔ جب واپس آیا تو اس نے ذاتی مفادات اور حرص منصب کی خاطر فتنہ پیدا کرنا چاہا لہٰذا برسر اقتدار طبقہ پر اپنا اثر رسوخ ظاہر کرنے کی خاطر اس نے اس چال کو استعمال کیا تاکہ حکمرانوں کو اندازہ ہو سکے کہ ابوسفیان اُن کے لئے مشکلات پیدا کرسکتا ہے۔ حضرت عمر ایک فہیم سیاستداں تھے وہ بھی اس کے ارادوں کو بھانپ چکے تھے لہٰذا انہوں نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ" ابوسفیان آپہنچا ہے یہ کوئی نہ کوئی فتنہ ضرور کھڑا کرے گا۔" (عقد الفرید جلد ۳ ص ۶۲) اُدہر حضرت علیؑ اس کی فطرت سے واقف تھے لہٰذا اپنی خداداد فراست سے اس کے عزائم سمجھتے تھے۔ ایک عام انسان کے لئے جذبات کے دباؤ سے آزاد رہنا بہت مشکل ہوتا ہے اس سے یہی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس مرحلہ پر تعاون کا ہاتھ بڑھانے والوں کو اصل مقاصد و عزائم سے واقفیت رکھتے ہوئے بھی نظر انداز کر دے گا۔ یا خوش فہمی میں مبتلا ہو کر اسے ہمدردی و خیر خواہی کا نتیجہ سمجھے گا اور نتائج و عواقب سے آنکھیں بند کر کے وقتی امداد کے سہارے اُٹھ کھڑا ہو گا مگر اللہ کا ولی، رسولؐ کا وصیؑ، امیر المومنینؑ نہ جذبات کے آگے سپر انداز ہو سکتا تھا اور نہ ہی دوستی کا لبادہ اوڑھ کر انہیں فریب دیا جاسکتا تھا۔ آپ نے اپنی لیاقت سے فوراً نتیجہ اخذ کر لیا کہ اس پیشکش میں ہمدردی و خیر خواہی کا جذبہ بالکل نہیں ہے۔ بلکہ یہ مسلمانوں کو جنگ میں اُلجھا کر اسلام کی بنیادوں کو متزلزل کرنے کی ایک سازش ہے اور اپنا اُلّو سیدھا کرنے کی ایک مکارانہ چال ہے۔ لہٰذا آپ نے اس عرضداشت کو حقارت سے ٹھکراتے ہوئے ابوسفیان سے فرمایا۔" خدا کی قسم تمہارا مقصد صرف فتنہ انگیزی ہے تم نے ہمیشہ اسلام کی بدخواہی کی ہے مجھے تمہاری ہمدردی و نصیحت کی ضرورت نہیں ہے۔" (تاریخ طبری جلد ۲ ص ۴۴۹) اب چونکہ دراصل ابوسفیان خود امارت کا حریص و طالب تھا لہٰذا اشارۃً اس کو سمجھایا گیا یہ میوہ تمہاری اولاد کھائے گی ابھی کچا ہے ذرا صبر کروں اور مجھے بے خبر نہ سمجھو۔ کہ تمہارے جال میں پھنس جاؤں گا چنانچہ اس طرف سے مایوس ہو کر ابوسفیان نے حکومت وقت کا مکمل ساتھ دیا اور

اس کے بیٹے یزید کو شام کی امارت مل گئی جو اموی اقتدار کا سنگ بنیاد ثابت ہوئی۔
حضرت امیر علیہ السلام نے یہ ساری گفتگو ابوسفیان سے محض اس لیئے کی کہ اس کو معلوم ہو سکے کہ علیؑ غافل و ناواقف نہیں ہے۔

اعتراض ۲۳۸:۔ کالزارع بغیر ارضہ فرما کر کیا حضرت علی مرتضیٰ نے صدیق اکبر کی صراحتاً تائید و توثیق نہیں فرمادی۔

جواب ۲۳۸:۔ یہ کلمہ ارشاد فرما کر حضرت نے قطعاً ابوبکر کی خلافت کی تائید نہیں فرمائی بلکہ ابوسفیان کے عزائم کو بے نقاب فرمایا اور ایک پیشگوئی کی ہے جو بعد میں حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی ہے۔ تمہاری مثال ویسی ہی ہوگی کہ دوسرے کی زمین پر زراعت کرو گے۔

اعتراض ۲۳۹:۔ مجتنی الثمرۃ لغیر وقت ایناعھا فرما کر حضرت علی مرتضیٰ نے کیا یہ تصریح نہیں فرمادی کہ میری خلافت کا وقت ابھی نہیں آیا۔

جواب ۲۳۹:۔ اس جملے میں بھی ابوسفیان کو سمجھایا ہے کہ پھل تو تمہارے لیئے پک رہا ہے لہٰذا اس کو کچا توڑنے کی کوشش نہ کرو۔ اور مجھے مت بناؤ۔ حضرت امیرؑ نے ھذا کے لفظ سے اس کی وضاحت کی یہ حکومت جو تمہارے لیئے منہ کا پانی بن رہی ہے یہ تلخ ہے اور کھانے والے کا گلا دباتی ہے۔ یعنی تمہاری خواہش امارت تمہیں آخرت میں نقصان دے گی گو کہ وقت مناسب پر تم تخت نشین ہو جاؤ گے جس کی نیو ابھی سے تیار ہونا شروع ہو جائے گی لہٰذا خواہ مخواہ مسلمانوں میں قتال کرنے کی سازش مت بناؤ۔ تمہارا مقصد اس خون خرابہ کے بغیر بھی حاصل ہوگا۔ اگر حضرت امیرؑ اس خلافت کو پسند فرماتے یا حقیقی سمجھتے تو ہرگز اسے تلخ پانی اور گلا گھونٹ لقمہ سے تشبیہ دے کر مذمت نہ کرتے۔ یہ کلام تو ابوسفیان کا کلام قطع کرنے کے لیئے تھا۔

اعتراض ۲۴۰:۔ جب لوگوں نے صدیق اکبر کی بیعت پر اتفاق کر لیا تو آپ حضرات کے نزدیک حضرت علیؑ اس فیصلے پر راضی تھے

یا ناراض۔

جواب ۲۴۰: ۔ حضرت علیؑ کا ابوبکر کی حکومت پر راضی ہونا ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہے۔ اگر آپ راضی ہوتے تو پھر احراقِ خانۂ بتولؑ کا واقعہ کیوں پیش آتا۔ علیؑ کی گردن میں رسّی کیوں ڈالی جاتی۔ سیّدہ طاہرہ کی تدفین حضرت ابوبکر کی غیر حاضری میں کیوں ہو جاتی پھر معاویہ بن ابوسفیان حضرت محمد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کو یہ عبارت کیوں لکھتا۔ "جنہوں نے سب سے پہلے علیؑ کا حق چھینا اور خلافت کے سلسلہ میں ان کی مخالفت پر ایکا کیا وہ تمہارے باپ (ابوبکر) اور فاروق (عمر) تھے۔ انہوں نے علیؑ سے بیعت کا مطالبہ کیا مگر علیؑ نے بیعت میں توقف کیا اور ٹال دیا جس پر ان دونوں نے اُن (علیؑ) پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑنے کا تہیّہ کر لیا۔" (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۶۰)

اعتراض ۲۴۱: ۔ اگر راضی تھے تو آپ حضرات کی ناراضگی کے وجوہ کیا ہیں؟

جواب ۲۴۱: ۔ میری ناراضگی کی بڑی وجہ جناب سیّدہ طاہرہؑ کی ناراضگی ہے۔ اور حدیثِ رسول کے مطابق فاطمہؑ کے ناراض ہونے سے خدا ناراض ہو جاتا ہے سیّدہ کی ناراضگی صحیح بخاری شریف سے پوری طرح ثابت ہے۔ چونکہ سیّدہ راضی نہ ہوئیں لہٰذا ہم بھی ناراض ہیں۔

اعتراض ۲۴۲: ۔ اگر ناراض تھے تو آپ کی اس عبارت کا مطلب ہے۔ رضینا عن اللّٰہ قضاءہ وسلّمنا للّٰہ امرہ۔ فیصلہ خداوندی پر ہم راضی ہیں خدا کے لئے ہم نے (امر خدا مانا ہے)

جواب ۲۴۲: ۔ حضرت امیرؑ کے اس ارشاد سے حضرت کا راضی برضا خدا ہونا ثابت ہے جو زُہد کی علامت ہے۔ چونکہ خدا پر شکوہ جائز نہیں اور بوقت ضیاع و نقصان صبر و شکر ہی کرنا چاہیئے لہٰذا حضورؑ نے ایسا ہی کیا۔ کیونکہ آپ صابر و زاہد و شاکر امام ہیں۔ اس جملہ سے ابوبکر کی حکومت پر راضی ہونا یا ان کی حمایت کرنا کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا۔ جس طرح کسی عزیز کے قتل پر "انا للّٰہ" پڑھنا یہ دلیل نہیں ہوتا کہ قاتل کے فعل قتل پر

رضامندی ہے۔ اسی طرح حضرت کا اللہ کی رضا و تسلیم کو قبول کرنا ابوبکر کی حکومت کو ماننا ہرگز نہیں سمجھا جاسکتا۔

اعتراض ۲۴۳:۔ کیا اس عبارت میں حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کے مسئلے کو قضائے خداوندی سے تعبیر نہیں فرمایا اور اس پر اپنی رضا کا اظہار نہیں فرمایا۔

جواب ۲۴۳:۔ دراصل حضرت علیؑ نے اپنے صبر کو رضا الٰہی فرمایا ہے خلافت مزعومہ کے متعلق نہیں حضرت علیؑ کو تو علیحدہ ہی رہنے دیں خود خلیفہ گر حضرت ابوبکر جناب عمر ابن خطاب نے ابوبکر کی خلافت و بیعت کو فلتہ کہا ہے۔

اعتراض ۲۴۴:۔ حضرت علی مرتضیٰ کا اجتہاد آپ کے نزدیک مسلم ہے یا غیر مسلم اگر مسلم نہیں ہے تو آپ کا ان کی عصمت پر ایمان نہ رہا۔

جواب ۲۴۴:۔ حضرت امیرؑ امام معصوم ہیں ہمارے نزدیک ان کا ہر حکم مسلّم ہے۔

اعتراض ۲۴۵:۔ اور اگر مسلم ہے تو آپ کو مسئلہ خلافت بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ جبکہ حضرت علی المرتضیٰ نے فرمادیا ہے۔

فنظرت فی امری فاذا طاعتی	پس میں نے اپنے متعلق غور کیا
قد سبقت بیعتی واذا المیثاق	ہے تو میری طاعت بیعت سے سبقت
فی عنقی لغیری۔	لے گئی اور غیر کا میثاق میری گردن میں ہے۔ (نہج البلاغۃ ج ۱ ص ۸۵)

جواب ۲۴۵:۔ اس عبارت کی تشریح آئندہ اعتراض کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

اعتراض ۲۴۶:۔ سیدنا علی مرتضیٰ کا ارشاد ہے:۔

اترانی اکذب علی رسول اللہ	کیا تیرا خیال یہی ہے کہ میں حضور پر
صلی اللہ علیہ وسلم واللہ	جھوٹ باندھوں خدا کی قسم میں پہلا
لانا اول (فی) صدقہ فلا اکون	مکذب نہیں بنتا۔ (نہج البلاغۃ جلد ۱ ص ۸۵)

اوّل من کذب علیہ

فرمائیے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کیا خلفائے ثلاثہ کی خلافت سے انکار فی الحقیقت تکذیب رسالت مآب کے مترادف ہے غور کرکے جواب دیجئے۔

(نیز) زمانہ نبوت میں سبقت فی التصدیق کیلئے عہد خلافت میں سبقت فی تسلیم کیسے ضروری ہے اگر خلافت خلفائے ثلاثہ خلافت علی منہاج النبوۃ نہیں تھی۔

جواب ۲۴۶ :- اصل کتاب میں بعد والی عبارت مقدم ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں رسول اللہ پر جھوٹ بولوں گا؟ حالانکہ خدا کی قسم میں ہی وہ ہوں جس نے سب سے پہلے آپ کی تصدیق کی تھی۔ پس میں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہوں کہ ان کی تکذیب کرنے میں مقدم ٹھہروں" اس کے بعد دوسرا ارشاد ہے جو گذشتہ اعتراض میں مرقوم ہوا اور اس کا ترجمہ یہ ہے کہ "میں نے اپنے معاملہ کو دیکھا مجھ پر حکم رسول کی اطاعت اپنی بیعت سے پہلے واجب ہو چکی ہے اور میری گردن میں دوسروں سے برسر امن رہنے کا میثاق پڑا ہوا ہے" یعنی بارگاہ نبوی سے مجھے اپنا حق طلب کرنے کے سلسلہ میں نرمی و لینت کی ہدایت ہوئی تھی۔ (اسی لئے جنگ و جدل سے پرہیز کیا)۔

مولا کے ان ارشادات میں اطاعت رسول، وعدہ صبر و امن کا ذکر ہے نہ کہ حکومت ثلاثہ کی اطاعت کا۔

چونکہ لوگوں نے حضرت علی کی خاموشی و سکوت کو ان کی کمزوری سمجھا لہٰذا انہوں نے ذوالفقار ہاتھ میں نہ لینے کی وجہ بتلاتے ہوئے یہ اظہار کیا کہ میرے پُرامن رہنے کی وجہ حکم رسول اللہ ہے اور چونکہ میں صدیق اکبر ہوں لہٰذا میں تصدیق اوّل کا شرف حاصل کرنے کے بعد ہرگز حضور سے وعدہ خلافی نہیں کر سکتا ہوں۔ کیونکہ ایسا انحراف تکذیب ہوگا سکوت کا تعلق زمانہ ثلاثہ سے تھا لہٰذا زمانہ نبوی کے حکم کی تعمیل بعد از پیغمبر جناب امیر علیہ السلام نے صبر و تحمل کی شکل میں کی۔ اس عمل یا ارشاد کا مزعومہ خلافت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اگر ثلاثہ کی خلافت علی منہاج النبوۃ ہوتی تو حضرت علی

کبھی بھی اسے مذموم الفاظ سے تشبیہ نہ دیتے جیسا کہ آپ نے فرمایا۔ اے لوگو! فتنوں کی موجوں کو نجات کی کشتیوں سے چیر کر پار ہو جاؤ (کتاب الفتن صحیح بخاری کے مضامین اور حدیث سفینہ پر غور فرمائیں کہ مولا کے ارشاد میں کیا اشارہ ہے) منافرت کی راہ چھوڑ دو۔ اور مفاخرت و بزرگی کے تاج سر سے اتار کر زمین پر پھینک دو جو پر و بال (یار و یاور) کے ساتھ اٹھا کامیاب ہوا جس نے حالات کو ان کے حال پر چھوڑا اس نے راحت پائی۔ یہ (تخت حکومت) تو ایک گندہ پانی ہے۔ وہ لقمہ ہے جس کے کھانے والے کو اچھو ہو جاتا ہے اور وقت سے پہلے خوشہ چینی کرنیوالا ایسا ہے جیسے کوئی غیر کی زمین پر کاشت کرے۔ اگر اب خلافت کے بارے میں کچھ کہتا ہوں تو لوگ کہیں گے یہ امارت کی حرص ہے[۱] اور اگر خاموش رہتا ہوں تو کہیں گے کہ موت سے خوفزدہ ہے۔ افسوس ——— میں چھوٹے بڑے ہر طرح کے مصائب جھیل چکا ہوں۔ خدا کی قسم ابوطالب کا بیٹا موت سے اس طرح مانوس ہے جس طرح طفل شیرخوار پستان مادر سے۔ نہیں یہ بات ہرگز نہیں ہے (میں موت سے خائف نہیں اور نہ ہی حکومت کا لالچی ہوں) میری خاموشی کا راز وہ اسرار ہیں کہ جو کچھ جانتا ہوں اگر اسے افشا کر دوں تو تم یوں لرزنے اور کانپنے لگو گے جس طرح گہرے کنوؤں میں رسیاں لرزتی اور کانپتی ہیں۔

جناب امیر علیہ السلام کی اس وضاحت کے بعد ثلاثہ کی حکومت کو خلافت علی منہاج النبوۃ سمجھنا جہالت کے ساتھ ساتھ ناعاقبت اندیشی بھی ہے۔

اعتراض ۲۴۷ ـــ اگر خلفا ثلاثہ کی خلافت برحق نہیں تھی تو سیدنا عثمان کی شہادت کے بعد مطالبہ بیعت پر سیدنا علیؓ نے یوں کیوں فرمایا۔ دعونی التمسوا غیری (نہج البلاغۃ ص ۱۸۲ ج ۱)

جواب ۲۴۷ ـــ اس لئے فرمایا کہ ثلاثہ کی خلافت باطل ثابت ہو جائے کیونکہ آپ عوامی رائے کو خلافت کا لازمہ نہیں مانتے تھے۔ لہٰذا لوگوں کو کہا کہ جس طرح تم نے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا ہے اسی طرح اب بھی بناؤ کیونکہ میں تمہاری،

---

[۱] جیسا کہ بعض لوگ اب بھی کہتے ہیں۔

مشاورت و آراء کا پابند ہو کر حکومت نہ کروں گا۔ چنانچہ جب خود اُن لوگوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا تو پھر آپ "اطاعت کلی" کی شرط پر حاکم بننے کے لئے آمادہ ہوئے۔ حق کا اقرار کروانے کی خاطر میدان کھلا چھوڑا اور واضح اعتراف کروا کر اپنا حق منوایا۔

اعتراض ۲۴۸:۔ اگر غیر علیؑ میں استحقاق خلافت ہی مفقود تھا تو سیدنا علیؓ نے اس کے انتخاب کا حکم کیوں فرمایا۔

جواب ۲۴۸:۔ گو کہ غیر علیؑ میں استحقاق خلافت مفقود ہے لیکن غصب کے امکان موجود ہیں۔ لہٰذا گذشتہ حاکموں کے غصب پر مہر تصدیق لگوانے کی خاطر حضرت نے ایسا کہا تا کہ لوگ اعتراف کریں کہ اصل مستحق خلافت آپ سرکار ہی ہیں اور کوئی غیر نہیں۔ لہٰذا لوگوں نے برملا اعتراف کیا "ہم آپ سے زیادہ کسی کو خلافت کا حقدار نہیں سمجھتے۔" (تاریخ کامل جلد ۳ صہ ۹۸) اور حضرت ثابت ابن قیس نے انصار کی ترجمانی ان الفاظ میں کر کے غیر علیؑ کے حق کا انکار کیا اور صرف حضرت امیرؑ کو خلیفہ برحق مانا "خدا کی قسم اے امیر المومنین! اگرچہ وہ لوگ (ثلاثہ) حکومت میں آپ سے پہلے تھے مگر دین میں آپ سے سبقت نہ لے جا سکے۔ اگر کل وہ آپ سے آگے بڑھے تو آج آپ بھی اسی مقام پر آ گئے۔ ان کی موجودگی میں آپ کا مرتبہ ڈھکا چھپا نہ تھا۔ اور نہ آپ کی منزلت انجانی تھی وہ آپ کے محتاج تھے (ہدایت میں) ان چیزوں میں جن سے ناواقف تھے اور آپ اپنے علم کی بنا پر کسی کے محتاج نہیں رہے۔" (تاریخ یعقوبی جلد ۲ صہ ۱۵۰)

اعتراض ۲۴۹:۔ آپ کے ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ خلافت کے لئے موزوں آدمی کی تلاش ضروری ہے ورنہ آپ یوں نہ فرماتے کہ میرے بغیر کسی اور کو تلاش کر لو۔

جواب ۲۴۹:۔ آپ کے اعتراض سے پتہ چلتا ہے کہ ثلاثہ کی اندھی عقیدت نے آپ کی بصارت فہم پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ بندہ محترم خدا قیامت میں اہل جہنم سے کہے گا کہ بلاؤ ان کو جن کو تم میرے علاوہ معبود سمجھتے تھے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ روز قیامت اللہ خدائی کے لئے موزوں خدا کی تلاش کا حکم دے گا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہو گا کہ میرے علاوہ کوئی خدا نہیں یہی مطلب حضرت علیؑ کا ہے

کہ میرے علاوہ اور کوئی خلافت کا حقدار نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۲۵۰:۔ اس ارشاد سے آگے آپ کا فرمان یہ بھی ہے کہ اگر تم نے میرے بغیر کسی اور کو تلاش کر لیا تو میں تم سے اس کا زیادہ فرمانبردار ہوں گا۔ اس سے دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں (۱) اس زمانہ کے ارباب حل وعقد کی آرائپر اعتماد (۲) انتخاب خلیفہ کے لئے سیدنا علی کی اظہار رضامندی۔

اگر یہ دونوں چیزیں صحیح ہیں تو پھر آپ حضرات کو خلفائے ثلاثہ کی خلافت سے کیوں انکار ہے۔

جواب ۲۵۰:۔ حضرتؑ نے اتمام حجت کی خاطر ایسا ارشاد فرمایا جس طرح عموماً کلام کے تکیہ کے تحت ایسے جملے بولے جاتے ہیں کہ جن سے طالب اپنی یکتائی اور انفراد ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور اپنے غیر کی نفی مطلوب ہوتی ہے۔ جیسے کوئی ماہر کاریگر یہ کہتا ہے کہ "اگر کوئی ایسی چیز اور بنا دے تو میں اس کو مان جاؤں گا"۔ مقصود اس کلام کا یہ ہوتا ہے کہ میں نے اس شے کو بڑی مہارت سے بنایا ہے اور مجھے اعتماد ہے کہ ایسی صنعت کسی دوسرے کاریگر سے نہیں بن سکے گی۔ اس بات سے یہ ہرگز نہیں سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنی فنی مہارت سے انکار کر دیا ہے اور دوسروں کے مقابلہ میں اپنی کاریگری کی تنقیص کی ہے۔

پس اسی طرح حضرتؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر میرے سے کوئی بہتر تمہیں نظر آتا ہے تو اسے بادشاہ بنا لو۔ اپنی رائے زنی کی اور کوشش کر لو۔ اور جب ہر طرف سے مایوس و مجبور ہو جاؤ تو یہ اعتراف کرتے ہوئے میرے پاس آؤ کہ ہماری رائے کے نتائج غلط تھے۔ ہم آپ کو سید المطاع تسلیم کرتے ہیں۔ آپ اپنی مرضی سے حکومت کریں نہ کہ ہماری مرضی سے۔ حضرتؑ کا حجت تمام کرنا عوام کا حضرتؑ کے لئے استحقاق خلافت تسلیم کرنا ثابت کرتا ہے کہ آپ انتخاب کے قائل نہ تھے۔

ہم بلاوجہ ثلاثہ کی خلافت سے انکار نہیں کرتے بلکہ خود ان اصحاب نے ان اصحاب ثلاثہ کی خلافت کا انکار کر کے حضرت علی کو خلیفہ برحق تسلیم کیا۔ اور اس کا تاریخی ثبوت

یخ یعقوبی سے اوپر نقل کر چکے ہیں۔ پس نہ ہی دونوں مزعومہ
ے اخذ ہوتی ہیں اور نہ ہی ثلاثہ کی تائید۔

۲۵:۔ فرمائیے لوگوں کے چُنے ہوئے خلفاءؑ کی
ت کی یا نہ؟ اگر اطاعت کی ہے تو تمہیں کیوں انکار
کی ہے تو ثبوت درکار ہے۔

:۔ جب آپ خلافت ثلاثہ کو علی منہاج النبوۃ اعتقاد کرتے
ؑ کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ یا تو اپنے اس عقیدہ کو
ت کر دیجئے کہ آج تک کسی نبی و رسول کا چناؤ عوام الناس نے
نبی کی طرح منصوص مانئے نہیں تو اس خلافت کو علی منہاج
ثر اجماعی حکومت فرمائیے۔ حضرت علی علیہ السلام نے کسی
ہرگز نہ کی بلکہ یہ بادشاہ مشکل اوقات میں ہمیشہ باب مدینۃ العلم
ہدایت کے سوالی نظر آتے ہیں۔ حضرت علیؑ کا بیعت نہ کرنا اور
اعت نہ کرنا فریقین کی کتابوں سے ثابت ہے۔ چند اثبات ملاحظہ
رت ابوبکر کی حکومت لیجئے۔ جب حضرت عمر اور ان کے ساتھی
ابوبکر کے پاس بیعت کے لئے لائے تو آپ نے بیعت کے
سے احتجاج فرمایا۔ "میں تم لوگوں سے زیادہ خلافت کا
ی بیعت نہیں کروں گا۔ بلکہ تمہیں میری بیعت کرنا چاہیئے۔ تم نے
ور ان کے مقابلہ میں دلیل یہ دی کہ تمہیں نبیؐ سے قرابت ہے۔
بیتؑ سے خلافت چھیننا چاہتے ہو۔ کیا تم نے انصار کے مقابلہ
تھا کہ تم خلافت کے ان سے زیادہ حقدار ہو۔ جس پر انہوں نے
ے سپرد کر دی۔ جس دلیل سے تم نے انصار کے مقابلہ میں اپنا حق ثابت
ں تمہارے مقابلہ میں اپنا حق ثابت کرتا ہوں۔ ہم رسول اللہ سے
ں زیادہ خصوصیت رکھتے ہیں۔ اگر تم ایمان لائے ہو تو ہم سے
ے خبر نہیں ہو کر ظلم کے مرتکب ہو گے۔" (الامامۃ والسیاسۃ ج ا صفہ ا

"حضرت ابوبکر نے حضرت علیؑ کو بیعت کے لئے پیغام بھجوایا مگر حضرت علیؑ نے بیعت نہ کی جس پر حضرت عمر جلتی ہوئی آگ لے کر آئے۔ حضرت فاطمہؑ نے عمر کو دیکھا تو کہا اے خطاب کے بیٹے کیا تم دروازے کو مجھ سمیت جلا دو گے۔ کہا ہاں۔" (انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۵۸۶)

حضرت عمر کی خلافت سے حضرت علیؑ نے مجلس انعقاد ہی اپنی ناراضگی ظاہر فرما دی اور عمر کو کہا۔" امارت کا دودھ دوہ لو اس میں تمہارا بھی برابر کا حصہ ہے خدا کی قسم تم آج ابوبکر کی خلافت پر اس لئے جان دے رہے ہو تاکہ کل وہ تمہیں امیر بنا جائے۔" (انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۵۸) اسی طرح ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ" حضرت علی نے شیخین کی تقلید سے انکار کر دیا اور حضرت عثمان اس پر راضی ہو گئے (شرح فقہ اکبر صفحہ ۸۲) حضرت عثمان سے اختلاف ظاہر ہے اور امیر المومنینؑ کا اقتدار کو ٹھوکر مارنا صرف اسی بنا پر تھا کہ آپ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی سیرت کو قبول کرنے میں قباحت محسوس کرتے تھے۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت امیر علیہ السلام نے نہ ہی ثلاثہ کی بیعت کی اور نہ ہی اطاعت۔ اور اگر سُنی نظریہ بالفرض محال مان لیا جائے کہ حضرت علیؑ نے بیعت کر لی تھی تو ان پر کیا گیا تشدد جبری بیعت کے لئے کافی ثبوت ہوگا جو غیر مستحسن ہے۔

اعتراض ۲۵۲ :۔ نیز آپ نے اپنے وعدہ کے خلاف کیوں فرمایا جبکہ آپ نے فرمادیا تھا کہ میں تم سے زیادہ فرماں بردار رہوں گا۔

جواب ۲۵۲ :۔ آپ سے ایسا کوئی وعدہ نہیں فرمایا تھا۔

اعتراض ۲۵۳ :۔ بر تقدیر تسلیم مخالفت' مخالفت من کل الوجوہ فرمائی یا من بعض الوجوہ۔ ہر دو شقوں میں سے جونسی شق اختیار کریں اسے دلائل سے ثابت کریں۔

جواب ۲۵۳ :۔ جب پوری سیرت کی پیروی سے انکار کر دیا تو پھر کل و بعض کے سوال کی گنجائش نہ رہی۔ ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر میں ثبوت ملاحظہ فرمالیں۔

اعتراض نمبر ۲۵۴ :- اگر مخالفت من کل الوجوہ فرمائی تو آپ نے اپنے عہد میں ان کے جمع شدہ قرآن کو منظور کیوں فرمایا۔

جواب نمبر ۲۵۴ :- قرآن اللہ کا کلام ہے۔ رسول خداؐ پر نازل ہوا۔ آپ خود قرآن تھے۔ خلیفوں کا قرآن سے کیا واسطہ؟ اگر ثلاثہ قرآن کو اپنی تصنیف قرار دیتے تو اس میں حرج ہوتا۔ اب شیطان بھی اللہ کو اللہ ہی مانتا ہے پھر آپ خدا کو کیوں مانتے ہیں؟

اعتراض نمبر ۲۵۵ :- ان کے منبر پر کیوں جلوہ افروز رہے۔

جواب نمبر ۲۵۵ :- منبر تو حسنؑ اور حسینؑ کے باپ کا تھا۔ تبھی تو دونوں نے شیخین کو دھمکایا تھا کہ "اترو ہمارے باپ کے منبر سے۔" اور دونوں نے اتر کر تعمیلِ حکم کر کے تصدیق کی تھی کہ "یہ بلاشبہ تمہارے باپ کا منبر ہے۔" کبھی تاریخ پر بھی نظر فرمائی یا صرف تعصب کی کتاب کی ہی ورق گردانی کی ہے۔ حسینؑ کے باپ کا منبر تھا اپنے منبر پر بیٹھے اور کہا کہ اللہ کے اس احسان پر شکر ہے جس نے حق کو حق کی طرف لوٹایا۔

اعتراض نمبر ۲۵۶ :- ان کے جاری کردہ رسومات کو نہایت خوش اسلوبی سے کیوں سرانجام دیا۔

جواب نمبر ۲۵۶ :- یہ غلط ہے کہ حضرت علیؑ نے جاری کردہ رسومات کو خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔ بلکہ حضرت نے برسرِ اقتدار آتے ہی ان تمام غلط رواسم کو بدلنے کا ارادہ کیا۔ یکسر پورے معاشرہ میں اصلاح کا ہونا ممکن امر نہیں ہے بلکہ معاشرتی برائیوں کا انسداد بتدریج کیا جاتا ہے۔ اگر اندرونی خلفشار اور قلتِ میعاد نہ پیش آتے تو یقیناً حضرت ان تمام رسومات کا خاتمہ کر دیتے جو خلافِ شرع ثلاثہ کے عہد میں پیدا ہو چکی تھیں۔ پھر حضرت نے بلا تاخیر مسلمانوں کا سرمایہ دارانہ رجحان بدلنا چاہا۔ بیت المال میں جھاڑو دلوائی۔ جاگیریں واپس طلب کی گئیں۔ طبقاتی فرق مٹا کر سب کا حصہ برابر قرار دیا۔ مستحق و محروم اہل افراد کو مناصب عطا کئے۔ سکریننگ کے احکام صادر کئے۔ محکمہ قضا پر اپنا کنٹرول کیا۔ قیدیوں

کی اصلاح کی کسی پر جبری رائے ٹھونپنے کی رسم کا قلع قمع کیا۔

الغرض جہاں جہاں مناسب سمجھا اور موقعہ پایا حسب الرائے

تدبر کی پوری تفصیل میں نے "صرف ایک راستہ" میں بیان

اعتراض ۲۵۷:۔ سنا گیا ہے کہ آپ لوگ

کی خلافت کو اس لئے بھی ناحق کہتے ہیں کہ رائے

میں سب حضرات جمع نہیں تھے فرمائیے یہ استدلال

کے نزدیک بھی قابل قبول ہے یا نہیں۔

جواب ۲۵۷:۔ صرف سنی سنائی باتیں نہ کیا کریں

رکھا ہے جس کو سن کر آپ کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں گے۔

ضمناً آپ کے جواب کے لئے قائم کرتے ہیں ورنہ ہمارے لئے رائے

نہیں ہے بلکہ ہم نص کے قائل ہیں۔ باقی یہ بات حضرت علیؑ کے

ہے۔ کیونکہ آپ نے اس پر بھی احتجاج کیا ہے کہ امر امارت

طے کیا گیا۔

اعتراض ۲۵۸:۔ اگر ہے تو اہل سنت کی کسی

ثابت کیجئے۔

جواب ۲۵۸:۔ ملاحظہ فرمائیے "الامامۃ و

دینوری اور اس عبارت پر غور فرمائیے جو علیؑ اور سیدہؑ نے ار

قوم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم نے رسول اللہؐ کے جنازے کو ہما

اور امر حکومت کا معاملہ خود بخود (ہماری عدم موجودگی اور بغیر مشا

اور ہمیں امیر تسلیم نہ کیا ہمارا حق واپس نہ کیا۔ عمرؓ نے ابوبکرؓ سے

والے (علیؑ) کو مت چھوڑ دے (الامامۃ و السیاسۃ حصہ

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ اہل بیتؑ نے اپنی عدم

کیا۔ کہ تم لوگوں نے ہماری غیر حاضری میں چند دروازے سے

اعتراض ۲۵۹:۔ اور اگر نہیں ہے تو سید

کا جواب دیجئے۔

ولعمری لئن کانت الامامۃ لا تنعقد حتی تحضرھا عامۃ الناس فما الی ذلک سبیل ولکن اھلھا یحکمون علی من غاب عنھا ثم لیس للشاھد ان یرجع ولا للغائب ان یختار

اگر امامت کا انعقاد عامۃ الناس کی موجودگی کے بغیر نہ ہوتا تو پھر خلافت کیلئے کوئی راہ بھی نہ نکل سکتی لیکن معتمد علیہم لوگ حاضر نہ ہونیوالوں پر حکم دیدیتے ہیں پھر نہ تو موجود رہنے والوں کو رجوع کا حق رہتا ہے اور نہ ہی غائب کو اختیار کا۔ (نہج البلاغۃ ج۲ ص۱۰۵)

جواب ۲۵۹:۔ یہ ارشاد بھی حضرت امیرؑ نے مخالفین کے جواب میں اُن کے عقائد کی روشنی میں کیا۔ کیونکہ معترضین نے کہا تھا کہ آپ کی بیعت میں غیر حاضر افراد شامل نہیں ہوئے۔ لہٰذا حضرتؑ نے سابقہ رواج کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ اگلے حاکموں کی بیعت تم لوگ اسی طرح کرتے رہے ہو کہ موجود افراد کی بیعت کو غائب کی تائید سمجھا گیا لیکن میری باری میں خود اپنے قائم کردہ اصول کی مخالفت کیوں کرتے ہو۔ حالانکہ مجھے بھاری اکثریت سے امیر تسلیم کیا گیا ہے اور اگر ایسا ہوتا کہ مجھے عوام الناس حاکم نہ منتخب کرتی تو پھر تمہارا اعتراض قابلِ توجہ تھا۔ اس فرمان میں بھی حضرتؑ نے عملِ مخالفین سے استدلال کرکے حجت تمام فرمائی ہے نہ کہ اپنا عقیدہ بیان کیا ہے۔

اعتراض ۲۶۰:۔ کیا نہج البلاغۃ ص۱۰۵ جلد۲ کی اِس عبارت سے حسبِ ذیل امور ثابت نہیں ہوتے:۔

۱۔ حضرات خلفاءؓ ثلاثہ سیدنا علیؓ کے نزدیک برحق امام تھے۔
۲۔ حضرت علیؓ انتخاب کرنیوالوں کے فیصلے سے راضی تھے۔
۳۔ حضرت علیؓ نے خلفاء اس لئے بیان فرمایا تاکہ خلفاءؓ ثلاثہ کی خلافت میں شک وشبہ نہ رہے۔

جواب ۲۶۰:۔ حضرت علیؑ کے ارشاد سے مندرجہ بالا امور میں سے کوئی بھی ثابت نہیں ہوتا صرف لوگوں کا غلط عقیدہ بیان کیا گیا ہے۔

اعتراض ۲۶۱:۔ فرمائیے آپ کے نزدیک خلافت کا مدار قرب

نسب پر ہے یا نہ ۔

جواب ۲۶۱ :۔ اسلام میں تقویٰ معیار ہے۔ اگر احرام متقی ہوں تو اللہ اُن کو مدارج میں شامل کر لیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ خلافت کا مدار در اصل نص پر ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر نے قرابتِ رسولؐ کی دلیل پر حکومت ہتھیائی ۔

اعتراض ۲۶۲ :۔ اگر قرب نسب پر ہے تو حضرت علی مرتضیٰ کے اِس قول کا کیا جواب ہے :۔

ان احق الناس بھذا الامر اقواھم علیہ واعلمھم بامر اللہ فیہ ۔

بلا شبہ امرِ خلافت کا زیادہ حقدار قوی اور اس امر میں خدا تعالیٰ کے امر کو زیادہ جاننے والا ہے ۔

جواب ۲۶۲ :۔ بے شک معیارِ خلافت حقیقی شجاعت و علم ہی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید سے ثابت ہے ۔

اعتراض ۲۶۳ :۔ اور اگر نسب پر مدار نہیں ہے تو اختلاف نہ رہا ۔

جواب ۲۶۳ :۔ ہم نے عرض کر دیا کہ خلافت کا اصل مدار نص پر ہے۔ اب چونکہ علیؑ منصوص خلیفہ ہیں اور ثلاثہ نہ ہی معصوم ہیں اور نہ ہی منصوص لہٰذا اختلاف قائم رہا اور پھر یہ کہ نہ ہی وہ قوی و شجاع تھے کیونکہ جہاد میں ان کے پیر اکھڑتے رہے ہیں اور نہ ہی عالم تھے کہ اکثر حضرت علیؑ سے علمی مسائل دریافت کرتے تھے، بلکہ قرآن ہی سے نابلد تھے کہ عورتیں بھی سرِ عام جاہل ہونے کا طعنہ دے دیا کرتی تھیں اور وہ اقرار کرنے میں شرمایا نہ کرتے تھے۔ ایسے بہت اشارے مع مکمل حوالہ جات آپ کو میری کتاب "فروع دین" میں ملیں گے۔ ملاحظہ فرما کر آئینہ بھی دیکھ لیجئے اور گریبان میں بھی جھانکئے ۔

چونکہ خلافت کا مدار تحقیق ایمان اور اعمالِ صالحہ پر ہے اسلئے ذیل میں

اعتراضات کا رُخ ان مباحث کیطرف ہوگا۔

اعتراض ۲۶۴۔ فرمائیے آپ کے نزدیک حضور علیہ السّلام کے جملہ صحابہ کرامؓ ایماندار تھے یا بعض۔

جواب ۲۶۴: حضورؐ کے سارے اصحاب مومن نہیں تھے۔ بعض کاملین و مومنین تھے۔

اعتراض ۲۶۵۔ اگر بعض ایماندار تھے اور اکثر محروم تو ان کی خصوصیت پر دلائل بیان کیجئے۔

جواب ۲۶۵: رسولِ کریمؐ کی فیصلہ کن حدیث آپ کی صحاح میں موجود ہے کہ "علی کو نہیں دوست رکھے گا مگر مومن" پس ہر مخالف اور دشمنِ علیؑ منافق ہوگا۔ یہی ایک ایسی قاطع دلیل ہے کہ کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے اسے توڑ کر دکھائیے۔

اعتراض ۲۶۶: اور جو اکثر ایمان سے محروم ہیں ان کے متعلق تشریح کیجئے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ایمان سے محروم تھے یا آپ کے زمانہ میں ایماندار تھے اور آپ کی وفات کے بعد ایمان سے خالی ہوگئے۔

جواب ۲۶۶: حضورؐ کے زمانہ ہی میں بعض لوگ منافق تھے اور ایمان سے محروم تھے۔ بعض ایسے بھی بدبخت ہوئے کہ وفاتِ رسولؐ کے بعد ایمان سے خالی ہوئے۔

اعتراض ۲۶۷: اگر آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضورؐ کے زمانہ میں ہی مسلمان نہیں ہوئے تو ذیل کی آیت کا جواب دیجئے:

والذین امنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین اووا ونصروا اولئک ھم المومنون حقا لھم مغفرۃ ورزق کریم

اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں جہاد کئے اور جن لوگوں نے جگہیں دیں اور امداد دیں یہی ہی وہ لوگ سچے ایماندار ہیں

ان کیلئے بخشش اور پسندیدہ روزی ہے۔

جواب نمبر ۲۶۷:۔ اِس آیت سے مخصوص صحابہ کرام مراد ہیں۔ جو مومن تھے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت و جہاد کیئے اور "اولئک ھم المومنون حقاً" سے خود خدا نے تخصیص کر دی۔ یہ آیت ہر صحابی کے لئے ہرگز نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۲۶۸:۔ جب صحابہ کرام کی ایمانی کیفیت کی شہادت علیم بذات الصدور نے دیدی تو انکار کی کیا وجہ ہے۔

جواب نمبر ۲۶۸:۔ اوّلاً تو خدا نے تمام اصحاب کی شہادت ہی نہیں دی اور اگر بالفرضِ محال آپ کا زعم باطل مان لیا جائے تو جواب دیجئے جب حضورؐ کی وفات کے فوراً بعد حضرت ابوبکر نے فتنہ زکواۃ کو فتنہ ارتداد کہہ کر ہزاروں بے گناہ صحابیوں کو مرتد قرار دیا۔ اور انہیں موت کے گھاٹ اتارا۔ کیا اس وقت آپ کے صدیق و فاروق کو اللہ میاں کی مبینہ شہادت بھول گئی تھی۔ یا یہ ظلم مسلمانوں پر ہوا؟ دونوں صورتیں آپ کے لئے زہر ہیں کسی ایک کو قبول کیجئے اور خودکشی کا ارتکاب فرمایئے۔ باقی میرا جواب یہ ہے کہ جن اصحابؓ کی ایمانی کیفیت بمطابق شہادتِ قرآن تھی بلاشبہ وہ مومنین و صالحین تھے۔ اور مومن کی پہچان یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "نہیں دشمن رکھے گا تجھے اے علیؑ کوئی مگر منافق۔" (مسلم شریف) چنانچہ مشکواۃ المصابیح میں ہے کہ صحابہ منافقین کو صرف بغضِ علیؑ سے شناخت کرتے تھے۔ پس جو بھی علیؑ سے بغض رکھتا تھا وہ ہرگز مومن نہ تھا۔ اور جب ایمان ہی نہیں تو آیت سے فضیلت کیا ملے گی۔

نوٹ:۔ کتاب جلاء الاذہان میں اب اعتراض نمبر ۲۶۹ کی بجائے نمبر ۲۸۴ تا نمبر ۲۸۵ اعتراض ہیں اور نمبر ۲۸۵ کے بعد نمبر ۲۶۹ سے نمبر ۲۷۷ ہیں لیکن ہم یہاں صحیح ترتیب سے نقل کر رہے ہیں تاکہ تسلسل قائم رہے۔ غالباً کاتب سے سہو کتابت ہوا ہے۔

اعتراض نمبر ۲۶۹:۔ کیا مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ خالص ایمانداروں کے لئے نہیں ہوتا۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو قرآن سے انحراف کی وجہ کیا ہے۔

جواب نمبر ۲۶۹:۔ بالکل مغفرت کا اور رزقِ کریم کا وعدہ خالص و متقی مومنین کے لئے ہے ہم کب اس سے انکار کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲۷۰:۔ اگر صحابہ کرامؓ بقول شما بعض دنیاوی مفاد کی خاطر ایمان لائے تھے تو فرمائیے اس وقت مکہ معظمہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دور مغلوبیت کا تھا یا غلبے کا۔

جواب نمبر ۲۷۰:۔ ہم پر بقول شما کہہ کر الزام نہ لگائیے۔ یہ بات قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ بعض اصحاب دنیوی مفاد کی خاطر مسلمان بنے جس کا بیان ہم وقتاً فوقتاً کرتے جائیں گے اور حضور علیہ السلام پر مکہ میں مغلوبیت کا دور تھا۔ لیکن ہونہار بروا کے چکنے چکنے پاتوں سے خوب واقف تھے۔ بلکہ آپ کی تبلیغی سرگرمیوں سے تنگ آکر مشرکین مکہ تک نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ حسن اور تخت آپ کے قدموں میں ڈال دیئے تھے مگر آپ نے ٹھوکر مار دی۔

اعتراض نمبر ۲۷۱:۔ اگر دور غلبے کا تھا تو وطن مالوف سے ہجرت کی کیا وجہ تھی طائف کے میدان میں تکلیفیں کیوں جھیلیں؟

جواب نمبر ۲۷۱:۔ بظاہر دور غلبے کا نہ تھا۔

اعتراض نمبر ۲۷۲:۔ اور اگر مغلوبیت کا دور تھا تو پھر دنیاوی مفاد مفقود رہا۔ جب دنیاوی مفاد مفقود رہا تو لامحالہ ان کا ایمان رضائے خداوندی کی خاطر ہی ہوگا۔ فرمائیے انکار کے وجوہ کیا ہیں؟

جواب نمبر ۲۷۲:۔ دنیا امید پر قائم ہے۔ روشن مستقبل نظر آتا تھا۔ ہر تحریک کا آغاز و عنوان اس کی کامیابی و ناکامیابی کی عکاسی کرتا ہے۔ عرب منجھے ہوئے اور معاملہ فہم لوگ تھے۔ لہٰذا بعض لوگوں نے بھانپ لیا کہ ایک نہ ایک دن اسلام کا ستارہ چمک اٹھے گا۔ گذشتہ کتب و صحائف میں بشارتیں موجود تھیں۔ کچھ لوگوں کو حاکم بننے کے خواب بھی آہی جاتے تھے۔ پھر مصائب کی سختی اور مسلمانوں کا ثبات اور حضورؐ کی مستقل مزاجی اور پختگی سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ یہ اٹھی ہوئی آواز دب نہ سکے گی۔ لہٰذا کئی افراد مختلف امیدیں وابستہ کئے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ دنیوی مفاد کی معمولی سی مثال ملاحظہ کر لیجئے۔ صاحب جامع الاصول نے محدث ترمذی، امام نسائی، طیالسی، سعد بن منصور، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن خزیمہ، ابن مردویہ

بیہقی اور علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ ایک زن (حسینہ) حضورؐ کے پیچھے نماز پڑھا کرتی تھیں۔ کچھ صحابہ اس کی وجہ سے پہلی صف میں کھڑے ہوتے تاکہ اس پر نظر نہ پڑے لیکن بعض اصحاب پچھلی صف میں قصداً کھڑے ہوئے اور جب رکوع کرتے تھے تو اپنی بغل کے اندر سے اس (عورت) پر نظر ڈالتے تھے۔ جس پر آیت و لقد علمنا المستاخرین الخ نازل ہوئی۔ (تفسیر در منثور جلد ۴ ص ۹۷)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ صحابہ میں بعض صحابی دنیا پرست تھے۔ واضح ہو کہ واقعہ مذکورہ قبل از ہجرت کا ہے۔

اعتراض ۲۷۳ :۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ صحابہ کرام روزِ اوّل سے العیاذ باللہ ایمان دار نہیں تھے تو فرمایئے قرآن مجید کی قرآنی آیت میں سابقین اوّلین مہاجرین و انصار اور ان کے متبعین کے لئے جنّت کی ابدالآباد تک رہنے کی بشارت کیوں دی گئی ہے؟

جواب ۲۷۳ :۔ والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنت تجري تحتها الانهار خلدين فيها ابدا ذالك الفوز العظيم (توبہ ۱۰۰)

اور مہاجرین و انصار میں سے سبقت کرنیوالوں اور جن لوگوں نے اُن کی اتباع کی خدا اُن سے راضی اور وہ خدا سے راضی اور اُن کے لئے جنت کے باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہیں تیار کر رکھے ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے یہی تو بڑی کامیابی ہے۔

غیر شیعہ مسلمانوں کا خیال ہے کہ یہ آیت جملہ اصحابِ رسول کی فضیلت میں ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ سیاق کلام پر نظر فرمایئے اور من المهاجرين والانصار پر غور کیجئے۔ یعنی مہاجرین و انصار سے جس نے سبقت کی۔ چونکہ انصار میں صفت مہاجرین نہیں ہے لہٰذا اہلِ سنت بتائیں کہ ان میں سے کس نے ہجرت کی۔ تاکہ "من" کی تصدیق ہو جائے۔ دراصل اس آیت میں کسی فرد کی تعریف نہیں ہے بلکہ مہاجرین، انصار اور ان کے تابعین کے اس فعل کی مدح ہے جس میں انہوں نے سبقت

حاصل کی۔ اب یہ امر تنقیح طلب ہے کہ وہ فعل کیا ہے۔ وہ کون سا کام ہے جس میں مخصوص حضرات سابق ہو کر لائق مدح ہوئے ہیں۔ واضح ہو کہ محض ہجرت لائق ستائش نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے ساتھ اور باتیں بھی ضروری ہیں۔ مثلاً اگر کوئی منافق مکہ سے مدینہ آیا ہو اور ایمانِ کامل اور عملِ صالح اور جہاد فی سبیل اللہ میں اس نے کوئی حصہ نہ پایا ہو تو صرف ہجرت اس کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ تکمیل ایمان کے لئے جمیع شرائط کا پورا کرنا لازمی ہے۔ سبقت سے اس جگہ مراد خدا و رسولؐ پر ایمان لانے سے اور جہاد فی سبیل اللہ کرنے سے ہے۔ دیگر آیاتِ قرآن پر نظر کرنے سے باحسن الوجوہ یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ پس دونوں صفات میں جس جس صحابی کی سبقت پایۂ ثبوت کو پہنچے وہی اس آیت کی تعریف کا مستحق ہے۔ اور ان ہی بزرگوں کی اتباع کرنے والے ممدوح ہونگے۔ اور ظاہر ہے کہ شیعہ کسی بھی صاحبِ ایمان و صاحبِ جہاد صحابی سے مخالفت نہیں رکھتے۔ بلکہ جن اصحاب کو وہ واجب الاتباع نہیں جانتے ان پر الزام ہی نقصِ ایمان و فرار کا عائد کرتے ہیں۔ پس جب قرآن میں "من" سے تخصیص و تبعیض ثابت ہے اور شیعہ متقی و مومن و غیر فرار اصحاب سے نیک گمان رکھتے ہیں تو پھر اعتراض کیسا؟ باقی یہ آیت تمام صحابیوں کے لئے ہرگز نہیں ہے کہ سب کو جنت کی بشارت دی گئی ہے بلکہ بعض کو جن کا ایمان کامل تھا۔ واضح ہو کہ اگر سبقت سے مراد یہاں سبقت الایمان نہ لی جائے تب بھی ہجرت کی سبقت مکہ سے مدینہ جانے والوں کی بجائے مہاجرین حبشہ کے لئے ثابت ہو گی جو کہ جعفر طیار علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے کی۔ حضرت ابوبکر و عمر کی ہجرت دوسرے نمبر پر آئے گی۔ حالانکہ علمائے اہل سنت نے تسلیم کیا ہے کہ سبقت سے مراد اصول ایمان ہے۔ جیسا کہ ابن مغازلی نے سابقون کی تفسیر میں ایسا ہی لکھا ہے۔ پس معترض کا مقصد دونوں صورتوں میں پورا نہیں ہوتا ہے۔ صحابہ میں منافقین کی موجودگی کا انکار دراصل قرآن سے انکار ہے۔ لہٰذا یہ بشارت جملہ اصحاب النبیؐ کے لئے ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۲۷:- کیا غیر مومن کے لئے بہشت کا استحقاق شریعتِ مطہرہ میں ثابت ہے۔

جواب ۲۷۴:۔ جی نہیں۔

اعتراض ۲۷۵:۔ اگر وہ مومن کامل نہ تھے تو رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا مطلب کیا ہے۔

جواب ۲۷۵:۔ جن کے لئے ایسا کہا گیا ہے وہ ضرور مومن کامل تھے کیونکہ وہ ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجالائے جن کے عوض وہ حقدار جنت بنے۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ خدا سے راضی ہوئے۔ مگر جو جہادوں میں پیٹھ دکھا کر غضب خدا لے کر پلٹتے رہے نہ ہی اللہ اُن سے راضی ہوا اور نہ ہی اُن سے ایسا وعدہ کیا۔

اعتراض ۲۷۶:۔ کیا فوز عظیما بڑی کامیابی ایمانداروں کے بغیر کسی کے لئے ہو سکتی ہے؟

جواب ۲۷۶:۔ جی نہیں۔ مگر اتنا تو بتایئے کہ جب سارے صحابی فوز عظیم پر فائز تھے تو پھر عشرہ مبشرہ بنانے کی ضرورت کیوں پیش آگئی۔ کیا ان دس کے علاوہ باقیوں کی آخرت مشکوک ہے؟

اعتراض ۲۷۷:۔ کیا قرآن مجید میں صحابہ کرامؓ کے ایمان کو مقبولیت کا معیار نہیں بنایا گیا۔

فان امنو بمثل ما امنتم بہ فقد اھتدو فان تولو فانما ھم فی شقاق۔ پس اے صحابہ کرام اگر وہ منافق تمہاری طرح ایمان لے آئیں تو وہ پس وہ ہدایت پا گئے پس اگر وہ پھر جائیں تو بلاشبہ وہ بدبختی میں ہیں۔

جواب ۲۷۷:۔ اس کا جواب اعتراض ۲۷۸ کے جواب میں ملاحظہ کریں۔

اگر آپ اپنا ترجمہ درست ثابت کر دیں تو ہم اپنا مذہب چھوڑ دیں گے۔ ازراہ مہربانی "پس اے صحابہ کرام اگر وہ منافق" کے الفاظ کی عربی آیت منقولہ میں بتلایئے۔ ورنہ سورۂ بقر میں خدا کی اس آیت کے مصداق ٹھہریئے۔ "والذین اختلفو فی الکتٰب لفی شقاق بعید۔" تحقیق وہ لوگ جنہوں نے کتاب (اللہ) میں رد و بدل کیا وہ شقاق

بعید میں ہیں "نیز برائے نوازش بتایئے شقاق کے معنی بدبختی کہاں مرقوم ہیں جبکہ "ش" مکسور ہے۔ اگر "شُقاق" ہوتا تو پھر بھی مان لیتے۔ مگر آپ بھی کیا کریں آپ کے اماموں کی شناخت بھی تو قرآن نے یہی بتائی۔ لہٰذا آپ اُن کی سنت سے کیسے باز رہ سکتے ہیں۔ بہرحال اپنے کئے کا بدلہ تو آپ کو اللہ میاں ہی دے گا ہم صرف یہ عرض کریں گے ذرا شیعوں کے خلاف لکھتے ہوئے یہ ملحوظ رکھا کریں کہ یہ باب مدینۃ العلم کے گداگر ہیں۔

اِس آیت میں خدا نے خود صحابہ کو دو طبقوں میں بتایا ہے ایک جماعت کا ایمان مقبولیت کا معیار ہے اور دوسرے کا ناقص پس ہم صحابہ کے اول الذکر طبقہ کو صدق دل سے کامل الایمان اور متقی مانتے ہیں۔ اور دوسرے صحابیوں کے گروہ کو ضالین و مغضوبین سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ

لیجعل ما یلقی الشیطٰن فتنۃ للذین فی قلوبھم مرض والقاسیۃ قلوبھم وان الظٰلمین لفی شقاق بعید ٥(الحج)	اور شیطان جو (وسوسہ) ڈالتا ہے تو اس لئے تاکہ خدا ان لوگوں کی آزمائش کرے جن کے دلوں میں مرض ہے اور جن کے دل سخت ہیں اور بیشک ظالمین پہلے درجہ کی دشمنی میں ہیں۔

پس ہم ایسے ظالمین صحابہ کا ایمان مقبول نہیں سمجھتے۔

اعتراض ۲۷۸:۔ شقاق کا معنی بتایئے اور یہ بھی بتایئے کہ صحابہ کرام کے مخالفین جب شقاق میں ہوتے تو صحابہ کرام کے لئے کون سا لقب تجویز کیا جائے گا۔

جواب ۲۷۸:۔ شِقاق کے معنی مخالفت کرنا اور دشمنی رکھنا ہیں۔ ہم اُن صحابیوں کے شقاق میں ہیں جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ "بے شک جو لوگ ان باتوں کو جو خدا نے کتاب میں نازل کی ہیں چھپاتے ہیں اور اس کے بدلہ میں تھوڑی سی قیمت (دنیوی نفع) لے لیتے ہیں۔ یہ لوگ بس انگاروں سے اپنے پیٹ بھرتے ہیں۔ اور قیامت کے دن خدا ان سے کلام تک نہ کرے گا اور نہ ان کا تزکیہ کریگا اور ان ہی کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کی بجائے

گمراہی مول لی اور بخشش کے بدلے عذاب۔ پس وہ لوگ دوزخ کی آگ کو کیونکر برداشت کریں گے یہ اس لئے کہ خدا نے برحق کتاب نازل کی اور بے شک جن لوگوں نے کتاب خدا میں رد و بدل کی وہ بڑے پرلے درجہ کی مخالفت میں ہیں۔ نیکی صرف یہی تو نہیں ہے تم اپنے منہ (نماز میں) مشرق یا مغرب کی طرف کرلو بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے جو خدا اور روزِ آخرت اور فرشتوں اور کتاب اور انبیاء پر ایمان لائے اور اس کی محبت میں اپنا مال ذوی القربیٰ اور یتیموں اور محتاجوں اور پردیسیوں اور مانگنے والوں اور لونڈی غلام (کی آزادی) میں صرف کرے اور نماز کو قائم کرے۔ اور زکوٰۃ دیتا رہے۔ اور جب کوئی عہد کیا تو اسے وفا کرے اور فقر و فاقہ رنج سختی اور کٹھن اوقات پر صبر و استقامت کرے یہی لوگ وہ ہیں جو (دعویٰ ایمان میں) سچے نکلے (ان میں سے) اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔"

(سورۃ البقرہ، ۱۷۴-۱۷۷، پ ۲)

ظاہر ہے کہ ان آیات کے اولین مخاطب و مراد جملہ اصحاب نبیؐ ہیں۔ اور جماعتِ صحابہ ہی میں ایک جماعت ایسی زمانۂ رسولؐ میں موجود تھی جو خدا کے نازل کردہ احکام کو چھپاتی تھی اور دنیوی حرص و طمع میں اپنے پیٹ بھرنا اس گروہ کا پیشہ تھا۔ نہ ہی ان کا تزکیہ ہوا اور نہ ہی خدا ان پر راضی کہ اللہ روزِ قیامت اُن سے بات تک نہ کریگا یہی وہ صحابہ کی جماعت تھی جنہوں نے ہدایت کی بجائے گمراہی خریدی اور بخشش کے بدلے آتشِ جہنم کے سزاوار ہوئے اور خدا کے اس معتوب گروہِ صحابہ کی وجہ بدبختی یہ بتائی ان لوگوں نے کلامِ ربانی میں ردّ و بدل کیا یعنی تحریف کتاب کے مرتکب ٹھہرے۔ (معلوم ہوا کہ صحابہ نے یہ فعل ضرور کیا ورنہ آیت بیکار ہو گی) اور پھر یہ کہ بظاہر یہ لوگ نیکوکار ہونے کا بھی دعویٰ کرتے تھے اور خوب نمازیں پڑھتے تھے جو اللہ نے خصوصاً مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے کا ذکر کیا۔ نیز اس جماعتِ صحابہ نے نقص ایمان و اعمال کے ساتھ عہد میں بھی بے وفائی کی۔ نہ ہی یہ سچے مومن تھے اور نہ ہی متقی نہ ہی صابر۔

پس ایسے خصائل کے حامل تمام اصحاب سے ہم مخالفت رکھتے ہیں اور ان صحابیوں کے لئے غیر ہدایت یافتہ، گمراہ اور دشمن خدا و رسولؐ کے القابات تجویز کرتے ہیں

جو کہ کلام ربانی سے ثابت ہیں۔ باقی جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نیکو کار مطیع خدا اور رسولؐ اور دوستان آلِ محمد علیہم السلام تھے ہم اُن پر اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار ہیں۔ اُن کے مدارح کے منکر کو کافر سمجھتے ہیں۔ اور ہماری کُتب اصحاب اخیار کے فضائل و مراتب کی قصیدہ خوانی سے بھرپور ہیں۔

اعتراض ۲۷۹ :- واذا قیل لھم اٰمنوا کما اٰمن الناس میں الناس سے مراد کون لوگ ہیں اور الناس پر الف لام نحوی لحاظ سے کونسا ہے۔

جواب ۲۷۹ :- ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاٰخر وما ھم بمؤمنین اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم خدا پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ ہرگز ایمان نہیں لائے۔ (بقرہ ۸) اس میں شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے یہ آیت بھی اصحاب رسولؐ میں کے اُن افراد کے متعلق ہے جو خود کو ایماندار کہلواتے تھے مگر دل سے ایمان نہیں لائے تھے۔ اسی طرح اعتراض میں منقول آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تم بھی ویسا ایمان لاؤ تو وہ کہتے ہیں کیا ہم بھی کوئی ان جیسے بے وقوف ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ مجمع اصحاب اور دعویداران ایمان میں دو طبقے تھے ایک خالص مومن اور دوسرے غیر خالص مسئولہ لوگوں سے مراد متقی اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم ہیں۔ اور "الناس" پر الف لام تخصیصی ہے یعنی مخصوص لوگوں کے لئے ہے جو خلوص نیت سے ایمان لائے ہیں۔ اور قرآن ایسے ہی افراد بابرکات کے لئے ہادی ہے کہ البیان للناس وھدی للمومنین المتقین۔

اعتراض ۲۸۰ :- قالوا انؤمن کما اٰمن السفھاء میں منافقین نے معترضانہ جملہ کن کے حقوق میں استعمال کیا تھا۔ کیا وہ صحابہ کرام تو نہیں تھے سوچ کر جواب مرحمت فرمائیے۔

جواب ۲۸۰ :- نام نہاد ایمانداروں اور منافق اصحاب نے یہ طنز متقی

اصحابِ رسول رضوان اللہ علیہم کے بارے میں کہا تھا نہ کہ انہوں نے اپنے جیسے ان لوگوں کے لیے کہ جن کی بابت اللہ نے کہا "یخدعون اللہ والذین امنوا وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون" یعنی خدا کو اور ان لوگوں کو جو مومن (خالص) ہیں دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ وہ خود اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں اور کچھ شعور نہیں رکھتے۔" اب صاف ظاہر ہے کہ خطاب اوّلین صحابہ ہی میں کے اُن افراد سے ہے جن کے دلوں میں نفاق تھا۔ پس ثابت ہے تمام صحابہ یہاں مراد نہیں بلکہ صحابیوں کی وہ جماعت ہے جو متقی تھے۔

اعتراض ۲۸۱:۔ الا انھم ھم السفھاء ولکن لا یعلمون میں کیا بے وقوف اور جاہل خدا تعالیٰ نے صحابہ کرام کے ایمان کے منکروں اور دشمنوں کو تو نہیں فرمایا۔

جواب ۲۸۱:۔ یہ بات کہ "خبردار ہو جاؤ یہی لوگ بے وقوف ہیں اور علم نہیں رکھتے" خدا نے صحابہ کی اس جماعت کو فرمایا ہے کہ فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا ولھم عذاب الیم ۵ بما کانوا یکذبون۔ بقرہ یعنی ان کے دلوں میں مرض ہے ہی خدا نے اس مرض میں اضافہ کیا اور ان کیلئے تکلیف دہ عذاب ہے کیونکہ یہ جھوٹ بولتے تھے اور صاف ظاہر ہے کہ یہ گروہ بظاہر مومن کہلواتا تھا اور رسولؐ کی محفل و مجالس میں بیٹھتا تھا یعنی صحبت پیغمبرؐ ان کو حاصل تھی مگر دل کے کالے تھے۔ پس اصل و اوّل مخاطب آیہ مذکورہ دریں اعتراض صحابیوں کا یہی ٹولہ تھا جو متقی و کامل اصحاب رضی اللہ عنہم سے ٹھٹھہ کیا کرتا تھا اور اُن کا مخالف تھا۔

اعتراض ۲۸۲:۔ اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور۔ اللہ تعالیٰ سرپرست ہے ایمانداروں کا اندھیروں سے نکال کر ان کو اجالے میں لے جاتا ہے" میں اولاً بالذات جن لوگوں کے متعلق خدا تعالیٰ نے سرپرستی کا اعلان فرمایا ہے اور ان کو

ظلمات سے نور کی طرف لانے کا ذکر فرمایا ہے ان سے مراد صحابہ کرام ہیں یا حضرت علی اور حضرات حسنین بکرمین۔

جواب ۲۸۲:۔ اس سے مراد وہ اصحاب باوفا وعارفین ہیں جو دولت ایمان سے مالامال ہوئے اور نور محمدؐ کی طرف آئے۔ یہاں نور سے حضرت محمد علی فاطمہ حسن حسین علیہم السلام مراد ہیں کیونکہ خدا نے سب سے پہلے ان کا نور خلق کیا۔ سب وہ مومن جنہوں نے اندھیروں کو چھوڑ کر نور اہل بیتؑ سے روشنی لی اس آیت کے مصداق ہیں نہ کہ وہ صحابی جنہوں نے اس نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانے میں کوئی کسر باقی نہ اٹھا رکھی۔

اعتراض ۲۸۳:۔ اگر آیت میں عترت رسول مقبولؐ مراد لی گئی ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ آپ حضرات ان کو معصوم سمجھتے ہیں اور اس میں ظلمات سے نکالنے اور نور ایمان میں لے آنے کا ذکر ہے جو کہ اوّل زمانہ میں غیر معصومیت پر دلالت کرتا ہے۔

جواب ۲۸۳:۔ اگر آیت میں عترت رسول بھی مراد لے لی جائے تو بھی مانع معصومیت نہیں ہے کیونکہ نور محمدؐ بہرحال مخلوق نور ہے اور خلقت سے قبل ان کا وجود نہ تھا جبکہ اللہ خالق موجود تھا ظلمات کے معنی صرف گمراہی نہیں بلکہ حقیقی مطلب تاریکی ہے۔ عترت کے لئے ایمان میں لانے کا سوال ہی نہیں جبکہ خود رسولؐ نے حضرت علیؑ کو روز خندق فرمایا کہ یہ کُل ایمان ہے۔ پس جس نے علیؑ کو چھوڑ دیا کُل ایمان کو چھوڑ دیا اور ایمان سے اپنے سارے رشتے منقطع کر لئے خواہ کوئی صحابی ہو یا تابعی۔

اعتراض ۲۸۴:۔ اور اگر صحابہ کرام مراد ہیں تو پھر ان کے ایمان میں شبہ کرنا غلط ہے جبکہ ان کا مذہب کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔

جواب ۲۸۴:۔ جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا مذہب نورانی تھا اور وہ نور محمدؐ سے متمسک تھے ان کے ایمان پر شبہ کرنا بے ایمانی کی دلیل ہے لیکن جو اصحاب اس نور کے منکر تھے ان کو مومن کہنا نفاق کی علامت ہے کیونکہ یہ اصحاب ایسے تھے کہ منہ میں رام رام بغل میں چھری اور خدا نے ان صحابیوں کی کیفیت بایں الفاظ

بیان کی ہے کہ "اور جب ان لوگوں سے ملتے ہیں جو (حقیقی) مومن ہیں تو کہتے ہیں ہم تو ایمان لائے ہوئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ تخلیہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھی ہیں۔ ہم تو (اصل مومنوں) کو بناتے ہیں خدا ان کو بناتا ہے اور ان کو ڈھیل دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں غلطاں و پیچاں رہیں پس ہم ان ہی جیسے صحابیوں کے ایمان پر شبہ کرتے ہیں جو صحیح ہے اور قرآن سے ثابت ہے۔

اعتراض ۲۸۵ :۔ فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم فی الامر۔ پس آپ ان سے درگذر فرمایئے اور ان کے لئے بخشش طلب فرمایئے اور ان سے مشورہ طلب فرمایئے۔

ہیں فرمایئے حضور علیہ السلام کو کن لوگوں سے مشورہ لینے کا حکم دیا گیا ہے صحابہ کرام سے یا عترت رسول مقبول سے۔ اگر عترت رسول مقبول سے ہے تو استغفر لهم کا کیا جوڑ ہے۔

جواب ۲۸۵ :۔ اس آیت کا جواب ہم نے اعتراض ۲۱۸ کے جواب میں لکھ دیا ہے۔ دوبارہ ملاحظہ کرلیں۔

اعتراض ۲۸۶ :۔ اگر صحابہ کرام مراد ہیں تو بر سبیل عدم ایمان ان کے لئے اعلان معافی حکم مغفرت اور ترغیب مشاورت کیوں ؟

جواب ۲۸۶ :۔ صحابہ میں سے مخصوص لوگ مراد ہیں نہ کہ سارے کے سارے اس کا جواب ہم اعتراض ۲۷۸ اور ۲۸۵ میں دے چکے ہیں۔ دوبارہ ملاحظہ فرما لیجئے۔ باقی صحابہ میں سے ایسے بھی صحابی تھے جن کے بارے میں خدا اپنے رسولؐ کو خبردار کئے ہوئے تھا لیکن نہ ہی حضورؐ ان کو علانیہ جتاتے تھے اور نہ ہی خدا۔ مومن اصحاب بھی اُن سے ناواقف تھے زیادہ سے زیادہ محبت علیؑ کی کسوٹی استعمال کر کے شناخت کر لیتے تھے۔ یہ صحابی بقول مفہوم قرآن مجید ایسے تھے "یہ لوگ (موجود صحابیوں میں سے) منہ سے تو کہہ دیتے ہیں کہ آپ کی اطاعت کرتے ہیں لیکن جب تمہارے اس سے چلے جاتے ہیں (صحبت و مجلس برخاست ہوتی ہے) تو بعض لوگ (صحابی)

تمہاری باتوں کے خلاف راتوں میں مشورہ کرتے ہیں۔ اللہ اُن کے نامۂ اعمال میں لکھ لیتا ہے۔ تم اس کا کوئی خیال نہ کرو اور خدا پر توکل رکھو خدا ہی تمہارا وکیل ہے۔" (سورہ نساء پ۵) اس خصلت کے صحابیوں کے لئے نہ ہی اعلانِ معافی ہوا، نہ ہی حکمِ مغفرت اور نہ ہی ترغیبِ مشاورت۔ البتہ جو صحابہ کرامؓ مومن خالص تھے اور محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے مطیع و مودت گذار تھے ان کے مراتب ان باتوں سے بھی بلند تھے اور صحابہ کرام کے فضائل سے ہماری کتابیں بھری پڑی ہیں اور اُن سے عقیدت رکھنا ہمارا سر و برِ ایمان ہے۔

اعتراض ۲۸۷۔ حضرت کے زمانہ میں جو لوگ قتل و قتال اور میدانِ جہاد میں رحلت کر جاتے تھے ان کو کس لقب سے ملقب کیا جائے موتیٰ سے یا شہدا سے؟

جواب ۲۸۷۔ اگر مقتول صاحبِ ایمان ہے اور جہاد فی سبیل اللہ میں قتل ہوا ہے تو اسے شہید کہا جاتا تھا۔ کیونکہ اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے۔ اگر کوئی مسلمان جہاد محض لوٹ مار اور غنیمت یا لونڈی باندی کی غرض سے کر رہا ہو اور قتل ہوا تو شہید نہیں۔

اعتراض ۲۸۸۔ اگر موتیٰ سے یاد کیا جائے تو آیت کا کیا جواب ہے

لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ اموتا ط بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتٰھم اللہ من فضلہٖ ط

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کئے گئے ان کو مردہ گمان مت کرنا بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں رزق دیئے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جو ان کو عطا کرتے ہیں۔

جواب ۲۸۸۔ بے شک جو راہِ خدا میں جہاد کرتے ہوئے حالتِ ایمان میں قتل ہو وہ "شہید" ہے۔

اعتراض ۲۸۹۔ کیا بے ایمان لوگوں کے لئے بھی خدا تعالیٰ کی

طرف سے رزق ملے گا۔ کیا خوف وحزن کا اٹھا لینا اور نعمتوں سے مالامال کر دینا اور فضلِ عمیم کا عطا ہونا ان کے ایمانِ کامل پر دلالت نہیں کرتا ؟

جواب نمبر ۲۸۹ :- بے ایمانوں کو خدا کی طرف سے رزق تو ملتا ہے کہ وہ ذات رب العالمین ہے۔ البتہ وہ خاص رزق جو شہدا اکرام کے لئے مخصوص ہے اسے بے ایمان سونگھ بھی نہ سکیں گے۔ ایسے شہدا رضوان اللہ علیہم جن کو متذکرہ بالا نعمات حاصل ہوئیں بلاشبہ مومنین کاملین تھے۔ ہم ہر سانس کے ساتھ ان کے لئے رحمت کے طلبگار ہیں۔ مگر وہ صحابی جو صحبتِ رسولؐ میں تو رہے مگر اس پاک صحبت کا فیض واثر نہ پایا۔ ان برکات کے مستحق نہ تھے۔ بلکہ میں تو انہیں صحابی کہنا بھی درست نہیں سمجھتا۔ ان نام نہاد اصحاب کے پَیر جہاد میں جما نہ کرتے تھے۔ البتہ غنیمت کی طرف بڑی تیزی سے بھاگا کرتے تھے۔ میدان سے فرار اُن کی عادت بلکہ فطرت تھی۔ بیعتِ رضوان سے پہلے کا قصہ تو چھوڑیئے۔ حنین میں اصحاب کے بزدلانہ جہاد کی صوتی تصاویر قرآن مجید میں دکھائی گئی ہیں۔ کریم نبی پکارتے تھے (یا انصار اللہ یا انصار رسول اللہ انا عبد اللہ و انا النبی) مگر صحابی حضرات کی دوڑ ایسی کمر ریل کیا بھاگے۔ اصاحب "روضۃ الصفا" جہاد سے بھاگنے والے صحابہ کی حالت بایں عبارت رقم کرتے ہیں۔ "ہر چند حضرت اشارت بصبر وثبات میفرمود مگر از غایت دہشت کہ بر مسلمانان استیلا ریافتہ بود ہیچکس روئے باز پس نمیکرد" پس ایسے بھگوڑے صحابی تفضلِ خدا سے محروم ہیں۔

اعتراض نمبر ۲۹۰ :- کوئی اعتراض نہیں ہے۔

جواب نمبر ۲۹۰ :- اب اعتراضات کی کل تعداد ایک ہزار کی بجائے ۹۹۶ رہ گئی ہے۔

اعتراض نمبر ۲۹۱ :- اگر وہ ایمان دار نہیں تھے تو آیت مقدسہ کے آخر میں خدا تعالیٰ نے کن لوگوں کے حق میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ

ایمان داروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔

جواب ۲۹۱ :- آپ نے سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۶۹ اور ۱۷۰ کا ٹکڑا نقل کیا ہے۔ اس میں اجر کو ضائع کرنے کا بیان نہیں ہے۔ اور نہ ہی آیت ۱۷۰ کے آخر میں یہ بات ملتی ہے۔ البتہ آیت ۱۷۱ میں خدا نے مومنین سے وعدہ کیا ہے کہ ان کا اجر ضائع نہ کیا جائے گا۔ جبکہ مجیب کو مومنین صحابہ کرامؓ سے کوئی بحث نہیں بلکہ ہم غیر مومن اصحاب سے علانیہ کدورت رکھتے ہیں۔ جن لوگوں کے حق میں اللہ نے "اجر" کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے ان کی شان بھی خدا نے اگلی آیت میں بیان کر دی ہے کہ "جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی خدا اور رسولؐ کا کہنا مانا اور جن لوگوں نے نیکی کی اور متقی رہے ان کے لئے اجرِ عظیم ہے" (نہ کہ سب کے لئے) آلِ عمران ۱۷۲۔ واضح ہو کہ یہ آیات جنگِ احد سے متعلق ہیں اور اس میں ثلاثہ کا فرار صحاح ستہ سے ثابت ہے مکمل تفصیل میری کتاب "فروعِ دین" میں دیکھ لیں۔ کوئی حالتِ خوف میں ایسا بھاگا کہ خود اعتراف کیا کہ میں بکری کی طرح کودتا پھدکتا پھرتا تھا۔ (صحیح بخاری) اور بڑے شیخ جی تو منادی کرنے لگے تھے کہ "قد قتل محمد فارجعوا الی دینکم" یعنی اے قوم (معاذ اللہ) محمدؐ تو قتل ہو گئے ہیں تم لوگ اپنے (پرانے) دین پر پلٹ جاؤ۔ اب بتلایئے جن لوگوں کے ایمان و جہاد کی یہ کیفیت ہو خدا ان کے ثواب کی ضمانت کیسے دے سکتا ہے پہلے ان لوگوں کا جہاد فی سبیل اللہ ثابت کر دو پھر ان کے ایمان کی بحث کرو۔ ہم تو لمبی چوڑی بات ہی نہیں کرتے دو حرفہ چیلنج پوری ذمہ داری سے ہر خاص و عام کو دیتے ہیں کہ اگر ثلاثہ مجاہد تھے تو جنگِ احد میں ان تینوں کے صرف تین مقتول کسی تاریخی حوالہ صحیح سے مع مکمل نام و تعارف سے آگاہ کریں۔ چلئے یہ بہت مشکل مہم ہے۔ صرف اتنا بتا دیجئے کہ ان کو غزوۂ احد میں کتنے زخم لگے کیونکہ آیت میں علامت یہی مذکور ہے لہٰذا بات محدود قرآن میں رکھتے ہیں۔ اگر آپ ان تینوں کے زخموں کی تعداد کسی صحیح تاریخی حوالہ سے بتا دیں گے تو ہم

ان کا مومن کامل ہونا تسلیم کریں گے مگر شرط صرف اتنی ہے کہ زخم لگانے والے حریف کا نام پتہ ضرور لکھ دیجئے۔

اگلی آیت میں خدا اُن مومنین صحابہ کرامؓ کی دوسری علامت بتاتا ہے کہ "یہ وہ ہیں جب لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ (دشمن) لوگوں نے تمہارے واسطے (بڑا لشکر) جمع کیا ہے۔ پس ان سے ڈرتے رہو (تو بجائے خوف کے) ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے خدا ہمارے واسطے کافی ہے" (آل عمران ۱۷۳)

پس یہ ضمانت وحفاظت اجر و ثواب خدا نے ایسے مجاہدوں اور مومنوں کے لئے دی ہے کہ آپ کے مزعومہ صحابیوں کے لئے کہ روز خندق عمرو ابن عبدود کی بہادری کے قصے سنا سنا کر خود بھی تھر تھر کانپتے تھے اور مسلمانوں کو بھی خوفزدہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ تفصیل ملاحظہ کریں میری کتاب "فروع دین" میں۔

اعتراض نمبر ۲۹۲:۔ اگر شہدا سے تعبیر کیا جائے تو لامحالہ آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ قبل از شہادت ان کا ایمان کامل تھا کہ شہادت کے لقب سے ملقب کئے جا سکیں۔

جواب نمبر ۲۹۲:۔ ہم جب شہید تسلیم کریں گے تو یقیناً ان کا صاحب ایمان ہونا بھی مانیں گے۔ اور ایمان کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ زندگی کے آخری لمحہ میں نعمت ایمان مل بھی سکتی ہے اور ضائع بھی ہو سکتی ہے۔ بیشتر احادیث ایسی کتب میں ملتی ہیں کہ بعض لوگوں کو ایمان لاتے کے ساتھ ہی مرتبہ شہادت نصیب ہو گیا اور بعض جہاد کرتے کرتے تھک گئے مگر اُن کا خاتمہ حالت ایمان میں نہ ہوا۔

اعتراض نمبر ۲۹۳:۔ جب تک شہداء کی ارواح اور اجسام سے خدا تعالیٰ کی محبت تسلیم نہ کی جائے کیا تصور شہادت خلاف واقع نہیں رہتا؟

جواب نمبر ۲۹۳:۔ جی رہتا ہے۔

اعتراض نمبر ۲۹۴:۔ یاایھا اے میرے نبی تجھے اللہ کافی

النبی حسبک اللہ و من اتبعک من المومنین۔ — ہے اور وہ لوگ جو کہ ایماندار ہیں تیرے تابعدار ہیں۔

(پارہ ۱۰)

فرمایئے حضرت علیہ السلام کو جن ایمانداروں کی معیت و رفاقت پر اطمینان دلایا گیا ہے ان کے اسمائے گرامی بیان فرمایئے۔

جواب ۲۹۴:۔ پہلی بات یہ ہے کہ آپ نے آیت کا ترجمہ غلط کیا ہے اور معنوی تحریف کا ارتکاب کیا ہے۔ اس آیہ کا ترجمہ یوں ہے کہ "اے نبیؐ کافی ہے تمہارے لئے اللہ اور مومنین میں سے وہ جو تمہارے تابع فرمان ہیں"۔ یعنی خدا جماعت مومنین میں سے ان مومنین کو اپنے رسولؐ کی معیت و رفاقت کا شرف بخش رہا ہے جو مطیع و تابعدار ہیں اور یہ اتباع کیا ہے اگلی ہی آیت میں ہے کہ اے نبی مومنین کو جہاد کے لئے آمادہ کرو۔ پس جن میں جہاد کی آمادگی معیاری ہوگی وہی ایماندار گروہ وہ شریف جماعت ہوگی جس کو خدا نے اپنے رسولؐ کی معیت و رفاقت کا اعزاز بخشا ہے۔ اور اس سے فریقین متفق ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی خدمات میدانِ جہاد میں بے نظیر ہیں اور آج بھی میدان میں "نعرۂ علیؑ" سے ابتدا ہوتی ہے اور ملک پاکستان میں بہادری کا سب سے بڑا اعزاز نشانِ حیدر ہے۔ پس اس مجاہد سپہ سالار کے وفادار مجاہدین ہی آیت کے مصداق ہیں۔ آپ نے فہرست اسما طلب فرمائی ہم ایک شناختی علامت بتا دیتے ہیں اس پر سب حضرات کے ناموں کو پرکھ کر فہرست مرتب کر لیجئے۔ کہ زمانہ رسولؐ میں حضرت علی علیہ السلام سپہ سالارِ افواجِ اسلام تھے۔ پس جو جو صحابی آپؐ کی اتباع کے مطابق رسولؐ کے مقرر کردہ سپہ سالار کا اطاعت گذار اور مخلص فرمانبردار تھا اسے نبیؐ کی رفاقت حاصل تھی۔ اور جو جو صحابی رسولؐ کے منتخب کردہ سردار کا مخالف، باغی، موذی اور دشمن تھا وہ رسولؐ کا مخالف، نبیؐ کا باغی، پیغمبرؐ کا موذی اور سرورِ کائنات کا دشمن تھا۔ ویسے تھوڑے سے مومنین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اسمائے گرامی ہم لکھے دیتے ہیں۔ (۱) حضرت علی علیہ السلام

(۲) حضرت عباسؓ (۳) حضرت عبداللہؓ بن عباس (۴) حضرت بلال حبشیؓ (۵) حضرت ابوذرؓ (۶) حضرت ابوطالبؓ (۷) حضرت امیر حمزہؓ (۸) حضرت جعفر طیارؓ۔ (۹) حضرت مقدادؓ (۱۰) حضرت حذیفہ یمانیؓ (۱۱) حضرت سلمان فارسیؓ (۱۲) حضرت عمار یاسرؓ (۱۳) حضرت عبیدہؓ (۱۴) حضرت مالکؓ ابن نویرہ (۱۵) حضرت ثابتؓ ابن قیس۔ (۱۶) حضرت حجرؓ بن عدی (۱۷) حضرت عثمان بن مظعون (۱۸) حضرت صعصعہؓ بن صوحان (۱۹) حضرت جابرؓ ابن عبداللہ (۲۰) حضرت ابودجانہؓ (۲۱) حضرت مصعبؓ وغیرہم رضوان اللہ علیہم۔

باقی جو تین دانے آپ ڈھونڈ رہے ہیں وہ اس تسبیح میں نہیں ہیں جو معیت و رفاقتِ رسولؐ کی ہے۔

اعتراض ۲۹۵:۔ ان مومنین سے مراد صحابہ کرام ہیں یا صرف سیدنا علی اور ان کے تین ساتھی؟ اگر صحابہ کرام مراد ہیں تو مطلوب حاصل ہوا اور اگر صرف سیدنا علیؓ اور ان کے تین یا دو ساتھی ہیں تو

ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائة یغلبوا الفا من الذین کفروا۔

اگر تم میں سے بیس صبر کرنیوالے ہوں تو غالب آئیں گے دو سو پر۔ اور اگر ہوں تم میں سے ایک سو تو غالب آئیں گے ہزار کافروں پر۔

کا کیا جواب ہے جبکہ خالص ایمانداروں کی تعداد نہ بیس تک تھی اور نہ سو تک۔

جواب ۲۹۵:۔ ان مومنین سے مراد صرف وہ اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم ہیں جو تابعدار رسول کریمؐ تھے اور حضرت علیؑ کو محبوب رکھتے تھے کیونکہ ارشادِ رسولؐ ہے کہ "علیؑ کی محبت عبادت ہے"۔ اور جس نے علیؑ سے عداوت رکھی اس نے مجھ سے عداوت رکھی۔ حضرت علیؑ کا کوئی بھی دشمن مومن صحابی ہرگز نہیں ہو سکتا

ہے۔ جماعت اصحاب رسولؐ میں جتنے صحابی اہل بیتِ رسولؐ سے عقیدت و محبت رکھتے تھے اور ان کے حقوق کے قدر شناس تھے بس وہی خالص ایمان دار تھے ان کی تعداد بہر حال ہزاروں ہیں تھی اور کل اصحاب سوا لاکھ سے بھی زیادہ تھے۔ آیت میں صیغہ مستقبل استعمال ہوا ہے اور صبر شرط ہے۔

اعتراض ۲۹۶ :۔ نیز اسی طرح آن یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللّٰہ (پ۱۰) اگر تم میں سے ہوں ایک ہزار تو خدا کی اجازت سے دو ہزار پر غالب آئیں گے۔ ہیں جن سو یا ہزار کا ذکر کیا گیا ہے وہ بے اصل بے معنی خلاف واقع ہے یا واقع کے مطابق ہے؟

جواب ۲۹۶ :۔ مومنین صابرین کے متعلق یہ زمانہ آئندہ کے لئے پیشگوئی ہے۔ تعداد مجازی معنوں میں ہے نہ کہ حقیقی میں۔ دراصل قلت کی کثرت پر فوقیت مراد ہے نہ کہ فی الواقع ہزار اور دو ہزار کی تعداد مدنظر ہے۔ اگر لغوی و حقیقی معنی پر اصرار کیا جائے گا تو کبھی بھی ہزار اور دو ہزار کی تعداد تاریخ سے ثابت نہ ہو سکے گی۔ اور پھر یہ کہ یہ بحث بھی ہمارے حق میں جائے گی کہ تقریباً لاکھ سوا لاکھ اصحاب میں سے صرف ایک ہزار ایسے تھے جنہیں صحیح مومن و صابر کہا جا سکے حالانکہ یہ اعداد مجازاً استعمال ہوئے ہیں۔ "صابرون" کے مصداق اصحابِ رسولؐ پر ہماری جانیں قربان ہیں بے شک ان جیسا مرتبہ کسی کو حاصل نہ ہوا۔ لیکن ان آیات سے وہ بے صبرے صحابی ہرگز مراد نہیں ہو سکتے جو حکومت کے بٹوارے کے معاملہ میں دفن رسولؐ کی گھڑی تک صبر نہ کر سکے اور جس طرح جنگوں میں دم دبا کر بھاگتے رہے اور رسولؐ کی زندگی میں حضورؐ کو کشتہ مشہور کرتے رہے حضورؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف اس طرح دوڑے جیسے مسلمان بوٹی کی طرف بھاگتے ہیں۔ کیا صابر ایسے ہوتے ہیں؟

اعتراض ۲۹۷ :۔ اگر خلافِ واقع ہے تو کلام صادق نہ رہی اور

اگر مطابق واقع ہے تو تمہارا دعویٰ باطل ٹھہرا۔ بہر حال جواب چاہیئے

جواب ۲۹۷:۔ خدا کا کلام خلافِ واقع نہیں ہو سکتا۔ اور واقع ہونا ہمارے موقف کی تائید کرے گا کہ سوا لاکھ صحابیوں میں ۱% سے بھی کم (بقول شما) یعنی صرف ایک ہزار صابرین تھے۔ یہی ہم کہتے ہیں کہ سارے صحابی مومن کامل نہ تھے بلکہ بعض دنیوی طمع کی خاطر اسلام لائے۔ اور آپ کے زعم کے مطابق اگر کلام کو واقع کے مطابق کہا جائے تو دو تضاد سامنے آتے ہیں۔ اگر درحقیقت صحابہ کی تعداد ایک ہزار تھی جو دو ہزار دشمن پر غالب تھی تو آپ باقی اصحاب کا انکار کر دیجئے۔ اور

پھر یہ بھی بتلایئے کہ دس نفر سو پر غالب ہیں اور سو آدمی ایک ہزار پر لیکن کیا وجہ ہے کہ نسبت تبدیل ہو جاتی ہے کہ ایک ہزار کی متناسبہ دو ہزار ہو جاتی ہے جبکہ ۱ : ۱۰ اور ۱ : ۲ کا فرق واضح تضاد ثابت کرتا ہے۔ آیہ میں یا تو مجازی معنی تسلیم کر لیں ورنہ نسبت و تناسب کا یہ فرق مٹا دیجئے نہیں تو نقص کلام کے قائل ہو جایئے۔ ظاہر ہے کہ قابلِ قبول صورت یہی ہوگی کہ قلت و کثرت کے معنی قبول کئے جائیں جو مجازی ہیں۔

اعتراض ۲۹۸:۔ ان الذین امنوا وھاجروا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے اموال اور جانوں کے ساتھ ہجرت کی اللہ کے راستے میں۔ کا مصداق بیان فرمایئے اور ان کے اسمائے گرامی سے مطلع فرمایئے جو لوگ ان مذکورہ صفات سے موصوف ہوئے۔

جواب ۲۹۸:۔ ترجمہ غلط ہے۔ ہر وہ صحابی جو مومن کامل تھا اور جس نے اللہ کے لئے ہجرت کی اپنے مال و جان سے خدا کی راہ میں جہاد کیا تھا اس آیت کا مصداق ہے مثلاً حضرت علیؑ، حضرت امیر حمزہؓ، حضرت جعفر طیارؓ، حضرت بلالؓ، حضرت عمارؓ، حضرت سلمانؓ وغیرہم۔ باقی آپ والے یار لوگ مہاجر ضرور تھے مگر کوئی صفت ان میں نہ تھی جو مذکورہ صفات کے موصوف ہو سکیں۔

اعتراض ۲۹۹ :۔ الذین اٰمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم اعظم درجۃ عند اللہ واولٰئک ھم الفائزون یبشرھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان وجنت لھم فیھا نعیم مقیم خٰلدین فیھا ابدًا ان اللہ عندہٗ اجر عظیم۔

بلا شبہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اموال اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا یہ لوگ خدا کے نزدیک بہت بڑے درجے والے ہیں خدا تعالیٰ ان کو اپنی رحمت اور رضامندی اور بہشتوں کی خوشخبری دیتے ہیں جس میں نعیم مقیم ہوں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے پاس اجر عظیم ہے۔

پ ۱۰

فرمائیے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام جمیع مہاجرین کے حق میں اس آیت کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں ؟

جواب ۲۹۹ :۔ جی نہیں ہم اس آیت کو رسولؐ کے سب مہاجر صحابیوں کے حق میں تسلیم نہیں کرتے۔

اعتراض ۳۰۰ :۔ اگر تسلیم نہیں کرتے تو وجوہ انکار بیان کیجیے۔

جواب ۳۰۰ :۔ آیت موصوفہ کے جمیع مہاجرین صحابیوں کے حق میں نہ ہونے کی اوّل وجہ قرآنی شرائط ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں :۔

(ا) مہاجر ایماندار ہو۔ (ب) ہجرت فی سبیل اللہ ہو۔ (ج) مہاجر مجاہد بھی ہو۔ (د) مہاجر نے مالی جہاد اور جانی جہاد کیا ہو۔ پس جو جو صحابی ان صفات سے متصف ہے اُسے آیت کا مصداق سمجھا جائے گا۔

سب مہاجر ہرگز ان درجات کے مستحق نہیں ہیں۔ قرآن میں ہے :۔

"ولا تکونوا کالذین خرجوا من دیارھم بطرًا ورئاءَ

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو لوگوں کو دکھاوے کی خاطر اپنے دیار

الناس ویصدون عن سبیل اللہ ط واللہ بما یعلمون محیط ۰ (الانفال)

سے خارج ہوئے اور لوگوں کو خدا کی راہ سے روکتے ہیں اور جو کچھ بھی وہ لوگ کرتے ہیں خدا اس پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔

پس چونکہ کچھ لوگ ایسے بھی مہاجر تھے جو سبیلِ خدا سے روکتے تھے لہٰذا ہم ان مہاجرین کو مراعاتِ آیت سے خارج سمجھتے ہیں۔

اعتراض ۳۰۱:۔ اگر تسلیم ہیں تو ہمارا دعویٰ ثابت ہوتا ہے۔ جواب دیجئے۔

جواب ۳۰۱:۔ آپ کا دعویٰ آج تک ثابت نہیں ہو سکا شاید اسی عناد کے باعث آپ نے عدل سے انکار کیا ہے۔

اعتراض ۳۰۲:۔ اگر صحابہ کرام کو العیاذ باللہ خالی از ایمان تصوّر کیا جائے تو کیا ان کو مہاجرین کے لقب سے نوازا جا سکتا ہے؟

جواب ۳۰۲:۔ کوئی حرج نہیں۔ فضیلت ہجرت برائے خدا و رسولؐ کی ہے نقل مکان کر کے ہر کوئی مہاجر کہلوا سکتا ہے۔ پاکستان میں بھی مقامی و مہاجرین کے طبقے ہیں۔ لہٰذا محض ہجرت علامت ایمان نہیں ہے۔

اعتراض ۳۰۳:۔ جب بقول شما وہ حضرات خالی از ایمان تھے (العیاذ باللہ) تو تبشیر رحمت[۱]، خبر رضا مندی[۲]، دخول جنت[۳]، خلود فی الجنت[۴] اور اس پر تائید کی[۵] بشارت اور اجر عظیم[۶] کا تذکرہ کیوں۔

جواب ۳۰۳:۔ جب ہم ان حضرات کا ایمان ہی مشتبہ جانتے ہیں تو پھر مندرجہ بالا چھ امور بے ایمانوں کے لئے کیسے مان لیں جبکہ بر وئے اعتراض بھی یہ ایمان کے دلائل ہیں پہلے اُن کے ایمان کا فیصلہ فرمائیں پھر ایمانی اعزازات کی بحث فرمائیں

اعتراض ۳۰۴ :۔ سورہ آلِ عمران میں ہے :

فالذین ھاجروا و	پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے
اخرجوا من دیارھم و	گھروں سے نکالے گئے اور میرے راستے
اوذوا فی سبیلی وقاتلوا و	میں تکلیفیں دیئے گئے اور جہاد کیا اور
قتلوا لاکفرن عنھم	شہید کیئے گئے بلاشبہ ان سے ان کے
سیأتھم ولادخلنھم	گناہوں کا کفارہ کروں گا اور ان کو
جنت تجری من تحتھا	ایسی بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے
الانھر ثوابا من عند اللہ	نیچے نہریں چلتی ہیں اللہ تعالیٰ کیطرف
واللہ عندہ حسن	سے ثواب اور اللہ تعالیٰ کے پاس
الثواب ؕ	بہترین ثواب ہے۔

فرمایئے اس آیت پر آپ حضرات کا ایمان ہے یا نہ ؟

جواب ۳۰۴ :۔ ہمارا خدا کے سارے کلام پر ایمان ہے اور یہ آیت اسی کلام خداوندی میں سے ہے۔ لہٰذا ہم اس آیت پر ایمان رکھتے ہیں۔

اعتراض ۳۰۵ :۔ اگر ایمان ہے تو آیت کا مصداق بن سکتے ہیں یا نہیں اگر نہیں بن سکتے تو کیوں اور اگر بن سکتے ہیں تو لامحالہ ان کو بموجب آیت ہذا صحیح الایمان اور صحیح الہجرت ماننا پڑے گا۔

جواب ۳۰۵ :۔ اصحاب باوفا رضی اللہ عنہم بے شک اس آیت کا مصداق بن سکتے ہیں ہم ان تمام اصحابؓ کو صحیح الایمان اور صحیح الہجرت مانتے ہیں جنھوں نے فی سبیل اللہ ہجرت کی، اللہ کے راستے میں ان کو اذیت برداشت کرنا پڑی اور ان کو گھروں سے بے دخل ہونا پڑا۔ اور اس قدر مصائب جھیلنے کے باوجود راہِ خدا میں انہوں نے جہاد کیا اور مراتب شہادت پر فائز ہوئے۔

اعتراض ۳۰۶ :۔ کوئی اعتراض نہیں ہے۔

جواب ۳۰۶ :۔ اب اعتراضات کی کل تعداد ۹۹۵ رہ گئی ہے بجائے

ایک ہزار کے۔

اعتراض ۳۰۷:۔ اگر صدیق اکبر اس کے مفہوم میں داخل نہیں تو امتناعی وجوہ بیان کیجیے۔

جواب ۳۰۷:۔ آپ کے صدیق اکبر کو اس میں داخل نہ کرنے کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) ہجرت باثواب کی شرط اوّل آیت کے مطابق ہجرت فی سبیل اللہ ہے جبکہ حضرت ابوبکر کی ہجرت محض اتفاقیہ ہوئی جیسا کہ تاریخ طبری میں ہے حضورؐ نے ان کو ہجرت کی دعوت دی اور نہ ہی ارادہ سے مطلع فرمایا بلکہ آپ نے رسول اللہؐ کا تعاقب کیا۔ طبری لکھتے ہیں کہ "جب رسول اللہؐ نے رات کے اندھیرے میں ابوبکر کے قدموں کی آہٹ سنی تو یہ خیال کیا کہ مشرکین میں سے کوئی تعاقب میں آرہا ہے آپؐ نے رفتار تیز کر دی آپ کے نعلین شریف کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ اور ایک پتھر سے ٹھوکر لگی جس سے انگوٹھا مبارک زخمی ہو گیا اور بہت سا خون بہہ گیا مگر آپ تیزی سے چلتے رہے۔ (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۰۱) پس جب امر ہجرت ثابت نہیں تو سبیلِ خدا کیسے مانا جائے گا۔

(۲) اللہ کے راستہ میں حضرت ابوبکر کو مکہ میں کسی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ بلکہ پرامن تھے۔ اس کا اندازہ اہل سنت کے اس مفروضہ سے ہوتا ہے کہ مشہور ہے کہ غار ثور میں قیام کے دوران عبدالرحمٰن فرزند ابوبکر ان کی خورد و نوش کا بندوبست کر کے پہنچاتے تھے اسی طرح روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۵۴ مطبوعہ بمبئی میں ہے کہ ابوبکر نے گھر سے بوقت ہجرت ۵ ہزار درہم لیے۔ اس کا مطلب ہے وہ حالت امن میں تھے۔ تبھی تو مالی خوشحالی اور اہل خانہ کو آمد و رفت وغیرہ کی پوری آزادی حاصل تھی۔ اگر معتوب کفار ہوتے تو نہ ہی مالی خوشحالی ہوتی اور نہ ہی آزادانہ نقل و حرکت جبکہ تلاش رسولؐ کی مہم بھی جاری تھی۔ لہٰذا حضرت ابوبکر نے اپنی مرضی سے ہجرت کی۔

(۳) حضرت ابوبکر کو گھر سے ہرگز بے دخل نہ کیا گیا۔ نہ ہی کوئی مصیبت ان کو مکہ کے مشرکین کے ہاتھوں پیش آئی۔

(۴) حضرت ابوبکر کا جہاد معیاری نہ تھا۔ کسی جنگ میں نہ ہی وہ زخمی ہوئے اور نہ ہی انہوں نے کسی مخالف کو قتل کیا۔

(۵) سب سے بڑی امتناعی وجہ یہ ہے کہ حضرت صاحب نہ ہی میدانِ جہاد میں مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے اور نہ ہی مقتول ہوئے۔ جبکہ شرط آیت "وقاتلوا وقتلوا لا کفرن" ہے۔ پس آیت موصوفہ کے مفہوم میں حضرت ابوبکر داخل نہیں ہو سکتے ہیں۔

اعتراض ۳۰۸:۔ صحابہ کرام کی ہجرت اور مکہ معظمہ سے اخراج یعنی جبریہ طور پر ترک وطن اور ایذا فی سبیل اللہ نیز میدان کارزار میں قتل وقتال اور جہاد کیا ثبوتِ ایمان کے لئے کافی نہیں؟

جواب ۳۰۸:۔ بے شک جبریہ ترک وطن، ایذا فی سبیل اللہ، میدانِ کارزار میں قتل وقتال اور جہاد راہ خدا ایمان کے اثبات ہیں مگر افسوس ہے کہ ہم جن لوگوں کے ایمان پر تنقید کرتے ہیں ان میں مذکورہ صفات میں سے کوئی ایک بھی صفت نہیں پائی جاتی۔ ہمارا تو احتجاج ہی یہ ہے کہ ایسے اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم سے عقیدت رکھو اور ابرہ وغیرہ نتھو خیرہ کو چھوڑ دو۔

اعتراض ۳۰۹:۔ جب مسلمان کفار و مشرکین کے مقابلہ میں اقلیت میں تھے اور مشرکین مکہ کے ہاتھ میں سیاست دبدبہ، رعب اور ظاہری وقار تھا آخر کس مقصد کی خاطر صحابہ کرام ان کے ہاتھوں تکلیفیں برداشت کرتے تھے؟

جواب ۳۰۹:۔ جو مخلص و مومن صحابہ تھے وہ سارے مصائب خوشنودیٔ خدا کے لئے برداشت کرتے تھے کچھ ایسے بھی تھے جن کو کاہنوں اور نجومیوں نے آئندہ کے لئے خوش نما پیشگوئیاں کر دی تھیں۔ کچھ مسلمانوں کے تیور سے سمجھ گئے تھے کہ آج

نہیں توکل اپنے وارے نیارے ہوں گے۔ بہر حال سب طرح کے لوگ تھے پانچوں انگلیاں برابر نہ تھیں۔ یہ تو دستورِ زمانہ ہے کہ جب کوئی تحریک ذرا چمکتی ہے تو مطلب پرست عناصر وہاں آجمع ہوتے ہیں۔ آپ اپنے ملک کی مثال لیجئے۔ پاکستان پیپلز پارٹی برسرِ اقتدار تھی لیکن جیسے ہی مختلف جماعتوں نے پاکستان قومی اتحاد بنایا لوگوں میں سے اکثر اقتدار کی حامل جماعت کو چھوڑ کر اتحاد کی حمایت کی حالانکہ نظریاتی طور پر ان کے نظریات بائیں جانب رجوع کرتے ہیں اور اتحاد کا منشور دائیں جانب کی حمایت میں ہے۔ لہٰذا یہ ایک فطری بات ہے کہ جب کوئی نئی تحریک اُٹھتی ہے تو اسے تمام قسم کے طبقات کی تائید تھوڑی بہت ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ حالانکہ بیشتر لوگوں کی نیت ذاتی مفادات کی تابع ہوا کرتی ہے مسلم لیگ اور پاکستان پیپلز پارٹی کی مثالیں آپ کے گھر ہی میں موجود ہیں۔ خوب غور کریں تاکہ یہ گتھی آسانی سے سلجھ جائے۔

اعتراض نمبر ۳۱۰۔ جان کس قدر عزیز ہے بشہادت خداوندی جن صحابہ کرام نے اپنی جان کو تہ تیغ کرا دیا اور مقابلہ میں اپنے رشتہ داروں کی بھی پرواہ نہ کی کیا یہ آیت ان کے کمال ایمان پر دلالت نہیں کرتی؟

جواب نمبر ۳۱۰۔ بے شک جن صحابہؓ نے ناموس اسلام و رضائے خداوندی کے لئے اپنی جانیں قربان کی ہیں ان کا اسلام پر بہت احسان ہے۔ ہم ان کے ممنون ہیں۔

اعتراض نمبر ۳۱۱۔ والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضی اللہ عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنت تجری من تحتها الانهار خالدین فیها ابداً ذالك الفوز العظیم

ایمان میں سبقت لے جانیوالے مہاجرین اور انصار اور ان کے تابعدار نیکی میں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گئے اور خدا نے ان کیلئے بہشتیں تیار کی ہیں جنکے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔

(براۃ) یہی بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں سابقون اوّلون من المہاجرین و الانصار سے صحابہ کرام کی کون سی جماعت مراد ہے؟ دلائل سے بتایئے۔

جواب ۳۱۱:۔ اس کا جواب ہم نے اعتراض ۲۷۳ تا ۲۷۶ کے جوابات میں دے دیا ہے دوبارہ ملاحظہ فرمالیں۔ یہاں اصحاب میں سے اُن صحابہ کرام کی جماعت مراد ہے جو کامل الایمان مجاہدین اور مطیع سید المرسلینؐ و محبین اہل بیتِ اطہارؑ تھے نہ کہ ایسے لوگ جن کے بارے میں رسولؐ نے فرمایا کہ "تمہارے دل میں شرک چیونٹی کی چال سے بھی پوشیدہ چلتا ہے"۔ (ازالۃ الخفا) یا جنہوں نے خود کہا کہ "روزِ حدیبیہ جتنا شک مجھے حضورؐ کی نبوّت میں ہوا اتنا پہلے کبھی نہ ہوا"۔ یا جن لوگوں کو بی بی عائشہ نے کہا کہ "قتل کرو نعثل کو یہ کافر ہوگیا ہے"۔ چونکہ قوی اثبات موجود ہیں کہ ہم جن لوگوں کو اس جماعت سے خارج سمجھتے ہیں وہ جہاد کے مفرور، نافرمانِ رسولؐ اور موذیٔ خاندانِ رسولؐ کے تھے پس یہ دلائل ان کو ایمان سے خالی ثابت کرتے ہیں۔

اعتراض ۳۱۲:۔ مہاجرین سابقین اور انصار سابقین کے متبعین سے مراد کون ہیں؟

جواب ۳۱۲:۔ شیعانِ اہل بیتؑ کیونکہ حضورؐ نے فرمایا: "اے علیؑ تو اور تیرے شیعہ (بڑی) کامیابی والے ہیں"۔ یہی گروہ ہے جو تمام مخلص اور کامل الایمان صحابہ کرامؓ کی اتباع میں آلِ محمد علیہم السلام سے محبت رکھتا ہے اور ان کے مخالفین سے عداوت۔

اعتراض ۳۱۳:۔ کیا جنت کی بشارت ان متبعین کے لیئے ہے جو صحابہ کرام کے زمانہ میں موجود تھے یا قیامت تک کے مسلمانوں کیلئے ہے؟

جواب ۳۱۳:۔ ہر صاحبِ ایمان مسلمان کے لیئے یہ بشارت ہے جو ان مخلص مہاجرین و انصار کی اتباع کرتے ہوئے اطاعتِ خدا اور رسولؐ کے مطابق ثقلین رسولؐ سے تمسک

دکھتاہے۔ اگر کوئی کسی ایک بھی ثقل کو ناکافی کہہ کر رد کرتا ہے تو وہ جنت کی بُو بھی نہ سُونگھ سکے گا۔

اعتراض ۳۱۴ :۔ کیا ابوبکر صدیق[1]، سیّدہ خدیجہ[2]، زید بن حارثہ[3] اور حضرت علی المرتضیٰ[4] رضی اللہ عنہم اجمعین مہاجرین میں شامل ہیں یا نہ؟

جواب ۳۱۴ :۔ اگر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت مراد ہے تو پھر ام مومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کے علاوہ باقی تین حضرات مہاجرین میں شامل ہیں حضرت خدیجہ کا انتقال ہجرت سے قبل ہو گیا تھا۔

اعتراض ۳۱۵ :۔ اگر شامل ہیں تو علی السبیل الاستوا یعنی اس فضیلت ذکر اور بشارت جنت میں سب کے سب برابر کے شریک ہیں یا کم وبیش۔ ہر دو شقوں پر دلائل سے روشنی ڈالیے۔

جواب ۳۱۵ :۔ حضرت ابوبکر، زید، علی کو مہاجر تسلیم کرنے پر آپ کا راستہ ہموار نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ سارے مہاجرین ہرگز صاحبانِ فضیلت نہ تھے۔ جیسا کہ خود

رسولِ کریم نے فیصلہ فرمایا ہے "اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے۔ اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ پس جس شخص نے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف شمار ہوگی جس نے کسی دنیوی غرض کے لئے ہجرت کی کہ اُسے وہ غرض حاصل ہو جائے یا جس نے کسی عورت کے لئے ہجرت کی کہ اس سے اس کا نکاح ہو جائے تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہے جس کے لئے اس نے ہجرت کی" (مشکواۃ شریف) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کچھ مہاجر ایسے بھی تھے جن کی ہجرت خدا اور رسول کے لئے نہ تھی۔ اس لئے لامحالہ ماننا پڑے گا کہ صرف ہجرت کرنا کوئی فضیلت ہی نہیں رکھتا۔ جب تک نیک نیتی ثابت نہ ہو جائے۔ پس بشارت و فضیلت کا انحصار خلوص نیت و ایمان پر ہے۔ زید، ابوبکر اور علی ہر ایک کے اپنے مراتب ہیں۔ زید نیک بزرگ اور حضور کے پروردہ و متبنیٰ تھے اسی طرح علی آپ کے

فرزند نسبتی اور نفس تھے۔ جبکہ حضرت ابوبکر کو صحابیت یا سُسرتا کے علاوہ اور کوئی قرب رسولؐ سے حاصل نہ تھا۔ حضرت علیؑ نے کبھی شرک نہ کیا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ان کے دونوں فرزند جنّت کے سردارِ جوانان ہیں اور ان کے باپ (علیؑ) ان سے افضل ہیں۔ پس حضرت علیؑ کا مرتبہ زیدؓ سے بلند ہے جبکہ بڈھا تو کوئی جنّت میں جائے گا ہی نہیں کہ بڑھاپا ایک تکلیف و محتاجی ہے۔ پھر خود حضرت ابوبکر نے اقرار کیا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک جنّت میں نہ جاسکے گا جب تک علیؑ اس کو پروانہ راہداری نہ دے دیں۔
اس لیئے میں کہتا ہوں کہ "کوئی شخص" میں خود راوی حدیث جناب ابوبکر بھی شامل ہیں۔ لہٰذا وہ بھی اس وقت تک جنّت میں نہ جاسکیں گے جب تک علیؑ ان کو پروانہ عطا نہ کریں گے۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ نے علیؑ کو جنّت کے ٹکٹ دے رکھے ہیں۔ لہٰذا دیگر اہلِ جنّت سے آپ کا مرتبہ افضل و بلند ہے۔

اعتراض ۳۱۶:۔ جب ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ السابقون الاوّلون من المہاجرین میں داخل ہیں تو لامحالہ ان کے لئے جنّت بھی واجب ہو گی اور خلود بھی کیا دخولِ جنّت اور خلود فی الجنۃ ثبوتِ ایمان کی دلیل نہیں؟

جواب ۳۱۶:۔ کس نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکر السابقون الاولون من المہاجرین میں داخل ہیں۔ میں تو اسے مانتا ہی نہیں اگر ابوبکر کی سبقت ایمان ثابت کر دیں تو پھر آپ کے دخول و خلود جنت میں مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔ لیکن پھر بھی ٹکٹ کی محتاجی ضرور برقرار رہے گی جو علیؑ سے حاصل کرنا پڑے گا۔
حضرت ابوبکر کے ایمان کی بات چھوڑیئے کہ سیدہ طاہرہؑ کی ناراضگی کی مہر کے نقوش ابھی تک صحیح بخاری میں موجود ہیں۔ حضرت صاحب کو تسلیم اسلام میں بھی سبقت حاصل نہیں ہے۔ جیسا کہ طبری نے لکھا ہے کہ سعد بن ابی وقاص جو کہ عشرہ مبشرہ کے صحابہ میں کہتے ہیں جبکہ ان سے ان کے بیٹے محمد ابن سعد نے دریافت کیا کہ "کیا آپ لوگوں

میں اسلام کے لحاظ سے سابق ابوبکر تھے ؟" کہا "نہیں۔ بلکہ پچاس سے زیادہ آدمی ان سے پہلے اسلام لا چکے تھے" (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۶۰) اسی طرح مشہور علامہ اہلسنت ابن اثیر نے خود حضرت ابوبکر کا اقراری بیان نقل کیا ہے۔ "ابوبکر کہتے ہیں کہ جب میں مکہ میں واپس آیا اس وقت نبی اکرم مبعوث برسالت ہو چکے تھے عقبہ ابن ابی معیط، شیبہ، ربیعہ، ابوجہل اور ابو البختری اور سرداران قریش میرے پاس آئے میں نے ان لوگوں سے پوچھا کیا تم پر کوئی افتاد پڑی ہے یا کوئی حادثہ نمودار ہوا ہے کہا اے ابوبکر! سب سے بڑی اندوہناک خبر یہ ہے کہ یتیم ابوطالب (محمدؐ) یہ گمان کرنے لگا ہے کہ اللہ کا فرستادہ نبی ہے" (اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۰۸)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضورؐ نے اعلانِ نبوت فرمایا ابوبکر مکہ میں موجود ہی نہ تھے اور جب واپس آئے تو اسلام کے چرچے عام تھے اور قوم قریش اور اہلیانِ مکہ کے نزدیک یہ اعلان اندوہناک خبر تھی پس سبقتِ اسلام کا شور تو تھما اب ہجرت کی طرف آیئے کہ مدینہ سے پہلے حبشہ کی ہجرت بعثت کے پانچویں سال ہوئی لہٰذا اُن مہاجرین کو اس ہجرت پر سبقت حاصل ہے اور ابوبکر ہجرتِ حبشہ میں شامل نہ تھے۔ پس حضرت ابوبکر کو نہ ہی سبقتِ ایمان و اسلام حاصل ہے اور نہ ہی سبقتِ ہجرت۔

اس لیئے جب آپ کے عائد کردہ قواعد پر ہی حضرت ابوبکر پورے نہیں اُتر پاتے تو پھر دخول و خلود کی کیا ضمانت رہی اور جب یہ ضمانت محفوظ نہیں تو ثبوت ایمان کی دلیل کیسے وضع ہو گی ؟

اعتراض ۳۱۷:۔ اگر ان حضرات میں سے ایک کے لیئے جنت واجب ہے اور باقی سب کے لیئے جہنم تو اسی آیت میں حرفِ استثناء دکھایئے۔

جواب ۳۱۷:۔ آیت میں کسی بھی حضرت کا نام موجود نہیں ہے۔ صرف اوصاف کا بیان ہے۔ مہاجرین و انصار سے قبل "مِنْ" تبعیض کا ہے جو استثناء ثابت کرتا ہے کہ سارے مہاجر اور انصار کے لیئے یہ بشارت نہیں ہے بلکہ ان میں سے

ان کو یہ بشارت ہے جو سابقون الاوّلون ہیں۔ یعنی جنہیں ایمان و اعمالِ صالحہ میں سبقت و اوّلیت حاصل ہے۔

اعتراض ۳۱۸:۔ جب مہاجرین و انصار اور ان کے متبعین کے لئے رضائے الٰہی کا سارٹیفکٹ ثابت ہے تو کیا ان کے ایمان کے لئے یہ کھلی دلیل نہیں ؟

جواب ۳۱۸:۔ سارے مہاجرین و انصار اور ان کے متبعین کے لئے رضائے الٰہی کا سرٹیفکیٹ ہرگز ثابت نہیں ہے۔ بلکہ ان میں سے صرف ان مہاجرین و انصار اور ان کے متبعین کے لئے ہے جنہیں ایمان و جہاد میں سبقت حاصل ہے اگر آپ تمام مہاجرین و انصار کے لئے ایسا سرٹیفکیٹ ثابت کر دیں جبکہ "من" کی تبعیض موجود ہے تو پھر میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو بھی جنّت کا سرٹیفکیٹ حضرت علی علیہ السلام سے دلوانے کی کوشش ترک کر دوں گا۔ اور آپ کے جعلی "سارٹیفکٹ" کو صحیح تسلیم کر لوں گا جس کے بیچے ہی غلط ہیں۔

اعتراض ۳۱۹:۔ کیا رضائے خداوندی منکرینِ دین کیلئے ہو سکتی ہے؟

جواب ۳۱۹:۔ ہو سکتی ہے مگر جہنم میں بھجوانے کے لئے۔

اعتراض ۳۲۰:۔ اگر ہو سکتی ہے تو دلیل لائیے ؟

جواب ۳۲۰:۔ دوزخ کی تخلیق سب سے بڑی دلیل ہے جس میں منکرین دین کا خلود و دخول ہوگا۔

اعتراض ۳۲۱:۔ اور اگر نہیں ہو سکتی اور یقیناً نہیں ہو سکتی تو پھر آپ کو صحابہ کرامؓ کے کامل الایمان ہونے پر کیوں اعتراض ہے جبکہ رضائے خداوندی انہیں کے لئے اور ان کے متبعین کے لئے ریزرو ہے۔

جواب ۳۲۱:۔ ہونا اوپر بیان کر کے آپ کے یقین میں تنزل پیدا کر دیا گیا ہے ہم مخلصین صحابہؓ اور ان کے متبعینؒ کے پیروکار ہیں اور باقی صحابہ جنہوں

نے لختِ جگرِ رسولؐ سیدۃ النساءُ العالمین سلام اللہ علیہا کو ناراض کر کے خدا کو ناراض کیا اُن کو کامل الایمان نہیں سمجھتے کیونکہ رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے کہ فاطمہؑ کے راضی ہونے سے خدا راضی ہوتا ہے۔ پس جس کسی سے بھی فاطمہؑ راضی نہ ہوئیں اس سے خدا بھی راضی نہ ہوا۔ اسی ناراضگی کے باعث ہم موذیوں کے ایمان و اعمال پر معترض ہوتے ہیں۔ جنت کی ٹکٹیں ریزرو ہیں جو بقول حضرت ابوبکر علیؑ سے ملیں گی۔

اعتراض ۳۲۲:۔ دخول فی الجنت اور محض ان کے لیئے جنت کا تیار ہونا ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پس اگر قرآنی نص کے مطابق تسلیم کر لیا جائے کہ بہشتیں صحابہ کرام کے لیئے تیار کی گئی ہیں اور ساتھ بقول شیعہ یہ بھی مان لیا جائے کہ وہ حضرات جنت سے محروم رہیں گے تو خدا تعالیٰ کے علم غیب میں نقص تو لازم نہیں آئے گا؟

جواب ۳۲۲:۔ اگر آپ قرآن سے ایسی نص دکھلا دیں کہ تمام صحابی مقصدِ تخلیق جنت ہیں تو خدا کی قسم میں سُنّی ہو جاؤں گا۔ جب اللہ نے تمام اصحاب کیلئے ایسا فرمایا ہی نہیں تو علم غیب میں نقص کیوں آئے گا۔ البتہ آپ کے عقیدے کے مطابق خدا کی طرف ایسا جھوٹ منسوب کرنا اس کے لیئے قلتِ علم کی دلیل ہو گا کیونکہ صحاح ستہ میں کئی روایات ایسی ہیں جن میں صحابیوں کا دوزخ میں جانا مرقوم ہے۔ اور قرآن میں ان گنت آیات اصحاب کی مذمت میں موجود ہیں۔ ہاں وہ صحابی جنہوں نے صحبتِ رسولؐ کا پرخلوص اثر قبول کیا اور متقی رہے بے شک جنت اُن کے لیئے ایک ادنیٰ اجر ہے اور خدا نے ان کے جنت میں اجر عظیم کا وعدہ بھی کر رکھا ہے۔ ہم ان باوفا اصحابؓ رسولؐ پر بالخصوص سلام بھیجتے ہیں۔

اعتراض ۳۲۳:۔ اگر یہ آیت صرف عترتؑ رسولؐ کے حق میں ہے تو آیت کا مفہوم ان حضرات پر کس طرح چسپاں ہو گا؟

جواب ۳۲۳:۔ یہ آیت شیعان عترتؑ رسولؐ کے حق میں ہے۔ اور

عترت کے سربراہ جناب علیؑ ہیں جو متفقہ طور پر سب سے پہلے مومن ہیں مجاہد عظیم ہیں اور صالح المومنین و امام المتقین ہیں۔ رسولؐ نے ان ہی کے شیعوں کو ناجی اور فائزون فرمایا ہے۔

اعتراض نمبر ۳۲۴:۔ و اذا قیل لھم آمنو کما آمن الناس قالو انؤمن کما آمن السفھاء الا انھم ھم السفھاء۔

اور جب کہا جاتا ہے منافقوں کو کہ ایمان لاؤ جس طرح (اور) لوگ ایمان لاتے ہیں کہتے ہیں کیا ہم اسی طرح ایمان لائیں جس طرح بیوقوف ایمان لائے ہیں خبردار بلا شبہ وہی بے وقوف ہیں۔

میں الناس سے مراد کون ہیں اور کن کے ایمان کو سامنے رکھ کر نمونہ بنایا گیا ہے اور لوگوں کو ایمان لانے کا حکم دیا ہے؟

جواب نمبر ۳۲۴:۔ اعتراضات کی تعداد پوری کرنے کے لئے خواہ مخواہ ایک بات بار بار مت دریافت فرمایئے اس آیت کا تفصیلی جواب ہم نے اعتراض ۲۷۸ تا اعتراض نمبر ۲۸۱ تک کے جوابات میں لکھ دیا ہے۔ دوبارہ پڑھ لیں۔ یہاں ہم صرف اتنا دریافت کرتے ہیں کہ متن آیت میں سے کس لفظ کا ترجمہ "منافقوں" کیا گیا ہے اگر آپ یہ لفظ آیت میں دکھلا دیں گے تو ہم ثلاثہ کے لئے دعائے خیر کہیں گے اور اگر نہ دکھا پائیں گے تو پھر سمجھیں گے کہ سچی بات زبان پر قدرتاً آ گئی ہے۔

اعتراض نمبر ۳۲۵:۔ اگر اس سے مراد صرف سیدنا علیؓ لئے جائیں تو وہ کن اصول کے ماتحت۔

جواب نمبر ۳۲۵:۔ اس آیت سے صرف علیؑ اور ان کے رفقا مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ "علیؑ ایمان کل ہیں۔ جب علیؑ کو چھوڑا تو ایمان رخصت ہوا۔

اعتراض نمبر ۳۲۶:۔ پھر ایک فرد پر الناس کے اطلاق کی وجہ قابلِ

دریافت ہے۔

جواب ۳۲۶:۔ سردار سے خطاب پوری قوم سے مخاطب ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ اگر حضرت ابراہیمؑ اکیلے اُمت ہو سکتے ہیں تو حضرت علیؑ بھی "الناس" کے مصداق بن سکتے ہیں۔ بہرحال آیت میں متبعین محمد و آلِ محمد یعنی مومنین صالحین و کاملین مراد ہیں جن کے پیشوا جناب امیرالمومنینؑ ہیں۔

اعتراض ۳۲۷:۔ کیا صحابہ کرام کو بے وقوف کہنے پر خدا تعالٰے کا اظہارِ غضب ان کے کامل الایمان ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں کہا ہے:

فضل اللہ المجاھدین	خدا تعالیٰ نے مجاہدین کو بیٹھنے
علی القعدین اجرا عظیما	والوں پر اجر عظیم کی فضیلت
درجات منه و مغفرة و	دی خدا تعالیٰ کی طرف سے درجات
رحمة وكان الله غفورا	ہیں اور بخشش اور رحمت اور
رحیما۔ (النساء)	اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

میں مجاہدین سے کون سے صحابہ مراد ہیں۔ اگر وہی ہیں جن کے وجود با وجود کی برکت سے دین کو ترقی نصیب ہوئی اور انہیں کے لئے مغفرت رحمت اور بلند پایہ درجات ہیں تو بتائیے ان کے ایمان کے ثبوت کے لئے اور کون سی نص درکار ہے؟

جواب ۳۲۷:۔ آیت سے ثابت ہے کہ صحابہ میں دو گروہ تھے ایک بیوقوف کہنے والے اور دوسرے بیوقوف کہلوانے والے۔ پس بیوقوف کہنے والے صحابی خود بے وقوف تھے اور کہلوانے والے کامل الایمان تھے کہنے والے مغضوب علیہم تھے جن پر ہم تبرا کرتے ہیں اور کہلوانے والے کامل مومن تھے جن کے منار علی علیہ السلام ہیں جیسا کہ خود رسول کریمؐ نے جناب امیرؑ کو "منارِ ایمان" فرمایا ہے کہ ابوبکر ابن مردویہ نے روایت لکھی ہے کہ انس بن مالک کہتے ہیں کہ حضورؐ نے ابو برزہ سے فرمایا کہ اے

ابو برزہ بتحقیق اللہ عزوجل نے علی کے بارہ میں مجھ سے عہد کر لیا ہے کہ وہ ہدایت کا جھنڈا ہے اور ایمان کی نشانی ہے" پس جو شخص ایمان کی اس نشانی سے محروم ہوگا وہ مومن نہیں ہو سکتا ہے ۔

قرآن کی اس آیت کی عملی تعبیر اس واقعہ سے بھی ملتی ہے کہ جب حکومت غصب کر لی گئی تو بعض اصحاب نے حضرت علیؑ کو کم سن اور کم فہم اور کم عقل (یعنی بیوقوف) کہہ کر ابوبکر کی حکومت کو فوقیت دی۔ پس جن لوگوں نے "منارِ ایمان" کے وقوف پر حملہ کیا بلا شبہ ان کا تعلق اسی گروہ سے تھا جو مومنین کو بے عقل کہنے والے تھے اور خدا اُن کے اس کہنے پر ناراض ہے۔ پس ہم بھی ایسے تمام صحابیوں سے خوش نہیں ہیں جنہوں نے "کل ایمان" کو چھوڑ دیا۔ منارِ ایمان اور ہدایت کے علم سے بے تعلق رہنا ناقص الایمان ہونے کی ٹھوس دلیل ہے ۔

مجاہدین سے مراد وہ مومن صحابہ کرام ہیں جو اسلام کے مجاہدِ اعظم شیرِ خدا، حیدرِ کرار، غیر فرار، غالب علی کل غالب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے جبدار و دوست تھے ۔ انہیں کی بدولت دین کو ترقی ہوئی۔ غزوات و سرایا میں کامیابیاں نصیب ہوئیں اور جزائر العرب میں مستحکم سلطنت کی بنیاد پڑی ۔ ان مجاہدین مخلصین رضی اللہ عنہم کیلئے مغفرت و رحمت اور بلند درجات ہیں۔ مگر جو صحابی ہمیشہ جہاد میں پیٹھ دکھاتے رہے لڑائی سے جی چراتے رہے۔ اور پکی پکائی پر آبیٹھنے کے عادی تھے ایسے صحابی ہرگز ان مراعات کے مستحق نہیں ہیں۔ اور ان کا ناقص جہاد ان کے نقصِ ایمان کا ثبوت ہے۔ چونکہ اسلام میں جارحانہ حملے اور حدودِ سلطنت کی وسعت ناجائز ہے لہذا فعلِ ناجائز کی خوش اسلوبی باعثِ فضیلت نہیں ہو سکتی ہے۔ دیکھئے میری کتاب "فروعِ دین"۔ آپ ہمیں قرآن سے کوئی ایسی نص دکھلائیے جہاں سے بھگوڑے، نافرمانِ رسولؐ اور موذیِ خاندانِ رسولؐ کا صاحبِ ایمان ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اعتراض ۲۲۸ :- قرآن مجید میں ہے :

الم غلبت الروم فی
ادنی الارض وھم بعد
غلبھم سیغلبون فی بضع
سنین للہ الامر من قبل و
من بعد ویومئذ یفرح
المومنون بنصر اللہ ینصر
من یشاء وھو العزیز الرحیم
(روم)

بہت قریب کے ملک میں رومی نصاریٰ
اہل فارس آتش پرستوں سے ہار
گئے مگر یہ لوگ عنقریب ہی اپنے
ہار جانے کے بعد چند سالوں میں پھر
اہل فارس پر غالب آجائیں گے کیونکہ
ہر امر کا اختیار خدا تعالیٰ کو ہے اور
اس دن ایماندار لوگ خدا تعالیٰ کی مدد سے
خوش ہو جائینگے وہ جس کو چاہتا ہے مدد
کرتا ہے اور وہی غالب رحم والا ہے۔

اس آیت کا پورا ترجمہ کیجیئے اور بتایئے یہ خداوندی عہد کس دور میں پورا ہوا اور اس عہد کے خلیفہ کا نام کیا ہے؟

جواب ۳۲۸:۔ اطلاعاً عرض ہے یہ ایک آیت نہیں ہے بلکہ سورۂ روم کی پہلی پانچ آیات ہیں۔ ان کا ترجمہ یہ ہے:۔ " الٓمٓ ۔ (آلِ محمدؐ) (یہاں سے) بہت قریب کے ملک میں رومی (نصاریٰ) (اہل فارس آتش پرستوں سے) ہار گئے۔ مگر یہ لوگ عنقریب ہی اپنے ہار جانے کے بعد چند سالوں میں پھر (اہل فارس پر) غالب آجائیں گے کیونکہ (اس سے) پہلے اور بعد (غرض ہر زمانہ میں) ہر امر کا اختیار اللہ ہی کو ہے۔ اور اس دن ایماندار لوگ خدا کی مدد سے خوش ہو جائیں گے۔ وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ (سب پر) غالب اور رحم کرنیوالا ہے"۔

اللہ کا یہ عہد حضورؐ کی حیات ہی میں پورا ہو گیا تھا اور خود ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جواب ۳۲۹: ۔ اس اعتراض کے جواب سے قبل تھوڑی سی تمہید پیش خدمت کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ پہلی گذارش یہ ہے کہ آیاتِ موصوفہ میں کسی لفظ سے بھی مسلمانوں کی اہلِ فارس یا اہلِ روم پر فتح یا غلبہ کا ذکر قطعاً موجود نہیں ہے۔ دراصل یہ پیشگوئی رومی عیسایوں کی ایرانی آتش پرستوں پر فتح کے متعلق ہے۔ دونوں گروہوں کا تعلق اسلام سے ہرگز نہیں۔ اس لیئے اِن آیات سے اپنا غلبہ ثابت کرنا محض خوش عقیدگی ہوگی۔ دوم یہ کہ خدا کا یہ وعدہ جو اہلِ روم کے لیئے تھا حیاتِ رسولؐ ہی میں پورا ہوگیا لہٰذا کسی بادشاہِ اسلام کو اس سے کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اگر مسلمانوں کے غلبۂ فارس کا بیان یہاں ہوتا تو پھر آیات اس بحث میں لائی جا سکتی تھیں۔ سوم اب اِن آیات کی تفسیر سنیئے تاکہ "یفرح المومنون" کی مراد معلوم ہو جائے۔ چنانچہ تفاسیر میں ہے کہ حضرت رسولؐ کی بعثت کے نویں ۹ سال جب روم نصاریٰ کے قبضے میں تھا اور فارس پر آتش پرستوں کی حکومت تھی اتفاقاً دونوں میں فلسطین پر لڑائی ٹھنی تو مسلمان رومیوں کے اہلِ کتاب ہونے کی وجہ سے خواہاں تھے اور مشرکینِ مکہ ایرانیوں کے بہی خواہ تھے۔ ان کی خیر مناتے تھے۔ خدا کی شان ایرانیوں کی فتح ہوئی لہٰذا مشرکینِ مکہ تو بہت خوش ہوئے اور اپنی فال نیک سمجھے۔ مسلمانوں کو طعنے دینا شروع کیئے اور مذاق اڑانے لگے۔ آوازے کستے تھے۔ کہ جس طرح ان کی جیت اہلِ کتاب پر ہوئی ہے اسی طرح ہم بھی تم مسلمانوں پر غالب آئیں گے۔ مسلمان یہ باتیں سُن کر بہت غمگین و رنجیدہ ہوتے تھے چنانچہ خُدا نے ان کی تشفی کے واسطے یہ آیات نازل فرمائیں اور یہ بتایا کہ چند ہی دنوں بعد رومیوں (ممدوحینِ مسلمین) کی فتح ہوگی۔ اور ایرانی (ممدوحینِ مشرکین) مغلوب ہو جائیں گے۔ اللہ کی اس خوشخبری پر مسلمان بہت خوش ہوئے۔ یہی وُہ خوشی ہے جو "یفرح المومنون" میں بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ لوگوں نے اس بشارت پر مخالفین سے شرطیں باندھ لیں کیونکہ اس وقت تک شرط لگانا منع نہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے اسی بناء پر ابی ابن کعب سے تین برس کے لیئے دس دس اونٹوں کی شرط کی۔ جب

رسول کریم کو معلوم ہوا تو حضورؐ نے فرمایا مدت اور مقدار بڑھاؤ کیونکہ "بضع سنین" تین برس سے نو برس تک کو کہتے ہیں۔ غرض نو سالوں پر سو سو اونٹ کی شرط لگی۔ اور جنگ اُحد کے وقت رومیوں نے ایرانیوں پر فتح پائی۔ اور حضرت ابوبکر نے ابی بن کعب کے وارثوں سے سو اونٹ وصول کئے۔ یہ پیشگوئی قرآن کے الہامی ہونے اور حضورؐ کے نبی برحق ہونے کی قطعی دلیل قرار پائی۔

مومنوں کی خوشی کا حال و مراد بیان ہوا۔ اور وہ وجوہات بھی ظاہر ہو گئیں جو مطلوب تھیں۔ لیکن یہاں ایک خاص نکتہ ہے کہ آخر "المومنون" کو غلبہ پر ایران کیوں پسند تھا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث رسولؐ ہے کہ اگر ایمان ثریا میں بھی نہ ملے گا تو ایران میں ملے گا۔ ایمان اور ایران کے اس رشتہ کی وجہ سے المومنون کو ایران سے خاص عقیدت و محبت تھی۔ باقی معترض کی مزعومہ مراد ان آیات سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔

اعتراض ۲۳۰:۔ اگر فاتحین حضرات ایماندار نہیں تھے تو فروع کافی کتاب الروضہ ص ۱۲۷ کی اس عبارت کا کیا جواب ہے:۔

انما غلب المومنون علی فارس فی امارۃ عمر۔ (روضہ کافی ص ۱۲۷)

بلاشبہ مومن لوگ ملک فارس پر حضرت عمر فاروق کے دور خلافت میں غالب ہوئے۔

جواب ۲۳۰:۔ بحث آیات قرآنی کی تھی لہذا قرآنی پیشگوئی کا زمانہ جنگ اُحد کا سال ثابت کر دیا۔ باقی دور عمر میں ایران کی فتح سے ہم انکار نہیں کرتے۔ بے شک حضرت عمر کے عہد میں مسلمان ایران پر قابض ہوئے۔ "المومنون" کو ایران پر خصوصاً غلبہ ہوا۔ اور اسی غلبہ کی وجہ ہے کہ آج بھی ایران میں مومنین کو غلبہ ہی حاصل ہے۔ ایمان اور ایران کا مستقل رشتہ حدیث رسولؐ سے ثابت ہے۔

رہی بات فاتحین کے ایمان کی تو یہ کسی طرح بھی ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔ تمام حملہ آور

واوذوا فی سبیلی وقاتلوا راہ میں تکلیفیں دیئے گئے اور جہاد کیے

کامل الایمان تھے۔ یا حاکم وقت مومن کامل تھا۔

اعتراض ۲۳۱: ۔ والذین امنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم اعظم درجۃ عند اللہ واولئک ھم الفائزون۔

اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرتیں کیں اور جہاد کیا خدا کے راستے میں اپنے اموال اور جانوں سے بہت بڑا درجہ ہے خدا کے نزدیک اور یہی لوگ وہیں کامیاب ہیں۔ (براۃ)

کیا اس آیت میں مہاجرین کو فائزالمرام نہیں کیا گیا اور ان کا بشہادت خداوندی فائزالمرام ہونا ایمان دار ہونے پر دال نہیں۔

جواب ۲۳۱: ۔ آپ بالکل جھوٹ کہہ رہے ہیں کہ اس آیت میں مہاجرین کو فائزالمرام کیا گیا ہے۔ اللہ سے خوف کھائیے اور اپنی کلام کو خدا سے منسوب مت فرمائیے۔ آیت کی ابتدا ہی ایمان سے ہے کہ وہ لوگ جو صاحب ایمان مہاجر ہیں جنہوں نے خدا کی سبیل کے لئے جانی و مالی جہاد کیا ہے وہ فائزالمرام ہیں۔ اور ایسے مہاجرین جو کامل الایمان مجاہد تھے ہم ان کے درجات کے منکر نہیں ہیں۔ وہ ایمان دار جن کا بشہادت خداوندی فائزالمرام ہونا ثابت ہے حضورؐ نے اُن کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔ "والذی نفسی بیدہ ان ھذا وشیعتہ ھم الفائزون"۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری (محمدؐ کی) جان ہے بتحقیق یہ (علیؑ) اور اس کے شیعہ فائزالمرام ہیں۔ (ابن عساکر۔ اخطب خوارزمی۔ جلال الدین سیوطی۔ فی الدار المنثور عبیداللہ امرتسری ارجح المطالب صفحہ ۶۵۷)۔ پس ایمان کی اوّلین دلیل تمسک ہے علی کے ساتھ اور اگر علیؑ کا دامن ہاتھ میں نہیں تو کروڑ ہجرت بھی دلیل ایمان نہیں ہے۔

اعتراض ۲۳۲: ۔ فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم

پس جن لوگوں نے ہجرتیں کیں اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری

وقتلوا لاکفرن عنھم سیاتھم ولادخلنھم جنت تجری تحتھا الانھار ثوابا من عند اللہ واللہ عندہ حسن الثواب (آلِ عمران)

اور شہید کئے گئے ضرور ان کے گناہوں کو گرا دوں گا اور ان کو ایسی بہشتوں میں داخل کروں گا جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں اور خدا تعالیٰ کے ہاں ثواب ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر ثواب ہے۔

اگر صحابہ کرام بقولِ شما ایمان دار نہیں تو پھر انہوں نے ہجرت کیوں کی اور اپنے گھروں سے کیوں نکالے گئے۔ اور ان کو تکلیفوں کا نشانہ کیوں بنایا گیا ؟

جواب ۳۲۲ :۔ قریشی صاحب ایک ہی بات کو بار بار پوچھ کر وقت نہ ضائع کریں۔ ہزار اعتراضات پھر بھی ادھورے ہی رہیں گے۔ اعتراضات ۳۰۴ تا ۳۱۰ کے جوابات میں اس آیت پر کافی جوابی بحث کی ہے پھر پڑھ لیجئے۔ ہم جن صحابیوں کے متعلق دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ صفتِ ایمان سے متصف نہ تھے۔ ان میں سے کسی ایک کی بھی ہجرت فی سبیل اللہ نہ تھی' ان کو کفارِ مکہ سے کوئی تکلیف نہ پہنچی تھی۔ ان کو زبردستی گھروں سے نکالا ہی نہ گیا تھا۔ نہ ہی انہوں نے ازراہِ خدا قتال کیا نہ ہی وہ مقتول ہوئے۔ اس لئے وہ لوگ جب تکلیفوں کا نشانہ خدا کی راہ میں بنے ہی نہیں تو اعتراض کیسا۔ اب سنئے انہوں نے اپنی مرضی سے ہجرت کیوں کی۔ علاوہ اُن اصحابِ متقین اور صالحین کے کہ جن کے ایمان لانے کا قوی سبب رستگاری آخرت تھی مثلاً عزِ رسولؐ جناب عمارؓ یاسر اور حضرت بلالؓ وغیرہ جن کو کفار کی انتہائی ظالمانہ سختیاں برداشت کرنا پڑیں کچھ لوگ ایسے تھے کہ زمانہ جاہلیت کے کاہنوں اور نجومیوں کی خبروں سے لالچ میں آئے۔ کوئی ہزار اونٹ سرخ اور درہم و دینار کے لالچ میں قتلِ رسولؐ کے ارادہ سے آیا مگر حمزہؓ کی دہشت کی تاب نہ لا سکا اور خوفزدہ ہو کر کلمہ پڑھ لیا اور ایک صاحب تو عورت کے حسن و جمال کے لالچ میں مسلمان ہوئے۔ علامہ سیوطی کی کتاب خصائص الکبریٰ ج ا ص ۱۳۱ میں تفصیل ملاحظہ فرما لیجئے آپ کو معلوم ہو جائیگا ان لوگوں نے محض حرص و لالچ اور طمع دنیا کیلئے ہجرت کی جو کسی سے کم نہیں اُن تکالیف اور خساروں سے آگاہ کریں جو خصوصاً ثلاثہ کو پیش آئے اور اُن کا جہاد کبھی بتائیے

اعتراض ۲۳۳ :۔ جب مہاجرین کے لئے خداتعالٰے نے ان کے گناہوں کو بخش دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور ان کو بہشتوں میں داخل کرنے کی بشارت دی ہے تو ان کے مخالف ایمان ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

جواب ۲۳۳ :۔ ہرگز ہرگز خدا نے تمام مہاجرین کی مغفرت کا وعدہ نہیں فرمایا۔ بلکہ صرف ان مہاجرین سے وعدہ ہے جو فی سبیل اللہ مہاجر ہوئے ۔ زبردستی گھروں سے نکالے گئے ۔ خدا کی راہ میں جہاد کیا شہادت پائی ۔ تمام صحابیوں کو مومن تسلیم کرنا درحقیقت قرآن مجید سے کفر کرتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں کئی آیات اس مضمون کی ہیں کہ صحابی ایمان لاتے رہے اور پھرتے رہے مرتد ہوتے رہے ۔ سورہ آل عمران کی تلاوت کیجئے ۔ ارشاد ہے کہ :

"خدا ایسے لوگوں کو کیونکر ہدایت دے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے حالانکہ وہ گواہی دے چکے تھے کہ رسول حق پر ہیں اور ان کے پاس کھلی نشانیاں آچکی تھیں اور خدا ظالم کو توفیق ہدایت نہیں دیتا۔" (پ۳ آل عمران ع ۹)

پھر فرمایا : "جس دن بہت سے لوگوں کے منہ سفید ہوں گے اور بہتوں کے سیاہ اور کالے منہ والوں سے کہا جائے گا کہ کیا تم وہ کم بخت نہیں ہو کہ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے ۔ اس کفر کے بدلے عذاب کے مزے چکھو ۔" (پ۴ آل عمران ع ۱۱)

المختصر صحابہ کے کفر و ارتداد کا قائل نہ ہونا خدا کی تکذیب کرنا ہے اس لئے کاذب اصحاب کی حمایت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ یا قرآن کا انکار کرو یا ان غیر مومنین کا ایمان غیر معتبر مانو

اعتراض ۲۳۴ :۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا

ان فقراء مہاجرین کے لئے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے

وینصرون اللہ ورسولہ اولئک ھم الصادقون

خداتعالیٰ کی فضل اور رضامندی کو طلب کرتے ہیں اور خدا اور اس کے رسول کے دین کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ سچے ہیں۔

کیا اس آیت میں خداتعالیٰ نے مہاجرین حضرات کے عزم خالص کی گواہی نہیں دی اور آپ حضرات کے جمیع شکوک وشبہات کی تردید نہیں کی۔

جواب ۲۳۴ :۔ ایسے تمام مہاجرین میں سے فقراء حضرات جن کی شہادت اللہ نے آیت میں دی ہے بیشک سچے تھے ہم کبھی ان کے ایمان پر شک وشبہ نہیں کرتے۔ ہم جن مہاجرین صحابہ کے مخالف ہیں وہ نہ ہی فقیر تھے (بلکہ غنی مشہور تھے) نہ ہی ان کو گھروں سے زبردستی نکالا گیا۔ ان کا کوئی مالی نقصان نہ ہوا۔ وہ خدا کی مرضات اور فضل کو طلب کرنے والے نہیں تھے (جبکہ صحابہ صالحین کے سردار نے خدا کی رضامندیاں خریدی تھیں) انہوں نے خدا اور رسولؐ کے دین میں ترمیم وتغیر کیا اور وہ ایسے کاذب تھے کہ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق صدیق اکبر علی ابن ابی طالبؑ نے ان کو علانیہ جھوٹا اور آثم کہا۔ چونکہ ہم ان نام نہاد صحابیوں میں ایسے صفات کا فقدان پاتے ہیں جو عزم خالص کی گواہی دیتے ہیں لہٰذا ہمارے شکوک بلکہ یقین کی تردید کرنا ممکن ہی نہیں۔

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ کفارِ مکہ حضورؐ کے دشمن تھے اور آپ کے کنبہ واہل بیت سے عداوت رکھتے تھے۔ ان مالی لحاظ سے ضعیف اصحاب کو اذیت پہنچایا کرتے تھے۔ ہمیں ان اصحاب پر کئے گئے مظالم کی گواہی تاریخ سے نہیں ملتی ہے جن پر ہم تنقید کرتے ہیں۔ جناب بلال رضی اللہ عنہ پر مظالم ہوئے تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اسی طرح ہمیں دکھایا جائے کہ حضرات ثلاثہ پر کیا ظلم وستم ہوا۔ حضورؐ کو شعب ابوطالب میں نظر بند کیا گیا۔ بتائیے ثلاثہ میں سے کوئی ایک

بھی اس نظر بندی میں شامل تھے ۔ نہ ہی فقر اور نہ ہی اخراجِ دیار و مظالم ثابت ہیں تو پھر آپ محض ہٹ دھرمی سے کام لے کر دوسروں کی فضیلتیں اُن کے سر کیوں جاتے ہیں ورنہ اس آیت کے مصداق صحابہ کرام رضؓ جن پر سختیوں کے پہاڑ توڑے گئے آپ سے مواخذہ کریں گے ۔ یہ کیا ظلم ہے کہ مصائب تو برداشت کریں فقراء مہاجرین اور آپ خیانت کر کے اس استقلال کا سہرا بادشاہوں کے سر لگا کر اپنی عاقبت برباد کرتے ہیں ۔ اگر آپ یہ صفات اپنے مزعومہ صحابیوں میں ثابت کر دیں تو ہم بیشک ان کے ایمان کے قائل ہو جائیں گے ۔

اعتراض ۳۳۵ :۔ کیا خدا اور اس کے دین اور اس کے رسول مقبولؐ کے ناصرین کے متعلق عدم ایمان کا شبہ کرنا درست ہے ؟

جواب ۳۳۵ :۔ جی نہیں ۔ ہم جن پر شبہ کرتے ہیں محض ان ہی اسباب کے فقدان کے باعث کرتے ہیں ۔

اعتراض ۳۳۶ :۔ کیا صدق فی دعویٰ الایمان اور کفر یکجا جمع ہو سکتے ہیں ؟

جواب ۳۳۶ :۔ جی نہیں ۔

اعتراض ۳۳۷ :۔ اگر اہلِ بدر صحابہ کرام ایماندار نہیں تھے (معاذ اللہ) تو " اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ ! " کا کیا جواب ہے ؟

جواب ۳۳۷ :۔ ہم ہرگز یہ نہیں کہتے کہ اہلِ بدر تمام کے تمام صحابہ ایماندار نہ تھے اس آیت (جو غلط نقل کی گئی ہے) میں خدا نے مومنین کاملین کے لئے امداد کا دعوی کیا ہے ۔ اصحاب کے دو گروہوں کا بیان اسی آیت کی پہلی آیت میں موجود ہے جو ثابت کرتی ہے کہ صحابہ میں دو

طائفے تھے۔

"واذ غدوت من اهلك تبوی المومنین مقاعد للقتال ۚ والله سمیع علیم ۝ اذ همت طائفتٰن منکم ان تفشلا ۙ والله ولیهما ۗ وعلی الله فلیتوکل المومنون ۝ ولقد نصرکم الله ببدر وانتم اذلة ۚ فاتقوا الله لعلکم تشکرون ۝ اذ تقول للمومنین الن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلثة الف من الملائکة منزلین ۝

"اور (اے رسولؐ) ایک وقت وہ بھی تھا جب تم اپنے گھر والوں سے تڑکے ہی نکل کھڑے ہوئے اور مومنین کو لڑائی کے مورچوں میں بٹھا رہے تھے اور اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب تم میں سے دو گروہوں نے ٹھان لیا تھا کہ پسپائی کریں اور پھر اللہ تو ان کا ولی ہے اور مومنین کو خدا ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے یقیناً خدا نے جنگ بدر میں تمہاری مدد کی۔ باوجودیکہ تم دشمن کے مقابلہ میں بالکل بے حقیقت تھے پھر بھی خدا نے فتح دی۔ پس متقی بنو اور اللہ کے شکرگزار رہو۔ (اے رسولؐ) اس وقت تم مومنین سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے آسمان سے بھیج کر تمہاری مدد کرے"۔

(سورہ آل عمران ۳ع ۱۲۱تا۱۲۴)

پھر ارشاد ہے کہ ہاں (ضرور کافی ہے) بشرطیکہ تم ثابت قدم رہو، متقی رہو، اور کفار اپنے دفور میں تم پر چڑھ بھی آئیں تو تمہارا پروردگار ایسے پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا جو نشان جنگ لگائے ہوئے ڈٹے ہوں گے۔ (ع ۱۲۵)

یہ آیات دراصل جنگ احد کے وقت نازل ہوئی ہیں اور مسلمانوں کی ڈھارس بندھانے کے لئے ان میں جنگ بدر کا تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ خدا نے فرشتوں

کی امداد کا جو اعلان فرمایا ہے وہ ان مومنین کے لئے ہے جو "صابر اور متقی" تھے ۔ پس چونکہ جن حضرات سے ہمیں اختلاف ہے وہ یا تو پسپائی کرنے والوں کے طائفہ میں تھے یا جنگ سے مفرور تھے یا غیر متقی تھے ۔ "لا فتیٰ الا علی" اور "لا سیف الا ذوالفقار" فرشتوں کے نعرے تھے جیسا کہ شیخ عبدالحق نے مدارج النبوۃ میں لکھا ہے اور پس ثابت ہوا کہ یہ فرشتے صرف ان مومنین صحابہ کے معاون ہیں جن کے سردار اور ولی حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں ۔ حضرت علی کے مخالف صحابی خواہ وہ بدری ہی کیوں نہ ہوں اس استمداد کے مستحق نہیں ہیں اور پھر بات ثلاثہ پر آتی ہے ۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ثلاثہ میں سے کسی بھی صاحب کو جنگ بدر میں نہ ہی کوئی زخم لگا اور نہ ہی کوئی زخمی ان کے ہاتھ سے ہوا ۔ اگر کوئی ایسا واقعہ ہو تو مع توثیق پیش کیا جائے ۔ واضح ہو کہ بعض روایات سے عبداللہ ابن ابی کا جنگ بدر میں شامل ہونا ملتا ہے جس کی منافقت مسلمہ بین الفریقین ہے ۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ محض بدری ہونا باعث فضیلت نہیں بلکہ ایمان باخلوص ضروری ہے ۔ بلاشبہ صابر و متقی مومن صحابہ رفقاء ملائکہ ہیں مگر غیر متقی، منافق اور بھگوڑے صحابی ہرگز کامل الایمان نہیں تھے ۔

اعتراض ۳۳۸ :۔ کیا امداد الٰہی کفار کے لئے نازل ہو سکتی ہے اور کیا ملائکہ رحمت مخالفین دین کے لئے بھی اتر سکتے ہیں؟

جواب ۳۳۸ :۔ کافروں کے لئے امداد الٰہی نازل نہیں ہوتی اور دین کے مخالفوں پر رحمت کے فرشتے نہیں اترتے ۔ یہی وجہ ہے کہ اہل بیت کے گھر فرشتے اترے کھانے اور کپڑے لائے ۔ قدر کی رات فرشتے صاحب الامر پر امر لے کر نازل ہوتے ہیں ۔ ذرا یہ تو بتایئے جن لوگوں پر فرشتوں کا نزول آپ کے زعم میں ہوا ان کے گھر کبھی کوئی بنیان بھی اتری یا کوئی کھجور کی گٹھلی جنت سے فرشتے لائے ؟ پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ عبدالمطلبؑ دین حق پر تھے کہ اللہ نے ابرہہ کے خلاف ان کی مدد فرمائی آئندہ ان کو کافر مت کہیں ۔

اعتراض ۳۳۹ :۔ اگر مجاہدین احد پر اعتراض ہے تو "اذ غدوت من اھلك تبوی المومنین" کا کیا جواب ہے؟

جواب ۳۳۹ :۔ ہمیں مسلمانوں کی روز اُحد لغزش پر کوئی اعتراض نہیں کیونکہ یہ خطا خدا نے معاف کر دی ہے۔ البتہ ہمیں اس وقت اعتراض ہوتا ہے جب آپ طوطا چشمی اور احسان فراموشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسلام کے محسن عظیم کی خدمات کو چھپا کر اپنے کاغذی فاتح اعظم کے قصیدے پڑھتے ہیں پھر ہم مجبور ہو جاتے ہیں کہ بخاری شریف سے ان احسانات کی طرف بڑھتے ہوئے لمبے لمبے قدم بلکہ سروں پر رکھے بھاگتے پیر اور بکری کی مانند رقص کردہ ٹانگیں صوتی تصاویر میں دکھا کر شرمندہ کر دیں۔

اعتراض ۳۴۰ :۔ اگر ان کی پسپائی دل میں کھٹکتی ہے تو آپ آنکھوں سے تعصب کے محدب شیشے اتار کر اللہ ولیھما کو غور سے کیوں نہیں دیکھتے تاکہ شبہات کا اندفاع ہو سکے۔

جواب ۳۴۰ :۔ مومن کو اہل اسلام کی پسپائی یقیناً دل میں کھٹکتی ہے مگر منافق اس سے راضی ہوتے ہیں چونکہ ہم مومنین ہیں لہٰذا یہ پسپائی آج تک ہمیں افسردہ کئے ہوئے ہے۔ ہم نے تو تعصب کی عینک کبھی آنکھوں پر لگائی ہی نہیں جس کے دوست ہیں علانیہ اس کے نعرے لگاتے ہیں جس سے بغض ہے علانیہ اس پر تبرا کرتے ہیں۔ محدب شیشے میں پھر بھی کچھ نظر تو آتا ہے لیکن افسوس ہے کہ آپ نے اندھی عقیدت کی پٹی آنکھوں پر باندھ رکھی ہے جب ہمیں غزوۂ احد سے کوئی بحث ہی مقصود نہیں ہے تو پھر بار بار چھیڑ خوانی کر کے کیوں اپنے تعصب کا اظہار کرتے ہیں اور جو "اللہ ولیھما" کی بات آپ کرتے ہیں شاید اسے دیکھا نہیں ہے کیونکہ آنکھوں

پر موٹی پٹی ہے ذرا اسے اتار کر ملاحظہ فرمائیے تاکہ فلیتوکل المومنین کے الفاظ بھی آپ کو نظر آجائیں اور آپ کے شبہات کا اندفاع ہوجائے کہ اللہ نے متوکل مومنوں کا ولی ہونا فرمایا ہے اور آپ تو ولایت کے قائل ہی نہیں ہیں لہٰذا ولی کی بات کیوں کرتے ہیں۔

اعتراض ۳۴۱:۔ اگر آپ مجاہدین احد کے پسپا ہونے کو زیر نظر لاتے ہیں تو ولقد عفا عنکم سے کیوں منہ پھیر لیتے ہیں؟

جواب ۳۴۱:۔ ہرگز ایسا نہیں ہے ہم بھلا اس معافی سے کیوں منہ پھیریں گے۔ افسوس یہ ہے کہ اس رعایت کے بعد بھی یار لوگ پیٹھ موڑ لیا کرتے تھے رسولؐ آوازیں دیتے تھے اور یہ غضب خدا کی طرف دوڑتے تھے لہٰذا صدائے پیغمبرؐ ہمیں اُحد کی پسپائی سے ہٹا کر حنین کی طرف متوجہ کرتی ہے اور خندق میں سروں پر بیٹھے پرندے بھی عجیب منظر دکھاتے ہیں۔

اعتراض ۳۴۲:۔ اسی طرح اگر ان کا یہ فعل بقول شما ارتکاب کفر تھا تو "واللہ ذو فضل علی المومنین" کا کیا جواب ہے؟

جواب ۳۴۲:۔ الحمد للہ کیا آیت وانی ہدایت یاد کروائی ہے آپ نے جو آپ کی صحابی پرستی کی عمارت کا انہدام کرتی ہے پہلے پوری آیت ملاحظہ فرمائیے:۔

ولقد صدقکم اللہ وعدہ اذ تحسونھم باذنہٖ حتی اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد ما ارٰکم ما تحبون منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاخرۃ ثم صرفکم عنھم لیبتلیکم

بے شک خدا نے (جنگ اُحد میں بھی) اپنا (فتح کا) وعدہ سچا کر دکھایا تھا جب تم اس کے حکم سے (پہلے ہی حملہ میں) ان (کفار) کو خوب قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ تمہارے پسند کی چیز (فتح) تمہیں دکھا دی اس کے بعد تم نے

ولقد عفا عنکم ؕ واللہ ذو فضل علی المومنین ٥

(آل عمران ع۶ ۱۵۲ پ۴)

(مال غنیمت دیکھ کر) بزدلانہ پن کیا اور حکم رسولؐ میں باہم جھگڑا کیا اور نافرمانی کی۔ تم میں سے کچھ تو طالب دنیا ہیں اور کچھ طالب آخرت ہیں۔ پھر تمہیں (بزدلی) نے (کفار) کی طرف سے پھیر دیا اور تم بھاگ کھڑے ہوئے اس سے خدا کو تمہارا (اخلاص ایمان) آزمانا منظور تھا۔ اس پر بھی خدا نے تم سے درگذر کی اور خدا مومنوں پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ نے صحابیوں کا نقشہ کھینچا ہے اور اس موقعہ کو اخلاص ایمان کا امتحان قرار دیا ہے۔ صحابیوں کے دو گروہ بیان کئے ہیں۔ ایک نافرمان رسولؐ اور طالب دنیا، دوسرا مطیع پیغمبرؐ اور طالب آخرت۔ جو بھاگے ایمان کے امتحان میں فیل ہوئے مگر پھر خدا نے معافی دے دی یعنی کچے ایمان والوں کو معاف کیا گیا۔ آئندہ موقعہ فراہم کیا کہ ایمان میں اخلاص پیدا کریں لیکن پکے مومن جو طالب آخرت تھے ان کو ایمان کے امتحان میں پاس کر دیا اور ان کامیاب مومنوں کے بارے میں کہا کہ ان پر اللہ فضل و کرم کرنے والا ہے۔ اس "فضل و کرم" کا استحقاق فیل شدہ صحابیوں کے لئے نہیں ہے بلکہ اُن کے لئے معافی ہے۔ اگر آئندہ اصلاح کرلیں تو فبہا ورنہ ناقص الایمان۔ بصورت اصلاح فضل کے مستحق ورنہ غضب کے حقدار۔ پس جب خدا صحابیوں کو دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہے تو آپ کس طرح سب کو حامل فضل کہہ سکتے ہیں؟

اعتراض ۳۴۳: اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ ص۵۳ میں ہے

" لما اشتدت قریش فی اذی رسول اللہ و اصحابہ

کہ جب قریش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کو تکلیف دینے کے بارے میں سخت ہو گئے۔

فرمایئے قریش جن اصحاب پر سختی کرتے تھے وہ کون تھے اور ان پر سختیاں کیوں کرتے تھے۔ اپنا ہمنوا سمجھ کر یا حضور اکرمؐ کا ہمنوا سمجھ کر دونوں شقوں پر مدلل روشنی ڈالیئے۔

جواب ۳۴۳:- قریش جن اصحاب پر سختیاں کرتے تھے وہ بنی ہاشم کے افراد اور چند فقراء و رفقاء رسولؐ تھے۔ جو لوگ شعب ابی طالب میں محصور ہوئے وہ قریش کی سختیوں کا زیادہ نشانہ بنے ان مظلوموں پر ظلم صرف نصرت و حمایت رسولؐ کی وجہ سے ڈھائے گئے۔ آپ کے مزعومہ اصحاب خصوصاً ثلاثہ صاحبان پر قریش نے کوئی ظلم نہ کیا۔ نہ ہی شعب ابی طالب میں وہ نظر بند ہوئے

صاحب مواہب لدنیہ صٓ پر لکھتے ہیں کہ" شروع میں چھ آدمی مسلمان ہوئے ابوبکرؓ، عمارؓ اور ان کی والدہ سمیہؓ، صہیبؓ اور بلالؓ اور مقدادؓ۔ رسول کریمؐ حضرت ابوطالب کی حفاظت میں رہے۔ ابوبکر اپنی قوم کی پناہ میں رہے۔ باقی لوگوں کو کفار مکہ نے پکڑ لیا اور انہیں لوہے کی زرہیں پہنائیں اور ان کو تپتی دھوپ میں بٹھا دیا۔"

اسی طرح کتاب" عروج اسلام" میں ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ اور ان کے والدہ اور والد مسلمان ہوئے یہ قدیمی مسلمانوں میں ہیں۔ بنی مخزوم۔ عمار اور ان کے ماں باپ کو مکہ کی گھاٹیوں میں اس وقت لے جاتے جبکہ پتھر سخت گرم ہو جاتے تھے اور وہاں ان بزرگواروں کو گرمی کی شدت میں اذیت دیتے تھے۔

ایک مرتبہ حضورؐ اس طرف سے گزرے اور فرمایا "آل یاسرؓ تمہارا اور ہمارا موعد جنت ہے" اس کے بعد یاسرؓ اسی ستم سے شہید ہوئے۔ عمارؓ کی والدہ سمیہؓ کو ابوجہل نے نیزہ مارا اور یہ اسلام کی اوّل شہیدہ قرار پائیں۔

ایسے محسنین اسلام جن پر لفظِ صبر کو فخر و زینت حاصل ہے حضورؐ کی ہمنوائی میں مصیبتوں کے پہاڑ اپنے سروں پر اٹھاتے رہے لیکن آپ نے کبھی ان کا تذکرہ بھی کرنا گوارہ نہیں کیا۔ بلکہ وہ لوگ جن کا بال بھی بیکا نہ ہو سکا ان کے دکھڑے اور افسانے آپ کے لبوں پر جاری رہتے ہیں۔

اعتراض ۳۴۴: جلاء العیون مصنفہ ملا باقر مجلسی کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰؓ کو سید الرسل کے پاس سیدہ فاطمہؓ کے نکاح کے لئے لانے والے سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ تھے۔ کشف الغمہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کا گواہ حضور علیہ السلام نے ابوبکرؓ و عمرؓ اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کو بنایا۔

فرمائیے اس انکشاف تام کے بعد بھی ان کے ایمان پر اعتراض کیا جاسکتا ہے؟

جواب ۳۴۴: جب حضرت ابوطالب علیہ السلام کا سیدہ خدیجہؓ اور سرورِ کائناتؐ کے نکاح کا خطبہ پڑھنا آپ کے نزدیک دلیل ایمان نہیں ہے تو پھر محض ابوبکر و عمر کا نکاح کے وقت حضرت علیؑ کے ساتھ آنا ثبوت ایمان کیوں کر ہو گا؟ باقی چونکہ دونوں صاحبان نے خواستگاری سیدہؑ کی درخواست کی تھی اور حضورؐ نے وحی الٰہی کا انتظار کرنے تک توقف فرمایا تھا لہٰذا ان دونوں پر یہ عقد مطابق وحی

ثابت کرنے کے لئے اور حضرت علیؑ کی فضیلت کا اظہار کرنے کے لئے ان کو بلایا ہوگا یا وہ خود ہی آئے ہوں گے۔ آخر مسلمان تو تھے پھر پیغمبرؐ کے سسر بھی تھے۔ آنے میں یا گواہ ہونے میں کیا قباحت ہے لیکن یہ شرکت بھی دلیل ایمان نہیں ہے۔

واضح ہو کہ کشف الغمہ کتاب میں سنی شیعہ دونوں روایات درج ہیں اسی طرح یہ گواہوں والی روایت صاحب کتاب نے کتاب "مناقب خوارزمی" سے نقل کی ہے جو شیعہ کتاب نہیں ہے۔ وہاں بھی یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا چھ مہاجرین اور چھ انصار کو بلالو۔ اس پاک جوڑے کا عقد تو خدا نے عرش عظیم پر کیا ہے اور چالیس ہزار فرشتوں نے گواہی دی ہے (سمعانی)

جس طرح حضورؐ کا عبداللہ ابن ابی پر نماز جنازہ پڑھنا اس کے ایمان کی دلیل نہیں ہوسکتا اسی طرح کسی کا سیدہؓ کے نکاح میں شرکت کرنا یا گواہ ہونا ایمان کی علامت نہیں ہوسکتا ہے۔

اعتراض ۳۴۵: اسی طرح سیدنا علیؓ کی موجودگی میں سیدنا عمرؓ نے سیدہ شاہ بانو کا نکاح سیدنا حسینؓ سے کیا (بحوالہ کافی بر حاشیہ مراۃ العقول ص ۳۹۵) فرمائیے کیا ارشاد ہے؟

جواب ۳۴۵: ایسا اعتراض آپ "جلاء الافہام" کے اعتراض ۹۸ کے ذریعہ کر چکے ہیں۔ جواب دیا جا چکا ہے۔ میری کتاب "ذکاء الافہام" دیکھ لیجئے۔ باقی اگر بی بی ہاجرہؑ کافر بادشاہ سے حضرت ابراہیمؑ قبول کر سکتے ہیں تو بی بی شہر بانو کے لئے بھی کوئی عذر نہیں جبکہ بی بی صاحبہ حضرت عمر کے دور میں آئی ہی نہ تھی۔

اعتراض ۳۴۶: الدرۃ النجفیہ شرح نہج البلاغہ ص ۲۲۵ میں ہے

وکان عند خفته مرضه یصلی بالناس بنفسه فلما اشتد به المرض امر ابا بکر ان یصلی بالناس.

"اور حضور علیہ السلام کو جب تکلیف تھوڑی ہوتی تھی تو خود نماز پڑھاتے تھے پس جب تکلیف شدید ہو گئی تو حضورؐ نے ابوبکر صدیقؓ کو حکم فرمایا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں"۔

فرمائیے اگر سیدنا صدیق اکبر بقول شما فاقد الایمان یا ناقص الایمان تھے تو آپ نے ان کو منصب امامت پر فائز کیوں کیا؟

جواب ۲۴۶: حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ:

"الصلوٰة واجبة علیکم خلف کل مسلم براً کان او فاجراً وان عمل الکبائر"

"نماز وہ فریضہ ہے جو ہر اچھے اور برے مسلمان کے پیچھے پڑھی جا سکتی ہے اگرچہ وہ گناہ ہائے کبیرہ کا مرتکب کیوں نہ ہوتا ہو" (مشکوٰۃ شریف ص۱۰۰)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ محض نماز کا پڑھا دینا کامل الایمان ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ فاجر اور مرتکب کبائر بھی منصب امامت نماز پر فائز ہو سکتا ہے حالانکہ ہم شیعوں کے نزدیک ایسا حکم رسولؐ ثابت ہی نہیں ہے۔

اعتراض ۲۴۷: اگر خدا تعالیٰ کے نزدیک صدیق صحیح الایمان نہیں تھے تو شب ہجرت رفاقت کے لئے ان کا انتخاب کیوں کیا؟

ملاحظہ فرمائیے تفسیر امام حسن عسکری صفحہ ۱۸۹ اور حیات القلوب صفحہ ۳۵۰ جلد ۲ اور غزوات حیدری صفحہ ۶۵ ترجمہ حملہ حیدری

جواب ۳۴۷: ہمیں افسوس ہے کہ تفسیر امام حسن عسکری، حیات القلوب اور غزوات حیدری میں کہیں بھی یہ لکھا ڈھونڈھ نہ سکے خدا نے حضرت ابوبکر کی رفاقت کو شب ہجرت کے لئے منتخب کیا۔ البتہ ان کا شب ہجرت رسول اللہؐ کے ہمراہ ہونا تسلیم شدہ ہے۔ کسی ضعیف سے ضعیف روایت شیعہ میں بھی یہ بات نہیں مل سکتی ہے کہ رسولؐ خدا نے حضرت ابوبکر کو دعوت دی ہو۔ غزوات حیدری ملا رفیع باذل کی کتاب حملہ حیدری کا ترجمہ ہے۔ یہ کتاب منظوم ہے اور اس کی مناظرانہ حیثیت کچھ بھی نہیں ہے۔ باذل مرحوم نے جو ہجرت کا واقعہ نظم کیا ہے بربنائے روایات سنیہ ہے اور وہ اشعار ذو معنی ہیں چنانچہ وہ خود اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ

"من از گفت راوی بیان میکنم ۔ جو اَلش برو گفته گر بیش و کم"

یا لکھتے ہیں: "زگفتار راوی آل رسول ۔ نہ از گفت ہر سفلہ بوالفضول"

لہٰذا جب خود صاحب کتاب اپنی تحریر کی ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ نہیں تو اس سے استدلال کرنا جہالت بلکہ حماقت ہے۔ باقی ہمیں حضرت ابوبکر کی معیت سے کبھی انکار نہیں ہوا۔ اگر اس معیت کو انتخاب رفاقت کہا جائے تو پھر میں یہ کہتا ہوں کہ خدا نے ایسا انتخاب اس لئے کیا تاکہ حضرت ابوبکر کی استقامت کا امتحان ہو جائے اور انہیں "لا تحزن" کے اعزاز سے نواز دیا جائے اور فہرست اولیاء اللہ سے اخراج ثابت ہو جائے کیونکہ اللہ کے اولیاء کو حزن نہیں ہوتا ہے۔ نیز حضرت صاحب کے ایمان کا بھی پتہ چل جائے کہ سانپ کے کاٹے سے روئے تھے یا پانچ ہزار درہم کے ضائع ہونے کے خوف سے یا پھر مشن ایسا تھا کہ آواز اعداء تک پہنچ جائے اور گرفتاری عمل میں آجائے یہ تفصیل بھری داستان ملاحظہ کیجئے میری کتاب "وصی رحمۃ للعالمین" میں اور "فروع دین" کے حصہ سوالات میں ان شاء اللہ سارے شبہات دور ہو جائیں گے۔ الفرض

یہ رفاقت صحیح الایمان ہونے کی بجائے ناقص الایمان ثابت کرے گی۔ اگر ہم سفر ہونا دلیل الایمان ہے تو وہ راستہ بتانے والا کافر بھی ایماندار بن جائے گا جس کو ساتھ لیا تھا۔

اعتراض ۳۴۸: اگر بقول شما حضرت صدیق نزد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم خالی از ایمان تھے تو آپ نے رفیق کیوں بنایا؟

جواب ۳۴۸: یہ سوال بالکل ایسا ہی ہے کہ کوئی پوچھ لے کہ جب ابلیس علم خدا میں مردود و ملعون تھا تو پھر ایسے فرشتوں کا سردار بنا کر اللہ نے اپنا تقرب کیوں بخشا قریشی صاحب حضورؐ نے حضرت ابوبکر کو دوست بنا کر امت کو سبق دیا ہے کہ "سپاں دے بچڑے نہ بندے متر بھاویں چلیاں دردھ پلاؤ" یعنی سانپوں کے بچے کبھی بھی فائدہ رساں نہیں بن سکتے خواہ ان کی کتنی ہی ناز و نعم سے پرورش کی جائے۔ شان خداوندی ہے "قحافہ" کے معنی بھی کچھ اس سے ملتے جلتے ہیں۔ ڈکشنری ملاحظہ کر لیجئے باقی جواب ۳۴۷ میں آپ کی فہمائش کے لئے کافی انتظام ہے۔

اعتراض ۳۴۹: اگر (ہیں) سیدنا علیؓ کے نزدیک حضرت صدیق اکبر مشتبہ الایمان تھے تو حضور علیہ السلام کو ان کے ساتھ کیوں جانے دیا؟

جواب ۳۴۹: اول تو سب پروگرام حضرت ابوبکر کا ساتھ جانا طے ہی نہ پایا تھا اور ہم نے پیچھے لکھا ہے کہ حضرت صاحب خود رسول اللہ کے تعاقب میں گئے لیکن اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ علیؑ کو بظاہر بھی معلوم تھا (علم خاص سے واقف تھے) تو علیؑ مرتبہ رسالت کے شناسا تھے انہیں معلوم تھا کہ رسولؐ خدا کے حکم سے ہجرت کر رہے ہیں اور اللہ نے حفاظت کا ذمہ لیا ہے لہٰذا اگر ابوجہل بھی ساتھ جاتا اور رسول اللہ لے جاتے تو علیؑ اعتراض نہ کرتے کیونکہ نبی پر اعتراض کرنا نبوت پر شک کرنے کے برابر ہے

جب رسولؐ کوئی فیصلہ کرے تو مومن کو اختیار نہیں کہ اس کو دل سے نہ مانے یا معترض ہو جبکہ حضرت ابوبکر مسلمان تو تھے۔

اعتراض ۳۵۰:۔

والذین ھاجروا فی اللہ من	اور جن لوگوں نے خدا کے راستے
بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی	مظلوم ہونے کے بعد ہجرت کی ہم
الدنیا حسنتہ و لاجر الاخرۃ	ضرور ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانہ
اکبر ولو کانو یعلمون	دیں گے اور آخرت کا اجر بہت بڑا
(نحل)	ہے اگر ان کو علم ہو۔

فرمایئے مکہ معظمہ میں جن لوگوں پر ظلم کیا گیا اس کی علت غائی کیا ہے؟

جواب ۳۵۰:۔ دین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پرخلوص حمایت و نصرت سے باز رکھنا۔

اعتراض ۳۵۱:۔ بسبب ظلم معاندین مکہ معظمہ سے کن لوگوں نے ہجرت کی ان کی نشاندہی فرمایئے؟

جواب ۳۵۱:۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، حضرت زید رضی اللہ عنہ، بنی ہاشم کے افراد خصوصاً" اولاد عبد المطلب رضوان اللہ علیہم اوران کے مخلص ساتھی۔ اللہ جن پر راضی ہوا۔ آپ والے صاحبان نہیں کیونکہ ان پر

معاندین کا ظلم ہی ثابت نہیں ہے۔

اعتراض ع۳۵۲ :۔ مذکورہ قسم کے حضرات کے ساتھ دنیا میں غلبے کا وعدہ پورا ہوا یا نہ اگر ہوا تو کیسے۔ ورنہ عہد الٰہی میں نقص لازم آئے گا۔ تفصیل درکار ہے۔

جواب ع۳۵۲ :۔ ان حضرات کو حسنات دنیا و آخرت سے نواز کر اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ مکہ فتح ہوا۔ جہاں یہ لوگ مغلوب تھے۔ اب یہ غالب ہوئے۔ سرکش ظالم محکوم ہوئے اور یہ حاکم و فاتح قرار پائے۔ حضورؐ کی التفات سے سرفراز ہوئے بادشاہوں کی حکومتیں ملیامیٹ ہوگئیں لیکن ان کی شان و شوکت کا دبدبہ آج بھی ہر کلمہ گو کے قلب پر ہے۔ اور ان کا نام تک انتہائی احترام و ادب سے لیا جاتا ہے۔ جبکہ ان کے مخالفین پر کوئی ساعتِ وقت ایسی نہیں کہ ان پر پھٹکار نہ پڑتی ہو۔

اعتراض ع۳۵۳ :۔

اذ غدوت من اھلک تبوی المومنین مقعد للقتال۔ "اے رسول! ایک وقت وہ بھی تھا جب تم اپنے بال بچوں سے تڑکے ہی نکل کھڑے ہوئے اور مومنین کو لڑائی کے مورچے پر بٹھا رہے تھے"

فرمائیے کن ایمانداروں کو حضور علیہ السلام نے مورچوں پر بٹھایا تھا کیا یہ لوگ حضور علیہ السلام کے صحابہ مجاہدین احد نہ تھے؟

جواب ۳۵۳: بالکل صحابہ مجاہدین اُحد ہی تھے۔

اعتراض ۳۵۴: جب ولقد عفا عنکم فرما کر مولائے کریم نے مجاہدین احد کے خلفشار کو معاف فرما دیا تو اب تک آپ کی زبانوں پر مسلسل شکوہ کیوں؟

جواب ۳۵۴: بے شک احد کی غلطی معاف کر دی گئی۔ ہمیں ہرگز اس سے کوئی شکوہ نہیں۔ بلکہ ہماری شکایت یہ ہے کہ توبہ کے بعد بھی گناہ جاری رہا۔ ہم احد کی تو بات ہی نہیں کرتے۔ بلا وجہ اعتراض کیوں ہے؟

اعتراض ۳۵۵: کیا صحابہ کرام مدینہ چلے گئے تھے یا وہاں منتشر ہو کر واپس آ گئے۔ شق اول کو کوئی شخص ثابت کرنے کی جرأت نہیں رکھتا اور شق دوم کا تحقق منفل الوجوہ قرار کیسے ثابت ہوا؟

جواب ۳۵۵: تاریخ سے پوری طرح ثابت ہے کہ احد کی لڑائی میں صحابہؓ منتشر ہو کر مدینہ چلے گئے تھے۔ کچھ لوٹ مار میں مصروف تھے۔ بعض پہاڑ پر چڑھ گئے تھے الغرض جدھر جدھر کسی کے سینگ سمائے چلتا بنا۔ یہ جرأت بندہ ملنگ کرتا ہے کہ آپ کی پہلی شق کو ثابت کرے۔ "آنحضرتؐ کے اصحاب آپؐ کو چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ ان میں سے کچھ مدینہ پہنچ گئے۔ کچھ پہاڑ کے اوپر ایک چٹان پر چڑھ گئے اور وہیں پر ڈیرے ڈال دیئے۔ پیغمبر خدا انہیں پکارتے تھے" اے بندگان خدا۔ اے اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ میرے پاس آؤ" (تاریخ طبری جلد ۲۔ ص ۲۰۱۔)

اب شق دوم کی طرف آئیے کہ مغرورین نے دین پر دنیا کو فوقیت دے کر اپنی ایمانی لاغری کا ثبوت دیا۔ علامہ طبری لکھتے ہیں: "وہ لوگ غنیمت غنیمت پکارنے لگے۔

عبداللہؓ نے کہا ٹھہرو۔ کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد نہیں ہے مگر انہوں نے ٹھہرنے سے انکار کر دیا اور مالِ غنیمت لوٹنے کے لئے چل دیئے۔"
(تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۹۷)

اب آیئے اپنے خلفاء کی طرف کہ حضرت ابوبکر اقرار کرتے ہیں کہ میں سب سے پہلے واپس آیا (تاریخ خمیس) حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں پہاڑ کے اوپر چڑھ گیا۔ (ازالۃ الخفاء)
حضرت عثمان صاحب تو ایسے بھاگے کہ تین دن بعد شکل دکھائی۔ (تاریخ کامل)
پس دونوں شقیں ثابت ہوئیں۔

اعتراض ۳۵۶:۔ اگر آپ کے نزدیک بغض ایمان وجہ فرار و انتشار تھا تو کعب بن مالک کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے۔
بحوالہ نہج الصادقین جلد ۴ صفحہ ۳۵۱:۔ کہ چوں وے راندیدیم ندا کردم یا علی یا معاشر المسلمین البشروا ہٰذا رسول اللہ۔ اصحاب متوجہ شدہ بروجمع شدند و بنیاد کارزار کردند تا آنکہ حق تعالیٰ نصرت ارزانی فرمود
"کہ جب میں نے حضور کو دیکھا تو ندا کی۔ اے علی اے مسلمانوں کے گروہ خوش ہو جاؤ یہ رسول پاک ہیں۔ اصحاب متوجہ ہو کر حضور پر پروانہ وار جمع ہو گئے اور جنگ شروع کر دی تا آنکہ خدا تعالیٰ نے فتح و نصرت عطا فرمائی۔

جواب ۳۵۶:۔ نہج الصادقین کی اس عبارت کا مطلب صاف ہے کہ لوگوں نے حضور کو اکیلا چھوڑ کر فرار اختیار کیا۔ جس طرح رسول اللہ پکارتے رہے اور لوگ پہاڑوں پر تیز بھاگتے رہے اسی طرح کعب نے بھی آوازیں دیں اور اس افواہ کی

ف۱ حضرت عبداللہ ابن جبیر رضی اللہ عنہ

تردید فرمائی کہ حضورؐ شہید ہو گئے ہیں۔ بغض ایمان کا اندازہ تو حضرت ابوبکر صاحب کے اس جملہ سے ہو جاتا ہے کہ انہوں نے لوگوں کو پرانے دین پر پلٹ جانے کی رائے دی۔ باقی جب ثابت قدم اصحاب نے جنگ کا پانسہ پلٹا تو رفتہ رفتہ باقی لوگ آنا شروع ہو گئے۔

اعتراض ۳۵۷: کیا آپ کے نزدیک حضور علیہ السلام اور حضرت علی سے فرار ثابت نہیں جبکہ آپ کی کتاب مجالس المومنین ص ۸۹ میں مسطور ہے۔ "اگر او بوقت عجز لغار فرار نمود ایں بوقت عجز در خانہ بر روئے خود فرار کرد۔ یعنی اگر حضور نے ہجرت کر کے فرار کیا تو حضرت علی نے گھر بیٹھ کر فرار کیا۔

جواب ۳۵۷: جہاد کے میدان سے فرار ضعف ایمان کی علامت ہے اور حضورؐ و حضرت علیؑ کا یہ فرار جہاد سے نہ تھا۔ اگر صرف فرار ہی مذموم ہے تو شاید ہی دنیا کا کوئی خر دہر گا جو ٹانگیں ہوتے ہوئے بھاگا نہ ہوگا۔ عقل و ہوش سے اعتراض کریں

اعتراض ۳۵۸:

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهٗ عَلٰى رَسُولِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَاَنْزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا۔

"پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اپنے رسول پر اور مومنین پر نازل فرمائی اور وہ لشکر بھیجے جن کو تم دیکھ نہیں رہے تھے"۔

کیا اس میں مجاہدین حنین کے ایمان پر مہر الٰہی ثبت نہیں؟

جواب ۲۵۸:۔ بے شک جو مجاہدین جنگ حنین میں ثابت قدم رہے اس آیت میں ان کے ایمان پر مہر الٰہی ثبت ہے لیکن آپ والے نام نہاد مجاہدین نے تو یہاں بھی بے ایمانی کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے فرار کیا ہے۔ حالانکہ عہد رضوان اور بیعت شجرہ کر چکے تھے۔ پھر بھی عہد شکنی کرنے سے باز نہ آئے پہلے ان کا ایمان ثابت کرو پھر مومنوں کی شان کی آیات کو ان کی طرف منسوب کرو۔ پہلے اپنے موم کے پہلوانوں کا جہاد قرآن سے سُنیئے:

"ویوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین" (توبہ م ۲۵)	"اور حنین کا دن یاد کرو جبکہ کثرت تعداد نے تمہیں مغرور بنا دیا تھا مگر اس کثرت نے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے"

یہ دُم دبا کر بھاگنا دیکھ کر ابو سفیان اور کلدہ جیسے دشمنانِ اسلام نے آوازے کسے کہ "ابھی یہ کیا بھاگے ہیں یہ لوگ ہزیمت سے سمندر تک بھاگیں گے" یعنی ڈوب مریں گے۔ اور کہا "آج اسلام کا جادو باطل ہو گیا ہے"

اب آپنے مایۂ ناز بہادر کا فرار ملاحظہ کریں۔ کتاب بھی مایۂ ناز اور شاہکار بھی مایۂ ناز اور کارنامہ بھی مایۂ ناز "تینوں مایۂ ناز ہیں۔

انھزم المسلمون وانھزمت معھم فاذا لعمر ابن الخطاب فی الناس فقلت ماشان الناس قال امر اللہ (صحیح بخاری جلد سوم ص ۲۵)	مسلمانوں نے راہ فرار اختیار کی اور میں (ابو قتادہ) بھی ان کے ساتھ بھاگ نکلا۔ اچانک میں نے ان لوگوں میں (مفرورین میں) عمر ابن خطاب کو دیکھا تو کہا کیا ہو گیا ہے ان لوگوں کو۔ کہا اللہ کی مرضی۔

کیا ایسے ہی بھگوڑوں پر آپ مہر الٰہی ثبت کرتے ہیں۔ ضرور کریں مگر یہ مہر غضب الٰہی کی ہوگی۔ ہائے افسوس رسولؐ اس طرح نصرت کو پکاریں "انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب "میں نبی ہوں جھوٹ نہیں میں عبد المطلب کا فرزند ہوں۔ بارہ ہزار کے جم غفیر میں سے بارہ آدمی بھی صداقت نبی پر اعتبار نہ کریں۔ اور پھر دعویٰ ایمان اگر ایمان یہی ہے تو ایسے ایمان سے بے ایمانی بھلی ہے۔ جب لوٹ مار کا موقع ہو تو پروانے لیکن آزمائش کے وقت بیگانے۔ ٹھیک ہے قریشی صاحب۔ یہ پروانے ہوتے ہی ایسے ہیں کہ روشن شمع کے گرد طواف کرتے ہیں اور جو نہی شمع گل ہوتی ہے بھاگ جاتے ہیں۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ اگر اللہ نے سکینہ ان ہی مجاہدین پر نازل کیا جو پیر نہ جما سکے تو کیا خدا کی رحمت کی توہین نہیں ہے۔ اب یا اللہ کے سکینہ کی حفاظت کر لو یا ان کو فہرست مومنین سے خارج تسلیم کرو۔ میں چیلنج کے ساتھ کہتا ہوں کہ جنگ حنین میں ثابت قدم رہنے والوں میں آپ کے ثلاثہ کے نام نہیں مل پاتے ہیں یہ جنگ بہت بڑا ثبوت ہے کہ ان کا ایمان ناقص تھا۔ کیونکہ آخری غزوہ ہے اس کے بعد تلافی کی بھی گنجائش ختم۔

اعتراض ۳۵۹:

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبا یعونک تحت الشجرۃ — البتہ تحقیق ایمانداروں سے راضی ہو گیا جبکہ آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

میں بیعت رضوان کرنے والوں کے ایمان پر خداوندی شہادت موجود ہے کیا پھر بھی آپ کی آنکھوں پر تعصب اور انکار کے محدب شیشے بحال ہیں

جواب ۳۵۹:- ہم مانتے ہیں کہ جن مومنین نے بیعت رضوان کی اللہ ان سے راضی ہو گیا۔ لیکن ہمیں اللہ نے باریک بینی کی توفیق دی ہے اور تعصب و انکار کے محدب شیشے جو ہماری آنکھوں پر آبائی مسلک کی پیروی میں لگے ہوئے تھے اتار دیئے ہیں۔ لہٰذا گزارش یہ ہے کہ آیت میں اللہ کا راضی ہونا صرف مومنین کے لئے ہے نہ کہ ہر ایک ہاتھ مارنے والے کے لئے "عن المومنین" کے لفظ موجود ہیں لہٰذا اس آیت سے استدلال کرنے سے قبل متبع کا صاحب ایمان ہونا ثابت کیا جائے پھر شہادت خداوندی معقول ہوگی۔ حضرت علیؑ سے جب دریافت کیا گیا کہ آپ نے فرار کیوں نہ کیا تو جناب امیرؑ نے حضورؐ سے جواباً عرض کیا کہ "میں ایمان کے بعد کفر نہیں کر سکتا" یعنی حیدر کرارؑ کے نزدیک جنگ سے بھاگنا "کفر" تھا۔ بیعت شجرہ کی علت غائی یہی تھی کہ مسلمانوں سے یہ عہد لیا جائے کہ وہ جنگ میں ثابت قدم رہیں گے۔ جن اصحاب رضی اللہ عنہم نے ایفائے عہد کیا بے شک اللہ ان سے راضی ہوا۔ لیکن جو صحابہ اس بیعت کو توڑنے کے مرتکب ہوئے یقیناً خدا اور اس کا رسولؐ ان سے ناراض ہوئے۔ اگر بیعت رضوان کے موقعہ پر بالفرض محال تمام بیعت کرنے والوں کو خالص ایماندار مان لیا جائے تو پھر بھی جنگ حنین جو کہ اس بیعت کے بعد لڑی گئی جب لوگ مغرور ہوئے مردود ٹھہرے اور نام نہاد اصحاب کا جنگ حنین سے فرار کتب سُنیہ سے پوری طرح ثابت ہے پس ہم ایسے بھاگنے والے افراد کے ایمان کو ناقص سمجھتے ہیں۔

اعتراض ۳۶۰:- کیا ایمان مجاہدین حدیبیہ کے لئے "ھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المومنین" کافی نہیں؟

جواب ۳۶۰:- نزول سکینہ قلوب المومنین کے لئے ہے جب ایمان ہی ثابت نہیں تو کفایت کیسی؟

بحث در تردید نفاق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اعتراض ۳۶۱: اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ یہ لوگ عہد نبوت میں بطور نفاق ایمان لائے تھے تو فرمایئے مکی زندگی میں دنیوی سیاست ابو جہل کے قبضے میں تھی یا حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں؟

جواب ۳۶۱: ابو جہل کے قبضے میں

اعتراض ۳۶۲: اگر کہا جائے کہ حضور اکرمؐ کے قبضے میں تھی تو یہ خلاف واقع ہے اور اگر ابو جہل کے قبضے میں تھی تو پھر منافقت جب بوجہ خوف ہوتی ہے تو صحابہ کرام کو ابو جہل کی پارٹی میں ہونا چاہیئے تھا یا حضورؐ کی جماعت میں۔ کچھ تو عقل چاہیئے۔

جواب ۳۶۲: آپ کا یہ خیال خلاف عقل ہے کہ نفاق محض بوجہ خوف ہوتا ہے بلکہ منافقت کے اور بھی اسباب ہیں۔ جاسوسی، حرص و طمع، حسن پرستی، ذاتی عداوت اور متوقع روشن مستقبل وغیرہ وغیرہ۔ لہذا مسلمانوں میں ہر طرح کے منافق

ملے جُلے تھے۔

اعتراض ۳۶۳:۔ قرآن مجید میں ہے:۔

یایھا النبی جاھد الکفار و المنافقین واغلظ علیھم "اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر تشدد فرمائیے"

اگر صحابہ کرام منافق تھے العیاذ باللہ تو فرمائیے حضور علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے اس کا علم دیا تھا یا نہ؟

جواب ۳۶۳:۔ علم دیا تھا۔

اعتراض ۳۶۴:۔ اگر نہیں دیا تھا تو حکم الٰہی کا بے نتیجہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ ناجائز ہے۔

جواب ۳۶۴:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم دیا گیا تھا۔

اعتراض ۳۶۵:۔ اور اگر علم دیا تھا تو فرمائیے حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کے ساتھ جنگ کیوں نہ کی کیا اس سے حکم خداوندی کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی؟

جواب ۳۶۵:۔ پہلے آپ یہ بتادیجئے کہ آپ منافقوں کا وجود بھی تسلیم کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں کرتے تو آپ مسلمان ہی نہیں کہ کلام خدا کے منکر ہیں اور اگر مانتے ہیں

کہ منافق ضرور تھے تو پیغمبر بتائیں ان کی پہچان کیا تھی۔ جس وقت آپ نے پہچان لیا تو نفاق نہ رہا بلکہ وہی شخص جو آپ کی جاہلیت کے عالم میں منافق تھا بعد از علم کافر قرار پا گیا منافق نہ رہا لہٰذا معلوم ہوا کہ منافق کی تعریف یہی ہے کہ بشکل مومناں کرتوت کافراں۔ پس جب منافقت پوشیدہ شئے ہے تو اس سے جہاد بھی پوشیدہ طور پر ہوگا۔ یہی اسلامی سیاست ہے کہ مکر سے مکر ٹکرائے کہ اللہ خیر الماکرین ہے۔ لہٰذا جس طرح رسولؐ نے منافقوں کو نشر نہ فرمایا اسی طرح حضورؐ نے ان کے خلاف اپنا جہاد بھی علانیہ نہ فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود ظاہر حکم قرآن کے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضورؐ نے منافقین کے خلاف علانیہ جہاد فرمایا ہو۔ اگر آپ دعوی کرتے ہیں کہ حضورؐ نے جہاد بالسیف جماعت منافقین کے ساتھ فرمایا تو براہ مہربانی ہمیں بھی اس غزوہ کے نام سے آگاہ فرمادیں۔

لیکن یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ نبیؐ حکم خدا بجا نہ لائے۔ لہٰذا منافقوں کا جہاد اس طرح ہوا کہ منافق و مومن کی پہچان ذات امیر المومنینؑ اور نفسِ رسول العالمینؐ سے متعلق کی گئی اور ارشاد فرمایا کہ "علیؑ میرے وعدے پورے کرے گا" پھر فرمایا کہ جس طرح میں نے تنزیل قرآن کی خاطر جہاد کیا اسی طرح علیؑ تاویل قرآن پر جہاد کرے گا۔" چنانچہ بظاہر رسول اکرمؐ کا یہ وعدہ نفس رحمتہ للعالمینؐ، شیخ الانصار والمہاجرین، قائد الغر المحجلین، یعسوب الدین، قاتل الناکثین والقاسطین والمارقین، امیر المومنین، امام المتقین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے کیا۔ حضورؐ کی حدیث ابن عمر سے مروی ہے کہ "علی میرے وعدوں کو پورا کریگا" (دیلمی) پس یہ جہاد حضورؐ کی طرف سے وصیؑ رسول نے فرمایا۔

اعتراض ۲۶۶ :- اگر بقول شما ان کا نفاق متصور ہو تو کیا نفاق کا گناہ کفر سے بدتر نہیں جب بدترین ہے تو حضور علیہ السلام کو صحابہ کرام کی غلطیوں سے درگزر کرنے اور نظر عفو سے کام لینے اور ان کے لئے بخشش طلب کرنے پر مکلف کیوں بنایا گیا منافقین کے لئے دعائے مغفرت کرنا ان

کی غلطیاں معاف کرنا اوران سے مشورہ کرنا جائز ہے جیساکہ سورت میں وارد ہے۔ فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر۔

جواب ۳۶۶ : بقول ما نہیں بلکہ ان حضرات کی کرتوتیں نفاق کو یقینی ثابت کرتی ہیں اور منافقت کفر سے بدترین ہے۔ یہ فطری اصول ہے کہ اللہ ہمیشہ ڈھیل دیا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلامی دستور میں تشدد پر امن کو فوقیت حاصل ہے۔ حضور امن وسلامتی کا ہر طریقہ بروئے کار لانے کے بعد سختی فرمانے کے قائل تھے۔ لہٰذا اتمام حجت کے لئے پیار ومحبت واخلاق کے تمام رواسم عمل میں لائے گئے۔ ابوجہل جیسے سرکش کے لئے دعائیں مانگی گئیں عبداللہ ابن ابی کے روز احد والے غدارانہ اقدامات درگذر کر لئے گئے۔ ان سے مشاورت کرکے اعتماد بحال کرنے اور تبلیغ کو مستحکم کرنے کا طریقہ آزمایا گیا۔ لیکن ان ساری نوازشات کے باوجود وہ دولت ایمان سے مالامال نہ ہوسکے۔ لہٰذا اخلاقی ضوابط اور قرآنی شرائط کے تحت یہ اسلام کے سنہرے اصول ہیں کہ مخالفین سے مواعظ حسنہ اور عمدہ اخلاقی اقدار سے پیش آیا جائے۔ اور جب یہ ساری شرافت کی حجت تمام ہوجائے تو پھر اسلام کے پاس تلوار کے علاوہ اور کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مجمع اصحاب میں منافق ومومن کا علم صرف اللہ کو یا رسولؐ کو یا ان اصحابؓ باوفا ہی کو تھا جن کو بتایا گیا۔ اس کے علاوہ عام لوگ یہ شناخت کرنے سے قاصر تھے۔ جب ظاہراً وہ کلمہ گو تھے۔ لہٰذا ان سے ظاہراً ویسا ہی سلوک کیا جاتا تھا جس طرح کہ ایک عام مسلمان کے لئے ہونا چاہیئے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو اسلام کو سخت خطرہ ہوتا جیساکہ اسی آیت کی ابتدا میں ہے کہ اگر اللہ کا رسول خلیق نہ ہوتا بلکہ بدمزاج اور سخت گیر ہوتا تو یہ لوگ تتر بتر ہوجاتے۔ لہٰذا استحکام اسلام کی خاطر پالیسی معاملہ فہمی کے مطابق حضورؐ کو ایسا حکم ہوا۔ اور پھر اس آیت کے اختتام پر رسولؐ کو کلی اختیار دیا گیا کہ فیصلہ وہ اپنی صوابدید اور وحی کے مطابق کریں۔ اس آیت کی تشریح ہم گزشتہ اوراق میں کرچکے ہیں۔ پس خدشہ انتشار وتفرق کی بنا پر اللہ نے حضورؐ کو ایسا حکم دیا۔ یہ سبب ہی اصحاب کے ضعف ایمانی کے لئے کافی ثبوت ہے کہ اگر رسولؐ برحق نرمی کی بجائے

تند خوئی سے کام لیتے تو یہ لوگ گروہ اسلام سے الگ ہوجاتے۔ اس طریقہ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ان کی منافقت سے اسلام کئی خطروں سے محفوظ رہا۔ کفار کی نفری کم ہوگئی علانیہ مخالفت کا زور ٹوٹ گیا۔ خفیہ ریشہ دوانیوں سے حضور کو باخبر رکھا جاتا تھا۔ مسلمانوں کی بڑھتی تعداد کو دیکھ کر وہ لوگ بھی حلقہ بگوش اسلام ہوئے جو دین کی طرف راغب تھے لیکن خوفزدہ تھے اور ایسے لوگ بھی شامل ہوئے جو دیکھا دیکھی چڑھتے سورج کی پوجا کرنے کے عادی تھے۔ ان میں سے کئی افراد حقانیت سے متاثر ہوئے۔

بہرحال اس آیت سے تمام کے تمام صحابیوں کا کامل الایمان ہونا بالکل ثابت نہیں ہے جبکہ مغفرت کی دعائیں حضور منافقوں کے لئے بظاہر کرتے رہے اور قرآن نے منافقوں کو خبردار کردیا کہ اس بھول میں نہ رہیں کہ میرا رسول ان کی بخشش کے لئے دعا کرتا ہے لہٰذا وہ مغفور ہیں بلکہ یہ ایک سیاسی حکمت عملی ہے ورنہ منافق کے لئے رسول کا دعا کرنا منافق کے لئے فائدہ مند نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:-

"سواء علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفر لھم ط لن یغفر اللّٰہ ان اللّٰہ لا یھدی القوم الفاسقین۝ (منافقون ۶)

یعنی اے رسول! تم ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو یا نہ کرو یہ برابر ہے کیونکہ اللّٰہ تو اُن کو ہرگز نہ بخشے گا۔ خدا تو فاسقوں کو ہرگز ہدایت نہیں دیتا ہے۔

پس یہ دعائے مغفرت، مشاورت اور عفو و درگذر صرف اخلاقی ضوابط کے تحت تھی کہ ممکن ہے یہ لوگ راہ راست پر آجائیں لہٰذا ان امور کی موجودگی بھی منافق صحابیوں کا ایمان ثابت نہیں کرسکتی ہے۔

اعتراض ۳۶۷:- بقول شما انبیاء علیہم السلام اور آئمہ کرام کے لئے علم غیب ضروری ہے۔ اگر حضورؐ کو ان کے نفاق کا علم نہیں تھا تو

آپ لوگوں کا مسلک غلط ٹھہرا اور اگر علم تھا تو ان سے قطع تعلق ثابت کیجئے۔ پھر نہ صرف قطع تعلق بلکہ ان سے اعلان جہاد اور جہاد ثابت کیجئے جبکہ جاھدا لکفار والمنٰفقین قرآن پاک میں موجود ہے

جواب ۳۶ :۔ بے شک ہمارا ایمان ہے کہ نبی و امام کو دور کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منافقوں کا علم تھا بلکہ معتمد اصحاب رضی اللہ عنہم کو بھی آنحضرت نے بتایا تھا۔ اب سنئے ان سے قطع تعلق کیوں نہ کیا۔

اسلام ایک عالمگیر ضابطہ حیات ہے اس کی تعلیمات قطع تعلقات نہیں بلکہ اتحاد واخوت باہمی ہیں۔ اسلام کی کبھی یہ خواہش نہیں ہوتی ہے کہ وہ بنی نوع انسان سے اپنے رشتے توڑ کر الگ تھلگ ہو جائے۔ بلکہ اس کا طلوع ہی اس مقصد کے لئے ہوا ہے۔ بکھرے اجزاء کی شیرازہ بندی کردے۔ اسلام نہ ہی سفاحت و تشدد کا پرچار کرتا ہے اور نہ ہی سوشل بائیکاٹ کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کا بنیادی منشور یہ ہے کہ حتی الوسع انسانی فطری حقوق کی حفاظت کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کسی علانیہ دشمن پر بھی تلوار کا پہلا وار نہیں کرتا بلکہ دفاعی تدابیر اختیار کرتا ہے۔ اگر شومئی قسمت سے تمام آئینی و پرامن ذرائع ناکارہ ثابت ہو جائیں اور مجبوراً اسلام کی تلوار نیام سے باہر آجائے تو پھر غلبہ کے بعد آدمیت کے حقوق کی ضمانت برقرار رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے اسلامی ریاست میں ذمیوں کی حفاظت اسی طرح ضروری ہے جیسے کسی مسلم کی۔ یہی وہ اعتدال اور امن خواہی ہے جو دین اسلام کو ادیان عالم پر فوقیت بخشتی ہے۔

جس وقت تبلیغ اسلام کا آغاز ہوا تو یہی اعلان کیا گیا کہ جو لا الٰہ الا اللہ کہے گا فلاح پائے گا۔ بڑے پیار و محبت سے اس مشن کو شروع کیا گیا۔ دعوت ذوالعشیرہ وغیرہ جیسی دعوتیں کی گئیں۔ بی بی خدیجۃ الکبریٰ کے مال کو تقسیم کیا گیا۔ اذیتیں

برداشت کیں مصائب جھیلے۔ پالیسی یہ تھی کہ لوگوں کو متوجہ کیا جائے ادھر کفار کا پراپیگنڈہ تھا کہ معاذ اللہ تعلیم عبداللہ جادوگر ہے لہٰذا کوئی اس کی بات نہ سنے دوسرا طریقہ یہ تھا کہ کچھ جاسوس متعین کیے گئے جو گروہ مسلمین میں پھوٹ ڈالیں الغرض ساری سیاسی چالاکیاں اسلام کے خلاف برتی گئیں۔ اللہ کے رسولؐ نے موقع کی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے سارے حالات کا جائزہ بڑے صبر و استقلال سے لیا۔ جیسے ہی مسلمانوں میں بھرتی شروع ہوئی نوواردوں پر حضورؐ نے نوازشات فرمانا شروع کیں۔ لوگ جوق در جوق آنا شروع ہوئے۔ اس وقت خالص و ناخالص کا مسئلہ پیش کر کے کسی کلمہ گو کو منافق ظاہر کر دینا قومی مفاد کے خلاف ہوتا کیونکہ لوگ بالکل مسلمانوں کے مشابہ تھے۔ تمام اعمال بجا لاتے تھے اور بظاہر کوئی حرکت ایسی نہ کرتے تھے جس سے ان کا منافق ہونا معلوم ہو جائے جبکہ حضور کو محض علم وہبی سے ان کی ریشہ دوانیوں اور بدنیتوں کا علم تھا۔ اگر آپؐ صرف اپنے علم کی بنا پر کوئی کارروائی منافقوں کے خلاف کرتے تو اس کا اثر قومی و ملی لحاظ سے مضر ہوتا گروہ میں علانیہ پھوٹ پڑتی۔ نزاکت وقت کا تقاضا یہ تھا کہ ہر قسم کے لوگوں کو خوش آمدید کہہ کر اپنے پیر جمائے جائیں۔ منافقوں کا یہ حال تھا کہ ان کی زہد و عبادت ظاہری سے بڑے بڑے نامی مسلمان ان کو پکا مسلمان سمجھتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضورؐ نے منافقوں کا نقشہ اس طرح فرمایا ہے:

"اگر کوئی تم میں سے ان کی نمازوں کو ان کے روزوں کو اپنی نمازوں اور روزوں کے مقابلہ میں دیکھے گا تو اسے اپنی نمازیں اور روزے حقیر نظر آئیں گے لیکن یہ لوگ دین سے اس طرح نکلے ہوں گے جس طرح تیر شکار کو چیر کر نکل جایا کرتا ہے" (بخاری جلد ۲ ص ۱۴۲)

چنانچہ جب منافقوں کا ظاہری حال اس طرح کا تھا تو پھر ان پر تشدد و قطع تعلق کر کے اسلام کو نقصان پہنچانے کا راستہ ہوتا۔ پس حفاظت اسلام کی خاطر اسلام کے ابتدائی دور میں منافقوں کے خلاف علانیہ کارروائی نہ کی گئی اور جس طرح انہوں نے خفیہ تدابیر سے سازشیں کرنے کی ٹھانی اسی طرح حضورؐ نے بھی پوشیدہ طریقہ اختیار کیا۔ مسلمانوں کو ان کی شناخت "بغض علیؑ" بتا دی۔ اور جناب امیرؑ کو مناسب وقت پر ان کے خلاف عملی

کارروائی کا حکم صادر فرمایا اگر زمانہ رسولؐ ہی میں منافقوں سے جہاد بالسیف کر دیا جاتا تو آج اسلام کی شکل ہی کچھ اور ہوتی۔ ایک طرف منافق ختم ہوتے دوسری طرف حضورؐ کے خلاف الزام آجاتا کہ اپنے کلمہ پڑھنے والوں پر تلوار چلائی کفار و مخالفین کو تنقید اور پراپگنڈہ کا موقع مل جاتا۔ لہٰذا مصلحت و حکمت عملی کے مطابق حضورؐ نے تامل فرمایا یہی وجہ ہے کہ یہ سکوت اسلام کے لئے مفید ثابت ہوا۔ زمانہ رسولؐ میں منافقوں کو علانیہ سازشوں کا موقعہ نہ مل سکا۔ مگر حضورؐ کی وفات کے بعد انہوں نے احداث و بدعات کے اجراء میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا لیکن جناب امیر علیہ السلام نے اپنے زمانہ میں ان کی کمر توڑ دی اور جو حکم جہاد حضورؐ کو ملا تھا اس کی تعمیل کر دی۔ کیونکہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں" واضح ہو کہ جہاد صرف تلوار ہی سے نہیں ہوتا ہے بلکہ زبان و قلم کے جہاد بھی ہیں اور آنحضرتؐ نے ہر موقعہ پر منافقین پر لسانی جہاد جاری رکھا اور ان پر غلبہ پاتے رہے۔ ان کی سازشوں کو بے نقاب کرتے رہے اور ان کے ارادوں پر پانی پھیرتے رہے۔ مگر وہ بھی شیطان کے بھائی تھے بہت ڈھیٹ تھے سب کچھ جان کر بھی منافق کے منافق ہی رہے اور رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی کھل کر سامنے آگئے۔ حضرت علیؑ نے بھی اصول اسلام کے مطابق پہلے زبانی جہاد کیا۔ کاذب، آثم، غدار و خائن ثابت کیا۔ بی بی عائشہ سے کفر کا فتویٰ بھی شائع ہوا مگر لسانی جہاد کے بعد بالآخر سیفی جہاد کا موقعہ آہی گیا اور ان کو کیفر کردار تک پہنچانا ضروری ہوا۔

اعتراض ۳۶۸ :۔ جب قرآن مجید میں وارد ہے :

اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا ؕ — جہاں پائے جائیں پکڑ لئے جائیں اور ضرور قتل کر دیئے جائیں۔

اور بفرمان ایزدی ایسا کیا گیا تو فرمائیے کیا ان مقتولین میں حضرات

صحابہ کرام بھی تھے اگر نہیں تھے تو کیا ان کو ان میں شامل کرنا خلافِ ایمان نہیں؟

جواب ۳۶۸:۔ یہ آیت تمام منافقین کے لئے نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مختلف طریقوں سے مومنین کو ستاتے تھے۔ کبھی مسلمانوں کا لشکر جہاد کو نکلا تو ان لوگوں نے ان کے رشتہ داروں کو صدمہ پہنچانے کی غرض سے جھوٹ موٹ اڑا دیا کہ فلاں مارا گیا فلاں قید ہو گیا۔ پھر اس کا بیان مضارعیہ ہے جو حال اور مستقبل دونوں پر یکساں منطبق ہوتا ہے۔ سورہ احزاب کی یہ آیت اس طرح ہے "منافقین میں کے وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے اور یہ لوگ جو مدینہ میں بری خبریں اڑایا کرتے ہیں اگر یہ لوگ (اپنی شرارتوں سے) باز نہ آئیں گے تو ہم تم ہی کو (ایک نہ ایک دن) ان پر مسلط کر دیں گے پھر وہ تمہارے پڑوس میں چند دنوں کے سوا ٹھہرنے ہی نہ پائیں گے۔ ملعون ہیں۔ جہاں کہیں ہتھے چڑھے پکڑے گئے اور پھر بری طرح مار ڈالے گئے"۔

اس آیت سے تین باتیں ثابت ہوئیں (۱) منافقوں کا وجود اور رسولؐ کے پڑوس یعنی قریب ہونا۔ (۲) حضورؐ کا ان پر مسلط ہو جانا اور منافقین کے چند دن کی قرابت کا زمانہ ختم ہونا (۳) ان کا ملعون اور ہلاک ہونا۔ اہل علم حضرات ان امور کی گہرائی میں جا کر نتائج مرتب کر لیں گے ہمارا جواب صرف یہ ہے کہ یہ آیت تمام منافقوں کے لئے نہیں بلکہ صرف مدینہ کے افترا پردازوں اور افواہیں اڑانے والوں سے متعلقہ ہے اور ظاہر ہے کہ وہ لوگ بھی صحابی ہی تھے۔ لہٰذا ہمارا موقف ثابت رہا کہ سارے صحابی کامل الایمان نہ تھے۔ اور اس آیت کے تحت جو بھی مقتول و ہلاک ہوا اسے صحابیت کی صفت سے ہرگز خارج نہیں کیا جا سکتا کیونکہ از روئے قرآن ان کا پڑوسی و قریبی ہونا ثابت ہے اور چونکہ منافق تھے اس لئے کلمہ گو بھی از خود ثابت ہیں۔ لہٰذا ایسے ملعون صحابیوں کے ایمان کو خالص ثابت کرنا اخلاص ایمانی کے خلاف ہے۔

اعتراض ۳۶۹:۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

ان المنٰفقین فی الدرک الا سفل من النار " بلا شبہ منافقین جہنم کے نچلے طبقے میں ہیں۔"

حالانکہ صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کو "ریاض الجنۃ" نصیب ہوا۔ فرمائیے کیا جواب ہے؟

جواب ۳۶۹ :- جنت و جہنم کا تعلق آخری دنیا سے ہے خطہ ارض سے نہیں اس مسئلہ کا جواب میں نے اپنی کتاب "قبور خلفاء" میں تفصیل سے دے دیا ہے ملاحظہ فرمالیجئے۔ تردید اعتراض کے لئے عرض ہے کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ جس جگہ اس وقت روضۃ النبی ہے قبل از اسلام یہ کفار و مشرکین کا قبرستان تھا اگر ان کافروں اور مشرکوں کو "ریاض الجنۃ" سے کچھ فائدہ ہو سکتا ہے تو پھر اور کسی مدفون کے لئے بھی یہ مضمون زیر بحث لایا جا سکتا ہے۔

اعتراض ۳۷۰ :- قرآن مجید میں ہے:

واذا قیل لھم امنوا کما امن الناس قالوا انؤمن کما امن السفھاء الا انھم ھم السفھا (البقرہ) اور جب کہا جاتا ہے ان کو ایمان لاؤ جس طرح لوگ ایمان لائے ہیں کہ کیا ہم اسی طرح ایمان لائیں جس طرح بے وقوف ایمان لائے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس آیت میں منافقین کی تردید کی گئی ہے اور منافقین

ہی تھے جنہوں نے مسلمانوں کو بے وقوف کہا تھا۔ پس اگر صحابہ کرام کو العیاذ باللہ تصور کر لیا جائے تو پھر ایمانداروں کا نام ونشان تک باقی نہ رہتا۔

جواب ۳۷ :۔ اگر اسلام کا نام ونشان رہتا ہے تو صرف ان اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا نام لینے پر جن کے ایمان کو اللہ نے نمونہ قرار دیا اور وہ اصحاب یقیناً علیؑ اور ان کے دوست تھے اور اسلام کا نشان مٹتا ہے تو صرف ان صحابیوں کے نام لینے سے جنہوں نے "منار ایمان" اور ان کے اصحاب کو بیوقوف سمجھا۔ یاد رکھئے صحابہ وہ بھی تھے جو کامل الایمان لوگوں کو بیوقوف قرار دیتے تھے اور دعویدار ایمان بھی تھے اور وہ بھی صحابی ہی تھے جن کا ایمان نمونہ عمل ہے پس اگر اسلام کا ناموس مطلوب ہے تو بے وقوف کہنے والے صحابیوں سے بیزاری اختیار کر لو۔ سارا اختلاف ختم ہو جائے گا۔

اعتراض ۳۷ :۔ کشف الغمہ ص ۱۰۴ میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو فرمایا کہ:

انی اشھدکم انی زوجت فاطمۃ من علی۔

"بلاشبہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فاطمۃ الزہرا کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا ہے"

تو کیا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر کے نکاح کی گواہی کے لئے منافقوں کا انتخاب کیا تھا؟

جواب ع ۱۷۳: کشف الغمہ کی روایت کے مطابق حضورؐ نے بارہ گواہ چھ مہاجر اور چھ انصار بنائے تھے۔ حضرت ابوبکر اور عمر کو خصوصی گواہ نہیں بنایا جیسا کہ آپ نے تاثر دیا ہے کیونکہ گواہ کی ضمیر جمع کے لئے ہے جبکہ تین سے کم تعداد نہ ہو۔ اس سوال کو آپ نے اعتراض ع ۲۴۴ میں بھی پوچھا ہے لہٰذا مذکورہ اعتراض کا جواب پڑھ لیجئے۔ حضرات ابوبکر و عمر کو گواہ کرنا اصل میں اُن پر اس جوڑے کی فضیلت و عظمت کا خصوصی اظہار کرنا تھا کیونکہ اسلام کی دنیا میں اس پاک جوڑے کو سب سے پہلے ان ہی دونوں کے مظالم کا شکار بنا تھا لہٰذا مرتبہ اور قربت سمجھانے کے لئے ان کو گواہ بنایا گیا تاکہ کل یہ نہ کہیں کہ ہم تو ان کے فضائل سے واقف نہ تھے۔ کشف الغمہ میں ابوبکر و عمر صاحبان کے علاوہ طلحہ اور زبیر کا بھی ذکر ہے جنہوں نے اس گواہی کو بھلا کر جنگِ جمل میں پیغمبرؐ کے نفس اور روالی بضعتہ الرسولؐ سے صف آرائی کی۔ کسی امر حق کی گواہی اگر کوئی منافق دے تو اس سے امر موثق پر کوئی حرف نہیں آتا اور نہ ہی اس کی گواہی کو کذب کہا جا سکتا ہے بلکہ گواہی بھی سچی ہوتی ہے اور امر بھی واقعی اصلی ہوتا ہے مگر پھر بھی منافق منافق ہی رہتا ہے اور یہ گواہی ثبوت ایمان نہیں بنتی ہے۔ ملاحظہ کیجئے قرآن:

"اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝

(سورۂ منافقون ع ۱)

"(اے رسولؐ) جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسولؐ ہیں۔ اور خدا بھی جانتا ہے کہ آپ بیشک اس کے رسولؐ ہیں۔ مگر خدا ظاہر کئے دیتا ہے کہ یہ لوگ (اپنے اعتقاد کے اعتبار سے) ضرور جھوٹے ہیں"۔

پس محض گواہ ہونا ایمانِ خالص کی نشانی نہیں گو بالفرض محال اگر یہ توضیح رد کر دی جائے اور اصرار کیا جائے کہ نبیؐ کو سیدہؑ کے نکاح پر ناقص الایمان گواہ نہیں ٹھہرانے چاہیئے تھے تو ہم کہتے ہیں کہ گواہ صرف شیخین ہی نہ تھے بلکہ دس افراد اور بھی تھے۔

نیز یہ امکان بھی گنجائش پذیر ہوگا کہ بعد از رسولؐ ارتداد حق ہو جائے۔ جبکہ سیدہؑ کے نکاح میں چالیس ہزار ملائکہ گواہ قرار پائے تھے اگر نبیؐ کے مقرر کردہ گواہ کی صداقت پر اعتبار کیا جاتا ہے تو حضورؐ کے انتخاب کردہ داماد پر شبہ کیوں کیا گیا کہ معاملہ فدک و میراث میں آپ کی گواہی رد کر دی گئی۔ جب گواہ سچے ہیں تو داماد جھوٹا کیوں ہو گیا۔

لہٰذا ماننا پڑے گا آئندہ کے خدشات کو ملحوظ فرماتے ہوئے حضرتؐ نے ان لوگوں کو گواہی میں شامل کیا جو مستقبل قریب میں علیؑ و فاطمہؑ کے حقوق پر غاصبانہ حملے کرنے والے تھے۔ یہ گواہی ان کے مطاعن اور الزامات میں مزید اضافہ کرتی ہے۔

اعتراض ۲۷۲: قرآن مجید میں ہے:

بشر المنفقین بان لھم عذابا الیما الذین یتخذون الکفرین اولیاء (النسا)

منافقوں سے فرما دیجئے کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے جو کہ کافروں کو دوست بناتے ہیں۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ منافقین کا تعلق کفار سے تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے ان کو دردناک عذاب کی دھمکی دی گویا کہ نتیجہ یہ نکلا کہ منافق لوگ کفار کے دوست تھے اور جو حضور علیہ السلام کے محب اور جان نثار تھے وہ منافق نہ تھے ورنہ حضرت کے گروہ میں بالالتزام نہ رہتے۔

جواب ۲۷۲: منافق کی تعریف یہ ہوتی ہے کہ اس کے تعلقات دونوں طرف ہوتے ہیں کافروں سے دوستی مخلصانہ ہوتی ہے اور مسلمانوں سے دوستی عیارانہ ہوتی

ہے اور وہ صرف کفار ہی کے دوست رہیں اور مسلمانوں سے ظاہری مراسم دوستانہ نہ رکھیں تو منافق نہ رہیں۔ اب یہاں آ کر شناخت ہوتی ہے کہ خالص مسلمان نبی کا محب ہوتا ہے اور جانثار ہوتا ہے۔ منافق نبی کا دشمن ہوتا ہے اور آزمائش کے وقت پر بھاگ جاتا ہے یا بہانے تراش لیتا ہے پس جانثاری اور محبت کو معیار قرار دے کر دیکھئے جائیے منافقوں کے چہروں سے خود بخود نقاب اترتے جائیں گے۔ رسولؐ نے ارشاد فرمایا "علیؑ کی محبت میری محبت" مومن نے کہا دونوں کی محبت ایمان۔ منافق نے اس محبت پر زبان اور تلوار سے حملے کئے۔ آڑے وقت پر مومن ثابت قدم رہے منافق لوگ دم دبا کر بھاگتے رہے۔ مومن راتوں کو رسولؐ کی حفاظت کرتے تھے منافق لیلۃ العقبیٰ میں رسولؐ پر حملے کرتے تھے۔ جب سازش ناکام ہو جاتی تھی تو حذیفہؓ یمانی جیسے رازدار رسولؐ سے ساری عمر یہ راز اگلوانے کی کوشش میں مصروف رہتے تھے۔

اعتراض ۲۷۳:۔ اگر یہ فکر کیا جائے جیسا کہ صاحب فلک النجاۃ صفحہ ۸۰ ج ۱ میں لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں اکابر صحابہ کرام کی چالیس مخفی رہیں اس لئے حضور نے جہاد نہ کیا تو سوال یہ ہے کہ جب صاحب وحی مدت العمر تک مخفی رہیں تو تمہارے پاس ان کے نفاق کے متعلق پروردگار عالم کی طرف سے کونسا لیٹر آیا ہے؟

جواب ۲۷۳:۔ یہ صریحاً الزام ہے کہ مولانا امیر الدین صاحب اعلی اللہ مقامہ نے اپنی شاہکار کتاب فلک النجاۃ میں یہ عبارت لکھی ہے۔ اگر کوئی شخص "اکابر صحابہ کرام کی چالیس" کے الفاظ اصل کتاب میں ثابت کر دے گا تو ہم اسے مان جائیں گے۔ باقی حضورؐ کے منافقین کے خلاف جہاد نہ کرنے کی مجبوری و وجوہات ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ رسول کریمؐ نے بحکم خدا جو منافق کی شناخت کا پروانہ جاری کیا ہے وہ یہ ہے کہ امام نسائی روایت

کرتے ہیں کہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت فرمایا کرتے تھے کہ اے علی تجھے نہیں دوست رکھے گا مگر مومن اور نہیں دشمن رکھے گا مگر منافق۔ اسی طرح احمد بن حنبل لکھتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم منافقوں کی شناخت علی علیہ السلام کے ساتھ بغض رکھنے کے سوا نہیں کر سکتے تھے!

پس یہی لیٹر جو جابرؓ کو ملا تھا ہمیں ملا ہے کہ فوراً نعرۂ حیدری یا علیؑ لگا کر چہرے سے پہچان لیتے ہیں کہ بشرہ مومن کا ہے یا منافق کا۔ کفار تو ویسے ہی یہ سن کر بھاگ جاتے ہیں اور منافق کے منہ کی ہوائیاں اڑ جاتی ہیں جبکہ مومن کے چہرے پر رونق آ جاتی ہے۔

اعتراض ۲۷۴:۔ اگر صاحب فلک النجاۃ کی بات کو تسلیم کر لیا جائے تو امر بالجہاد کا کوئی مطلب ہی باقی نہیں رہتا جبکہ ان لوگوں پر خدا تعالیٰ نے پیغمبر کو اطلاع ہی دی تھی۔

جواب ۲۷۴:۔ جس طرح منافقت خفیہ تھی اسی طرح جہاد بھی خفیہ رہا جب منافقت نشر ہوئی جہاد بھی علانیہ کیا گیا۔

اعتراض ۲۷۵:۔ قرآن مجید میں ہے:

فاعرض عنھم وعظھم "آپ اُن سے منہ نہ پھیر لیجئے"

مطابق ترجمہ صاحب فلک النجاۃ ص ۸۱ تو فرمائیے کیا حضور علیہ السلام نے ان سے مظاہرۂ اعراض فرمایا۔

کیا اسے اعراض کہا جاتا ہے کہ وطن میں رہیں تو ساتھ رہیں۔ سفر کو جائیں تو رفیق بنائیں۔ بیمار ہو جائیں تو امام بنائیں؟

جواب ۳۷۵ :۔ صاحب فلک النجاۃ نے یہ ترجمہ کر کے کوئی غلطی نہیں کی ہے کہ مفہوم اس کا درگزر کرنا ہی رہتا ہے۔ سورۂ نساء کی آیت کا یہ ٹکڑا منافقین ہی کے لئے نازل ہوا ہے جو آپ کو بھی تسلیم ہے اب رہ گئی بات اعتراض کی وضاحت کے بابت تو صاحب جن لوگوں کو ہم منافق سمجھتے ہیں وہ صاحبان ایسے تھے کہ وطن میں ان کو گھر سے نکلنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں صحیح مسلم میں قضیۂ قرطاس کے موقعہ پر حضورؐ کا ناراض ہو کر فرمانا "میرے پاس سے چلے جاؤ" (صحیح مسلم جز خامس کتاب الوصیۃ ص۷۵)۔
سفر میں اگر ساتھ ہوں تو عقبہ کی رات قتل رسولؐ کی سازش میں ملوث ہوں اور چور کی داڑھی میں تنکا ساری عمر کھٹکتا رہے۔ بیمار ہو جائیں تو حکم قرآن کے خلاف آپ کے سامنے جھگڑا کریں دست و گریبان ہوں (صحیح مسلم کتاب الوصیہ ص۷۵) اور اگر فوت ہو جائیں تو موت ہی سے انکار کرتے پھریں اور قتل و غارت کی دھمکیاں دیں۔ جنازہ چھوڑ کر تخت حاصل کرنے کی تدابیر کریں۔ نبی کے کنبہ کے ایک ایک فرد کو تشدد کا نشانہ بنائیں۔ الغرض ہر وہ کاروائی کریں جس سے مخالفتِ رسولؐ ہو۔ اصول و فروع میں تبدیلی کریں اور ثقلین کی مخالفت کریں۔ رسولؐ جیش اسامہ کے ساتھ جہاد پر روانہ کریں اور یہ مخالفت کر کے لعنت کا طوق بروئے ارشاد پیغمبرؐ اپنے گلوں میں پہنیں۔ اور بڑی بے تابی سے موت پیغمبرؐ کا انتظار کریں تاکہ بلا کفن و دفن چھوڑ کر اپنا اقتدار مستحکم بنائیں۔ رسولؐ کی بیٹی کے گھر پر آگ لے جائیں۔ کل ایمان کے گلے میں رسی ڈالیں اور حالت نماز میں ان کو قتل کرنے کی تدابیریں کریں کیا یہ ساری کارروائیاں مومنیت کی علامتیں ہیں۔ کیا ایسے لوگوں کو محبوب و جانثار رسولؐ اعتقاد کرنا اپنے ایمان کو خراب کرنا ہے یا نہیں۔ الغرض ہم جن کو ہدف تنقید بناتے ہیں۔ قوی اثبات کے ساتھ ان کو موذی محمد و آل محمد علیہم السلام سمجھ کر ان کے ایمان پر ناقد ہیں۔ جب تک ہمارے مطاعن کی صفائی نہیں ہو جاتی یہ لوگ نہ ہی حضر میں رسولؐ کے خیر خواہ قرار پا سکتے ہیں اور نہ ہی سفر میں۔ کیونکہ ہر حالت میں ان کی کاروائیاں مضرت رساں اور نقصان دہ ہی تھیں

اعتراض ۳۷۶ :۔ قرآن مجید میں ہے :۔

اذ یقول المنٰفقون والذین — جبکہ کہتے تھے منافق اور وہ لوگ

فی قلوبھم مرض غرّ ھؤلاء — کہ جن کے دلوں میں بیماری تھی

دینھم ۔ — یہ کہ مسلمانوں کو ان کے دین نے

غرّہ کر دیا ہے ۔

اگر منافقوں کی طرح صحابہ کرام بھی تھے تو کہنے والے کون اور طعن کن لوگوں پر تھا؟

جواب ۳۷۶ : یہ کہنے والے بھی صحابی تھے بظاہر مسلمان ہو گئے تھے مثلاً قیس بن ولید، حارث بن ربیعہ، عتبہ بن امیہ، عاص بن شیبہ وغیرہ لیکن ایمان انکا خالص نہ تھا کہ محض دنیوی حرص کی خاطر کلمہ پڑھا تھا۔ اسی لئے جب رسولؐ اللہ نے ہجرت کی تو ان کو قید کر لیا گیا۔ جنگ بدر کے وقت یہ لوگ بھی ساتھ ہو لئے مگر ان کے دل میں یہ ارادہ تھا کہ جو فریق طاقتور ہوگا اس کی طرف ہو کر ساتھ دیں گے۔ جب مسلمانوں کی قلت دیکھی تو کہنے لگے کہ یہ بیچارے تو اپنے دین کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں ابھی کفار قریش کا وارا نیارا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ان ہی صحابیوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ تو معلوم ہوا کہ کہنے والے بھی اصحاب ہی تھے اور جن پر طعنہ کیا جا رہا تھا وہ بھی اصحابؓ ہی تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ مسلمان نام کے تھے اور کام کے منافق تھے مگر صحابی ضرور تھے اور کفار مکہ کی سختیاں بھی برداشت کی تھیں کہ قیدی ہو گئے تھے۔ مگر پھر بھی منافق تھے مومن کامل نہ تھے اور جو مومن کامل تھے جو اصحابؓ کبار و اخیار و کرام تھے۔ اللہ ان پر لاکھوں رحمتیں کرے لہٰذا ثابت ہوا کہ کہنے اور کہلوانے والے دونوں اصحاب تھے ایک طبقہ اصحاب مکار کا تھا اور دوسرا طبقہ اصحاب کرام کا تھا مگر تھے سب صحابی لہٰذا زور کس پر ہوا۔ صحابی پر۔

اعتراض ۲۷۷ :۔ قرآن مجید میں ہے :۔

انما یرید اللہ لیعذبھم بھا فی الحیوۃ الدنیا وتزھق انفسھم وھم کفرون (التوبہ)

خدا تعالیٰ بلا شبہ چاہتا ہے کہ منافقوں کو حیات دنیا میں عذاب ہے اور ان کی جان بحالت کفر نکلے

یہ آیت منافقوں کے حق میں ہے فرمائیے کیا حضور علیہ السلام کے بعد صحابہ کرام دنیا میں معذب ہو یا مؤقر؟

جواب ۲۷۷ :۔ جی ہاں یہ آیت بھی منافق صحابیوں ہی کی تنقیص میں ہے ۔ یہ صحابی بڑے غنی تھے ۔ سخی تھے اور فیاض بنتے تھے اور ان کی خیرات نامقبول ہونے کی وجہ صرف نافرمانی رسولؐ خدا تھی ۔ نمازیں بھی خوب پڑھا کرتے تھے لیکن رسولؐ پر شک کرتے تھے ان کا سردار صحابی ذوالخویصرہ تھا ۔ اس نے مال غنیمت کی تقسیم پر حضورؐ کی دیانت پر شبہ کر دیا تھا ۔ سارے اعمال ان کے مسلمانوں والے تھے نماز روزہ جہاد وغیرہ کرتے تھے مگر دل میں مرض تھا ۔ بیشک یہ لوگ دنیا میں بھی ذلیل ہوئے اور آخرت میں بھی ۔ حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے اس گروہ کو جنگ نہروان میں حضرت امیر المومنینؑ نے جہنم واصل کیا ۔ دیکھیے تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۲۵۱ ۔

باقی میرا ایمان ہے کہ ہر منافق دنیا میں بھی معذب ہوا اور آخرت میں بھی آپ کسی کا نام لیجئے عذاب میں ثابت کروں گا ۔ یہاں صرف اتنا عرض کروں گا کہ آیت بھی منافق اصحاب ہی کے لئے ہے ۔ اور ان منافقوں کا سردار ہرقوص بن زہیر ذوالخویصرہ تھا جو ایسا ظاہر نا مسلمان تھا کہ بخاری شریف و نسائی وغیرہ میں ہے کہ اس کی زہد و عبادت پر بڑے بڑے صحابی حیران ہو جاتے تھے ۔ اور جب اس نے بارگاہ رسولؐ میں گستاخی کی تو حضرت عمرؓ تک کو جوش آ گیا کہ اس کا سر اڑانے پر تیار ہو گئے اس لئے ماننا پڑے گا کہ جمع اصحاب میں منافق

ضرور موجود تھے اور ان پر خدا کا عذاب دنیا میں بھی ہوا اور آخرت میں بھی۔ شخصی بحث کے لئے آپ نام لیجئے عذاب ثابت کرنا میرا کام ہے۔ اشارہ اتنا کافی ہے کہ سیدہؑ کا غضبناک ہو جانا عذاب سے کم بات نہیں ہے۔ باقی جس طرح کا عتاب آپ کہیں ہم بیان کریں گے۔ میدان میں تو آئیے۔ خوش آمدید۔

اعتراض ۳۷۸: جب صحابہ کرام مذکورہ آیت کے مقتضیٰ کے پیش نظر معذب نہ ہوئے تو کیا خداوندی عہد معاذ اللہ غلط نہ ٹھہرا۔

جواب ۳۷۸: حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر عذاب کا ہونا ممکن ہی نہ تھا کہ ان کے ایثار پر خدا کی رحمتیں ان کی بلائیں لیتی تھیں جن منافق اصحاب کے لئے عذاب کی بشارت ہے ان پر یقیناً" دنیا و آخرت میں عذاب ہوا۔ مثلاً حرث فہری نے منہ مانگا عذاب پایا۔ باقی آپ فہرست افراد ارسال کیجئے ہم ان کا معذب ہونا ثابت کریں گے اور انشاء اللہ کتابیں آپ کی ہوں گی نقل ہم کریں گے۔ کسی ملعون کا حال دریافت تو فرمائیں۔ اگر ہم پہل کریں گے تو آپ شور مچا دیں گے کہ رواداری کا خون ہو گیا۔ توہین ہو گئی سچی بات کر کے ہمارے منہ کڑوے کر دیئے لہٰذا آپ پوچھئے تو جواب دینا پھر ہم پر فرض ہو جائے گا اور انشاء اللہ دندان شکن جواب دیں گے۔ اللہ کا وعدہ تو ایسا پورا ہوا ہے کہ کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے کہ منافق پر لعنت لعنت بے شمار نہ ہوتی ہو۔ کیا یہ عذاب نہیں؟

اعتراض ۳۷۹: قرآن مجید میں ہے:

وعد اللہ المنٰفقین والمنٰفقٰت والکفار نار جہنم خٰلدین فیہا (التوبہ)

"خدا تعالیٰ نے منافقین و منافقات اور بے ایمان منکرین دین کو جہنم کا وعدہ دیا ہے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اب یا تو روضہ رسول مقبولؐ کو جہنم بنائیے اور یا صدیقؓ و عمرؓ کے ایمان کا اقرار فرمائیے۔

جواب ۳۷۹: پہلے آپ مدینہ منورہ میں مزارِ رسولؐ کو جنت ثابت کیجئے اور اس کے علاوہ باقی تمام جگہوں کو جہنم سمجھ کر ابوبکر و عمر کے علاوہ باقی تمام صحابہ کرام اور اہل بیتؑ کو معاذ اللہ جنت سے محروم قرار دیجئے۔ پھر یہ اعتراض فرمائیے۔ قریشی صاحب حدود عقل میں رہیئے۔ جنت و جہنم کا تعلق آئندہ زندگی سے ہے اور اگر آپ جنت عرشی سے کفر کرتے ہیں اور روضۃ الرسول کو جنت اعتقاد کرتے ہیں تو پھر اس سے محروم رہ جانے والے بزرگوں کو معاذ اللہ جہنمی مان لیجئے میں حضرات ابوبکر و عمر کے ایمان کا اقرار کئے لیتا ہوں میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ جگہ حضورؐ کی ہجرت سے قبل کفار کا قبرستان تھا۔ اگر کافر مردے جو یہاں دفن تھے جنتی ہو سکتے ہیں تو پھر آپ کی قائم کردہ دلیل مان لیں گے۔ اگر مُصر ہوں کہ روضہ رسولؐ ریاض الجنۃ ہے تو میں کہوں گا کہ از روئے قرآن جہنم اور جنت کا اتصال ثابت ہے۔ یہ پوری وضاحت میری کتاب "قبور خلفاء" میں ملاحظہ فرمالیں۔

اعتراض ۳۸۰: اگر یہ مکر کیا جائے کہ صاحب فلک النجاۃ نے صـ۸۲ میں کیا ہے کہ نہ حضور علیہ السلام کی وصیت تھی اور نہ وارث آل محمد کا حکم تھا تو فرمائیے امام ششم کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ جہاں کی مٹی کا خمیر ہوتا ہے وہاں دفن کیا جاتا ہے؟

جواب ۳۸۰: قریشی صاحب! اگر صاحب فلک النجاۃ نے مکر کیا ہے تو آپ

کو یہ مکاری وصیت رسولؐ یا وارث آلِ محمدؐ کا حکم ثابت کر کے ظاہر کر دینا چاہیے تھی مگر آپ کو ایسی توفیق کہاں! آپ نے جو یہ مٹی کے خمیر والا ذکر کیا ہے۔ اس بارے میں میری گزارش یہ ہے کہ پہلے آپ یہ بتائیے کہ کیا آپ رسول کریمؐ اور حضرات شیخین کا خمیر ایک مانتے ہیں۔ جب آپ ایک مان لیں گے تو اس موضوع پر گفتگو کیجئے۔ باقی رہا ہمارا عقیدہ تو ہم حضورؐ کو خاکی ہی نہیں مانتے بلکہ نوری اعتقاد کرتے ہیں لہٰذا مٹی کے خمیر پر بحث ہی فضول ہے البتہ بحث برائے بحث یہ ہے کہ ایک ہی مٹی کے خمیر سے بت خانہ کے بت بھی بنائے جا سکتے ہیں اور اسی مٹی سے مسجد کی سجدہ گاہ بھی۔ دونوں کا خمیر ایک ہوتا ہے مگر تقدس و مراتب میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ خمیر ایک ہونا اور بات ہے اور ظرف ایک ہونا اور بات ہے۔ جس طرح مندر و مسجد ساتھ ساتھ ہونے کے باوجود رحمت مسجد پر برستی ہے اور مندر محروم رہتا ہے حالانکہ ہمسائیگی اور ہم دیواری ہوتی ہے اسی طرح روضۃ الرسول میں دفن شدہ افراد کی مثال سمجھئے۔ مکمل وضاحت میری کتاب "قبور خلفاء" میں دیکھ لیں۔

اعتراض ۳۸۱: قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ لا یجاورنک الا قلیلا بعدہٗ آپ کے ساتھ نہ رہیں گے مگر تھوڑی مدت۔

اگر معاذ اللہ صحابہ کرام منافق تھے تو خبر پوری کیوں نہ ہوئی جب صحابہؓ کرام کے قائدین کو مجاورت نصیب ہوئی صرف صاحب نبوت کی عمر تک نہیں بلکہ قیامت تک۔

جواب ۳۸۱: آیت کی عبارت اس بات کا مکمل ثبوت ہے کہ صحابہ میں منافق ضرور موجود تھے تبھی تو کہا گیا کہ وہ تھوڑی مدت کے کیلئے رسولؐ کے ساتھی رہیں گے۔

باقی یہ آیت بھی ان خاص منافقین کی مذمت میں ہے جو مدینہ میں مسلمانوں کے خلاف جھوٹی افواہیں پھیلایا کرتے تھے اور جن قائدین صحابہ کی مجاورت کا آپ زعم رکھے ہوئے ہیں وہ بھی رسولؐ کا ساتھ چھوڑ گئے اور ایسا ساتھ چھوڑا کہ دوستی وصحابیت کی سفید چادر پر ان کا لگایا ہوا سیاہ داغ آج تک نہ صاف ہو سکا۔ پیغمبرؐ کے آخری سفر کی تیاری دیکھتے ہی انہوں نے حصول اقتدار کا سفر سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف شروع کر دیا اور اس وقت تک واپس نہ پلٹے جب تک حضورؐ کی تدفین مکمل نہ ہوئی۔ بلا عذر معقول ان حضرات کا چہرۂ منورؐ کی آخری زیارت سے محروم رہ جانا اور جیش اسامہ سے تخلف کر کے حضورؐ کی نافرمانی کرنا حقیقی اور مجازی دونوں معنوں میں حضورؐ کا ساتھ چھوڑ دینے کے مترادف ہے اور قیامت تک کی مجاورت کی طرف جو اشارہ آپؐ نے کیا ہے اس کا ہم ایسا جواب دیتے ہیں کہ ہتھیلی پر سرسوں جمے۔ دنیا میں اکثر ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی قبریں کھودی گئیں اور ان میں ان کے جسدِ مبارک صحیح حالت میں نکلے بعض کے کفن تک میلے نہ ہوئے۔ فیصل حکومت عراق ہی کے دور میں چند سال قبل حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ یمانی کا واقعہ اخبارات میں چھپا تھا۔ اب میں پوری شیعہ برادری کی طرف سے ذمہ لیتا ہوں کہ اگر قبریں کھود کر آپ ان قائدین کے اجسام صحیح وسالم وہاں سے برآمد کر دیں تو دنیا میں ہر کوئی شیعہ آپ کا مذہب قبول کر لے گا۔ آپ کے کھودے گئے صرف دو گڑھے کروڑوں مسلمانوں کو گمراہی کے گڑھوں سے محفوظ کر کے ہلاکت سے بچالیں گے۔ اسلام میں آئندہ کے لئے نہ ہی مناظرہ رہے گا اور نہ ہی اختلاف۔ سب مسلمان ایک ہو کر متحد ہو جائیں گے اور اس کا اجر جو آپ کو ملے گا وہ یقیناً اصحاب کے قائدین سے بڑھ کر ہوگا کہ ساری دنیا میں آپ شیعیت کو انتہائی پرامن اور پر وقار شکست دیں گے۔ آپ کے لئے تبلیغ کا اس سے آسان اور پر اعجاز طریقہ اور کوئی نہیں۔ چلئے آزمائیے۔ اگر دونوں صاحبان وہاں سے درست اور صحیح نکل آئے تو آپ کی دنیا میں بھی شہرت تامہ ہوگی، اور آخرت میں بھی ماجور ہوں گے اور اگر نتیجہ برعکس نکلے تو طلنگ کی گزارش مان لیں کہ اہل بیت کی مودت کا اجر جو آپ کے ذمہ واجب الادا ہے اسے ادا کر دیجئے (زمانہ رجعت میں لاشوں کی برآمدگی کا سوال وگرنہ)

قریشی صاحب! آپ کے ہاں مشہور حدیث ہے کہ فرشتے مُردوں کو ان کے ہم جنس لوگوں کے پاس پہنچا دیتے ہیں۔ صرف حکومت کے بل بوتے پر دفن ہو جانا مجاورت نہیں ہے۔ ساتھ نبھانا اس کو کہتے ہیں کہ آڑے وقت قدم جما کر ساتھ دے اور جان دے کر بھی یار کی حفاظت کرے۔

اعتراض ۳۸۲ :۔ اگر یہ مکر کیا جائے جیسا کہ صاحب فلک النجاۃ نے صفحہ ۸۳ میں کیا ہے کہ " ھذا عذب فرات وھذا ملح اجاج " (کہ یہ پانی میٹھا ہے اور یہ کڑوا)۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کی رفاقت اور حضرت کا قرب صدیق و فاروق کے لئے باعث نجات نہیں تو سوال یہ ہے کہ وہاں تو اسی آیت میں موجود ہے " وجعل بینھما برزخا " کہ خدا تعالیٰ نے ان دو دریاؤں کے درمیان حد قائم کر دی ہے۔

اگر طاقت ہے تو روضۂ نبویہ میں اس قسم کی تصریح دکھائیے کہ یہ حصہ جنت کا ہے اور یہ جہنم کا ہے۔

جواب ۳۸۲ :۔ جس طرح میٹھے اور شور پانی میں خدا نے حد قائم کر دی ہے اسی طرح یہاں بھی حد ممکن ہے لیکن آپ نے حد ہی کر دی کہ قرآنی آیت کی نقل کو مکر کہہ کر اپنی مکارانہ ذہنیت کا ثبوت فراہم کیا۔ آپ نے جو یہ مکر عرصہ سے چلا رکھا ہے ہم اس کے جھانسے میں نہیں آسکتے۔ اور اس حد کی تصریح اس طرح کرتے ہیں کہ یہ قرآن مجید میں ہے کہ

یوم یقول المنٰفقون والمنٰفقٰت للذین اٰمنوا انظرونا نقتبس من نورکم ج "(اور یہ وہ دن ہوگا) جس روز منافق مرد اور منافق عورتیں اہل ایمان سے کہیں گے

قیل ارجعوا ورائکم فالتمسوا نورا ط فضرب بینھم بسور لہ باب ط باطنہ فیہ الرحمۃ وظاھرہ من قبلہ العذاب ہ

(الحدید ۱۳)

کہ ایک نظر (شفقت) ہماری طرف بھی کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کریں تو ان سے کہا جائے گا تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور وہیں نور کی تلاش کرو پھر (ان مومنین ومنافقین) کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی جائے گی۔ جس میں ایک دروازہ ہو گا (اور) اس کے اندر کی جانب تو رحمت ہے اور باہر کی طرف عذاب۔

اس سے اگلی آیت میں اس طرح آیا ہے کہ یہ منافقین اہل ایمان سے پکار کر کہیں گے کہ کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہ تھے مومنین جواب دیں گے کہ ہاں تھے تو سہی مگر تم نے اپنے آپ کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا اور تم منتظر رہا کرتے تھے اور تمہارے دلوں میں شک تھا اور تم کو تمہاری تمناؤں نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا اور تم کو دھوکہ دینے والے نے اللہ کے ساتھ دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔

پس معلوم ہوا کہ مومن اور منافق کے درمیان خدا نے ایک دیوار کی رکاوٹ قائم فرمادی ہے اور اس کے دروازے کے اندر رحمت ہے اور باہر عذاب ہے

نیز یہ امر مسلمہ ہے کہ جنت اور جہنم میں حائل ایک پل ہے جس کو صراط کہا جاتا ہے۔ احادیث میں ہے کہ یہ پل بال سے بھی باریک ہوگا۔ جب بال سے بھی باریک خط جنت و جہنم کے لئے خط فاصل ہو سکتا ہے تو یہ مفروضہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ روضۂ اقدس کے خاص مقام اور قبور شیخین میں یہ فاصلہ سمجھ لیا جائے کیونکہ رسول کریم کی قبر مطہرہ اور شیخین کی قبروں میں کم سے کم ایک ہزار بالوں سے تو زیادہ ہی وقفہ ہے۔ جب ایک بال سے بھی کم فاصلہ جنت و جہنم کے لئے درکار ہے تو پھر ہزار بالوں سے زیادہ فاصلہ کیوں قابل غور نہیں ہے۔ اس فاصلہ کے تعین سے جہنم و بہشت کا فیصلہ خود فرمالیجئے۔ ہم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ آپ کو بارِ خاطر گذرے گا۔

اعتراض ۳۸۳ :۔ بتصریح شما کیا تم نے حضور علیہ السلام کے روضۂ اطہر کو ناپاک مقام سے شمار نہ کیا

جواب ۳۸۳ :۔ بالکل نہیں۔ آپ کی بات کا جواب دیا ہے۔ حضورؐ کا روضہ مطہرہ بلاشبہ مقدس و منور و پاک ہے۔ مگر دوسروں کی قبریں نہیں۔

اعتراض ۳۸۴ :۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ حضور علیہ السلام کا کرتہ منافق کے لئے مفید نہ ہوا قرب رسول مقبول کس طرح مفید ہوا تو سوال یہ ہے کہ کرتے پر کرتے والے کو قیاس کرنا خلاف عقل ہے کیونکہ مزکی اور صاحب برکت ہونا کرتے کا کام نہیں کرتے والے کا کام ہے۔ فرمایئے اس سے آپ نے حضور علیہ السلام کی توہین نہ کی؟

جواب ۳۸۴ :۔ اللہ آپ کی جہالت و ضلالت کے پردے دور کردے۔ ذرا سوچ کر اعتراض فرمایئے۔ کرتہ کس کا تھا اور رکھنے والا کون تھا۔ کرتہ بھی بابرکت تھا اور عامل بھی صاحب برکات تھا۔ یہ تو آپ کے لئے سبق تھا کہ منافق ایسی نامراد شخصیت ہوتی ہے جس کے لئے میری برکات و قرب بھی مفید نہیں ہے۔ اس واقعہ سے لوگوں پر ظاہر کرنا مقصود تھا کہ نفاق کی مضرت۔ سمجھ لو کہ ایک۔ ایسا قریبی جو بظاہر دیندار تھا مگر دل کا مریض تھا دکھاوے کے لئے کتنا ہی قریب کیوں نہ لگے درا صل وہ دور و مردود ہے وہ قصہ تو حضورؐ کے وقت کا تھا جب موجودگی رسولؐ میں ایسا قرب باعث نجات نہیں ہے تو پھر بعد از وفات پیغمبر خود ہی اپنی مرضی سے اپنی قبر کھدوا لینا کیسے مفید ہوگا جب تک ایمان ثابت نہ ہو۔ ہاں ایسا قرب مومن کے لئے جنت کے باغ سے بھی افضل ہے۔ یہ عمل کرکے خدا کے رسولؐ نے اللہ کی اس آیت کی تشریح عملاً کر دکھائی کہ "اے رسول تو منافق کے لئے دعائے مغفرت کریا نہ کر۔ دونوں برابر ہیں اللہ منافقوں کو نہیں بخشے گا۔ اس سے حضرتؐ کی کوئی توہین نہیں ہوتی ہے۔

اعتراض ۳۸۵ :۔ قرآن مجید میں ہے :۔

"ھمّو بما لم ینالو (توبہ) منافقین اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوئے۔

حالانکہ حضور علیہ السلام کے صحابہ بحمد اللہ اپنے اپنے مقصود کو پورے طور پر پاگئے دنیا میں فائز المرام ہوئے اور عقبیٰ میں بھی بفضلہٖ تعالےٰ رضی اللہ تعالےٰ و رضوا عنہ۔

جواب ۳۸۵ :۔ منافق صحابہ کا مقصود اول اسلام کا نام و نشان مٹانا اور حضور اقدسؐ کا خاتمہ کرنا تھا۔ چنانچہ باوجود تحریف دین کے ان کو کامیابی نہ حاصل ہو سکی اور لیلۃ العقبیٰ میں حملہ کرنے کے باوجود خدا نے اپنے رسولؐ کی حفاظت فرمائی لہٰذا یہ لوگ اپنے بنیادی مقصد میں بری طرح ناکام رہے۔ جس طرح موسیٰؑ کی پرورش فرعون ہی سے کروا کر اللہ نے اپنے دین کو غالب کیا اسی طرح مخالفین ہی سے حدود سلطنت کو وسعت دلوا کر فاجر اشخاص سے اپنے دین کی تائید کرادی (بخاری) "الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا" حدیث ہے کہ دنیا میں منافق کا یعسوب "مال" ہے جو ان کو مل گیا اور آخرت میں "لعنت اللہ علیہم" کے مرتبے پر فائز ہوئے۔ دنیا بھی خراب ہوئی اور آخرت بھی بگڑی۔

اعتراض ۳۸۶ :۔ اگر یہ فکر کیا جائے کہ صدیق و فاروق کے متعلق قرآن میں ہے "لا تعلمھم نحن نعلمھم" کہ اے محمدؐ آپ ان کو نہیں جانتے ہم جانتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ جب حضورؐ کو خبر نہیں تھی تو موجودہ شیعوں کو کیسے پتہ چل گیا؟

جواب ۳۸۶ :۔ خیر یہ شکر تو ہیں نہیں کرتا کہ مکاری کی سیاست کا قائل ہیں

اگر آپ کی داڑھی میں تنکا ہے تو ہوتا رہے۔ سوال کا جواب یہ ہے کہ حضورؐ کو خدا نے ہر وہ بات بتا دی تھی جو آپ نہ جانتے تھے۔ لہٰذا حضورؐ تو منافقوں کی رگ رگ سے واقف تھے۔ موجودہ شیعوں کو بھی خود حضورؐ نے ایسی آسان شناخت بتادی ہے کہ ہمارے بچے بھی "یا علیؑ" کہہ کر منافق کو پہچان لیتے ہیں۔ پس علیؑ کا نام آتے ہی منافق کا چہرہ ٹیلیویژن کی تصویر کی طرح سامنے آجاتا ہے۔

اعتراض ۳۸۷: صدیق و فاروق جب "والسبقون الاولون من المھاجرین" کی فہرست میں آچکے ہیں تو پھر اس سے انحراف کیوں؟

جواب ۳۸۷: سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ یہ حضرات سابقون اولون مہاجرین کی فہرست میں شمار کیے جائیں پھر انحراف کرنے میں کونسی غلطی ہے۔ پہلے ایمان تو ثابت کرو پھر سبقت و اولیت کی بات کرنا۔

اعتراض ۳۸۸: جب قرآن مجید میں "ولتعرفنھم فی لحن القول" کہ آپ ضرور ان کو ان کی بات کے ڈھنگ سے پہچان لیں گے موجود ہے تو آپ خواہ مخواہ یہ رٹ کیوں لگائے جاتے ہیں کہ حضورؐ کو ان کا علم نہیں تھا۔

جواب ۳۸۸: اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ حضورؐ کو علم نہیں تھا تو وہ خطا پر ہے۔ میری تو یہ رٹ ہے کہ حضورؐ کو سب علم تھا حتیٰ کہ آپ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ حضرات کو منافق صحابیوں کے نام بتا دیئے تھے اور عام مومنین کو انتہائی آسان علامت تعلیم کردی تھی۔ اگر بات کے ڈھنگ پر بات ہے تو کیا "ھذیان" کی گفتگو منافقت نہیں ہوگی تو کیا ہوگا؟ بخاری و مسلم پڑھ کر دیکھ لو۔

نبوی وفات کے بعد کے متعلق

ایمان صحابہ کرام کے متعلق بحث

اعتراض ۳۸۹:۔ اگر آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ صحابہ کرام بعد از وفات رسولؐ ایماندار نہیں تھے تو اس آیت کا جواب دیجئے؟

یاایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین

اے ایمان والو تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا۔ پس قریب ہے اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو ظاہر کر دے گا جنہیں خدا دوست رکھتے ہوں گے ایمانداروں کے ساتھ نرم اور منکرین کے ساتھ (سخت) ہوں گے۔

نیز یہ آیت کن حالات پر صادق آئی؟

جواب ۳۸۹ :- سب سے پہلے یہ بات قرآن سے ثابت ہوگئی کہ اصحاب نبی کے مرتد ہونے کی بشارت قرآن میں موجود ہے لہٰذا ضروری ہوگیا کہ ایسے صحابیوں کا وجود تسلیم کیا جائے جو ایمان قبول کرنے کے بعد دین سے پھر گئے پس "کلھم عدول" کا ڈھونگ ختم ہو جانا چاہئے ورنہ انکارِ قرآن ہوگا۔ پیشتر اس کے ہم آیت کا جواب دے کر جواب دیں کہ وہ قوم کون سی ہے جس کا ظاہر ہونا بتایا گیا ہے ان حالات کی طرف آئیے جن پر یہ آیت صادق آتی ہے تفاسیر میں اس آیت کا تعلق غزوۂ خیبر سے بتایا جاتا ہے اگرچہ اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے لیکن جو صفات خداوند کریم نے اس آیت میں بیان کی ہیں اس کا سچا مصداق اصحاب رسولؐ میں سوائے حضرت امیر المومنینؑ کے کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا ہے اس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ سرکار رسالت مآبؐ نے جب قلعۂ خیبر کو دیکھا کہ یہ کسی طرح فتح نہیں ہوتا اور محاصرہ کو کئی روز گزر چکے ہیں۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر بھی شکست کھا کر پلٹ آئے ہیں تو آنحضرتؐ نے بالآخر جناب امیرؑ کو علم عطا فرمایا اور جو الفاظ زبانِ وحی بیان سے حضرت علی علیہ السلام کے حق میں ارشاد فرمائے وہ اس آیت کی تفسیر ہیں۔ صاحب ماینطق عن الھویٰ نے ایسے ہی الفاظ کی حدیث ارشاد فرمائی اور مقصود ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کے ساتھ اس کا رسولؐ بھی ایسی گواہی دیتا ہے:-

"لاعطین الرایۃ غداً رجلاً کرارًا غیر فرار یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ یفتح اللہ علی یدیہ"

یعنی کل میں علم (جنگ) اس مرد کو دوں گا جو حملہ کرنے والا ہوگا اور بھاگنے والا نہیں ہوگا خدا اور اس کے رسولؐ کا دوست دار اور خدا اور رسولؐ اس کے دوستدار ہوں گے اور اسی کے ہاتھ پر خدا اس قلعہ کو فتح کرے گا۔

پس روزِ خیبر حضرت امیرؑ کا تعارف کروا کر حضورؐ نے بتا دیا کہ آیت موصوفہ میں بیان شدہ صفات والے مومنوں کا علمبردار اور سردار حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ واضح ہو کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو خصوصاً اس جنگ میں آزمایا گیا لیکن وہ ناکام ہوئے اور سپردگیٔ علم سے

پہلے حضورؐ نے جو صفات رجل، کرار، غیر فرار، محبوب خدا اور رسولؐ، حبیب خدا و رسولؐ کے اوصاف بیان کئے وہ آپ سے قبل جرنیلوں میں نہ تھے۔ لہٰذا شیخین کا پتہ تو خود رسولِ مقبولؐ نے خیبر ہی کے موقعہ پر کاٹ دیا۔ پس وہ قوم جو مرتدین کے خلاف ظاہر ہوئی وہ شیعانِ علیؑ ہیں جنہوں نے ہمیشہ دینِ رسولؐ کی پیروی کی جبکہ دیگر مسلمانوں نے خلافِ رسولؐ غیر معصوم بادشاہوں کے احکام کو دین سمجھ لیا۔ یہ مفصل بیان ہم اپنی کتاب "فروعِ دین" میں پیش خدمت کر چکے ہیں۔

اعتراض ع۳۹۰: اگر یہ مکر کیا جائے کہ ان کے ارتداد کی طرف اشارہ ہے جبکہ قیامت کے دن فرشتے عرض کریں گے "انك لا تدری ما احدثو بعدك" (اے مصطفٰے کریم آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا) تو سوال یہ ہے کہ ادھر حیات القلوب جلد ع۲ میں ہے کہ ایک روشنی نمودار ہوئی جس میں منافقین ہی منافقین نظر آئے ان میں ابوبکر و عمر وغیرہ تھے پس اگر یہ روایت صحیح ہے تو لا تدری غلط ہے اور اگر لا تدری صحیح ہے تو یہ انکشاف محمول بر غلطی ہے۔ بہر حال کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

جواب ع۳۹۰: اگر یہ مکر ہے تو معاذ اللہ یہ مکر خدا نے کیا ہے کہ "یہ قدرِ متکلم" کے الفاظ وحی فرمائے ہیں اور سب سے بڑی مکاری آپ کے خلیفہ اول نے کی کہ نام نہاد فتنہ ارتداد کی آڑ میں کئی مسلمانوں کا خون ناحق بہایا۔ لا تدری والی حدیث آپ کی کتب صحاح میں موجود ہے لہٰذا اس مکاری کا جواب اپنے اماموں سے طلب فرمائیے آپ کی غلط فہمی کا تدارک میں کئے دیتا ہوں کہ جواب میں اگر آپ سے کہہ دوں کہ "آپ کو معلوم نہیں کہ آپ نے اعتراض ع۳۹۰ میں خدا کی آیت کو مکر کہا ہے" تو اس کا یہ ہرگز مطلب نہ ہوگا کہ آپ اس سے ناواقف ہیں بلکہ ایسا طرزِ کلام تقویتِ مقصد کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حدیث میں لا تدری لکھا گیا ہے کہ یا رسول اللہ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ ان منافقوں نے کیا کیا

گُل کھلائے ہیں۔ حدیث اپنی جگہ قائم رہتی ہے اور لا ادری علمِ رسول کی نفی نہیں کرتا ہے۔ اور حیات القلوب والی روایت اپنی جگہ صحیح ہے۔ دونوں میں نہ ہی کوئی تفاوت ہے نہ ہی تضاد دونوں کا موقع و محل و سیاق و سباق جدا جدا ہے لہٰذا دونوں طرح سے آپ کے صحابیوں کی عاقبت خراب ہی نظر آتی ہے اور پردہ یہ اٹھتا ہے کہ سفید نقاب سیاہ چہرے۔ منہ میں رام رام بغل میں چھری۔ یہی پردہ داری تھی جو نہ رہی۔

اعتراض ۳۹۱: نہج البلاغہ جلد ۱ ص ۱۹۰ میں ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے اصحاب رسول مقبول کو اس رنگ میں پایا ہے کہ میری جماعت کا کوئی فرد ان کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا فرمائیے حضرت علیؓ نے بقول شما۔۔۔۔ کی مدح سرائی کیوں فرمائی؟

جواب ۳۹۱: جن اصحاب باوفا رضی اللہ عنہم کی تعریف مولا علیؑ نے فرمائی ہمارا ان پر سب کچھ قربان ہے لیکن آپ والے صحابیوں کو تو جناب امیرؑ نے کاذب۔ آثم، غادر، خائن، بدعتی اور دین کے رخنہ انداز کہا ہے۔ ان کی تعریف کہاں فرمائی ہے ذرا نام لے کر وضاحت فرمائیں اور پھر اگر سارے صحابی اس رنگ کے تھے تو آپ نے جنگ صفین اور جنگِ جمل میں ان کو موت کے گھاٹ کیوں اتارا؟ یقینی بات ہے کہ یا تو ان کا رنگ بدل چکا تھا یا چڑھا ہی نہ تھا یا پھر حضرت علیؑ نے معاذ اللہ رنگ پر نظر ہی نہ فرمائی۔

اعتراض ۳۹۲: حضرت علیؓ نے فرمایا مضت اصول نحن فروعہا یعنی اصول صحابہ کرام گزر چکے ہیں ہم ان کے فروع ہیں اور ظاہر ہے فروع کا مدار اصول پر ہوتا ہے پس اگر اصول کو ایماندار تسلیم نہ کیا جائے تو فروع کی کیا حقیقت رہے گی جواب درکار ہے۔

جواب ۳۹۲: جن کے بارے میں جناب امیر نے ایسا ارشاد فرمایا کون بے ایمان ان کے ایمان کو نامکمل سمجھتا ہے؟ اپنے والوں کی بات کرو اور ثابت کرو کہ یہ ارشاد ان کے لئے فرمایا تو پھر بہادری ہوگی۔

اعتراض ۳۹۳:

قوم واللہ میامین الرای — "صحابہ کرام ایسے لوگ تھے ان کی
مقاویل بالحق متاریک للبغی — راہیں اور تدبیریں مبارک تھیں
برحق اور ظلم کو ترک کرنیوالے تھے

ظاہر ہے یہ خطبہ سیدنا علی رضؓ نے صحابہ کرام کے حق میں فرمایا اگر یہ صدق وحقیقت پر مبنی ہے تو پھر آپ حضرات کو اپنے مسلک پر نظر ثانی کرنی پڑے گی۔

جواب ۳۹۳: فی الحقیقت یہ الفاظ حضرت امیر علیہ السلام نے اصحاب کبار رضی اللہ عنہم کی شان میں ارشاد فرمائے۔ ہمیں اپنے مسلک پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت اس دقت پیش آئے جب ہم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے مراتب کا انکار کریں۔ ہمارا اعتقاد تو صحابہ فجار فساق سے ہے جو ظلم کو اپنائے ہوئے تھے اور راستی کی تدبیر کو بدل دینے کے خوگر تھے۔

اعتراض ۳۹۴:

ان قوما استشھدوا فی سبیل — بلاشبہ صحابہ کرام مہاجرین اور
اللہ من المہاجرین والانصار — انصار اللہ کے راستے میں شہید کئے
ولکل فضل۔ — گئے اور ہر ایک کا اپنا اپنا رتبہ ہے

جواب ۳۹۴: ان الفاظ میں بھی "من" سے استثنیٰ ہے اور ہم ان تمام مہاجرین رضؓ وانصار رضؓ کے معتقد ہیں جو شہید ہوئے اور مرتبے پائے۔

اعتراض ۳۹۵ :- نہج البلاغہ صـــ میں حضرت علیؑ کا خطبہ موجود ہے؛

لقد کنا مع رسول اللہ نقتل ابنارنا — البتہ تحقیق ہم حضور علیہ السلام کے
واخواننا واعمامنا مایزید — ساتھ ہو کر اپنے باپ اور بھائیوں
فاذلک الا ایمانا وتسلیما۔ — اور چچوں کو قتل کرتے تھے اور یہ
فعل ہمارے ایمان و تسلیم کو بڑھاتا

یہ آباء، اور بھائیوں اور چچوں کو قتل کرنے والے کون تھے اور ان کے قتل کرنے کی وجہ کیا تھی؟

جواب ۳۹۵ :- یہ حضرات علیؑ اور ان کے دوست صحابہ رسول رضی اللہ عنہم تھے اور اس قتال کی وجہ دین تھی مگر آپ کے صحابی تو کوئی گلہری بھی نہ مار سکے۔

اعتراض ۳۹۶ :- کیا حضرت علی مرتضیٰ کا یہ فعل اپنا فعل ہے یا صحابہ کرام کے نیک کردار کو اپنی طرف منسوب فرمار ہے ہیں؟

جواب ۳۹۶ :- حضرت امیر کا اپنا بھی کردار ایسا ہی تھا اور ان کے دوست اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کا فعل بھی ایسا ہی تھا جبکہ آپ والے بھگوڑے تھے۔

اعتراض ۳۹۷ :- اگر صحابہ کرام کے کمالات عالیہ اور جہاد فی سبیل اللہ نیز خویش و اقارب کے قتل کو مدح و توصیف کے رنگ میں بیان فرمار ہے ہیں اور اس کی وجہ ایمان و تسلیم اور نتیجے میں ازدیاد برکت کی تصریح فرمار ہے ہیں تو فرمائیے آپ حضرات کو ان کے ایمان پر خواہ مخواہ کیوں اعتراض ہے؟

جواب ۳۹۷ :- ہمیں اُن صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کے ایمان پر اسی طرح کامل یقین

ہے جس طرح ان کا ایمان کامل تھا۔ ان کے ایثار کے کمالات جہاد فی سبیل اللہ کے کارنامے خاندان سے انقطاع ان کو سرفراز کئے ہوئے ہیں لیکن جن صحابیوں سے ہم مایوس ہیں بدقسمتی سے نہ ہی ان میں مکاری و چالاکی کے علاوہ کوئی کمال تھا نہ ہی جہاد میں ان کے بھاگتے قدموں کے نشانات کے علاوہ اور کچھ نظر آتا ہے اور نہ ہی ان کو کوئی صعوبت پیش آئی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ محض اونچا محل دیکھ کر ہم اُن دیواروں سے اپنا سر ٹکرائیں۔

اعتراض ۳۹۸: جب بعد از رسول مقبول صحابہ کرام ایمان سے خالی اور عترت رسول تقیہ باز تسلیم کرلئے جائیں تو دین کی ترقی کا کون سا ذریعہ باقی رہا؟

جواب ۳۹۸: ایماندار صحابہؓ بھی تھے جنہوں نے تبلیغ فرمائی اور عترتؑ رسول کا تقیہ دین کی اشاعت کا بہت بڑا ذریعہ ثابت ہوا ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ فقہ جعفریہ کو تمام فقہوں پر برتری حاصل ہے اور جو نام نہاد اسلام ہے دنیا نے اس کو ٹھکرا دیا ہے اور لوگوں نے کہنا شروع کر دیا ہے کہ تمام اسلامی لٹریچر شیعوں کا لکھا ہوا ہے۔ کیا یہ اعجاز کم ہے کہ مدعی خود ہی مصر ہیں کہ شیعوں نے ہی دین کی تعلیم کو مدوّن کیا اور آپ کے بزرگ لوٹ مار اور قتل و غارت گری میں عاقبت گنواتے رہے۔

اعتراض ۳۹۹: تفسیر حسن عسکری ص۱۱ میں ہے:

قال اللہ عز وجل یا موسیٰ اما علمت ان فضل صحابۃ محمد علی جمیع صحابۃ المرسلین کفضل ال محمد علی جمیع ال المرسلین	خدا تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ کیا آپ نہیں جانتے بلاشبہ محمد رسول اللہ کے اصحاب کی فضیلت جمیع صحابۂ رسل پر اس طرح ہے جس طرح حضرت کی آل کی فضیلت سب رسولوں کی آل پر ہے۔

فرمائیے اس قدر تصریح کے باوجود صحابہ کرام سے انحراف کیوں؟

جواب ۳۹۹ :- جب اتنی تصریحات ہماری کتابوں میں موجود ہیں تو پھر کیا یہ اس بات کا روشن ثبوت نہیں ہے کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض نہیں رکھتے اور ہمارے اماموںؑ نے صحابہ کاملین کے واسطے سے دعائیں تعلیم فرمائی ہیں ملاحظہ کریں صحیفہ کاملہ امام زین العابدین علیہ السلام۔ لیکن ہمارا موقف واضح ہے کہ ہم حقیقی صحابہؓ کے ادنیٰ غلام ہیں اور صحابہ کے معنی ہیں "ساتھ دینے والے" جبکہ منافق صحابیوں سے ہمارا کھلا ہوا بیر ہے۔

اعتراض ۴۰۰ :- قرب الاسناد شیعی کتاب ج ۲ ص ۴۵ میں ہے زین العابدین نے عید کے بعد خطبہ پڑھنے پر یوں استدلال کیا ہے:

"ان رسول واباً بکر و عمر و عثمان" یعنی حضور اکرم اور ابو بکر و عمر و عثمان

کانوا یجهرون بالقرأة فی عیدین میں قرأت بھی زور سے

العیدین و یصلون قبل الخطبه پڑھتے تھے اور خطبہ نماز کے بعد پڑھتے تھے"

دیکھئے امام تو ان کو قابل حجت تسلیم کریں اور تم انکار کرتے ہو۔

جواب ۴۰۰ :- دستور مناظرہ میں اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ فریق مخالف کے مسلمات میں سے حجت قائم کی جائے لہٰذا امامؑ نے ایسا ہی کر کے اپنا موقف ثابت کیا اور دراصل حجت عمل رسولؐ ہے جس کی شہادت اعمال ثلاثہ سے دی گئی ہے اگر اس کو تسلیم سمجھ لیا جائے تو پھر بتایئے جتنے شیعہ حوالہ جات آپ نے دیئے ہیں آپ ان کو حجت مان لیں گے؟

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت و افضلیت اور ایمان میں بحث

اعتراض ۱۰۸ :۔ پروردگار نے اِنْ لَا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ فرما کر شب ہجرت حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی کونسی مدد فرمائی اور وہ نصرت کس رنگ میں جلوہ گر ہوئی؟

جواب ۱۰۸ :۔ اگر آپ آیت کے یہ الفاظ شب ہجرت والی آیت میں ثابت کر دیں تو آپ کو منہ بولا انعام دیا جائے گا اصل الفاظ آیت اس طرح ہے :

"اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ" معنی اس کے یہ ہیں کہ اگر تم (صحابی مسلمان) اس رسولؐ کی مدد نہ کرو گے تو (کوئی پرواہ نہیں) خدا نے اس کی مدد کی۔

آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اس آیت میں مسلمانوں کو شرمندہ کیا گیا ہے جنہوں نے نصرت رسولؐ سے کنارہ کشی اختیار کی۔ اب سنئے اللہ نے کونسی مدد کی۔ سب سے پہلے کفار کی آنکھیں اندھا کر دیں اور حضورؐ کو ان کے سامنے سے گزار دیا۔ ساری رات وہ بستر پر سوئے ہوئے علیؑ کو رسولؐ سمجھتے رہے۔ غار میں چھپایا تو فوراً مکڑی کو جالا بنانے کا حکم دے دیا۔ کبوتر کو انڈے دینے کا امر ہوا۔ جب دشمن دہانہ غار تک آ گئے تو قدرت کا یہ بندوبست دیکھ کر مایوس ہو گئے۔

اعتراض ۲۰۲ :۔ اگر صدیق اکبرؓ کو نصرت خداوندی کا مظہر اتم یقین کر لیا جائے جیسا کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے تو آپ کا کونسا نقصان ہے؟

جواب ۲۰۲ :۔ ایسے زعم اختیار کر لینے سے سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ کلام خدا کی تکذیب کرنا پڑتی ہے جبکہ آیت کے اگلے الفاظ یوں شروع ہوتے ہیں کہ "اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا" "یعنی رسولؐ کی اس وقت مدد کی جب کفار نے گھر سے نکال دیا جبکہ وہ دو میں سے دوسرا تھا (یعنی دو ہوتے ہوئے بھی اکیلا تھا۔ بظاہر دو نفر تھے لیکن دوسرے کی موجودگی کے باوجود وہ تنہا تھا) جبکہ غار میں تھے۔ دونوں جب (رسولؐ) اپنے ساتھی (ابوبکر) سے فرما رہے تھے ڈر مت اللہ ہمارے ساتھ ہے (یعنی خدا کے رسولؐ کا عالم بے لبسی یہ تھا کہ دشمنوں نے گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ کچھ مسلمانوں نے نصرت سے منہ موڑ لیا تھا اور جو ساتھ غار میں تھا وہ بھی خوفزدہ تھا یعنی حضورؐ بالکل تنہا تھے کہ اس عالم بے یاری میں اللہ نے اپنے رسولؐ کی نصرت کی) اب چونکہ از روئے قرآن حضرت ابوبکر کا نصرت کرنے کی بجائے خوفزدہ ہونا ثابت ہوتا ہے لہٰذا بلاوجہ ان کو ناصر ماننا مخالفت قرآن ہے یہاں ایک لطیف نکتہ ہے فرمایئے حضرت ابوبکر کا خوف امر حق کے مطابق تھا یا باطل کے۔ اگر کہا جائے کہ امر حق کے لئے یہ حزن تھا تو خدا اور رسولؐ پر الزام آئے گا کہ امر حق سے روکا اور اگر امر باطل تھا جس پر ٹوک دیئے گئے تو ہمارا موقف ثابت ہوا۔ چلیئے کدھر جایئے گا۔ مصیبت رسولؐ پر ہے اور خوفزدہ ثانی صاحب ہو رہے ہیں آخر کیوں؟ کہیں کوئی پردہ داری تو نہ تھی۔ اب ہم اگر ایسی بزدلانہ نصرت کو مظہر خداوندی قرار دیں تو یہ معاذ اللہ ہتک خدائے ذوالجلال ہوگی۔

اعتراض ۲۰۳ :۔ اور اگر ان کو مظہر نصرت تسلیم نہ کیا جائے تو فرمایئے ان کے علاوہ کون متعین کیا جائے گا اور اس کے وجوہ تعین کیا ہیں؟

جواب ۲۰۳ :۔ دو میں سے دوسرا الگ کر کے جب خدا نے اپنے رسولؐ کو اکیلا ہی کر لیا تو پھر سوائے اللہ کے اور کون ناصر ہوگا۔ جس نے اپنے انتظام قدرت سے اپنے رسولؐ

کی نصرت کی۔ حضرت صاحب کی ڈھارس تو خود رسول کریمؐ بار بار باندھ رہے تھے کہ نہ رو بھائی اللہ پر ایمان رکھ وہ ہمارے ساتھ ہے ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ ہم نصرت تب مانتے جب حضرت ابوبکر ایسی تسلی رسولؐ خدا کو دیتے کہ حضورؐ چھپنے کی کیا ضرورت۔ بندہ جو موجود ہے پہلے میری لاش پر گزریں گے پھر آپ تک آئیں گے مگر ایسا کہاں؟ یہ نظارہ تو بستر رسولؐ پر فرشتے مباہات کرتے ہوئے فرما رہے تھے

اعتراض ع۲۴۴: کیا یہ سچ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ دونوں غار میں بیٹھے تھے اتنے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک کشتی نظر آئی

قال لابی بکر کانی انظر الی سفینة — تو آپ نے ابوبکر سے فرمایا گویا کہ میں
جعفر فی اصحابہ یقوم فی البحر — جعفر کی کشتی کو دیکھ رہا ہوں اس کے
قولہ فقال ابوبکر وتراھم یا — اصحاب ہیں جو کہ دریا میں کھڑا ہے
رسول اللہ قال نعم قال فارنیہم — ابوبکر نے عرض کی کیا آپ اے حضرت
فمسح علی عینیہ فراھم — ان کو دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا ہاں عرض کی یا
فقال لہ رسول اللہ انت — حضرت آپ مجھے بھی دکھائیے پس آپ نے
الصدیق۔ — ان کی آنکھوں پر ہاتھ لگایا پس ابوبکر صدیقؓ نے دیکھ لیا حضور نے فرمایا تو صدیق ہے

(تفسیر قمی صفحہ [illegible])

جواب ع۲۴۴: یہ روایت تفسیر قمی میں موجود ہے اور یہ روایت بھی حضرت ابوبکر کی کمزوریٔ ایمان پر دلالت کرتی ہے رسولؐ کی صداقت پر شک کرنے کا واضح ثبوت ان کا استفسار ہے کہ تعجب سے دریافت کرتے ہیں کہ اے رسولؐ آپ جعفرؓ کو دیکھ رہے ہیں۔ اگر انداز گفتگو تابع۔ اطمینان قلب یا تحصیل معرفت کا ہوتا تو لہجہ وہی ہوتا جو ابراہیم علیہ السلام کا دربارہ حیات ممات کے لئے تھا بظاہر آنحضرتؐ حضرت ابوبکر صاحب کے ایمان کو پختہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے

کہ جو خوف وحزن اُن پر طاری تھا کسی طرح دور ہو جائے لہٰذا اعجازی قوت استعمال کی اور ان کو دکھا دیا کہ نبیؐ کو دور کی خبر ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ رہ کر کسی خوف وخطرہ سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے اور مشاہدہ کروا دینے کے بعد فرمایا اب تم اس کے مصدق ہو کہ ہم نے تمہیں یہاں بیٹھے بیٹھے حبشہ میں موجود جعفر کی مصروفیات کا نظارہ کرا دیا ہے۔ لہٰذا اسی سے سمجھ لو کہ ہماری منزلت کیسی ہے چنانچہ یہاں جو لفظ "صدیق" استعمال ہوا ہے اس کے معنی گواہ کے ہیں جو اپنے اصلی معنی میں مستعمل ہے نہ کہ معنی خاص یا لقب خاص کے لئے لیکن اس آنکھوں دیکھے معجزہ کے باوجود بھی اکثر رسول مقبولؐ کو ارشاد کرنا پڑا کہ "اے ابوبکر تمہارے اندر شرک چیونٹی کی چال سے بھی پوشیدہ چلتا ہے" خدا اس راز کو بہت بہتر جاننے والا ہے۔

اعتراض ۲۰۵: قرب الاسناد للحمیری شیعی کتاب ص۴۵ میں تحریر ہے کہ امام جعفر امام محمد باقر کے متعلق کسی مسئلے کی تائید میں فرماتے ہیں "قال ای فعل ابوبکر الصدیق بعدہٗ (یعنی ابوبکر صدیق نے بھی ایسا کیا تھا) فرمائیے امام محمد باقر کے نزدیک ابوبکر صدیق ٹھہرے یا نہ؟ پھر آپ کو ان کی صداقت سے انکار کیوں ہے؟

جواب ۲۰۵: جیسے صدیق امامؑ کے نزدیک تھے ویسے ہم مانتے ہیں۔ اس لئے جس طرح آج کل لوگوں کے نام عموماً "صدیق" ہوتے ہیں اسی طرح حضرت ابوبکر صاحب کا بھی یہ نام "صدیق" تھا۔ یہ لقب نہ ہی ان کو رسول کریمؐ نے عطا کیا تھا اور نہ ہی وہ اسم بمسمّٰی ہونے کی وجہ سے "صدیق" مشہور تھے بلکہ یہ ان ایک عرفی لقب تھا۔ جیسا کہ علامہ حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ "ابن مُسندی نے لکھا ہے کہ آپ (ابوبکر) صدیق کے لقب سے زمانہ جاہلیت (قبل از اسلام) ہی میں ملقب تھے" (تاریخ الخلفاء) پس شناخت قائم کرنے کے لئے امامؑ نے صدیق لکھا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ سچے تھے اگر ایسا تھا تو چالیس برس تک بتوں کی پوجا کیوں کرتے رہے اور حدیث لانورث بیان کر کے سیدہؑ طاہرہ اور امام الصادقین علیؑ کی صدق زبانی سے "کاذب" کے لقب سے کیوں نوازے گئے۔

اعتراض ۹۶ :- بتصریح تفاسیر اہل سنۃ واہل تشیع جب وسیجنبہا الاتقی (یعنی جہنم سے بچا لیا جائے گا) کا مصداق صدیق اکبر ہیں جبکہ انہوں نے حضرت بلالؓ اور عامر بن فہیرہ کو خرید کر والی اسلام قدوہ انام رحمۃ اللعالمین کی دربار میں پیش کیا تھا تو با ایں ہمہ ان کے عدم ایمان پر اصرار کیوں اور ان کے رتبہ علیا سے انکار کیوں؟

جواب ۹۶ :- یوں بات نہیں بنے گی پہلے آپ کوئی مستند حوالہ پیش کریں کہ حضرت بلالؓ اور عامر بن فہیرہ کو حضرت ابوبکر نے خرید کر آزاد کیا۔ پھر جواب طلب کریں حالانکہ یہ معاملہ متنازعہ فیہا ہے۔

اعتراض ۹۷ :- تفسیر مجمع البیان میں "ھو الذی جاء بالصدق" سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات انور اور صدق بہ سے صدیق اکبر مراد لیا گیا ہے کیا اب بھی انکار پر بضد رہو گے؟ یعنی صدق کو لانے والے حضورؐ تھے اور پہلے تصدیق کرنے والے صدیق تھے۔

جواب ۹۷ :- اس پر ہر مسلمان کا اتفاق ہے اور فریقین کے علماء اس کے قائل ہیں کہ حضرت رسول کریم کی رسالت کی تصدیق سب سے پہلے حضرت علیؑ نے کی اور یہ آیت جناب امیر علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی چنانچہ حافظ ابوبکر ابن مردویہ نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس نے تصدیق کی اس شخص سے مراد علیؑ ابن طالب ہیں دیکھو تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۳۲۸ ۔ اور حضرت علیؑ نے منبر پہ دعویٰ فرمایا کہ میں صدیق اکبر ہوں میرے سوا کوئی یہ دعویٰ نہ کرے گا مگر کاذب۔ لہٰذا محض صدیق اکبر کے لقب سے حضرت ابوبکر کو مراد نہ لیں بلکہ یہ لقب حضرت امیر علیہ السلام کا ہے جسے آپ نے حضرت ابوبکر سے چھپا کر رکھا ہے۔ تفصیل کے

لئے دیکھ لیجئے میری کتاب "وصی رحمۃ للعالمین"۔ ہم اپنی ضد چھوڑ دیں گے اگر آپ حضرت ابوبکر کی زبان سے صحیح روایت میں یہ بات ثابت کر دیں کہ "میں صدیق اکبر ہوں" جو کہ آپ تاقیامت نہیں کر سکیں گے۔ مجمع البیان میں ذکر بطور نقل بمطابق مسلک سنیہ ہے!

اعتراض ۲۰۸ہ:۔ مرآۃ العقول شرح الفروع والاصول مصنفہ ملا باقر مجلسی اصفہانی جلد ۱ صت ۳۷ میں ہے کہ حضرت علیؓ کی والدہ نے وفات پائی تو ان کو لحد میں اتارنے والے حضرت عباس اور حضرت ابوبکر صدیق تھے اگر حضرت ابوبکر بیگانے سمجھے جاتے جیسا کہ آج کل کے جہال میں نکارت پائی جاتی ہے تو آپ کو قطعاً یہ موقع نہ دیا جاتا۔ وجہ بیان کیجئے۔

جواب ۲۰۸ہ:۔ اس کا جواب بھی آپ کو ذکاء الافہام میں آپ کے تیسرے اعتراض کے جواب میں دیا جا چکا ہے کہ حکم ہمیشہ ظاہر پر ہوا کرتا ہے۔ جس طرح منافق پر کوئی حد قائم نہیں ہو سکتی جب تک نفاق ظاہر نہ ہو جائے۔ لہٰذا بعد از رسولؐ جو لوگ مرتد ہو گئے ان میں اکثریت منافقین کی تھی۔ لیکن زمانۂ رسولؐ میں ان کو بالکل ویسی ہی مراعات حاصل تھیں جس طرح صحیح العقیدہ مسلمان صحابی کو تھیں۔ لہٰذا حضرت فاطمہ بنت اسد کی تجہیز و تکفین میں شریک ہو جانا دلیل فضیلت نہیں ہو سکتا۔ اگر تدفین میں شرکت ہی اپنائیت کی دلیل ہے تو پھر حضرت ابوبکر کی دفن رسولؐ اور سیدہ طاہرہ سے محرومی بیگانگی اور غیریت کا ثبوت کیوں نہیں مانا جاتا۔ اگر عبداللہ بن ابی جیسے منافق کے جنازہ میں شرکت رسولؐ اور کرتہ پیغمبرؐ اسے کوئی فضیلت نہیں دے سکتا تو اسی طرح حضرت ابوبکر کی تدفین بنتِ اسدؓ میں شرکت بھی باعثِ شرف و عز نہیں ہو سکتی۔ باقی حضرت ابوبکر رسول اکرمؐ کے خسر تھے مسلمان تھے قریب رہنے والے تھے اس لئے ایسے حادثہ پر ان کا دور رہنا مشتبہ ہوتا اسی لئے وہ انہماک سے مشغول کار ہوئے مگر افسوس کہ حضورؐ کی وفات

پر ایسا نہ کر سکے۔

اعتراض ۴۰۹:۔ حضرت علی مرتضیٰ سے ابوبکر صدیق کے پیچھے جب نماز پڑھنا ثابت ہے تو ان کے ایمان نیز ان کی دیانت پر اعتراض کیسا (کیا یہ یاد نہیں کہ گذشتہ سطور میں ہم نے یہ ثابت کیا تھا کہ رتبہ امامت پر صدیق اکبر کو فائز کرنے والے حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم تھے)

حوالہ کے لئے ملاحظہ فرمائیے:۔ الدرۃ النجفیہ شرح نہج البلاغہ ص ۲۲۵، احتجاج طبرسی ص ۵۹، مرأۃ العقول ص ۳۸۸ جلد ۱، تفسیر قمی ص ۵۰۳، غزوات حیدری ص ۶۲۷ ضمیمہ ترجمہ مقبول ص ۳۱۵۔

جواب ۴۰۹:۔ اس اعتراض کا جواب بھی آپ کو "ذکا الافہام" کے جواب ۳۳ میں دیا جا چکا ہے کہ حضرت ابوبکر نے خالد بن ولید کو حضرت علیؑ کے قتل پر مامور کیا لہٰذا حضرت علیؑ اس سازش کو ناکام و بے نقاب کرنے کی غرض سے نماز پڑھنے آئے۔ اور ہمارے مذہب میں نیت فرادیٰ سے بغیر نیت اقتدا کسی بھی مسلمان کے پیچھے نماز ادا کی جا سکتی ہے اور آپ کے مذہب کے مطابق ہر نیک و بد نماز کا امام ہو سکتا ہے جیسا کہ میں نے پچھلے صفحات میں عرض کیا ہے۔ باقی آنحضرتؐ کا حضرت ابوبکر کو امام مقرر کرنا روایات کے تضادات کی بنا پر صحیح ثابت نہیں ہوتا ہے۔ کسی کے پیچھے نماز پڑھنا اس کو امام ماننا نہیں ہوتا ہے جیسا کہ جنگ صفین میں ابوہریرہ وغیرہ امام تو معاویہ کو مانتے تھے مگر نماز کے وقت حضرت علیؑ کے پیچھے آکر نماز پڑھتے تھے۔ لہٰذا آپ کو چاہئے کہ کسی مستند شیعہ کتاب سے حضرت علیؑ کا نیت اقتداء پیش کیجئے۔ اعمال کا انحصار نیت پر ہوتا ہے۔ اب تھوڑا سا ثبوت امامت نماز دربارۂ ابوبکر بھی ملاحظہ کرتے ہی جائیں۔

(۱)۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۳۱ پر ہے کہ بلال رضی نے آنحضرتؐ سے نماز

کے لئے عرض کیا تو عبداللہ ابن زمعہ سے فرمایا "کسی کو کہو نماز پڑھا دے" (یعنی کوئی بھی مسلمان نماز کی امامت کرے)

(۲) سیرت ابن ہشام ہی میں ہے کہ حضرت عمر نے نماز پڑھانا شروع کی کہ عمر کی آواز رسولؐ نے سنی تو آپ کو یہ آواز ناگوار گذری اور فرمایا کہ ابوبکر کہاں ہیں اللہ اور مسلمانوں کو انکار ہے کہ عمر نماز پڑھائیں پھر ابوبکر کو بلایا گیا مگر عمر نماز پڑھا چکے تھے لہٰذا ابوبکر نے لوگوں کو پھر نماز پڑھائی۔ (حوالہ مذکورہ)

(۳) طبقات ابن سعد جلد ۲ صـ ۲۲۲ میں ہے کہ جب عمر نے تکبیر کہی تو رسول اللہؐ نے فرمایا نہیں نہیں ابو قحافہ کا بیٹا (ابوبکر) کہاں ہے۔ یہ سن کر لوگ درہم برہم ہو گئے اور حضرت عمر نماز چھوڑ کر الگ ہو گئے اسی اثنا میں ابوبکر آ گئے اور انہوں نے نماز پڑھائی۔

(۴) علامہ طبری نے لکھا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ابوبکر کو کہو کہ نماز پڑھائیں اور پھر خود بھی دو آدمیوں کے سہارے ابوبکر کے قریب کھڑے ہو گئے اور مقام امامت نماز پر سے ابوبکر کو ہٹایا نہیں۔ (تاریخ طبری جلد ۲ صـ ۴۳۹)

(۵) علامہ ابن جریر طبری ہی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ حضورؐ نے علیؑ کو بلایا مگر عائشہ و حفصہ نے اپنے باپوں کی سفارش کی (تاریخ طبری جلد ۲ صـ ۴۳۹)

اسی طرح اور بھی روایات ہیں جو ایک سے دوسری مختلف ہے لہٰذا ان مجموعہ تضادات روایات کی موجودہ میں حضرت رسولِ خدا کا حکم حضرت ابوبکر کی امامت نماز کے بارے میں مشکوک ہو جاتا ہے اور معاملہ متنازعہ فیہ۔ جبکہ بحث میں امور مسلمہ لائے جاتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۰۴ :۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ سیدنا علیؓ صف میں نہیں تھے تو غزوات حیدری صـ ۶۲۷ کی عبارت کا جواب دیجئے جبکہ اس میں مسطور ہے (اور اسی صف میں شاہ لافتا ــــ بھی تھے)

جواب نمبر ۱۰۴ :۔ ہمیں مکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم تو مانتے ہیں کہ حضرت

امیرؑ نے نماز ادا کی اور اس کے بعد خالد کا جو حشر کیا اس کا علم بھی آپ کو ہوگا نیز آپ نے مدبرین سازش کے شرمسار چہرے اور جھکی آنکھیں بھی ملاحظہ کی ہوں گی۔

اعتراض ۲۱۱ :۔ اگر یہ ملکر کیا جائے کہ دوبارہ لوٹائی تھی تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی نماز پڑھی کیوں تھی جس کو لوٹانا پڑے؟

جواب ۲۱۱ :۔ اس نماز پڑھ لینے میں آخر کیا خطا ہوگئی جو لوٹانے کی ضرورت ہوتی۔ اگر پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے آگے کھڑا ہونے والا افضل قرار پاتا ہے تو پھر سنی روایت کے مطابق حضرت ابوبکر حضورؐ سے بھی افضل ہو گئے کیونکہ طبری کی روایت جو اوپر درج ہوئی اسی طرح ہے کہ ابوبکر مقام امامت پر بدستور کھڑے رہے اور حضورؐ نے نماز ادا کی۔ اگر اس نماز سے ابوبکر رسولؐ سے افضل ہو جاتے ہیں تو پھر اس نماز سے ابوبکر علیؑ سے افضل ہو جائیں گے۔

اعتراض ۲۱۲ :۔ بوقت ادائے صلوٰۃ خلف ابوبکر عدم جواز نماز کو جانتے تھے یا نہ اگر نہیں جانتے تھے تو شان امامت مفقود اور اگر جانتے تھے تو ارتکاب معصیت ہے۔ بہر حال جواب دیجئے۔

جواب ۲۱۲ :۔ جب تک معصیت ثابت نہ ہو اس وقت تک اعتراض کرنا جہالت ہے۔ ابوبکر کے پیچھے اپنی نیت فرادیٰ سے نماز پڑھنا مانع نماز ہی نہ تھا تو پھر گناہ و بے گناہی کی کیا بحث رہ گئی۔ ہاں اگر نیت اقتداء ثابت کر دیں تو پھر اعتراض معقول ہو سکتا ہے ورنہ ایک ستون کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اعتراض ۲۱۳ :۔ اگر تقیہ پر محمول کیا جائے تو ایسا عمل حضرتؑ سے ثابت کیا جائے کہ حضورؐ نے کسی فعل کے عدم جواز کے قائل ہونے کے باوجود ذکر کر بطور مسامحت وہ فعل کیا ہو

جواب ۲۱۳ :۔ زیر بحث معاملہ میں تو تقیہ کا احتمال نہیں ہے۔ باقی حضورؐ کا مطلوبہ تقیہ ثابت کرنے کے لئے صرف ایک ثبوت کافی ہے کہ باوجود علم منافقت کے آنحضرتؐ ہر منافق صحابی سے وہی سلوک ظاہری فرماتے رہے جو ایک خالص مسلمان کے لئے ہونا چاہئے۔ غنائم میں سے حصہ دیتے رہے۔ ان سے ہدیے لیتے رہے۔ ان کی نماز کی امامت کرتے رہے۔ الغرض تمام معاشرتی اور دینی مراعات میں ان سے برابر کا سلوک کرتے رہے۔ بتایئے اگر یہ تقیہ نہ تھا تو پھر کیا تھا؟ آپ اس کا جو بھی نام رکھ لیں بہر حال وہ تقیہ ہی ہوگا۔

اعتراض ۲۱۴ :۔ اگر ایسا فعل حضرت نبی کریمؐ سے ثابت نہیں ہے تو فعل امامت فعل نبوت کے خلاف ہے جواب دیجئے۔

جواب ۲۱۴ :۔ جب حضورؐ کی پوری زندگی کا طرز عمل ہم نے تقیہ کے مطابق ثابت کر دیا ہے تو پھر اور جواب کس طرح دیں کہ فعل نبی و امام میں کوئی تضاد نہ رہا۔ جبکہ معاملہ نماز میں ہم تقیہ کو بطور دلیل پیش نہیں کر رہے ہیں اور اگر آپ چاہیں تو آزمالیں۔ ان حدود میں بھی بحث ہماری کامیابی کی تائید کرے گی۔

اعتراض ۲۱۵ :۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت علیؓ نے نماز واپس لوٹائی تھی تو باقی حضرات نماز ادا کنندگان کو بھی لوٹانے کا امر فرمایا یا نہ؟

جواب ۲۱۵ :۔ آخر صحیح نماز کو لوٹانے کی احتیاج ہی کیا تھی؟

اعتراض ۲۱۶ : اگر امر فرمایا تو ثابت کیجئے (دیدہ باید) اور اگر امر نہیں فرمایا تو ان کا گناہ کس کے سر ہے

اگر بینی کہ نابینا و چاہ است
دگر خاموش بنشینی گناہ است

جواب ۱۴۶: جب گناہ تھا ہی نہیں تو ممانعت کیسی؟

اعتراض ۱۴۷: اگر یہ مکر کیا جائے کہ صرف ایک دن کے لئے نماز پڑھی تھی تو فی الجملہ پڑھنا تو ثابت ہو گیا جواب درکار ہے۔

جواب ۱۴۷: جواب کی ضرورت اس وقت ہوتی جب ہم انکار کرتے۔

اعتراض ۱۴۸: نیز اگر عبارت کے اول آخر کو دیکھ لیا جائے تو سارے مکر گرد و غبار کی طرح اڑتے نظر آتے ہیں کیونکہ جو قصہ بناوٹی طور پر تراشا گیا ہے اس میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ صدیق رض و عمر رض نے قتل علی رض کی تجویز کی خود تو تیار نہ ہو سکے لیکن اپنا ہمنوا بنایا خالد بن ولید کو۔ خالد جا کر نماز میں کھڑے ہوئے اس ماجرے کا پتہ چلا مائی اسماء بنت عمیس کو اور وہ اس وقت زوجہ تھی ابوبکر صدیق کی اس نے کہلا بھیجا کہ آپ آج نماز پڑھنے نہ جانا کیونکہ آج لوگ آپ کے قتل کے ارادے کر رہے ہیں لیکن باایں ہمہ حضرت علی رض چلے گئے اور نماز ابوبکر کے پیچھے ادا کی؛ فرمائیے صاحب اس سے کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب ۱۴۸: جب ہم اس واقعہ کا تجزیہ کرتے ہیں تو منافقوں کے دلوں پر بغض اہل بیت کے غبار کی جمی ہوئی آئی نہیں دیکھتے ہیں جن کو کروڑ کوشش کے باوجود بھی صاف نہیں کیا جا سکتا اور اگر کسی انگریزی مکر سے صفائی کر بھی دی جائے تب بھی بقیہ دھبہ ایسا بدنما لگتا ہے کہ اسے تیزاب تحقیق سے بھی صاف کرنا ممکن نہیں معلوم ہوتا ہے حضرت علی کو قتل کرنے کی تدابیر میں سے یہ ایک معمولی تدبیر تھی ورنہ لوگوں نے علانیہ ایسی تجاویز پیش کیں۔ کبھی طلب بیعت ابوبکر کے موقع پر، کبھی شوریٰ کی کمیٹی میں اقطاع راس

کی شرط وضع کرنے پر اور کبھی غوغا قصاص عثمان کے مکر کرنے پر المختصر اس چھوٹے مگر بہت المناک واقعے سے حقیقت سے پردے اٹھتے ہیں اور وہ چہرے سامنے آجاتے ہیں جن کی شکل مومناں اور کرتوت کافراں تھی۔

اعتراض ۲۱۹: جب رتبہ امامت پر فائز کرنے والے سیدنا صدیق اکبر کو حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات تھے تو سیدنا علی کا ان کی امامت کو نظر مغائرت سے دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جواب ۲۱۹: اولاً تو حضورؐ کا مقرر فرمانا ہی متنازعہ امر ہے تاہم اگر مان بھی لیا جائے تو یہ ایسا خصوصی شرف نہ تھا جو صرف ابوبکر کو حاصل ہوا۔ مختلف مقامات پر ایسے دیگر صحابہ کو یہ منصب امامتِ نماز حاصل ہوا۔ مثلاً ابنِ اُمِ مکتوم کو عموماً حضورؐ مدینہ میں نماز پڑھانے کے لئے قائم فرماتے رہے۔ اسی طرح ابولبابہ، سباع ابن عرفطہ، عتاب ابن اسید، سعد ابن عبادہ، ابوذر غفاری، زید ابن حارثہ، ابوسلمہ مخزومی، عبداللہ ابن رواحہ اور سالم وغیرہم کو یہ خدمت بارگاہِ رسولؐ سے سپرد ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ کوئی ایسا خاص رتبہ نہ تھا جس کو حضرت علیؑ مغائرت سے دیکھتے۔

اعتراض ۲۲۰: شب ہجرت جب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صدیق اکبر کے دروازے پر تشریف لے گئے اور حضرت صدیق کو اپنے موافق پایا تو حبیب کبریاء نے فرمایا:

لاجرم اطلع اللہ علی قلبک ووجد مافیہا موافقا لماجری علی لسانک وجعلک منی بمنزلۃ السمع "بلاشبہ خدا تعالیٰ کو آپ کے قلب کا علم ہے اور جو کچھ آپ کی زبان پر ہے وہی آپ کے

دل میں ہے خدا تعالیٰ نے (اے ابوبکر) تجھے میرے لئے کان آنکھ اور سر کے بنا دیا ہے

السمع والبصر والراس (تفسیر حسن عسکری ص ۱۸۹)

فرمائیے کیا جواب ہے۔ روایت کی تغلیط کا ارادہ ہے یا واقعہ کی تکذیب کا۔؟

جواب نمبر ۴۲: خدا کی شان ہے کہ حسب مناسبت اس اعتراض کا نمبر ۴۲ ہے۔ پہلے تفسیر کے الفاظ کا متن ملاحظہ کیجئے:۔

"لاجرم ان اطلع اللہ قلبک ووجد ما فیہ موافقا لماجری علی لسانک جعلک منی بمنزلۃ السمع والبصر والراس من الجسد۔"

دونوں عبارتوں کو مطابق کیجئے اور خط کشیدہ الفاظ کی تحریف پر غور فرمایئے۔ اب صحیح ترجمہ کرتے ہیں:۔ "تحقیق اللہ تیرے دل کے حال سے مطلع و آگاہ ہے اور اگر تیری زبان پر جاری کلام تیرے دل کی آواز ہو گی تو بالیقین خدا تجھ کو بمنزلہ میرے سمع و بصر کے کرے گا اور منزلت مجھ سے اس طرح منسوب ہو گی جس طرح کسی بدن کے ساتھ سر کو ہوتی ہے۔"

اب دونوں ترجموں کا فرق ملاحظہ کیجئے کہ قریشی صاحب نے کس طرح معنوی تحریف کر کے عبارت کے مطلب کو اپنے عقائد کے سانچے میں ڈھالا ہے کہ مستقبل شکل کے فقرات کا ترجمہ مطلق صیغوں سے کیا ہے۔ حالانکہ عبارت مشروط ہے کہ اگر تمہاری زبانی یقین دہانی بمطابق قلب ہے تو بیشک یہ قربانی اس قدر عظیم ہے اور اس بڑے انعام کا استحقاق محفوظ کئے ہوئے کہ تم میرے کان و آنکھ بن سکو بلکہ تمہارا مقام میرے سر بدن کے برابر ہو۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کے آئندہ اقدامات پر ثبات نہ رہے اس لئے

ان اعزازات سے محروم رہ گئے۔ قریشی صاحب ایسے مکر شیعوں سے نہیں چل سکتے ہیں کہ بات کو توڑ مروڑ کر اپنے موافق پیش کرو۔ اندھے حفاظ کی تعداد آپ کے ہاں زیادہ ہے ذرا سوچ کر اعتراض کیا کریں اور پھر یہ کہ تفسیر میں اس مقام کی نشاندہی مطلوب ہے جہاں حضورؐ کا دروازۂ ابوبکر پر جانا مرقوم ہے کیونکہ یہ عبارت ہمیں نظر نہیں آئی ہے۔

اعتراض ۱۲۴ :۔ حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۳۵۱ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کی طرف وحی بھیجی کہ اکابر قریش آپ کے قتل کرنے کا ارادہ کر چکے ہیں پس حضرت علیؓ کو بستر پر سلا دیجئے۔ وامر کردہ است کہ ابوبکر را ہمراہ خود ببری "خدا تعالیٰ نے آپ کو حکم کیا ہے کہ ابوبکر کو اپنے ہمراہ لیجئے؛ فرمائیے اگر خدا تعالیٰ کے ہاں صدیق اکبر کا ایمان نیز دیانت و امانت مسلمات میں سے نہیں تھے تو حفاظت و رفاقت کے لئے مامور کیوں فرمایا؟

جواب ۱۲۴ :۔ اس ہمراہ ہونے سے نہ ہی حضرت ابوبکر کا ایمان، دیانت و امانت مسلمہ ہوتے ہیں اور نہ ہی حفاظت و رفاقت کے لئے تقرر بلکہ خدا نے جو ساتھ جانے کا حکم دیا اس کی وجہ ہم شہید ثالثؒ کی عبارتوں سے عرض کئے دیتے ہیں :۔ "جب حضورؐ نے تھوڑا راستہ طے کیا تو رسول اللہؐ نے محسوس کیا کہ کوئی آپ کے برابر آرہا ہے۔ رسول اللہ ٹھہرے۔ اور جب آنے والا قریب آگیا تو آپ نے شناخت فرمایا کہ وہ ابوبکر ہیں۔ جس سے آپ نے فرمایا اے ابوبکر میں نے حکم خدا تم کو نہیں پہنچایا تھا اور یہ نہیں کہا تھا کہ تم اپنے گھر سے باہر نہ آنا۔ بتاؤ تم نے احکام الٰہی کی مخالفت کیوں کی ابوبکر نے جواباً کہا یا رسول اللہ میں آپ کے لئے خائف اور پریشان تھا میں نے گھر میں ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا یہ سن کر رسول اللہ متحیر و ششدر ہوئے اس لئے کہ یہ حکم الٰہی

نہ تھا کہ وہ اپنے ساتھ کسی اور کو لے جائیں۔ اسی وقت جبریلؑ آئے اور کہا یا رسولؐ اللہ قسم بخدا اگر ان کو (ابوبکر کو) اب چھوڑ دیں گے اور ساتھ نہ لے جائیں گے تو یہ عقب سے کفار کے ساتھ آ کر آپ کو قتل کرا دیں گے۔ اس لئے اس امر و ضرورت کے مطابق حضورؐ ابوبکر کو اپنے ساتھ لے کر غار میں چلے گئے" اب معاملہ خود سمجھ لیجئے۔

اعتراض ۴۲۲: غزوات حیدری ص۶۵ میں ہے۔ مرزا باذل ایرانی لکھتے ہیں ہرگاہ جناب نبوی دولت سرائے سے نکلے تو پہلے در خانہ ابوبکر پر آئے۔ اس لئے آپ نے ان کو آگاہ کر دیا تھا کہ ہمارے ساتھ چلنا ہے۔

جواب ۴۲۲: مرزا رفیع باذل مرحوم نے یہ روایت سنی روایات سے نقل کی ہے۔ اگلا جواب ملاحظہ کریں۔

اعتراض ۴۲۳: غزوات حیدری ص۶۵ میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام کے پاؤں کو تکلیف ہونے لگی تو صدیق اکبر نے اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ سوال یہ ہے کہ اگر ان کے نزدیک ابوبکر صدیق ناقابل اعتماد تھے تو سوار کیوں ہوئے؟

جواب ۴۲۳: کتاب "غزوات حیدری" مرزا رفیع باذل کی کتاب "حملہ حیدری" کا ترجمہ ہے اور حملہ حیدری کے بارے میں ہم نے گزشتہ اوراق میں بیان کر دیا ہے کہ خود مصنف نے اپنی تحریر کو غیر معتبر قرار دے دیا ہے اور کتاب میں سنی و شیعہ روایات کے مطابق واقعات نظم کئے ہیں لہذا اس کے اقتباسات بحث مناظرہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتے ہیں۔

عقلی اور جغرافیائی اعتبار سے حضرت ابوبکر کا آنحضرتؐ کو کندھے پر اٹھانا خلاف واقع اور یار لوگوں کی تراشیدہ کہانی معلوم ہوتا ہے۔ غار ثور آج بھی موجود ہے اور جن لوگوں کو شرف زیارت نصیب ہوا ہے وہ جانتے ہیں یہ غار حرم مکہ سے تقریباً ۲½ میل کے فاصلہ پر کم سے کم ایک میل کی چڑھائی ہے جسے موجودہ دور میں پاٹ دیا ہے اور لوگ اس چڑھائی کو آسانی سے عبور کر لیتے ہیں لیکن وقت ہجرت وہ غیر ہموار گھاٹی تھی جس پر اکیلے چڑھنا دشوار تھا اور بوجھ لے کر جانا تو تقریباً ناممکن تھا۔ حضرت ابوبکر پچاس برس کے بڑھے تھے وجود کے دبلے پتلے پھر روضۃ الصفا اور تاریخ خمیس کی روایات کے مطابق پانچ ہزار درہم کا وزن بھی تھا ایسے دشوار گذار پہاڑی راستہ پر وہ جناب رسولؐ کو کیسے اٹھا کر لے گئے حالانکہ خود سرکارِ دو عالمؐ میں ستر جوانوں کی طاقت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی۔ یہ افسانہ صرف کعبہ کی بت شکنی کے مقابلہ میں گھڑا گیا ہے۔ حالانکہ اگر یہ صحیح بھی ہوتا تو پھر بھی کوئی اچنبہ بات نہ تھی۔ مانا کہ حضرت ابوبکر کا پیشہ بزازی تھا اور آپ کپڑوں کی گٹھڑیاں و بنڈل اپنے پر لاد کر بازاروں میں پھیری کیا کرتے تھے لہٰذا ان کو بوجھ اٹھانے کی پرانی عادت تھی اور اسی عادت کے مطابق اگر انہوں نے حضورؐ کو اٹھا بھی لیا ہوتا تو پھر غار تک دونوں کا پہنچ جانا عقلاً صحیح ثابت نہ ہوتا کیونکہ جغرافیائی حقائق کی تکذیب کرنا پڑتی۔

اب یہاں ایک اور لطیفہ جنم لیتا ہے کہ اگر بالفرض محال یہ مان لیا جائے کہ حضورؐ کے پاؤں میں تکلیف تھی لہٰذا مجبوراً حالات کا ساتھ دینے کے لئے یہ کوشش کی گئی تو سوال یہ ہے کہ یہ تکلیف کس طرح آئی۔ راستہ تو اتنا طویل نہ تھا جو معمول کے خلاف کہا جائے کہ چلتے چلتے تھکن کی وجہ سے ایسا ہوا حالانکہ حضورؐ غار حرا میں جانے کے عادی تھے اور گھر سے پیروں کی سلامتی ثابت ہے کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جو یہ ثابت کرے کہ گھر سے حالت تکلیف میں حضورؐ باہر آئے۔ پس یہی صورت رہ جائے کہ راستہ میں حادثہ پیش آیا اور پیر پر چوٹ آگئی اور یہ حادثہ از خود ثابت کرے گا کہ محض حضرت ابوبکر کے تعاقب کے باعث آپ کو یہ تکلیف پہنچی پس آپ کا یہ گمان کہ رسولؐ نے ابوبکر کو گھر سے ساتھ لیا تھا کالعدم قرار پا جائے گا۔ کسی بھی صورت کو اختیار کر لیجئے ہر طرف کھائی ہے۔

اعتراض ۲۲۴: اسی طرح غزوات حیدری صـ۶۵ میں ہے کہ غار میں روٹی اور پانی پہنچانے کے لئے ابوبکر صدیق کا بیٹا آتا تھا اور دودھ پہنچانے کے لئے ابوبکر صدیق کا نوکر آتا تھا جس کا نام عامر تھا۔ فرمائیے اگر وہ ایسے ویسے تھے تو حضرت نے ان پر اعتبار کیوں فرمایا؟

جواب ۲۲۴: کتاب غزوات حیدری کا اقتدار ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس میں سنی روایات بھی لکھی گئی ہیں اور یہ کتاب مناظرہ میں قبول نہیں کی جاتی ہے۔ باقی خود سنی روایات میں تضاد ہے کہ غار ثور میں راشن کون پہنچاتا تھا بعض کے نزدیک یہ کام عبدالرحمن بن ابوبکر اور اسماء بنت ابوبکر کے سپرد تھا۔ بعض کہتے ہیں عامر بن فہیرہ کے ذمہ یہ ڈیوٹی تھی اور بعض حضرت ابوبکر کے چرواہے سے متعلق یہ کام منسوب کرتے ہیں۔ جب ان روایات کی تحقیق کی جاتی ہے تو علامہ حافظ جلال الدین سیوطی کی نقل کردہ یہ روایت ہمیں قریب حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ چنانچہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ "آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکر تین روز غار ثور میں رہے۔ عامر بن فہیرہ کھانا لاتا تھا اور حضرت علیؓ اس کا سامان کرتے تھے" (درمنثور جلد ۳ صـ۲۴۰، تاریخ اسلام علامہ عباسی جلد ۲ صـ۶۷، تفسیر روح المعانی علامہ شہاب الدین جلد ۲ صـ۳۷ وغیرہ)

اب جب ضروریات زندگی کا حضرت ابوبکر کے گھر سے آنا ہی مشکوک ہے تو اعتبار یا بے اعتباری کا سوال کیسے باقی رہتا ہے؟

اعتراض ۲۲۵: کشف الغمہ مصنفہ علی ابن عیسٰی اردبیلی میں ہے:

سئل الامام ابوجعفر عن حلیۃ السیف ھل یجوز فقال نعم قد حلی ابوبکر الصدیق سیفہ بالفضۃ	"حضرت محمد باقر سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا تلوار کے دستانے کو زیور پہنانا جائز ہے فرمایا ہاں

فقال الراوی لا تقول ھکذا فوثب
الامام عن مکانہ فقال نعم الصدیق
نعم الصدیق ومن لم یقل لہ الصدیق
فلا صدق اللہ قولہ فی الدنیا والآخرۃ

جائز ہے اس لئے کہ ابوبکر صدیق
نے اپنی تلوار کو زیور لگائے تھے تو
سائل نے کہا آپ ان کو صدیق کہہ
رہے ہیں پس آپ اپنے مقام سے
جوش کی وجہ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا
بلا شبہ وہ صدیق ہے صدیق ہے
صدیق ہے جس نے اس کو صدیق
نہ کہا خدا اس کے قول کو دنیا میں
سچا کرے نہ آخرت میں"۔

ذرا اس کی وضاحت فرمادیجئے۔

جواب ۲۲۵:۔ اس روایت کے سلسلے میں پہلی وضاحت یہ ہے کہ کتاب کشف الغمہ میں ایک مضمون کو عنوان ٹھہرا کر اس کے ذیل میں شیعہ اور سنی دونوں مکاتب فکر کی روایات لکھی گئی ہیں۔ دراصل حلیہ سیف اس روایت کا موضوع ہے جہاں علامہ اردبیلی نے دیگر سُنّی روایات لکھی ہیں اسی طرح یہاں بھی یہ روایت سنی کتابوں سے نقل کر دی ہے۔ جس طرح کہ عموماً لوگ فریق مخالف کی عبارتیں نقل کر کے استدلال کیا کرتے ہیں اور وہ نقل جوازِ تسلیم نہیں بن سکتا۔ چنانچہ یہ روایت علامہ سبط ابن جوزی سے مروی ہے جو مشہور سنی امام ہیں۔ لہٰذا ہمارے نزدیک یہ روایت قابل قبول نہیں ہے پھر اس کی اسناد سے بھی کوئی خبر نہیں ہے اور سائل کا نام بھی معلوم نہیں ہوتا ہے۔ اصول حدیث میں ایسی غیر مستند احادیث معتبر نہیں قرار دی جا سکتی ہیں۔ جبکہ یہ مکمل طور پر ثابت ہے یہ روایت سبط ابن جوزی کی ہے پھر خود روایت کی عبارت از خود اس کے موضوع ہونے کی دلیل ہے

کہ بات کا اصل مقصد "حلیہ سیف" یعنی تلوار کے دستہ پر سجاوٹ ہے اور امام اصل معاملہ چھوڑ کر ابوبکر کو صدیق ثابت کر رہے ہیں۔ پھر سائل کا یہ جرأت کر کے تعجب کرنا کہ آپ صدیق کہہ رہے ہیں ثابت کرتا ہے کہ امام اس لقب کے مخالف تھے جو ابوبکر کے لئے بولا گیا اور پھر محض استفسار پر امام پاک کا اس طرح معاذ اللہ آگ بگولا ہو جانا اور اٹھ جانا جیسے پتہ نہیں قیامت آن پڑی ہے سب راوی کی کارستانیاں ہیں۔ ڈرامہ ہے۔ اگر واقعی امام نے صدیق کہہ بھی دیا تھا تو اس میں پریشانی کی بات کیا تھی جبکہ حضرت ابوبکر کا زمانہ کفر ہی سے عرفی نام صدیق تھا۔ عربی عموماً عرف یا کنیت سے بلائے جاتے ہیں۔ بہر حال یہ روایت غلط اور غیر معتبر ہے اور ہم اکثر اس کا جواب دیتے رہتے ہیں۔

اعتراض ۴۲۶:۔ فلک النجاہ ص۱۰۴ حق الیقین ص۱۲۱ میں ہے اسماء بنت عمیس حضرت جعفر کی بیوہ یعنی حضرت علی کی بھاوج کا نکاح حضرت صدیق اکبر سے ہوا۔ فرمائیے اس نکاح پر حضرت علیؓ راضی تھے یا ناراض؟

جواب ۴۲۶:۔ نکاح تو اسماء کا ہو رہا ہے اور کرنے والے ابوبکر ہیں اس میں حضرت علیؑ کی رضامندی یا ناراضگی کا کیا سوال ہے جی حضرت علیؑ کا اس میں کیا دخل میاں بیوی راضی کیا کریگا قاضی۔

اعتراض ۴۲۷:۔ اگر راضی تھے تو تمہارے سارے حیلوں اور بہانوں کا قلعہ مسمار ہو گیا اور اگر راضی نہیں تھے تو ابوبکر صدیق کے بعد اپنا نکاح ان کے ساتھ کیوں کیا جواب درکار ہے۔

جواب ۴۲۷:۔ حضرت علیؑ کے راضی ہونے پر بھی ہمارے مقصد کو خطرہ نہیں

ہے اور ناراضگی ویسے بے معنی ہے کہ اس وقت اسماء شرعاً آزاد تھیں نیز یہ کہ حضرت ابوبکر مسلمان تھے لہٰذا اس نکاح میں کوئی قباحت نہ تھی اور جب وفات ابوبکر کے بعد اسماء حضرت علیؑ کے نکاح میں آئیں تو بھی اپنی مرضی سے انہوں نے یہ عقد قبول کیا نہ ہی کوئی جبر کیا گیا اور نہ ہی زبردستی۔ یہ اعتراض آپ جلاء الافہام میں بھی کر چکے ہیں اور ہم نے جواباً تحریر کیا ہے کہ اگر رسولؐ کی ربیبہ بیٹیوں کا نکاح ابولہب کے دونوں کافر بیٹوں سے ہو سکتا ہے اور بعد میں وہ عثمان کے حبالہ عقد میں آسکتی ہیں تو پھر یہ نکاح کیوں کھٹکتا ہے

اعتراض ۴۲۸:۔ اگر پہلے مسلمان عورت کا نکاح مسلمان مرد سے ہوا تھا تو چشمِ ما روشن دلِ ما شاد اور اگر خدا نخواستہ معاملہ برعکس تھا تو فرمایئے کس وقت حضرت اسماء تائب ہوئیں اور بعد از اعلان توبہ حضرت علیؓ نے نکاح کیا؟

جواب ۴۲۸:۔ حضرت ابوبکر کے مسلمان ہونے میں کسی شیعہ کو انکار نہیں ہے لہٰذا تائب ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

اعتراض ۴۲۹:۔ کیا یہ سچ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق کی والدہ کا نام سیدہ ام فردہ تھا اور ان کے والد کا نام قاسم اور ان کے والد کا نام محمد اور ان کے والد کا نام ابوبکر صدیق تھا پس نسبت صادق کے لقب صدیق کی وجہ سے ہے۔

جواب ۴۲۹:۔ اس بات سے مجھے اتفاق ہے کہ بی بی ام فردہ حضرت ابوبکر کے نسب میں سے تھیں لیکن لقب صادق کی نسبت امام کے جدامجد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے کہ آپ صادق وامین تھے اور مناقب آل ابی طالب میں ہے کہ یہ لقب خود سرکارِ کائنات کی زبان وحی ترجمان سے امام جعفرؑ کے لئے ارشاد ہوا ہے

اعتراض ۴۳۰: احتجاج طبرسی صفحہ ۲۵ مطبوعہ ایران میں امام محمد باقر کا قول ہے "لست بمنکر فضل عمر ولکن ابا بکر افضل منہ" میں عمر کی فضیلت کا منکر نہیں ہوں لیکن ابو بکر (ان) سے افضل ہے

جواب ۴۳۰: میں بھی یہ کہتا ہوں کہ ابو بکر عمر سے افضل ہے کیونکہ فضل کے معنی بڑھ جانا بھی ہے اور اگر بارِ خاطر نہ ہو تو اشارہ کرتا چلوں "فضول" بھی فضل ہی سے بنتا ہے۔

اعتراض ۴۳۱: من لا یحضرہ الفقیہ صفحہ ۱۲۵ جلد ۱ میں ہے:

ان اولی الناس بالتقدم فی جماعة اقرأهم للقرآن وان کانوا فی القراة سواء فافقههم وان کانوا فی الفقه سواء فاقدمهم هجرة سواء فاسنهم فان کانوا فی السن سواء فاصبحهم وجها وصاحب المسجد اولی بمسجدہ۔	"بلا شبہ امام بننے کے لائق قرآن کا سب سے بڑا قاری ہے اور اگر اس میں برابر ہوں تو سب سے مفہوم و معانی کا بڑا سمجھدار اور اگر فقہ میں برابر ہوں تو ہجرت میں سب سے زیادہ مقدم اگر ہجرت میں برابر ہوں تو عمر میں بڑا اور نہ زیادہ حسین و جمیل اور مسجد کا امام اولے بالمسجد ہے۔

یا تو تسلیم کیجئے کہ یہ سارے صفات صدیق اکبر میں موجود تھے اور یا انکار کیجئے، اگر اقرار ہے تو مدعا ہمارا ثابت ہوتا ہے اور اگر انکار ہے تو لازم آتا ہے کہ سیدنا علی رضی نے معاذ اللہ ہمیشہ ترک اولی پر عمل فرمایا

جوکہ ان کی شان سے بعید ہے ۔

جواب ۱۳۴: حدیث موصوفہ میں امامت کے لئے مندرجہ ذیل صفات کا بیان ہوا ہے:۔ (۱) قاری قرآن ہونا (۲) فقیہہ ہونا (۳) ہجرت میں مقدم ہونا (۴) عمر رسیدہ ہونا (۵) وجیہہ نہ ہونا

ان میں صفت اول قاری قرآن ہونا ہے لہٰذا ہم داعی ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام سے بڑھ کر قرآن کا قاری و عالم اور کوئی صحابی نہ تھا۔ رسول مقبولؐ نے ارشاد فرمایا ہے "علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے" (طبرانی شریف) جبکہ حضرت ابوبکر کے لئے نہ ہی کوئی ایسی حدیث رسولؐ موجود ہے اور نہ ہی ان کا عالم قرآن ہونا ثابت ہے بلکہ اکثر معاملات میں ان کی قرآن سے بے خبری ثابت ہوتی ہے ۔

اسی طرح صفت دوم کے لئے ہمارا دعویٰ ہے کہ ملت مسلمہ میں حضرت سے زیادہ نہ ہی کوئی فقیہہ تھا اور نہ ہی قاضی ۔ حتیٰ کہ حضرت عمر نے یہ حکم دیا تھا کہ اگر مسجد میں علی موجود ہوں تو کوئی شخص فتویٰ بیان نہ کرے" (استیعاب) اسی طرح حضرت عمر کہا کرتے تھے کہ ہم میں سب سے بڑے قاضی علیؑ ہیں (سلفی) مشکوٰۃ میں ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا "میری امت میں علی ابن ابی طالب سے زیادہ قضا والا اور کوئی شخص نہیں ہے ۔ جبکہ حضرت ابوبکر کا علم فقہ یہ تھا کہ چور کا بایاں ہاتھ کٹوایا ۔ (فتح الباری) ۔ مسئلہ کلالہ اور میراثِ جدہ سے ناواقف تھے (تحفہ اثنا عشریہ) میراث عمہ و خالہ سے ناواقف تھے (کنز العمال) پس علم فقہ میں بھی کمتری ثابت ہوئی ۔

اب لیجئے صفت سوم ہجرت ۔ یہاں ایک وضاحت کرنا ضروری ہے کہ اس "ہجرۃ" کے معنی یہاں مکہ سے مدینہ کوچ کر جانا نہیں ہوں گے ۔ کیونکہ وہ ہجرت زمانہ رسولؐ میں ہو چکی اب ان مہاجرین کے بعد ویسے مہاجرین پیدا نہیں ہو سکتے ۔ لیکن امت باقی ہے اور اسے نماز کے لئے پیش نمازوں کی بھی ضرورت ہے ۔ لہٰذا اگر یہاں ہجرتِ اصطلاحی مراد لی جائے تو پھر زمانہ مہاجرین کے بعد یہ مسئلہ ہی باقی نہیں رہتا نیز انصارین کی حق تلفی ہوتی ہے

لہٰذا ضروری ہے کہ یہاں ہجرت کے اصل معنی لئے جائیں۔ جو جدا ہونے اور کسی بری چیز کو چھوڑ کر اچھی چیز کی طرف جانا یا کسی حرکت سے باز رہنا، رکا ہوا ہونا۔ کسی شئے کو ترک کر دینا۔ "ہجر" کے معنی جماع سے رکنا بھی ہوتا ہے الغرض ان معانی کا تبادل سمجھے متقی و پرہیزگار ہونا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہاں سفر ہجرت کی بجائے کسب ہجرت یعنی تقویٰ و پرہیزگاری کا مفہوم قابل قبول ہوگا۔

حضرت علی علیہ السلام کو بارگاہ نبوی سے امام المتقین کا لقب عطا ہوا اور آپ معصوم امام ہیں جبکہ حضرت ابوبکر نہ ہی معصوم تھے اور نہ ہی حبیبؐ خدا نے ان متقیوں کا امام بنایا تھا۔ بلکہ بقول خود ان کے شیطان ان کے سر پر سوار رہا کرتا تھا۔

صفت چہارم میں حضرت ابوبکر کو فوقیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ ان کی عمر حضرت سے بڑی تھی لیکن پہلی تین شرائط کی موجودگی میں چوتھی شرط کا اختیار کر لینا عقل مندی سے بعید ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ جو شرائط امامت حدیث میں وارد ہوئے ہیں ان کے اعتبار سے حضرت علیؑ کا مرتبہ حضرت ابوبکر پر فوق رکھتا ہے۔ لہٰذا طے پایا کہ مذکورہ صفات ذاتِ ابوبکر میں مفقود تھیں اور حضرت علیؑ ان سے متصف تھے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کا حضرت ابوبکر کو امام تسلیم کر کے ان کے پیچھے نماز پڑھنا کسی شیعہ کتاب سے ثابت نہیں اور اپنی نیت فرادی سے کسی بھی مسلمان کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام اپنے وقت کے "اولی الناس" امام برحق تھے۔ آپ سوائے رسولؐ خدا کے تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔ لہٰذا لوگوں کو ان کے پیچھے نماز پڑھنا بہتر تھا۔ ترک اولی بلکہ خطا ان لوگوں نے کی جو علیؑ کی امامت کو چھوڑ کر غیر کے پیچھے جھکے چونکہ جناب امیر علیہ السلام سے "اولی" کوئی تھا ہی نہیں تو پھر ترک کس کا ہوا۔ ترک اولی کا سوال اس وقت پیدا ہوتا جب حضرت امیرؑ سے بڑھ کر کوئی "اولی الناس" شخص کا وجود ہوتا۔

ہماری حدیث کے مطابق جو شرائط امام کے لئے بیان ہوئے وہ حضرت ابوبکر کے لئے ثابت نہ ہو سکے۔ اب ہم قارئین کی دلچسپی کے لئے غیر شیعہ حضرات کے امام

کی شرائط سے روشناس کراتے ہیں تاکہ قارئین کی اکتاہٹ طبع کی تواضع کچھ ظریف رکابیوں سے کرسکیں۔ انشاء اللہ مزاج میں مزاح کی سرسراہٹ محسوس ہوگی۔

جناب دوست محمد قریشی صاحب کے مذہب میں امامت کے شرائط یہ ہیں۔ ممکن ہے خود قریشی صاحب بھی ان پر پورے اترتے ہوں۔

(۱) جس شخص کی بیوی حسین و جمیل ہو وہ امام ہوگا۔

(۲) اگر سب کی بیویاں خولصورت ہوں تو دولت مند خاوندِ حسینہ کو امام بنایا جائے۔

(۳) اگر تمام صاحبان ثروت ہیں اور خولصورت عورتوں کے شوہر ہیں تو صاحب منصب ورتبہ واعزاز کو ترجیح دی جائے گی۔

(۴) اگر سب امیر ہیں، بیویاں بھی حسین ہیں اور مراتب واعزازات میں ہم پلہ ہیں تو لباس فاخرہ شرطِ امامت ہوگی۔

(۵) اگر مندرجہ بالا سب صورتیں یکساں ہوں تو بڑے سر والا شخص امام ہوگا۔

(۶) اگر سر بھی سب کے ایک ہی سائز کے ہوں اور باقی شرائط بھی برابر ہوں تو پھر اُن کے آلات تناسلہ کی پیمائش کی جائے اور جس کا عضو دراز ہو وہ امام ہوگا (بس آگے نہیں جاتے اتنا ہی کافی ہے) (غایت الاوطار ترجمہ درمختار مطبوعہ صدیقی لاہور صفحہ ۲۵۳ بحوالہ اعجاز داؤدی صفحہ ۲۰۵)

گزارش یہ ہے کہ کیا صرف شرائط امامت ہی اس بات کا ثبوت نہیں کہ مذہب شیعہ پاکیزہ مذہب ہے اور اس کا مخالف بیہودہ!

اعتراض ۲۳۲: دلائل قاہرہ سے صحابہ کرام بالعموم اور صدیق اکبرؓ کا ایمان بالخصوص ثابت ہونے کے بعد کیا آپ کو تسلیم ہے کہ آپ کی وفات بھی مدینہ منورہ میں ہوئی اور دفن بھی روضۂ مطہرہ میں کئے گئے اگر تسلیم نہیں ہے تو خلاف واقع ہے۔

جواب ۴۳۲: آپ کے دلائل کی تکہ بوٹی کی جا چکی ہے اور منافقین کے چہروں کو چھپانے کے لئے جتنے پردے آپ نے ڈالے تھے سب کے سب چاک کر دیئے گئے۔ ہم کبھی بھی حقائق سے چشم پوشی کرنے کے قائل نہیں ہیں اس لئے تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کی موت مدینہ ہی میں واقع ہوئی اور آپ کو اسی حجرہ میں دفن کیا گیا جس میں رسول مقبولؐ کی آخری آرامگاہ ہے۔

اعتراض ۴۳۳: اور اگر تسلیم ہے تو پھر من لا یحضرہ الفقیہ ص۱۷۹ ج ۲ کی اس حدیث کا کیا جواب ہے: "من مات فی احد الحرمین مکۃ او المدینۃ لم یعرض ولم یحاسب" یعنی جو شخص مکہ یا مدینہ میں مرا تو قیامت کے دن نہ تو اس سے سوال جواب ہوگا اور نہ اس سے حساب لیا جائیگا

جواب ۴۳۳: اس حدیث کے بارے میں اول گذارش یہ ہے کہ یہ روایت منافی قرآن ہے اور خلاف عدل ہے "یوم الحساب" پر ایمان رکھنا اصول میں سے ہے اور اگر کسی اصل سے انکار ہو جائے تو کفر ہو جائے گا۔ دوم حدیث غیر واقعی ہے کیونکہ مکہ و مدینہ میں کفار و مشرکین کی اموات بھی ہوئیں جو یقیناً معذب ہوں گے اسی مدینہ میں عبداللہ ابن ابی مرا۔ اگر خوش اعتقادی اور مناسبت خدا و رسولؐ کی وجہ سے تقدس ارض کا لحاظ کر لیا جائے تو بھی اس کا فائدہ اس وقت تک کچھ نہیں جب تک ایمان خالص ثابت نہ ہو جائے اور پھر یہ کہ لفظ "حرمین" وارد ہوا ہے۔ حرم مکہ اور حرم مدینہ میں وقوع موت ضروری ہے اور حرم و بلد میں فرق ہے۔ حضرت ابوبکر کی موت حرم مدینہ میں نہیں ہوئی بلکہ اپنے گھر شہر مدینہ میں ہوئی لہٰذا یہ روایت کسی بھی طرح مفید ثابت نہیں کی جا سکتی ہے۔

مسئلہ فدک کے متعلق بحث

اعتراض ۴۳۴ :۔ باغ فدک کی حقیقت کیا ہے کسی باغ کا نام ہے یا بستی کا۔ اگر باغ کا نام ہے تو اس کے حدود اربعہ کیا ہیں اور اگر بستی ہے تو پوری بستی کی ملکیت اور استحقاق میں جھگڑا ہے یا اس کے حصے میں۔ تفصیلی جواب درکار ہے۔

جواب ۴۳۴ :۔ فدک خیبر کے مضافات میں ایک زرخیز و شاداب بستی تھی جہاں پہلے پہل فدک ابن حام نے ڈیرے ڈالے اور اسی کے نام پر اس بستی کا نام فدک قرار پایا۔ خیبر کی مانند اس جگہ بھی یہود آباد تھے جنہوں نے آبپاشی کے وسائل مہیا کر کے افتادہ زمینوں کو آباد کیا اور باغات، نخلستان اور لہلہاتے کھیتوں سے اسے پرکشش و جاذب نظر بنا دیا۔ علامہ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ اس خطۂ ارض میں ابلتے ہوئے چشمے اور کثیر تعداد میں نخلستان تھے۔ (معجم البلدان جلد ۱۴ ص ۲۳۸)

فتح خیبر کے بعد پڑوس میں بسنے والوں کے دلوں پر مسلمانوں کی قوت کا ایسا دبدبہ بیٹھا کہ انہوں نے بغیر مقابلہ کئے اطاعت قبول کر لی چنانچہ اہل فدک نے بھی اپنی خیر اسی میں سمجھی کہ اراضیٔ فدک سے دستبردار ہو کر پیداوار کے نصف حصہ پر مصالحت کر لی انہوں نے حضور کو پیغام بھیجا کہ ہم لڑنا نہیں چاہتے بلکہ جن شرائط پر اہل خیبر کو ان کی زمینوں پر زراعت کی اجازت دی گئی ہے ہمیں بھی انہی شرائط پر فدک کی زمینوں پر زراعت

کی اجازت دی جائے۔ حضورؐ نے اس تجویز کو منظور فرمالیا اور حضرت علیؑ کو اس بستی کے سردار یوشع بن نون کے پاس تفصیلات طے کرنے کے لئے مامور فرمایا۔ دونوں فریقوں کے درمیان یہ طے پایا کہ فدک کے باشندے زمینوں کی ملکیت سے دستبردار ہو کر بطور کاشتکار کام کریں گے اور نصف پیداوار خود لے کر باقی آدھی پیداوار آنحضرتؐ کو دیں گے۔ اس مصالحت کے نتیجے میں اراضیٔ فدک رسول خداؐ کی ملکیت قرار پائیں۔ حکم قرآن کے مطابق کیونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے جو علاقے مسلمانوں کی لشکر کشی کے نتیجے میں فتح ہوئے تھے ان میں مسلمانوں کے حقوق ہوتے تھے اور جو بغیر لڑے بھڑے مفتوح ہوتے تھے وہ رسولؐ اللہ کی ملکیت قرار پاتے تھے۔ لہٰذا اراضی خطۂ فدک بھی حضورؐ کی ملکیت خالص ہوئی۔ اصطلاحِ شرع میں ایسے اموال کو "فے" اور "انفال" کہا جاتا ہے۔ پس یہ علاقہ خالص حضورؐ کی ملکیت تھا اور مسلمانوں کا اس پر کوئی حق نہ تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عمر کے اقرار کو نقل کیا گیا ہے کہ آپ فدک کو خالص حضورؐ کی ملکیت تسلیم کرتے تھے۔ اسی طرح علامہ طبری، بلاذری، یاقوت حموی اور دیگر تمام علما نے فدک کو رسول اللہؐ کی ملکیت خاصہ تسلیم کیا ہے۔ رسول مقبولؐ کی یہ جائداد مسئلہ فدک میں باعث نزاع بنتی ہے۔

اعتراض ۴۳۵:۔ مناقب فاخرہ (شیعی کتاب) کے ص ۱۷۸ سے پتہ چلتا ہے "فانها قرية كبيرة ذات نخل كثير" یعنی یہ بڑی بستی ہے جس میں بہت سے کھجور ہیں۔ بعینہٖ یہی روایت ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ص ۲۴۸ میں بھی موجود ہے کیا یہ تعریف حقیقت پر مبنی ہے یا نہ۔

جواب ۴۳۵:۔ اپنے مطالب کے اعتبار سے یہ تعریف غلط نہیں ہے۔

اعتراض ۴۳۶:۔ اگر یہ حقیقت پر مبنی ہے تو انوار نعمانیہ شیعی

کتاب صفحہ ۱۴۲ میں مسطور ہے فدک کے حدود اربعہ یہ ہیں :۔

حد اول عریش مصر، حد دوم دومتہ الجندل، حد سوم تیما، حد چہارم جبل اُحد فرمایئے کیا خیال ہے؟

جواب ۴۳۶ :۔ یہ حدود اربعہ مجازاً" بیان ہوا ہے۔ جس طرح کہ ہم کہتے ہیں کہ حضورؐ دونوں جہان کے بادشاہ ہیں جبکہ تاریخی حقائق کے مطابق ساری دنیا پر آپؐ کی حکمرانی ثابت نہیں کی جا سکتی۔ اسی طرح آپ کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے ساری دنیا میں اسلام پھیلایا جبکہ فی الحقیقت پورے ایشیا میں بھی یہ ثابت نہیں ہو سکتا۔

ایسا حدود اربعہ بیان ہونے کا مقصد دراصل یہ تھا کہ صرف "فدک" ہی غصب نہیں کیا گیا ہے بلکہ ہم سے حکومت کرنے کا حق بھی چھین لیا گیا ہے اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی سلطنت کو استحکام خیبر و فدک کی آمدن ہی سے ہوا ہے ورنہ اس سے قبل مسلمان کو پیٹ بھر کر کھانے کو بھی نصیب نہ تھا۔ صحیح بخاری میں عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ "فتح خیبر کے بعد ہمیں شکم سیر ہو کر کھانے کو ملا" (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۳)
اب چونکہ اسلامی ریاست کا استحکام ان ہی اراضیات کی آمدن سے ہوا ہے لہٰذا اس کے معنی میں ایسا حدود اربعہ بیان کیا گیا ہے۔ ورنہ مسئلہ فدک کے تنازعہ میں ان حدود کو بالواسطہ کوئی دخل نہیں ہے۔

اعتراض ۴۳۷ :۔ اسی مناقب ناصرہ (فاخرہ) میں یہ روایت بھی ہے کہ ہارون الرشید نے امام موسیٰ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ فدک لے لیں۔ میں آپ کو واپس دیتا ہوں تو حضرت نے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ ہارون الرشید نے اصرار کیا تو امام نے فرمایا کہ خواہ مخواہ مجھ کو فدک دیتے ہو۔ (اگر دیتے ہو) تو پورے حدود دو۔ تو ہارون رشید

نے کہا اس کے حدود کون سے ہیں۔ حضرت نے فرمایا حد اول ملک مصر تو ہارون کا رنگ فق ہو گیا حد دوم سمر قند ہے تو ہارون کا رنگ زرد ہو گیا۔ حد سوم افریقہ ہے تو ہارون کا منہ سیاہ ہو گیا حد چہارم سیف الجزر جو آرمینہ سے ملتا ہے فرمایئے ان دو تین حدود اربعہ میں سے کون سی حدود صحیح ہیں۔ براہ کرم دلائل سے غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح کر کے دکھائیں کیا اس قسم کے دلائل کے بل بوتے پہ اہل سنت کے مقابلے پر شور برپا ہے

جواب ۴۳۷: اس اعتراض کا جواب گزشتہ سوال کے جواب میں دیا گیا ہے کہ دراصل امام کی مراد یہ تھی کہ اگر تم خلوص نیت سے حقوق اہل بیتؑ واپس کرنے کے متمنی ہو تو پھر حکومت ارضی ہمارا حق ہے۔ اپنے زیر امارت تمام سلطنت لوٹا دو۔ ورنہ محض فدک کو اب واپس لوٹا کر کیا فائدہ ہوگا اور معترض کی جہالت پر رونا آتا ہے کہ ایک واضح حقیقت کو اس طرح پوچ اعتراضات سے چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ فدک کے حدود سے حضرت ابو بکر بخوبی واقف تھے اور اس بحث میں صرف وہی اراضیات مراد لی گئی ہیں جن کا دعویٰ سیدہؑ نے فرمایا۔ جسے ابو بکر واپس دینے پر آمادہ بھی ہو گئے جسے عمر بن عبد العزیز نے واپس کیا اور ہارون نے خواہش کی۔

اعتراض ۴۳۸: فدک بطور صلح کے حضور کی خدمت میں پیش کیا گیا یا بطور مال غنیمت کے آیا تھا۔ اگر بطور مال غنیمت کے آیا ہے تو یہ خلاف واقع ہے اور اگر بطور صلح کے یہودیوں نے اپنی جان و مال بچانے کی غرض سے پیش کیا تو اسے مال فے کہا جائے گا فرمایئے یہ مال اسلام کے ملک میں تھا یا حضور کے ذاتی ملک میں؟

جواب ۴۳۸ :۔ فدک حضورؐ کی خدمت میں بطور صلح پیش کیا گیا اور اسے فے یا انفال کہا جائیگا اس لئے قرآن کے مطابق حضورؐ کی ذاتی ملکیت قرار پائے گا۔ جیسا کہ ارشاد ہے :۔

وما افاء اللہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء واللہ علی کل شیء قدیر۔	یعنی جو کچھ خدا نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے دلوایا تم نے اس پر اونٹ اور گھوڑے نہیں دوڑائے تھے لیکن خدا اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے تسلط عطا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(سورۃ الحشر)

اعتراض ۴۳۹ :۔ اگر حضور علیہ السلام کے ذاتی ملک میں تھا تو پھر یتیموں مسکینوں اور فقراء کو اس کے محصول سے دینے کے متعلق رب العالمین کا حکم کیسا جبکہ کوئی چیز کسی کے ملک میں ہو وہ خود متصرف ہوتا ہے اس کی مرضی آئے گی تو کسی کو دے گا ورنہ نہیں دے گا۔

جواب ۴۳۹ :۔ اللہ نے آپ سے عقل چھین لی ہے اگر آپ کی مزعومہ بات مان لی جائے تو فرمائیے زکوۃ خمس وعشر کے احکامات کیوں دیئے گئے جبکہ یہ سب ذاتی مال سے واجب الادا ہوتا ہے اور صاحب مال متصرف ہوا کرتا ہے۔

اعتراض ۴۴۰ :۔ اس کے باوجود کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ فدک کی زمین اور اس کا باغ حضرت نے اپنی زندگی میں تقسیم کر دیا ہو اگر ثابت ہے تو ثبوت درکار ہے اور اگر ثابت نہیں ہے تو پھر معلوم ہوا کہ یہ استحقاق زمین اور باغ کے متعلق نہیں ہے بلکہ اس کی آمد کے متعلق ہے فرمائیے کیا خیال ہے؟

جواب ۴۴۰:۔ فدک رسول اللہ کی ملکیت خاصہ تھا اور جب آیۃ وآت ذالقربیٰ حقہ نازل ہوا تو حضورؐ نے ایک دستاویز کے ذریعہ اسے اپنی صاحبزادی فاطمہ زہراؑ کے نام منتقل کر دیا جو آنحضرتؐ کی زندگی تک انہی کے قبضہ و تصرف میں رہا۔ چنانچہ صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ "جبرئیل نازل شد کہ خدا می فرماید کہ حق خویشاں بدہ۔ رسول فرمودہ خویشاں کہ انند۔ گفت فاطمہؑ۔ پیغمبرؐ فاطمہ را خواند و حجتے نوشت و آں وثیقہ بود کہ بعد از وفات رسول اللہ پیش ابوبکر آورد و گفت ایں کتاب رسول خدا است کہ برائے من و حسنؑ و حسینؑ نوشتہ است" ایسا ہی مضمون ملا معین کی کتاب معارج النبوۃ میں تحریر ہے پس ثابت ہوا کہ آنحضرتؐ نے فدک اپنی صاحبزادی کو اپنی حیات ہی میں عطا فرما دیا تھا۔

اعتراض ۴۴۱:۔ جن روایات کو صاحب فلک النجاۃ نے پیش کیا ہے ان کو تملیک متفرقانہ پر محمول کیوں نہ کیا جائے۔

جواب ۴۴۱:۔ جب کہ وثیقہ بابت ہبہ فدک بنام سیدہ فاطمہؑ موجود ہے تو پھر تملیک متفرقانہ پر محمول کیوں کیا جائے۔ اہم امر چھوڑ کر متفرقات کی بحث کو کیسے ترجیح دی جا سکتی ہے۔

اعتراض ۴۴۲:۔ جب قرآنی آیات سے حضور علیہ السلام کا ملک بر فدک ثابت نہ ہوا تو کیا حضور علیہ السلام کو یہ حق حاصل ہے کہ جس چیز میں یتیم اور مسکین اور بیوہ عورتیں شریک ہوں وہ حضور علیہ السلام اپنی صاحبزادی کے ملک میں دے دیں۔

جواب ۴۴۲:۔ قریشی صاحب انصاف سے کام لیجئے۔ "وما افاء اللہ علیٰ رسولہ منھم" والی آیت کیا متن قرآن میں شامل سمجھتے ہیں یا نہیں۔ اگر

سمجھتے ہیں تو ملکیت رسولؐ ثابت ہے اور اگر نہیں سمجھتے تو پھر آپ مسلمان نہیں ہیں ۔ فدک کی ملکیت تو خود حضرات شیخین نے تسلیم کی ہے ۔ جیساکہ حضرت عمر نے کہا " فکانت خالصۃ لرسول اللّٰہ (صحیح بخاری باب الخمس ، باب المغازی ، باب المیراث) یعنی فدک صرف رسول خداؐ کے لئے تھا ۔ اسی طرح صحیح بخاری سے آپ کا قبضہ و تصرف ثابت ہے ملاحظہ فرمائیں (صحیح بخاری باب الخمس و باب المغازی) اب جب قرآن و حدیث سے ملکیت و قبضہ ثابت ہے تو پھر آپ کو کس بل بوتے پر انکار ہو سکتا ہے

اعتراض ۲۳: ۔ اگر فللّٰہ وللرسول میں لام تملیک کا ہے تو للفقراء المہاجرین میں لام تملیک کا کیوں نہیں بناتے ۔ جواب دیجئے

جواب ۲۳: ۔ جو حصہ ملکیت خدا اور رسولؐ سے فقراء المہاجرین کو ملے گا اس حصہ میں اُن کی ملکیت ہو گی ۔ جس طرح کہ صاحب نصاب کی ملکیت سے ادا شدہ زکوٰۃ کی رقوم حاجت مند کی ملکیت قرار پا جاتی ہے اور مالک کے پاس اس کی ملکیت میں سے یہ حصہ حاجت مندوں کی امانت کے طور پر ہوتا ہے ۔

اعتراض ۲۴: ۔ بروئے آیت قرآن جب ذاتی طور پر فے ہونے کی وجہ سے فدک نہ حضور علیہ السلام کا ملک ٹھہرا اور نہ حضور علیہ السلام کسی کی تملیک کر سکتے تھے اور نہ کیا تو فرمائیے سیدہ خاتون نے کس نظریے کے پیش نظر صدیق اکبر سے مال طلب کیا ۔

جواب ۲۴: ۔ بروئے آیت قرآن " فے " پر حضورؐ کا مالکانہ حق ثابت ہے اس لئے فدک آپ کا ملک قرار پایا ۔ اور باقاعدہ تحریری وثیقہ کے تحت آنحضرتؐ نے یہ ملکیت سیدہؑ کے نام منتقل فرمائی اور یہی تحریر نامہ سیدہ طاہرہؑ نے حضرت ابوبکر کو دکھایا جسے حضرت صاحب نے مسترد کر دیا ۔

اعتراض ۲۴۵: اگر بطور ورثہ طلب کیا تو لازم آئے گا کہ ان کے نظریہ میں حضورؐ ذاتی طور پر اس کے مالک تھے حالانکہ یہ قرآن کے سراسر منافی ہے تو کیا سیدہ کو اس کا علم تھا کہ یہ مال نہ میرے باپ کے ملک میں ہے اور نہ میں سوال کر سکتی ہوں یا نہ اگر علم تھا تو سوال کی کیا حقیقت رہے گی اور اگر علم نہیں تھا تو یہ بعید از قیاس ہے جواب دیجئے۔

جواب ۲۴۵: کاش آپ قرآن کی وہ آیت بھی بتا دیتے جو یہ ثابت کر سکے کہ حضورؐ ذاتی طور پر مالک نہ تھے۔ حالانکہ قرآن سے پوری طرح حضرتؐ کی ملکیت ثابت ہے اسی لئے تو سیدہؑ نے ابوبکر صاحب کو قرآن کی اس آیت کی تلاوت سے لاجواب کر دیا تھا کہ یوصیکم اللہ فی اولادکم الخ۔ کیا رسولؐ دوسروں کو تعلیم قرآن دیتے تھے اور خود اس پر عامل نہ تھے۔

اعتراض ۲۴۶: سیدہ کے سوال کو محمول علی التصرف کیوں نہ کہا جائے۔

جواب ۲۴۶: جب وثیقہ ہبہ موجود ہے اور میراث کی بنا پر بھی فدک کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے تو پھر اسے محمول علی التصرف کر کے ایک معصومہ کے حق کو چھپا کر چشم پوشی کیوں کی جائے۔ مجھ گنہگار سے تو یہ نہیں ہو سکتا اور اگر فرض بھی کر لیا جائے تو حضرت ابوبکر پر ایک اور مستحکم الزام عائد ہو جاتا ہے کہ جب حاکم و ولی امر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اموال و املاک میں سے جسے چاہے اور جو چاہے اپنی مرضی سے دے سکتا ہے جیسا کہ استاذ محمود البوریؒ مصری لکھتے ہیں کہ خلیفہ کے لئے جائز ہے کہ وہ جسے چاہے اور جو چاہے دے (رسالۃ الاسلام شمارہ ۵۱۸) تو حضرت ابوبکر کو اس میں کیا مضائقہ تھا کہ قرابت رسولؐ کا احساس کرتے ہوئے فدک جناب سیدہؑ کو لوٹا دیتے۔

اعتراض ۴۴۷ :۔ اگر محمول علی التصرف کیا جائے تو تصرف کا حق وقت کے منتخب شدہ خلیفے کو ہوتا ہے یا رعایا میں سے کسی ذی اقتدار کو دلائل سے جواب دیجئے۔

جواب ۴۴۷ :۔ آپ کے مذہب کے مطابق یہ حق منتخب خلیفہ کو ہوتا ہے جبکہ ہمارے نزدیک امام معصوم و منصوص کو۔

اعتراض ۴۴۸ :۔ ابوبکر صدیقؓ نے سیدہ کے ارشاد کے جواب میں جو کچھ فرمایا وہ آپ کے نزدیک صداقت پر مبنی ہے یا نہ۔

جواب ۴۴۸ :۔ ہرگز نہیں۔

اعتراض ۴۴۹ :۔ اگر صداقت پر مبنی ہے تو فہو المقصود (دیدہ باید)

جواب ۴۴۹ :۔ سفید جھوٹ ہے۔ ہرگز صداقت پر مبنی نہیں ہے۔

اعتراض ۴۵۰ :۔ اگر صداقت پر مبنی نہیں ہے تو فرمائیے کیوں؟ کیا سیدنا ابوبکر صدیق نے جو حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش فرمائی اس کا آپ لوگوں کو انکار ہے یا اقرار؟

جواب ۴۵۰ :۔ حضرت ابوبکر کا قول اس لئے صداقت پر مبنی نہیں ہے کہ اس کی صداقت پر صدیقہ طاہرہ سیدۃ النساء فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے اعتبار نہ کیا بلکہ اس سفید جھوٹ پر اس قدر ناراض ہوگئیں کہ مرتے دم تک قطع تعلق کئے رہیں۔ امام بخاری لکھتے ہیں "فاطمہ بنت رسول اللہ نے وفات پیغمبرؐ کے بعد ابوبکر صدیق سے مطالبہ کیا کہ اللہ نے جو مال رسول اللہؐ کو کفار سے لڑے بغیر دلوایا تھا اور آپؐ اسے بطور ترکہ چھوڑ گئے ہیں

اس کی میراث مجھے پہنچتی ہے مجھے دلوایا جائے۔ ابوبکر نے کہا رسول اللہ فرما گئے ہیں کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے اس پر فاطمہؑ بنت رسولؐ غضبناک ہوئیں اور ابوبکر سے تمام راہ و رسم قطع کر لئے اور مرتے دم تک بات نہ کی۔

(صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۴۲)

اب چونکہ صدیقہ کبریٰ نے اس موضوع حدیث کو تسلیم نہ فرمایا لہٰذا ہم بھی اس سے انکار کرتے ہیں۔

اعتراض ۴۵۱:۔ اگر اقرار ہے تو فہو المقصود اور اگر انکار ہے تو آخر کیا وجہ ہے کہ اگر اسی حدیث کو ابوبکر صدیق اہل سنت کی کتابوں میں روایت فرمائیں تو لائق انکار اور اگر ائمہ اطہار اہل تشیع کی کتابوں میں نقل فرمائیں تو ناقابل تسلیم۔ آخر کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

جواب ۴۵۱:۔ ہمیں اس حدیث سے اس لئے انکار ہے کہ یہ قرآن مجید کے خلاف ہے اور فریقین اس امر پر عملاً متفق ہیں کہ ایسی روایات ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتی ہیں جو کلام الٰہی سے تصادم رکھیں۔ جب قرآن شریف میں آیہ وافی ہدایہ "یوصیکم اللہ فی اولادکم الخ" موجود ہے پھر ایک مصنوعی حدیث اس کے مقابلہ میں کسی طرح بھی پیش نہیں ہو سکتی ہے۔ کتابیں خواہ اہل سنت کی ہوں یا شیعہ کی۔ راوی چاہے حضرت ابوبکر ہوں یا کسی معصوم ہستی سے منسوب ہو۔ ہر حالت میں کتاب خدا کو درجہ تحکیم حاصل ہے۔ یہی تصادم قرآن ہی اس روایت کی پردہ داری ہے۔ جس کو آپ نے قبول کر لیا ہے اور ہم نے اس سے انکار کر کے قرآن مجید کو حکم تسلیم کیا ہے۔

اعتراض ۴۵۲:۔ اگر ابوبکر صدیق کی روایت عدم توریث انبیاء ناقابل قبول ہے تو براہ کرم ذیل کی روایت کا جواب دیجئے جبکہ تمہاری کتاب

میں منقول ہے۔ چنانچہ من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ باب وصایا علی لمحمد ص ۳۲۶ مطبوعہ مطبعہ جعفریہ الواقع تباس جدید لکھنؤ میں ہے:-

ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا ولکنھم ورثوا العلم فمن اخذ منہ اخذ بحظ وافرا

"بلاشبہ انبیاء نہیں وارث بناتے درہم اور دینار کا لیکن وہ وارث بناتے ہیں علم کا پس جس نے اس علم سے لے لیا تو لے لیا حصہ کثیرہ۔

جواب ۴۵۲:- اس کا جواب آگے ملاحظہ فرمائیں۔

اعتراض ۴۵۳: نیز اصول کافی ص ۱۶ مؤلفہ محمد بن یعقوب کلینی و مصدقہ امام مہدی متوطن در غار سر من رائے شریف و منتظر الموعود فی زعمکم مطبوعہ ایران مکتوبہ کاتب ابن محمد شفیع التبریزی فی ۱۲۸۱ھ میں ہے

ان العلماء ورثۃ الانبیاء و ذالک ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا وانما اورثوا احادیث من احادیثھم۔

"بلاشبہ علماء نبیوں کے وارث ہیں اور یہ بلاشبہ انبیاء نہ تو وارث بناتے ہیں اور نہ دینار کا جز ایں نیست وارث بناتے ہیں علم احادیث کا

فرمائیے اپنی روایت سے اعراض کیوں جبکہ اس کی تصدیق بھی بزعمکم حضرت مہدی نے فرمادی ہے۔

جواب ۴۵۳:- اصول کافی کا امام مہدی علیہ السلام سے مصدقہ ہونا امر مسلمہ نہیں ہے بلکہ یہ بات عند التحقیق ہے۔ خود کلینی نے اس مجموعہ کے بارے میں تسلیم

کیا ہے کہ اس میں ہر طرح کی احادیث ہیں۔ لہٰذا ہمارا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ اس کتاب کی صحت کی توثیق و تصدیق امام زمانہ نے فرمائی ہے۔ باقی امام مہدی کے منتظر ہم شیعہ ہی نہیں بلکہ غیر شیعہ بھی (چند نواصب کے علاوہ) اس پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ لہٰذا آپ زعم سے ایسا تاثر پیدا ہوتا ہے کہ قریشی صاحب امام زمانہ کے ظہور کے منکر ہیں مگر یہ مقام اس بحث کے لئے مخصوص نہیں ہو سکتا۔ بہر حال روایت کا جواب اگلے اعتراض کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

اعتراض ۲۵۲:۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ یہ تو امام ابو عبداللہ کا قول ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد تو نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ چلو آپ کو حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی تمہاری اسی مولفہ صحیحہ مصدقہ کتاب سے دکھا دیتے ہیں بشرطیکہ جواب باصواب سے مشرف فرمایا جائے۔ چنانچہ اسی اصول کافی ص۱۷ میں حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

ان العلماء ورثة الانبیاء	"بلاشبہ علماء انبیاء کے وارث ہیں
ان الانبیاء لم یورثوا دینار	بلاشبہ انبیاء نہ تو دینار کا وارث
اولا درھما ولکن ورثوا	بناتے ہیں اور نہ درہم کا لیکن وارث
العلم فمن اخذ منه اخذ بحظ	بناتے ہیں علم کا پس جس نے علم لے
وافر۔	لیا اس نے حصہ وافر لے لیا۔"

دیکھئے کیا ارشاد ہوتا ہے؟

جواب ۲۵۲:۔ ہمارے اعتقاد میں اس قسم کے مکر کی گنجائش ہی موجود نہیں ہے کہ دو معصوم ہستیوں میں ایک کی بات کو مان لیں اور دوسرے کو قبول نہ کریں جبکہ ہم سب معصومین کی یکساں صداقت کے معتقد ہیں۔ اب آپ اس پہاڑ کے چہرے سے تعارف

کھجئے جسے آپ نے بڑی محنت سے تین پر اعتماد کر کے تین دفعہ کھودا۔ تینوں روایات جو آپ نے نقل فرمائی ہیں ہماری کتابوں میں اس حدیث کا صرف ایک ہی راوی ہے اس حدیث کو ہر جگہ ابوالبختری سے روایت کیا گیا ہے۔ ہمارے ہاں ابوالبختری مانا ہوا کذاب و وضاع ہے جیسا کہ رجال کشی مطبوعہ بمبئی ص۱۹۹ میں ہے کہ "کان ابوالبختری من اکذب البریۃ عن ابی الحسن الرضا کذا الک"

اسی طرح آپ کے مشہور علامہ ابن حجر مکی کی تحریر سے یہ تصدیق ہو جاتی ہے کہ ابوالبختری مذکور سنی المذہب تھا۔ اس نے خود کو جھوٹا جاوی شیعہ بنا رکھا تھا۔ سعید بن فیروز "ابوالبختری ثقۃ ثبت فیہ تشیع قلیل کثیر الارسال من الثالثۃ" (تقریب التہذیب ص۱۳۸ مطبوعہ دہلی)

پس ثابت ہوا کہ راوی حدیث زیر بحث ابوالبختری اہل سنت کے نزدیک ثقہ و معتمد ہے۔ تھوڑا تشیع ظاہر کرتا تھا مگر بہت مرسل احادیث بیان کرتا ہے۔ جبکہ شیعہ مذہب کے مطابق یہ شخص سب سے زیادہ جھوٹا ہے لہٰذا اس کی روایت قبول نہیں کی جا سکتی ہے۔

اعتراض ۲۵۵: آخر کیا وجہ ہے کہ اس قدر روایات کے باوجود سیدنا ابی بکرؓ کی تردید کی جا رہی ہے۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ سیدہ کی ناراضگی ناقابل تسلیم ہے۔

جواب ۲۵۵: حضرت ابوبکر کی تردید اس لئے کی جا رہی ہے کہ یہ حدیث "نحن معاشر الانبیاء لا نورث" نہ کسی اور صحابی سے مروی ہے اور نہ کسی نے سنی تھی۔ حضورؐ نے کسی عرب، کسی صحبت نشین کسی بزرگ اہل بیتؑ سے نہیں فرمایا تھا کہ میرے بعد یہ میرے وارث نہیں ہیں بلکہ تمام عوام الناس وارث ہیں ان میں ہمارا مال لٹا دینا امت کا پیٹ بھرتے رہنا اور میرے رشتہ داروں و اولاد کو بھوکا مار دینا۔

اگر حضرت ابوبکر کی تردید نہ کی جائے تو پھر نبوت کی تکذیب کرنا پڑتی ہے کیونکہ اس حدیث کو صحیح تسلیم کرنے پر لازم آتا ہے کہ حضورؐ نے رسالت کو پورے طور پر ادا نہ فرمایا (نعوذ باللہ)

تو تکمیل دین کا دعویٰ ادھورا رہ جاتا ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ تمام مخلوقات کے لئے مبعوث ہوئے اور وانذر عشیرتک کے فرمان کے مطابق خصوصاً اپنے اقربین کو تمام احکام و فرائض سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔ اگر سرکار دو عالمؐ نے یہ حکم اپنے وارثوں و اہل بیت کو نہ سنایا تو مخالف قرآن قرار پائے (نعوذ باللہ) اور مخالفت قرآن کی صورت میں نبوت کا صفایا ہو جاتا ہے پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کلام ابوبکر ٹھیک نہیں اور اللہ کا تنکر ہے قرآن میں موجود وصیت کا حکم ان کی خاص کمزوری بن جاتا ہے اسی لئے علمائے اہل سنت نے حضرت ابوبکر کی اس غلطی کا اعتراف کیا ہے۔ جیسا کہ صاحب دراسات اللبیب نے ص۱۳ پر لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر نے سیدہ فاطمہ کو فدک واپس نہ کرنے میں خطا کی ہے اور عبید اللہ بسمل نے ارحج المطالب میں اقرار کر لیا ہے کہ حضرت ابوبکر مجتہد ضرور تھے مگر معصوم نہ تھے اور بوجہ المجتہد قد یخطی و قد یصیب اُن سے فدک کے معاملہ میں خطافی الاجتہاد ہو گیا۔ پھر کتب سُنیہ سے یہ بھی پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ خود حضرت ابوبکر نے اپنی غلطی تسلیم کر لی اور فدک بی بی پاک کو دینے پر آمادہ ہو گئے۔ ملاحظہ کیجئے تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی اور سیرت الحلبیہ جلد۳ ص۳۹۱ وغیرہ۔ پس جب خود ابوبکر نے اپنی تردید کی تو پھر قریشی صاحب کی ہٹ دھرمی بے سود ہو گی۔ مدعی سست گواہ چست۔

صحیح بخاری کا درجہ اہل سنت کے نزدیک بعد از کلام باری کا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ سیدہؑ حضرت ابوبکر پر ناراض ہوئیں لہذا جب تک بخاری شریف کا وجود دنیا میں رہے گا۔ حضرت ابوبکر کے نامہ اعمال سے یہ الزام ہرگز محو نہ ہو سکے گا لاکھ حاشیے چڑھائیں پھر بھی متن انتہائی واضح و صاف نظر آئے گا۔

اعتراض ۲۵۶: کیونکہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ابوبکر صدیق پر ناراض ہو گئیں تو اس قسم کا لفظ نہ تو کتب اہل سنت میں ہے اور نہ عقل باور کرتا ہے کیونکہ صدیق اکبر نے عرض کر دیا تھا میرا مال سارے کا سارا

حاضر ہے لیکن متروکہ رسول مقبول میں وراثت نہیں چل سکتی دیکھئے ابن میثم بحرانی اور ابن ابی الحدید اور الدرۃ النجفیہ صہ ۳۳۲ مطبوعہ ایران مصنفہ عبد الصمد ابن احمد تبریزی۔ پس ناراضگی کے وجوہ کیا ہیں؟

جواب ۴۵۶: جب تک سُنی کتابیں دریا بُرد نہیں کی جاتیں اور ان کا نام ونشان نہیں مٹایا جاتا اس وقت تک سیدہ طاہرہؑ کی حضرت ابوبکر سے ناراضگی پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ چونکہ یہ واقعہ بصراحت موجود ہے اور اس کو تواترات کا درجہ حاصل ہے رہا عقل کا باور نہ کرنا تو معترض کی عقل پر تعصب واندھی عقیدت وطرفداری کے پردے پڑ چکے ہیں۔ جنہیں خدا ہی اتار سکتا ہے۔ اس سے بڑھ کر بے عقلی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ صحیح بخاری جیسی معتبر کتاب میں اس فقرہ کی موجودگی کے باوجود قریشی صاحب یہ جھوٹا و بے بنیاد دعوی کر رہے ہیں کہ اس قسم کا لفظ نہ تو کتب اہل سنت میں ہے" کیا بخاری سے بڑی بھی کوئی ایسی کتاب اہل سنت کی ہے جس کو بعد از کلام باری کا مرتبہ حاصل ہے۔ اسی بخاری میں یہ فقرہ آج تک محفوظ ہے جو سنیوں کو بخار چڑھاتا ہے۔" فغضبت فاطمۃ بنت رسول اللہ فھجرت ابا بکر فلم تزل مھاجرتہ حتی توفیت" پس اس پر (احدیث موضوعہ سننے پر) فاطمہ بنت رسول اللہؐ غضبناک ہوئیں اور ابوبکر سے تمام راہ و رسم قطع کر لئے اور تا دم وفات قطع تعلق کئے رہیں" (صحیح بخاری جلد ۲ صہ ۱۳۲)

اب بتائیے کیا غضبناک ہونا راضی ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ باقی جو شلغم سے مٹی جھاڑنے کے لئے اپنی جائیداد دینے کا ذکر کیا گیا تو وہ بھی ایک چال تھی جسے مناسب وقت پر ظاہر کر دیا جائے گا۔ بخاری کے مطابق اس غضبناکی اور ناراضگی کی وجہ مطالبہ کے بعد نبی صادقؐ پر بہتان تھی کیونکہ وضع حدیث کے فوراً بعد بخاری نے یہ ناراضگی رقم کی ہے۔

اعتراض ۴۵۷: اگر ناراضگی تسلیم کر لی جائے تو فرمائیے اس

سے صدیق کی ذات پر کچھ اثر پڑے گا یا نہ اگر پڑے گا تو کیوں جبکہ انہوں نے ان کے اللہ نکرم کی بات ان کو سنائی جس کا ذکر اہل سنت اور اہل شیعہ دونوں معتبر کتابوں میں موجود ہے۔

جواب ۴۵۷:۔ سیدہ طاہرہ کی ناراضگی تسلیم کر لینے پر آپ کے صدیق پر اتنا زیادہ برا اثر پڑے گا کہ ان کے مذہبی تقدس کا بت ریزہ ریزہ ہو جائے گا کیونکہ صحاح میں متفق حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ "ان اللہ یرضی لرضاک ویغضب لغضبک" (اصابہ جلد ۴ صفحہ ۳۶۶) یعنی اے فاطمہؑ اللہ تمہارے غضب سے غضبناک اور تمہاری خوشنودی سے خوشنود ہوتا ہے۔ پس ناراضگی سیدہ "مغضوب علیہم" میں شمار کرائے گی جن کی تعریف سورۃ الفاتحہ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

ناراضگی سیدہ سلام اللہ علیہا آپ کے صدیق کو کاذب مطلق ٹھہرا دے گی۔ کیونکہ اگر سیدہؑ ان کو سچا سمجھتیں تو ہرگز ناراض نہ ہوتیں۔ لہٰذا سیدہؑ کا رنج حضرت صاحب کو نہ دین کا رہنے دیتا ہے اور نہ دنیا کا۔ اس سے زیادہ کسی کی ذات پر اور کون سی ضرب کاری اثر انداز ہو سکتی ہے نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ جو فرمان حضرت ابوبکر نے نبیؐ سے منسوب کیا تھا۔ صدیقہ طاہرہؑ نے اسے قبول نہیں کیا۔ اب وہ چاہے سنی کتابوں میں ہو یا شیعہ کتابوں میں اس کو صحیح ماننا صداقت سیدہؑ پر شبہ کرنا ہوگا جو کم سے کم ایک شیعہ مومن مسلمان کبھی گوارا نہ کرے گا۔ لیکن غیروں کی یہ پرانی عادت ہے۔

اعتراض ۴۵۸:۔ خدانخواستہ اگر ناراضگی متصور کر لی جائے تو کیا اس ناراضگی کا تعلق حضور کے ارشاد سے نہ ہوگا اور کیا سیدہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے والد کے قول کو درخور اعتنا نہ سمجھیں بلکہ

الٹا ناراضگی کا اظہار کر دیں۔

جواب ۴۵۸ : خدانخواستہ کہہ کر بات کو ٹالنے کی کوشش نہ کیجیے کہ شیشے میں آیا ہوا بال نکلا نہیں کرتا۔ سیدہؑ کی ناراضگی کو آپ کے جید علماء نے تسلیم کیا ہے اور ان میں بعض نے یہاں تک جسارت کر کے اپنی ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیا ہے کہ سیدہؑ کو ابوبکر کے مقابلہ میں قصوروار ٹھہرایا ہے مثلاً شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اسی موقف کا اظہار اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں کیا ہے اور شبلی وغیرہ نے حضرت ابوبکرؓ کی وکالت کرتے ہوئے بی بی پاک کو خطاوار گردانا ہے۔ سیدہ طاہرہ کی غضبناکی کا تعلق حضورؐ کے ارشاد سے ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ یہ ناراضگی حضورؐ پر افتراء باندھنے کے باعث بھی تھی کیونکہ آپؑ نے قرآنی دلائل سے بھرپور اپنے خطبہ لومہ میں اس وضعی ارشاد کی دھجیاں بکھیر دی تھیں اور اپنا مالک و وارث ہونا ثابت کر دکھایا تھا کیا یہ بات عقل مان سکتی ہے کہ حقدار کو محرومیٔ حق کی خبر نہ ہو اور غاصب کو اس پر اطلاع ہو جائے۔ بیوقوف و جاہل شخص بھی ایسی خرافات پر اعتبار نہیں کر سکتا کہ وارثوں کو خبر تک نہ دی جائے اور اس غیر کو بتا دیا جائے کہ میرے وارث محروم رہیں گے اور یہ سارا مال تمہارے تصرف میں ہوگا۔

اعتراض ۴۵۹ : فرمائیے ایسی ناراضگی سیدہ فاطمہ زہرا نے صرف صدیق اکبر پر ظاہر فرمائی یا کسی اور پر بھی۔

جواب ۴۵۹ : آپ کے صدیق اکبر کے علاوہ سیدۂ مظلومہ ان کے حواریوں پر بھی ناراض ہوئیں اور خصوصاً ان کے دست راست اور ولی عہد پر جب وہ صاحب بحکم سرکار آگ کا بندوبست کئے خانہ تطہیر پر حاضر ہوئے۔

اعتراض ۴۶۰ : اگر ثابت کر دیا جائے کہ سیدہ پاک صدیق اکبر

پر تو اس لئے ناراض ہوئیں (بقول شما) کہ انہوں نے فدک نہ دیا اور حضرت علی المرتضیٰ پر اس لئے ناراض ہوئیں کہ انہوں نے ان کی نہ ہمنوائی اور عملی تائید فرمائی اور نہ لے کر دیا۔ فرمائیے کیا جواب ہے۔

جواب ع۴۶۰: ہمارے ہاں بی بی پاک کا اپنے شوہر نامدار پر ناراض ہونا ہرگز ثابت نہیں ہے۔ یہ افترا ہے۔ سیدہ معصومہ تھیں اور اپنے خاوند کی اطاعت گذار اور فرمانبردار تھیں۔

اعتراض ع۴۶۱: اگر غضب سیدہ بر سیدنا علی کے متعلق آپ کو انکار ہے تو لیجئے ہم عبارت آپ کی معتبر کتاب سے نقل کئے دیتے ہیں "اشتملت شملة الجنین وقعدت حجرة الظنین" (احتجاج طبرسی ص۶۵) بوجہ مقتضائے ایمان اور بوجہ شرم و حیا ترجمہ کرنے کو جی نہیں چاہتا کسی اہل علم سے بوقت ضرورت پوچھ لیا جائے۔

جواب ع۴۶۱: یہ اعتراض بھی آپ جلاء الافہام میں دو دفعہ دریافت فرما چکے ہیں ایک مرتبہ عربی عبارت سے اور دوسری مرتبہ فارسی میں۔ اب ہم تیسری دفعہ جواب دیتے ہیں کہ یہ جملہ کلام سیدہ نہیں ہے۔ علامہ طبرسی نے اسے اپنی عبارت میں تحریر نہیں کیا ہے بلکہ سُنّی روایت پر احتجاج کرتے ہوئے ایسا جملہ نقل کیا ہے جبکہ یہ منقولہ کلام ہے اس کو اعتراض کی بنیاد نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ سیدہ طاہرہ معصومہ تھی۔ خون رسالت مآبؐ سے ایسے لچر کلام کی توقع ہرگز نہیں کی جا سکتی۔ احتجاج طبرسی کو بار دیگر ملاحظہ کیجئے تاکہ غلط فہمی دور ہو جائے۔

اعتراض ع۴۶۲: جلاء العیون ص۱۳۱ مطبوعہ ایران مصنفہ ملا باقر

مجلسی اصفہانی میں ہے کہ حضرت جعفر نے ایک لونڈی حضرت علی کے پاس بھیجی سیدہ فاطمہ کو شبہ ہوا کہ حضرت علی نے ہم بستری کی ہے۔ پوچھنے پر سیدنا علی نے قسم اٹھائی۔ بی بی صاحبہ ناراض ہو کر اجازت کی طلبگار ہوئیں حضرت نے ان کو اجازت دی فرمائیے کیا جواب ہے؟

جواب ۴۶۲:۔ یہ روایت بھی ہماری نہیں ہے۔ علامہ مجلسی نے اس روایت کو اپنی روایت ہرگز تسلیم نہیں کیا ہے۔ نیز یہ کہ اس روایت میں بی بی کا ناراض ہونا بھی مرقوم نہیں ہے۔ بہتر ہوتا کہ اگر آپ اقتباس نقل کر دیتے۔ تاہم ایسے لغو واقعات ہم لکھنا نہیں چاہتے قارئین جلاء العیون ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ یہ واقعہ صحیح نہیں ہے کہ سیدہؑ حضرت علیؑ پر ناراض ہوئیں۔

اعتراض ۴۶۳:۔ اسی طرح جلاء العیون ص۱۵۱ میں ہے کہ کسی شقی کے کہنے پر سیدہ خاتون نے اعتبار کر لیا کہ سیدنا علی نے نکاح کے لئے ابو جہل کی لڑکی (کی) خواستگاری فرمائی ہے۔ بسبب حزن و غم بغیر اجازت سیدہ پاک حضرت علی کے گھر سے سیدنا حسن اور حسین اور اُم کلثوم کو لے کر اپنے باپ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر تشریف لے گئیں۔ فرمائیے کیا جواب ہے؟

جواب ۴۶۳:۔ یہ بے ہودہ روایت بھی آپ ہی کی ہے۔ آپ کے ہاں صحیح بخاری میں اسے چار جگہ نقل کیا گیا ہے اور صحیح مسلم میں یہ روایت تین مقامات پر لکھی گئی ہے اسی طرح سنن ابن ماجہ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ جب ہم اس روایت کی رجال کشی کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت صرف ایک صحابی مسور بن مخرمہ سے مروی ہے حالانکہ مسور کا صحابی ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جس وقت وہ روایت کرتے

ہیں ان کی عمر زیادہ سے زیادہ چار سال اور آٹھ سال تک ثابت ہو سکی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث جسے ایک کمسن و نابالغ راوی نے بیان کیا ہے ناقابل قبول ہے۔ اس روایت کے کل راوی بارہ سے زیادہ نہیں جن میں بعض روایات میں امام زین العابدین کا نام بھی آتا ہے لیکن انہوں نے بھی اسے مسور سے ہی بیان کیا ہے۔ جس طرق سے یہ روایت بیان ہوئی ہے ان میں بہت تضاد بیانی ہے اور عقلاً اسے تسلیم کرنا جائز نہیں قرار پاتا۔ پھر سب سے بڑی خامی اس روایت کی یہ ہے کہ کسی بھی جگہ ابوجہل کی لڑکی کا نام معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ جلاء العیون میں یہ روایت بطور جرح نقل کی ہے اور علامہ مجلسی نے کسی بھی جگہ اس کے صحیح ہونے کی تائید نہیں کی۔ اگر صرف غلط واقعات کو نقل کر دینا دلیل سمجھ لیا جائے تو پھر کوئی بھی ایسا امر فریقین کے درمیان نہ ملے گا جس کو اس غلط طریقہ کار سے ثابت نہ کر دیا گیا ہو لہٰذا جب مجلسی اس کی صحت کا اقرار نہیں کرتے ہیں تو پھر استدلال کیسا؟

اعتراض ۴۶۴:۔ ان حالات میں اگر صدیق اکبر خدا کے نزدیک معتوب ہیں تو کوئی اور دوسرا کیوں نہیں؟

جواب ۴۶۴:۔ ہر وہ شخص خدا کے نزدیک معتوب ہے جس نے سیدہؑ پر ظلم کیا اور آپ کو رنجیدہ کیا۔ خواہ کوئی ہو۔

اعتراض ۴۶۵:۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ مذکورہ روایتوں سے تو درہم و دینار کی عدم توریث ثابت ہوتی ہے حالانکہ حضرت سیدہ تو زمین کی وراثت کی طلبگار تھیں تو سوال یہ ہے کہ احتجاج طبرسی صفحہ ۴۳ کی اس عبارت کا کیا جواب ہے؟

انی سمعت رسول اللہ یقول "بلاشبہ میں نے حضور علیہ السلام

نحن معاشر الانبیاء لا نورث سے سنا ہے فرمایا ہم انبیاء کا گروہ

ذھبا ولا فضۃ ولا دارا ولا — نہ تو سونے کا وارث کسی (کو) بناتے
عقارا وانما نورث الکتاب — ہیں اور نہ چاندی کا نہ مکان کا اور
والحکمۃ والعلم — نہ زمین کا بلاشبہ وارث بناتے ہیں
کتاب حکمت اور علم کا۔

دیکھئے اس میں دار اور زمین کا ذکر موجود ہے جواب ملے تو پتہ چلے؟

جواب ۴۶۵؎: یہ مکار شخص کہ دوسرے بھی مکار ہی نظر آتے ہیں۔ جب ہم نے اس روایت کو قرآن مجید ہی کے خلاف ثابت کر دیا ہے تو پھر اس کی وقعت کیا رہ جاتی ہے خواہ ہزار کتاب میں کیوں نہ ہو۔ اس روایت کی بنیاد بھی ابوالبختری پر ہے اور احتجاج میں اسے علامہ طبرسی نے بطور احتجاج پیش کیا ہے نہ کہ اس کی صحت تسلیم کی ہے۔ درہم و دینار یا زمین و دار کی توریث کے بحث کی کوئی ضرورت نہیں ہے جبکہ یہ حدیث زبان رسولؐ سے ثابت ہی نہیں ہے۔ اس حدیث کی تردید خود راوی حدیث حضرت ابوبکر نے وثیقہ تحریر کر کے کی اور پھر ان کے نامزد حاکم فاروق اہلسنت حضرت عمر بن خطاب نے اس حدیث پر عمل نہ کر کے اپنے پیشرو بادشاہ کے قول کی مخالفت کر دی کیونکہ اگر نبی کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہے تو پھر جناب عمر نے اپنے عہد حکومت میں مدینہ کی مغصوبہ جائیداد حضرت علیؑ اور حضرت عباسؓ کے حوالہ کیوں کر دی (صحیح بخاری پ ۱۲ ص ۶۱ مطبع احمدی لاہور)

اعتراض ۴۶۶؎: "وامیر المومنین یتوقع رجوعھا الیہ" یعنی حضرت علی امید رکھتے تھے کہ سیدہ فاطمہ زہرا وہاں سے فارغ ہو کر میرے پاس تشریف لائیں گی۔

کیا اس میں بالتصریح موجود نہیں کہ وہ ان کے ساتھ بھی نہ تھے اور

حمایت میں بھی نہ تھے۔

جواب ۴۶۶ :۔ عبارت کا حوالہ نامعلوم ہے لہٰذا جب تک مکمل حوالہ مہیا نہ ہو اس کا تفصیلی جواب نہیں لکھا جا سکتا۔ تاہم اس سے ملتا جلتا مفہوم احتجاج میں بطور احتجاج لکھا گیا ہے اور اس سُنی خود ساختہ قصہ پر بحث کی گئی ہے۔ ہمارے ہاں حضرت علیؑ کی حمایت اور امانت مکمل طور پر ثابت ہے۔

اعتراض ۴۶۷ :۔ سیدہ فاطمہ نے جب فدک طلب کیا تو خود تشریف لے گئیں یا اپنی طرف سے کسی آدمی کو ارسال فرمایا وضاحت مطلوب ہے۔

جواب ۴۶۷ :۔ بی بی پاک نے براہ راست دعویٰ فدک کر کے فریق مخالف کے اصل مدعا و مقصد کو بے نقاب کر دیا۔ حضرت فاطمہؑ نے بذات خود ایوان حکومت میں اپنا دعویٰ اصالتاً دائر فرما کر بحث کے سارے پہلوؤں کو غیر متعلق بنا دیا اور فریق مخالف کے لئے تمام ممکنہ دفاعی تدابیر کو تہس نہس فرما دیا۔ اپنے دعوے کی ثبوت میں کائنات کی سب سے سچی ہستیاں پیش کیں کہ جن کی صداقت پر غیر مسلموں نے اعتبار کیا مگر سُنی صدیق اکبر نے ان برحق صدیقین کو جھٹلا کر دعویٰ خارج کر دیا اور یہی غلطی اہل حکومت کے لئے شکست فاش کا سبب بنی ہوئی ہے جس کا آج تک جواب ممکن نہ ہو سکا۔

اعتراض ۴۶۸ :۔ سوال فدک برضائے سیدنا علی ہو یا بلغیر رضا کے ہر دو شقوں پر روشنی ڈالئے۔

جواب ۴۶۸ :۔ دعویٰ فدک حضرت علی علیہ السلام کی رضامندی سے دائر کیا گیا۔ تفصیل آگے ملاحظہ کریں۔

اعتراض ۴۶۹ :۔ اگر تشریف لے جانا تسلیم کر لیا جائے تو بروئے

کتب اہل تشیع سے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اجازت ثابت فرمائیے اور مکمل حوالہ سے مستفیض فرمائیے۔

جواب ۲۶۹: حضرت علی علیہ السلام کا سیدہؑ کے دعویٰ ہبہ میں بطور گواہ پیش ہونا اور سیدہؑ کے حق میں بیان دینا ہر شیعہ کتاب سے ثابت ہے ملاحظہ کیجئے سیرۃ فاطمۃ الزہرا مؤلفہ مرزا محمد سلطان صاحب باب چہاردہم ص۱۹۰ "جناب فاطمہ نے اپنے دعویٰ ہبہ کے ثبوت میں حضرت علیؑ، ام ایمن، حضرت ام کلثوم، جناب امام حسن اور جناب امام حسین علیہم السلام کو پیش کیا جنہوں نے بیان دیا کہ واقعی ہمارے روبرو جناب رسولؐ خدا نے اراضیات کو بحق فاطمہؑ ہبہ کر کے قبضہ ان کو دے دیا تھا"۔ شیعوں کی ساری متعلقہ کتب میں جناب امیرؑ کا سیدہؑ کی جانب سے بطور گواہ پیش ہونا ثابت ہے لیکن ہماری تحریر رافضی تحریر سمجھ کر رد کردی جائے گی لہٰذا بہتر ہے کہ یہ حقیقت کتب سُنیہ سے بھی ثابت کر دی جائے چنانچہ حضرت علیؑ کا سیدہؑ کے ساتھ بطور گواہ جانا اور بیان دینا علامہ ابن حجر مکی نے اپنی کتاب صواعق محرقہ باب ۱ فصل ۵ ص۲۲ پر سید نورالدین سمہودی نے اپنی کتاب وفاء الوفا جز ثانی باب سادس فصل ثانی ص۱۵۷ میں اور ابراہیم بن عبداللہ الوصابی نے شرح مواقف میں ایسا ہی لکھا ہے پس حضرت علیؑ کا بذات خود بطور گواہ تشریف لے جانا خود بخود ثابت کرتا ہے کہ آپ کی اجازت حاصل تھی۔ ورنہ وہ گواہ نہ بنتے۔ بحارالانوار ص۱۰۴ پر حضرت علیؑ کا اجازت دینا بھی مرقوم ہے۔

اعتراض ۲۷۰: ورنہ تسلیم کیجئے کہ سیدہ طاہرہ بغیر اجازت تشریف لے گئیں جو کہ ان کی شان کے خلاف ہے اور ایسی روایت جو شان کے خلاف ہو وہ یقیناً ناقابل قبول ہے۔

جواب ۲۷۰: کیونکہ بقول شما بھی ایسی روایت جو شان کے خلاف ہو ناقابل قبول ہے لہٰذا ایسا مفروضہ جو یہ ظاہر کرے سیدہؑ اپنے شوہر نامدار کی اجازت کے بغیر

تشریف لائیں بھی غلط محض ہوگا جبکہ ہم ثابت کر چکے ہیں نہ صرف سیدہ کو حضرت امیرؑ کی اجازت حاصل تھی بلکہ آپ نے خود بنفسِ نفیس گواہی دی تھی۔

اعتراض ۱۷۴:۔ حضور علیہ السلام سے سند ہبہ کا لکھا جانا اور سیدہ کے حوالے ہونا اور سیدہ کا دربارِ صدیقی میں پیش کرنا اور حضرت عمرؓ کا پھاڑ ڈالنا صحاح ستہ یا اہل سنت کی کسی مسلّمہ کتاب سے ثابت کیجئے بشرطیکہ روایت مستند الی السند الصحیح ہو؟

جواب ۱۷۴:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سند ہبہ تحریر فرمانا مندرجہ ذیل کتب اہل سنتہ میں تحریر ہے۔

(۱) معارج النبوۃ رکن چہارم جلد ۲ صفحہ ۲۲۱، ص ۳۱۱ مؤلفہ ملا معین

(۲) روضۃ الصفاء جلد ۲ صفحہ ۱۳۵

(۳) تاریخ حبیب السیر جلد ۱ جزسوم صفحہ ۸۵

(۴) تاریخ اسلام علامہ عباسی صفحہ ۱۳۶ (۵) الملل والنحل علامہ عبدالکریم شہرستانی وغیرہ

مندرجہ بالا تمام کتب اہل سنت مستند اور مسلّمہ ہیں۔ جس کتاب کی توثیق درکار ہو طلب کی جا سکتی ہے۔

درج ذیل کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ نے یہ اشتام حضرت ابوبکر کو دکھایا مگر انہوں نے نہ مانا۔

(۱) شرح مواقف صفحہ ۳۵

(۲) فتوح البلدان صفحہ ۳۸

(۳) تاریخ یعقوبی جلد ۳ صفحہ ۱۹۶

(۴) تفسیر در منثور علامہ جلال الدین سیوطی الجزء الرابع صفحہ ۱۷۷

(۵) ینابیع المودۃ وغیرہ

مذکورہ بالا تمام کتابیں اہل سنت کے ہاں معتبر ہیں حسب ضرورت توثیق پیش کی جا سکتی ہے۔ حضرت عمر کا دستاویز کو چھین کر پھاڑنا مندرجہ ذیل کتب میں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) سیرت حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۴ علی بن برہان الدین

(۲) تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی

یہ روایات ہماری نگاہ میں ٹھیک ہیں اگر مزید تفصیل درکار ہو تو ہماری لاجواب کتاب تشئید المطاعن جلد اول کا مطالعہ فرمائیں جو اس موضوع کے لئے مخصوص اور دندان شکن کتاب ہے۔

اعتراض ۲۷۲: سیدہ کو دھکے دے کر واپس لوٹانا اہل سنت کی کسی معتبر کتاب میں مذکور ہے عبارت معہ سند صحیح ارشاد فرمائیے؟

جواب ۲۷۲: ہم نے حضرت ابوبکر پر ایسا الزام عائد نہیں کیا ہے کہ انہوں نے سیدہ کو دھکے دے کر واپس لوٹایا۔ تاہم اگر کسی دھکہ شاہی کے تحت کسی شیعہ فرد نے ایسی تحریر کا تاثر دیا ہے تو اس کا معنی یہاں تک ہی ہوگا کہ سیدہ کو واپس لوٹایا گیا۔

اعتراض ۲۷۳: اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ میں ہے:

انت فاطمہ فی مرضہ الذی توفی فیہ فقالت یا رسول اللہ ھذان ابنان لی فورثھما فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اما الحسن فلہ ھیبتی وشجاعتی واما الحسین فلہ جرئتی۔	سیدہ فاطمہ زہراؑ حضور علیہ السلام کے پاس اس بیماری کے دوران میں تشریف لائیں جس سے آپ کی وفات ہوئی عرض کیا یہ دونوں صاحبزادے حضرت حسن اور حضرت حسین دربار نبوت میں لائی ہوں

انکو ورثہ عنایت فرمائیے پس آپ
نے فرمایا میرے حسن کے لئے
میری بہادری ہے اور میرے حسین
کے لئے میری جراُت ہے۔

اگر مالی طور پر ورثے کے اجراء کے قائل ہوتے تو فرما دیتے کہ وراثت میری وفات کے بعد ملے گی اس کے بعد حق وراثت کی تشریح فرما دیتے مگر ایسا نہ کیا۔ فرمائیے ٹھیک ہے یا نہ۔

جواب ۲۷۳:۔ اس روایت میں مالی ورثہ کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ یہاں روحانی وراثت کی بات ہے اس بات سے آپ بھی متفق ہیں کہ اگر یہاں مالی ورثے کے اجراء کا سوال ہوتا تو حضورؐ کا جواب دوسرا ہوتا۔ لہٰذا اعتراض بمطابق دعویٰ نہ رہا۔ تاہم بالفرض محال اگر یہ مان لیا جائے کہ سیدہ نے بھولے سے یہ مالی ورثہ کی خواہش فرمائی تو اس موقعہ سے بہتر موقعہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا کہ آنحضرتؐ اپنی وارث بیٹی کو حدیث لا نورث سنا کر مطمئن فرما دیتے تاکہ وہ بعد از رسولؐ دربار ابوبکر میں مایوس واپس لوٹ آنے سے محفوظ رہتیں اس مفروضہ سے طلب میراث کرنا اور آنحضرتؐ کا خاموش رہنا اور حدیث نحن معاشر الانبیاء کا بیان نہ کرنا از خود ثابت کرتا ہے کہ یہ قولِ رسولؐ نہیں ہے روایت زیر بحث اگر معترض کو قبول ہے تو اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ نہ ہی سیدہؑ اس حدیث سے واقف تھیں اور نہ ہی رسولؐ نے اپنے حقیقی وارثوں کو یہ حدیث سنائی تھی۔ اگر بھول چوک مان لی جائے تو بھی ایسے وقت مطالبہ پر تو یقیناً یہ محل پیدا ہو جاتا ہے۔ رسولؐ یاد دہانی کی خاطر اپنا قول دہرا دیتے تاکہ یہ غلط فہمی دور ہو جائے اور آئندہ کوئی وارث کسی خوش فہمی کی بنا پر خواہ مخواہ خجالت و پریشانی نہ اٹھائے۔ پس معلوم ہوا کہ سیدہؑ کا مطالبہ بالکل جائز تھا اور فریق مخالف کی حجت باطل تھی۔

اعتراض ۴۷۴ :۔ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کا علم سیدنا علی کو تھا یا نہ ۔ اگر نہیں تھا تو یہ عقیدہ شیعیت کے سراسر خلاف ہے

جواب ۴۷۴ :۔ حضرت امیر المومنینؑ کو علم تھا۔

اعتراض ۴۷۵ :۔ اور اگر علم تھا تو آپ نے چھ ماہ کے بعد بعد از وفات سیدہ جہری طور پر صدیق اکبر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کیوں کی؟

"ثُمَّ تناول یدابی بکر و بایعه ۔ " (احتجاج طبرسی) اس کے بعد حضرت علیؓ نے ابوبکر صدیق کا ہاتھ پکڑا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

جواب ۴۷۵ :۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت علیؑ نے سیدہؑ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر کی بیعت کی ہے تو یہ سیدہؑ کی حضرت ابوبکر سے ناراضگی کا ایک اور قوی سبب قرار پائے گا اور یہ بات مکمل طور پر ثابت رہے گی کہ سیدہؑ ابوبکر پر اپنی حیاتِ طیبہ میں خوش نہ ہوئیں اور ناراض ہونے کی حالت ہی میں اس دنیا سے رخصت فرما گئیں تبھی تو جناب امیر علیہ السلام نے چھ ماہ کا عرصہ بغیر بیعت کے گزار دیا ۔ اگر سیدہؑ ابوبکر سے راضی ہو گئی ہوتیں تو پھر اس خاموشی کی کوئی ضرورت نہ تھی ۔ نیکی اور پوچھ پوچھ ۔ عمل خیر میں دیر کرنا بھی شر ہوتا ہے ۔ حضرت علیؑ کو ہر حالت میں حضرت ابوبکر کی بیعت سیدہؑ کی زندگی میں کر لینا چاہیئے تھی جبکہ بقول آپ کے سیدہؑ اور ابوبکر میں کوئی رنجش بھی نہ تھی ۔ اب میں یہ کہتا ہوں کہ عمل علیؑ و فاطمہؑ سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت ابوبکر کو تسلیم کرنا دین کے اعتبار سے ضروری نہیں ہے ۔ جب سیدہؑ کی ناراضگی کے باعث حضرت علیؑ نے چھ ماہ تک بقول آپ کے توقف فرمایا اور بی بیؑ تو عداوت ابوبکر کی حالت میں ہی فوت ہوئیں تو پھر میں کہتا ہوں کہ میں سیدہؑ کی مودت کے حقوق کی خاطر حضرت ابوبکر پر خوش نہیں اور اگر یہ ضروری امر ہے کہ ابوبکر سے راضی رہا جائے تو اس سوال کا جواب روزِ حشر میں بارگاہِ خدا میں ہی عرض کروں

گا کہ تیرے رسولؐ کی بیٹی کی اتباع کی ہے اور تیرے نبیؐ کے داماد کی چھ ماہ (بقول شما) کی اس زندگی کی سیرت کو نمونہ بنایا ہے جس میں ان کو سیدہؑ کی رفاقت حاصل تھی۔ اگر علیؑ معاذ اللہ چھ ماہ ایک امر ناحق بجا لا سکتے ہیں اور ان کی زوجہ ساری عمر وہی عقیدہ راسخ رکھ سکتی ہیں تو پھر بھی جنت کے مالک ہیں تو پھر میں بھی گنہگار نہیں۔ پس اس صورت میں خدا جانے اور میں جانوں۔ یقیناً وہ عادل ہے اور کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے۔

احتجاج کی منقولہ عبارت کا جواب آپ کو "ذکاء الافہام" میں دیا جا چکا ہے اور اُسی کا اعادہ یہ ہے کہ علامہ طبرسی نے احتجاج میں یہ عبارت برائے جرح نقل کی ہے اور علمائے اہل شیعہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ روایت غلط ہے۔ حضرت علیؑ نے کبھی بھی حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی ہے اگر شیعہ حضرت ابوبکر کے حق میں حضرت علیؑ کی بیعت مانتے تو پھر شیعہ سُنی کا اختلاف ہی نہ رہتا۔

اعتراض ۲۷۶:۔ اگر علم تھا کہ صدیق اکبر سیدہ کے دشمن رہے تو آپ نے ان کے پیچھے صف میں کھڑے ہو کر نماز کیوں پڑھی؟

ثم قام و تہیا للصلوٰۃ وحضر المسجد وصلی خلف ابی بکر" (احتجاج طبرسی)

اس کے بعد کھڑے ہوئے اور نماز کا ارادہ کیا اور مسجد میں تشریف لے گئے اور ابوبکر صدیق کے پیچھے نماز ادا کی۔

جواب ۲۷۶:۔ حضرت علی علیہ السلام نے بھی حضرت ابوبکر کے پیچھے ان کو دشمن سمجھ کر ہی نماز پڑھی کیونکہ آپؑ نے ان کی سازش کو ناکام بنانا تھا اور خالد میاں کو اپنی دو انگلیوں سے دبا کر اس کی دونوں آنکھوں کو باہر لا کر خیبر شکنی کی جھلک کا نظارہ کرانا تھا۔ حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکرؓ کی اقتداء میں ہرگز نماز ادا نہ کی تھی۔ باقی دشمن کے پیچھے نماز پڑھ لینا کوئی حیران کن امر نہیں ہے جبکہ جنگ صفین میں کئی صحابہ مثل ابوہریرہ وغیرہ معاویہ کے ساتھی ہوتے ہوئے بھی نماز کے وقت حضرت علیؑ کے پیچھے آ کر نماز ادا کرتے تھے۔

اعتراض ۴۷۷:۔ فرمائیے سیدنا حسینؓ کو سیدنا عمرؓ کی سیدہ کے ساتھ عداوت کے متعلق علم تھا یا نہ کہ انہوں نے العیاذ باللہ سند پھاڑ ڈالی تھی نیز دھکے دے کر دربار سے نکال دیا تھا؟

جواب ۴۷۷:۔ امام حسینؑ کو جملہ تمام مظالم کا علم تھا۔ تبھی تو کہا تھا کہ میرے بابا کے منبر سے نیچے اُتر آؤ۔ (تاریخ الخلفاء)

اعتراض ۴۷۸:۔ اگر علم نہیں تھا تو علم کُلّی کا دعویٰ عبث ہے

جواب ۴۷۸:۔ سب کچھ جانتے تھے۔

اعتراض ۴۷۹:۔ اور اگر علم تھا تو سیدہ شہر بانو کے ساتھ عقد کرنے کے لئے فاروقؓ کے دروازے پر اپنے باپ سیدنا علی کی معیت میں تشریف کیوں لے گئے؟

جواب ۴۷۹:۔ اس سوال کا جواب بھی ذکا "ازالۂ فہام" میں دیا جا چکا ہے کہ بی بی شہر بانو کا حضرت عمر کے زمانہ میں آنا تاریخ سے ثابت نہیں ہے۔ بی بی صاحبہ حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ حکومت میں آئی تھیں نیز اگر تاریخ سے آنکھ بند کر کے یہ فرض کر لیا جائے کہ بی بی صاحبہ دورِ عمر ہی میں تشریف لائیں تو بھی امام حسینؑ یا حضرت علیؑ پر کوئی الزام نہیں آسکتا کیونکہ امام برحق کا مالِ غصب پر پورا پورا حق ہوتا ہے۔ نیز حضرت ابراہیمؑ نے ایک دشمن و بے دین بادشاہِ مصر سے لونڈی قبول کر لی تھی۔

اعتراض ۴۸۰:۔ کیا سیّدنا علی اور سیدنا حسین ناراضگی کے سلسلے میں سیّدہ کے ہمنوا نہیں تھے اگر تھے تو یہ میل جول کیسا اور

اگر نہیں تھے تو آپ کے قلوب میں ان سے زیادہ رنج کیوں ہے؟

جواب ۴۸۰ :- یہ ان کی سیاسی چال تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہم محتاج ہدایت ہیں لہٰذا اپنی ذاتی احتیاج اور دنیاداری کی ظاہری وضع پسندی کے باعث عموماً اہل بیتؑ سے مطلب پرستی کے مراسم قائم رکھنے کی کوشش کیا کرتے تھے لیکن دل آخری سانس تک کینہ سے پُر تھا چنانچہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ آخر وقت میں جب شوریٰ کیمٹی نامزد کی تو نامزدگان میں سے حضرت علیؑ کے بارے میں کہا کہ اگر یہ لوگ علیؑ کو خلیفہ بنالیں تو وہ ان کو حق و صداقت کی راہ پر چلائیں گے۔ عبداللہ ابن عمر نے عرض کیا تو پھر ان ہی کو براہ راست خلیفہ مقرر فرما دیجئے چنانچہ حضرت عمر نے جواب دیا۔ "اکرہ ان اتحملہا حیا و میتا" یعنی مجھے یہ گوارہ نہیں ہے کہ میں زندگی اور موت دونوں حالتوں میں اس کا بوجھ اٹھاؤں (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۳۰)

آل محمدؐ سیرت نبوی کے نمونہ تھے۔ وہ دشمن کے ساتھ بھی خوش اخلاقی ہی سے پیش آتے تھے۔ قاتل تک کو جام شیریں عطا کرتے تھے۔ ان کا عناد ذاتیات و فرادیات سے مبترہ تھا۔ ان کی دشمنی اصولوں پر ہوا کرتی تھی اور ان کی مخالفت محض دین اسلام کے لئے تھی۔ وہ دشمن کے سینہ پر سے اُتر آیا کرتے تھے کہ دیکھنے والے نفس و ذات کی خاطر اس فعل کو منسوب نہ کردیں۔ وہ معصوم افراد تھے بلا لحاظ دوست و دشمن اُن کی ہدایات و تعلیمات کا فیض عام تھا۔ جب بھی کبھی ان سے مشورہ لیا جاتا وہ صحیح رائے دیتے تھے۔ اگر ان کا اختلاف تھا تو صرف "دین" میں تحریف کا تھا۔ مگر ہم شیعہ بیچارے نہ ہی معصوم ہیں اور نہ ہی ہماری ریاضت نفس اتنی ہے کہ اس قدر مصائب کے باوجود صبر کریں کہ جو دلوں پر پڑ جاتے تو رات بن جاتے۔ یہ صبر اُن کا حصہ تھا جن کو مل گیا۔ ہم بے صبر گنہگار بندے ہیں لہٰذا ہمارے رقت بھرے مزاج ہمیں بے بس کردیتے ہیں اور رنج کا غلبہ ہوجاتا ہے کہ جب شدت ظلم اور صبر مظلوموں کا حال معلوم کرتے ہیں۔

اس سے بڑھ کر سنگدلی اور انسانی قساوت قلبی کا اور کیا مظاہرہ ہوسکتا ہے

کہ مظلوم کے صبر و تحمل و سکوت کو اس بات کی دلیل بنا لیا جائے کہ ظالم کے ظلم پر خاموشی اختیار کرنا اور مصائب کو انتہائی صبر و استقامت سے برداشت کرنا مظلوم کی خطا کا ثبوت ہے

اعتراض ۴۸۱:۔ فرمائیے جس روایت میں جناب سیدہ طاہرہ کی ناراضگی کا ذکر ہے اس کی پوزیشن کیا ہے۔ کیا وہ فرمان رسول مقبول ہے یا اثر ہے جسے تاریخی واقعہ سے تعبیر کرنا بجا ہوگا؟
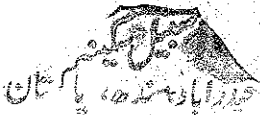
جواب ۴۸۱:۔ ہم نے مان لیا کہ تاریخی واقعہ ہے۔

اعتراض ۴۸۲:۔ اگر فرمان رسول ہے تو سراسر خلاف واقع ہے کیونکہ یہ واقعہ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد کا ہے۔

جواب ۴۸۲:۔ جی اس واقعہ کو تاریخ سے تعبیر کرنا بجا ہے۔

اعتراض ۴۸۳:۔ اگر تاریخی واقعہ ہے تو کیا دین میں اس قدر افتراقی عمارت کی بنیاد تاریخی واقعہ پر رکھی جا سکتی ہے۔

جواب ۴۸۳:۔ ہاں رکھی جا سکتی ہے جس طرح مذہب سنیہ کی بنیاد انتخاب سقیفہ پر قائم ہوئی ہے

اعتراض ۴۸۴:۔ کیا قرآن و حدیث کے خلاف تاریخی واقعہ کی کوئی قدر و قیمت باقی رہتی ہے؟

جواب ۴۸۴:۔ بیشک قرآن و حدیث کے خلاف تاریخی واقعہ کی اہمیت نہ ہوگی لیکن اگر واقعہ کو قرآن و حدیث کی تائید بھی حاصل ہو جائے تو اس کی قدر و قیمت میں تگنا اضافہ ہو جاتا ہے جس طرح آپ کے ہاں غلبہ روم و فارس کو سنہرے فتوحات کے سہرے لگائے جاتے ہیں۔

اعتراض ۴۸۵:۔ اگر نہیں رہتی اور یقیناً نہیں رہتی تو پھر اس قدر واویلا اور شور و شغب کی وجہ کیا ہے؟

جواب ۴۸۵: سیدہؑ کی ناراضگی کے واقعہ کو قرآن وحدیث وتاریخ تینوں کی تائید حاصل ہے جبکہ ابوبکر کے استخلاف سقیفہ بنی ساعدہ کو صرف تاریخ کے ایک واقعہ کی حیثیت نصیب ہے جب اس کے لئے چودہ سو سال سے شور وغوغا ہے جس میں پورا ظلم وجور ہی بھرا ہے تو پھر اس واقعۂ مظلومیت کی تشہیر کیوں ناگوار ہے۔

اعتراض ۴۸۶: قرآنی آیت سے پتہ چلتا ہے کہ کامل الایمان لوگ ناراضگی کہہ کہا جاتے ہیں صرف کھا نہیں لیتے بلکہ معاف بھی کردیتے ہیں صرف معاف نہیں کرتے بلکہ احسان بھی ساتھ کردیتے ہیں۔

حضرت سیدہ خاتون کا اس آیت پر عمل برقرار رہتا ہے اگر بقول آپ کے تسلیم کرلیا جائے کہ حضرت سیدہ سیدنا ابی بکر پر آخر دم تک ناراض رہیں۔

والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین۔ "مومن کی شان یہ ہے کہ پی جانے والے ہوں غصے کو اور معاف کرنے والے لوگوں کی غلطیاں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"

جواب ۴۸۶: آپ کی کہی گئی ان سب باتوں سے میں متفق ہوں مگر یہ کہ سیدہ کا ناراض ہونا صحیح بخاری سے پوری طرح ثابت ہے اور خوش قسمتی شیعوں کی یہ ہے کہ یہ عبارت اس ہی روایت کا حصہ ہے جس کے بل بوتے پر حدیث لا نورث کو آپ کے ہاں درجہ تواتر حاصل ہے۔ اب اصولی طور پر اگر آپ ناراضگی سے انکار کرتے ہیں تو پھر حدیث سے بھی انکار کرنا پڑجائے گا اور اگر حدیث سے انکار کریں گے تو پھر لامحالہ ابوبکر صاحب کی تکذیب ہوگی۔ اب یہ صورت ویسے ناقابل عمل ہے کہ ایک ہی بات کا آدھا حصہ انہی شرائط پر قبول کرلیا جائے جن شرطوں پر بقیہ ترک کیا جائے۔ اب یہ بات

آپ کے سوچنے کی ہے کہ یا ناراضگی سے انکار فرمائیے یا لا نورث سے۔

لیکن اب یہاں ایک خاص دلچسپ بحث جنم لیتی ہے کہ اگر حضرت ابوبکر سے غلطی ہوئی اور سیدہ ان پر ناراض ہوگئیں تو شانِ مومنیت یہ ہے کہ مومن غلطیوں کو معاف کر دیتے ہیں اور احسان کرتے ہیں۔ معصومہ و مظلومہ سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے بارے میں یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ آپ نے خلاف قرآن کوئی عمل کیا ہو۔ اس لئے یا تو یہ فرض کر لیا جائے کہ آپ نے ناراضگی رفع کر دی اور صلح کر لی۔ مگر اس کا ثبوت نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہوگی کہ سیدہ کی ناراضگی بھی قائم رہے اور قرآنی حکم کی خلاف ورزی بھی نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ہم قرآن پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ حضرات ایسے بھی ہیں جن سے ناراض رہنا اور عفو نہ فرمانا اور احسان نہ کرنے کا حکم ہے۔ بلکہ خدا نے اپنے رسولؐ تک کو ایسے لوگوں کی شفاعت کرنے سے منع فرما دیا ہے اور رسولؐ پر یہ حکم ممانعت صادر فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ لوگ بظاہر امت محمدیہ کے ہی افراد ہیں یعنی کلمہ گو ہیں چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ:

سواءٌ علیھم استغفرت	"یعنی اے رسولؐ! آپ چاہے ان
لھم ام لم تستغفر لھم	لوگوں کے حق میں بخشش طلب فرمائیں
لن یغفر اللہ لھم	یا نہ فرمائیں یہ برابر ہے کیونکہ اللہ تو ان
(المنافقون)	کو قطعاً نہیں معاف کرے گا۔"

پس معلوم ہوا کہ سیدہؑ نے ان غاصبین کو ایسے ہی لوگوں کے زمرے میں شمار کرتے ہوئے ان سے غضبناک رہیں اور تادم وفات ان سے راضی نہ ہوئیں۔ اگر سیدہؑ طاہرہ ان کو اس جماعت سے علیحدہ خیال فرماتیں تو یقیناً معاف کر دیتیں۔

لہٰذا شیعہ موقف ثابت رہا کہ ناراضگی سیدہ بھی قائم ہے اور حکم قرآن بھی مخالفت سے محفوظ ہے پس جن لوگوں نے سیدہ کو ناراض کیا حدیث رسولؐ کے مطابق سید المرسلینؐ کو غضبناک کیا" فاطمۃ بضعۃ منی من اغضبھا اغضبنی" یعنی فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے جس نے اس کو غضبناک کیا اس نے مجھے (رسولؐ اللہ) غضبناک کیا[۱]

۱ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۳۳۳

اعتراض ۴۸۷:۔ اہل سنت والجماعت کی معتبر کتاب عمدۃ القاری شرح بخاری اور فتح الباری شرح بخاری مطبوعہ مصر میں جب سیّدہ کے راضی ہو جانے کی روایات موجود ہیں تو خواہ مخواہ انکار کیوں؟

جواب ۴۸۷:۔ اہل سنت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ بعد از قرآن صحاح ستہ کا اقتدار واعتبار ہے۔ ان چھ میں سے صحیحین کا درجہ بالا ہے اور صحیحین میں بخاری کا مرتبہ اولیٰ ہے۔ عام طور پر مباحثہ کے دوران یہی حیلہ بروئے کار لاتے ہیں اور صحیحین میں مرقوم بات کو فوقیت دی جاتی ہے اگر دوسری کتب حدیث میں کوئی بات متنازعہ مرقوم ہو تو اس کو محض صحاح ستہ میں عدم وجود کے باعث ٹھکرا دیا جاتا ہے اور تضاد کی صورت میں صحیحین کی بات تسلیم کی جاتی ہے لیکن میرے خیال میں یہ اصول بھی مطلب برآری کی خاطر ہی وضع کیا گیا ہے حالانکہ مذہب سنیہ کا اونٹ اسی کروٹ بیٹھتا ہے جدھر اس مذہب کی ہوا کا رخ ہو۔ دنیا میں ہر مسلک کا کچھ نہ کچھ ضابطہ مقرر ہوتا ہے مگر یہ مذہب ایسا ڈھیلا ہے کہ جس طرف مرضی ہے کھینچ لو۔ کبھی تو یہ شور ہوتا ہے کہ فلاں بات صحاح میں نہیں لہٰذا نامقبول اور کبھی صحاح میں موجودگی کی تردید بہت ہلکے اقتدار کی تصانیف سے کر دی جاتی ہے اسی طرح صحیح بخاری جیسی اعلیٰ و بلند مرتبہ کتاب سے انکار کر کے اس کی شرحوں پر اعتبار کیا جا رہا ہے جو شکست خوردگی کی علامت ہے۔ اصل کی مخالفت فرع سے کرنا نامعقول حربہ ہے۔ صحیح کی تردید شرح سے نہیں ہو سکتی ہے اور پھر یہ کہ جو روایات راضی ہونے کی شرحین میں لکھی گئی ہیں انتہائی مجروح اور ناقابل قبول ہیں۔ اگر آپ اُن روایتوں کو اپنے اصولوں کے مطابق صحیح الاسناد ثابت کر دیں اور رواۃ کو ثقہ بنا کر دکھا دیں تو ہم آپ کی بات مان لیں گے ورنہ محض قیاس وظن سے ہر مسئلہ سلجھایا الجھایا جا سکتا ہے۔ نیز یہ کہ راضی ہونے کا تعلق صرف تاریخ سے ہے جبکہ ناراضگی کا اثر حدیث رسولؐ پر ہے۔

اعتراض ۴۸۸:۔ اگر تاریخی روایت کو اتنی اہمیت دی جائے جتنا قدر کہ آپ دے رہے ہیں تو کیا اس سے رحماء بینھم کے مفہوم کی تردید نہیں ہوتی؟

جواب ۴۸۸:۔ ناراضگی کی روایت تاریخی اہمیت کے ساتھ ساتھ قرآنی و سنتی استناد بھی حاصل ہے جبکہ راضی ہونے والی وضعی روایت محض تاریخی من گھڑت قصہ ہے رحماء بینھم کا مفہوم اس وقت قابل توجہ ہوتا ہے جب "ھُم" کی ضمیر میں غاصبوں کا شمار ثابت ہو سکے حالانکہ ایسے لوگوں کے لئے رحماء بینھم کی بجائے اللہ نے "مغضوب علیھم" فرمایا ہے اور فرمانِ رسولؐ ہے کہ "یا فاطمہ ان اللہ یغضب لغضبک" یعنی اے فاطمہؑ بلا شبہ اللہ تیرے غضبناک ہونے پر غضبناک ہوتا ہے" (مستدرک حاکم۔ نزل الابرار ص) ۔ پس خدا کے مغضوب کو رحم کا استحقاق حاصل نہیں ہے ۔

اعتراض ۴۸۹:۔ جب سیدنا و مولانا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حُبِ مال سے خدا تعالیٰ نے پاک کر لیا تھا تو کیا یہ نعمت سیدہ طاہرہ کو نصیب نہیں ہوئی تھی؟

جواب ۴۸۹:۔ بیشک سیدہ طاہرہؑ کو حبِ مال سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ مگر یہاں سوالِ مال و متاع نہیں بلکہ غصب و استحقاق کا معاملہ ہے

اعتراض ۴۹۰:۔ اگر نصیب ہوئی تھی تو فھو المقصود اس سے مذہب اہل سنت کی تائید ہوتی ہے۔

جواب ۴۹۰:۔ یہ غلط ہے کہ سیدہؑ کی اس صفت سے مذہب سنیہ کی تائید ہوتی ہے جبکہ سُنیوں نے شروع سے علیؑ و فاطمہؑ کو معاذ اللہ حریص سمجھا ہے اور اس

کی تشریح میری کتاب "عقائد و مکائد" میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

اعتراض ۴۹۱ :- اگر نصیب نہیں ہوئی معاذ اللہ تو لقب بتول کا کیا مطلب ہے۔ ذرا وضاحت سے جواب عنایت فرمائیے۔

جواب ۴۹۱ :- سیدہ مظلومہؑ کا حُبِ مال سے پاک رہنا قرآن مجید کے سورۂ دہر سے ثابت ہے اور بتول صرف مال و زر وغیرہ کی حرص سے منزہ ہونا نہیں ہے بلکہ رسول مقبولؐ نے بتول کے معنی اس طرح بیان فرمائے ہیں :-

"عن علی قال ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم سئل ما البتول فانا سمعناک یا رسول اللہ تقول مریم بتول وفاطمہ بتول فقال البتول التی لم ترحمرۃ قط ای لم تحض فان الحیض مکروہ فی بنات الانبیاء"

یعنی علی علیہ السلام کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضورؐ سے پوچھا گیا کہ بتول کے کیا معنی ہیں کیونکہ ہم نے آپ کو مریمؑ بتول اور فاطمہؑ بتول فرماتے ہوئے سنا ہے ارشاد فرمایا بتول اسے کہتے ہیں جس نے سرخی کو نہ دیکھا ہو یعنی وہ حیض و نفاس سے پاک ہو کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی صاحبزادیوں پر حیض مکروہ ہے۔

(مستدرک صحیحین امام حاکم۔ ارجح المطالب صفحہ ۳۰۸)

اعتراض ۴۹۲ :- آپ وہ دلائل پیش کیجئے جن سے ثابت ہوتا ہو کہ سیدہ طاہرہ حضور علیہ السلام کے زمانۂ اقدس سے فدک پر قابض تھیں

جواب ۴۹۲ :- جناب سیدہ صدیقہ طاہرہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے اس دعویٰ سے کہ حضورؐ نے فدک مجھے ہبہ کر دیا ہے بڑھ کر اور کوئی دلیل ہو سکتی ہی نہیں ہے کہ سیدہؑ کو اس کا علم تھا کہ بغیر قبضہ کے ہبہ مکمل ہی نہیں ہوتا ہے اگر ان کو قبضہ مل کر ہبہ مکمل نہ ہو گیا ہوتا تو اپنا دعویٰ ہی نہ کرتیں کیونکہ ایک عام انسان بھی ایسا خلاف

واقعہ امر بیان نہیں کرتا جو سب کے علم میں غلط ثابت ہوتا ہو۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر سیدہ فاطمہؑ کا قبضہ نہ ہوتا تو حضرت ابوبکر کو شہادتیں طلب کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ فوراً کہہ دیتے کہ ہبہ نامکمل ہے۔ ابوبکر کا گواہ طلب کرنا قبضہ کی دلیل ہے
تیسری دلیل یہ ہے کہ بعض روایات میں یہ الفاظ بالصراحت مرقوم ہیں کہ حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہؑ سے فدک کا قبضہ چھین لیا مثلاً ملاحظہ کیجئے وفاء الوفاء باخبار دار المصطفےٰ جلد ۲ باب ۶ ص ۱۶۱ "ان ابابکر انتزع من فاطمۃ فدک"
چوتھی دلیل یہ ہے کہ قبضہ کا تنازعہ تو خود حضرت عمر کے قول سے طے ہو جاتا ہے جو صحیح بخاری میں مرقوم ہے "پھر خدا نے اپنے نبی کو اپنے جوارِ رحمت میں بلا لیا۔ پس ابوبکر نے کہا میں رسول خدا کا ولی ہوں اس بنا پر فدک کو انہوں نے اپنے قبضے میں لے لیا" (صحیح البخاری باب الخمس۔ الفاروق شبلی حصہ دوم ص ۲۵۸)
پانچویں دلیل قبضہ یہ ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے دعویٰ فرمایا ہے کہ وہ فدک پر قابض تھے۔ فرماتے ہیں کہ "ہاں فدک ہمارے قبضہ خاص میں تھا۔ ہمارے سوائے آسمان کے نیچے جو بھی ہے اس کا فدک سے کچھ تعلق مالکانہ نہ تھا۔ پس قوم کے چند لوگوں نے اس کی بابت بخل کیا اور بہتوں کے دل میں آگ لگی اور ہم سے چھین لیا۔ مگر سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا اللہ ہے" (نہج البلاغہ)
پس مندرجہ بالا پانچ دلائل سیدۂ طاہرہ کے حیاتِ رسولؐ میں فدک پر قابض ہونے و متصرف ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔

اعتراض ۲۹۳ :۔ پھر قبضے کے پہلو پر روشنی ڈالی جائے کہ قبضہ تصرف کی بنا پر تھا یا تملیک کی بنا پر۔

جواب ۲۹۳ :۔ ہبہ تملیک و تصرف دونوں پر حاوی ہوتا ہے اگر قبضہ میں یہ نقص ہوتا تو حضرت ابوبکر اس سوال کو بڑی آسانی سے اٹھا سکتے تھے۔

اعتراض ۲۹۴ :۔ اگر تملیک کی بنا پر تھا تو کیا اس قسم کی تملیکیں

حضور علیہ السلام نے اصولِ وراثت کے مطابق حضرت عباس اور ان کے صاحبزادے کے لئے بھی کی تھیں یا نہ؟

جواب ۹۴: حضرت عباس اور ان کے صاحبزادوں کے لئے آنحضرتؐ کا ایسا ہبہ فرمانا کوئی ضروری نہ تھا پہلے خصوصاً جناب عباس اور ان کے صاحبزادوں کی تملیک دریافت کرنے کی وجہ بتائی جائے جبکہ ایسی تملیکیں اکثر لوگوں کے لئے ثابت ہیں مثلاً بنی نضیر کی جائیداد جو حضورؐ کی خاص ملکیت تھی آپ نے کچھ لوگوں میں تقسیم کر دیں جن میں سماک بن خرشہ (ابودجانہ) سہل بن حنیف، حضرت ابوبکر، عبد الرحمٰن بن عوف اور زبیر بن عوام وغیرہ کو ہبہ کر دیں اس کی تفصیل فتوح البلدان علامہ بلاذری میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ جب ایسے ہبے صحابہ کے لئے ثابت ہیں تو پھر خصوصاً حضرت عباس کے لئے اعتراض کیوں ہے؟

اعتراض ۹۵: اگر جواب اثبات میں ہے تو دلائل درکار ہیں؟

جواب ۹۵: صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب حکم الفی الخمس الخامس کا مطالعہ کیجئے تاکہ ایسے ہبہ جات آپ کو حضرت ابوبکر، عبد الرحمٰن بن عوف وغیرہ کے لئے بھی مل سکیں۔

اعتراض ۹۶: اور اگر جواب نفی میں ہے تو صاحب نبوت کی طرف اس قسم کی ترجیح بلا مرجح کی نسبت کیوں؟

جواب ۹۶: جواب اثبات میں ہے اور مرجح ثابت ہے۔ فتوح البلدان اور مسلم شریف پڑھ لیجئے۔

اعتراض ۹۷: اور اگر تملیک ثابت نہ ہو تو پھر غصب (غصب)

کیسے متحقق ہوگا جبکہ غصب (غصب) مملوکہ چیز کا ہوتا ہے غیر مملوکہ کا نہیں ہوتا۔

جواب ۴۹۷ :۔ جب ملکیت ثابت کی جا چکی ہے تو پھر غصب از خود ثابت ہوگیا

اعتراض ۴۹۸ :۔ الدرۃ النجفیہ شرح نہج البلاغہ میں موجود ہے کہ سیدہ طاہرہ حضرت صدیق اکبر پر راضی ہوگئیں۔ کیا اب بھی آپ لوگ بضد ہیں؟

جواب ۴۹۸ :۔ "الدرۃ النجفیہ" کا اقتدار مناظرانہ نہیں ہے اس میں یہ روایت ضعیف "برائے نقد و جرح" اور مفروضہ کے طور پر نقل ہوئی ہے جس کی سند و ثقاہت بھی واضح نہیں کی گئی ہے اس سے دلیل قائم کرنا جہالت ہے۔

اعتراض ۴۹۹ :۔ ابن میثم بحرانی شرح نہج البلاغۃ میں بھی مثل اول مضمون روایت موجود ہے فرمائیے کیا جواب ہے؟

جواب ۴۹۹ :۔ ابن میثم کی شرح میں یہ روایت بلا تبصرہ نقل کی گئی ہے شارح نے اس کو صحیح تسلیم نہیں کیا ہے ورنہ مکمل حوالہ مع سیاق و سباق نقل کیا جائے اور شارح کی توثیق روایت بھی ثابت کی جائے۔

اعتراض ۵۰۰ :۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ یہ روایات ضعیف ہیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب یہ روایتیں نص قرآن کے مطابق ہیں تو کیا ان روایات کی تقویت اور قبولیت کے لئے اتنا قدر امر کافی نہیں؟

جواب ۵۰۰: یہ روایات نہ ہی قرآن کے مطابق ہیں نہ ہی کسی حدیث کی معتبر کتاب میں ہیں اور نہ ہی تاریخ سے ثابت ہیں لہٰذا علماء نے ان کو موضوع قرار دے دیا ہے اور تشیید المطاعن میں ان کے بارے میں مکمل بحث ہے اسی طرح رمی الجمرات میں ان غلط روایات کو پوری طرح موضوع ثابت کیا گیا ہے کیا یہ ساری محنت جواب تک لاجواب ہے کافی نہیں ہے۔ اگر سیدہؑ کے راضی ہو جانے پر آپ کو یقین ہے تو ہمارا چیلنج ہے کہ آپ کسی معصوم ہستی کے صحیح قول سے یہ رضامندی ثابت کر دیں چلئے شیعہ کتابوں کو رہنے دیجئے اپنی ہی کتابوں سے کسی صحیح الاسناد و ثقہ روایت سے ایسا ثابت کر دیجئے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ شیعہ قوم بھی حضرت صاحب سے راضی ہو جائے گی۔ بخاری کو آپ صحیح بلکہ اصح مانتے ہیں پھر جھوٹی روایتوں کو پیش کر کے اس کو جھٹلاتے ہیں۔ یہ حرکتِ رندانہ آپ کو مبارک۔ لیکن خوب یاد رکھئے اصح الکتب کی موجودگی میں آپ کی جھوٹی کوششیں ناکام ہی رہیں گی۔

اعتراض ۵۰۱: سیدنا آدم علیہ السلام پر خدا تعالیٰ راضی تھے لیکن جب ممنوع درخت کے پھل کھانے کے مرتکب ہوئے تو ناراض ہو گئے۔ لیکن بعد میں راضی ہو گئے۔

فرمایئے عدم رضاء دو رضاؤں کے درمیان سیدنا آدم علیہ السلام کی نبوت کے لئے باعث عزل و نقص نہیں تو سیدنا ابی بکر کی خلافت کے لئے باعث عزل یا سبب نااہلیت کیوں؟

جواب ۵۰۱: جب تک قرآن مجید سے حضرت آدمؑ پر خدا کا ناراض ہونا کسی آیت سے بصراحت نہ دکھایا جائے اس وقت تک یہ اعتراض بے اصل ہوگا۔ اور پھر یہ کہ بقول معترض ناراضگی کے بعد رضامندی بھی قبول ہے جبکہ حضرت ابوبکر کے ساتھ سیدہ کی ناراضگی تادم وفات قائم رہی اور سیدہ نے ان کو شرکتِ جنازہ سے

بھی محروم رکھنے کی وصیت فرمائی ۔ پس نہ ہی آدمؑ پر خدا کا ناراض ہونا ثابت ہے اور نہ ہی سیدہؑ کا حضرت ابوبکر سے راضی ہونا پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے ۔ اس لئے حضرت ابوبکر کی خلافت ناقص و باطل ہے ۔

اعتراض ۵۰۲:۔ جو عہدہ خلافت حضرت ابوبکر صدیق کو نصیب ہوا اُسی عہدے پر حضرت علی بھی فائز المرام ہوئے کیا انہوں نے اپنے عہد خلافت میں فدک کو اصولِ وراثت کے مطابق آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کے جمیع ورثاء پر جن میں سیدہ کی اولاد خاتون بھی شامل تھیں تقسیم فرمایا ۔

جواب ۵۰۲:۔ جو عہدہ حضرت علیؑ کو منجانب خدا حاصل ہوا اس پر حضرت ابوبکر کبھی فائز نہ ہوئے البتہ جس حکومت پر حضرت ابوبکر نے قبضہ جمایا بعد میں حضرت علیؑ اس ریاست کے سربراہ مقرر ہوئے فدک چونکہ سیدہؑ طاہرہ کے نام خود حضورؐ نے ہبہ کر دیا تھا اس لئے اس پر کسی دوسرے وارث کا دعویٰ ہی نہ تھا لہٰذا تقسیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ رہا اولادِ فاطمہؑ کا اپنا تصرف میں لینا تو اس وقت کے سیاسی حالات نے آپ کو ایسا نہ کرنے دیا کیونکہ آپ سے پہلے بادشاہ حضرت عثمان بن عفان نے فدک کی جاگیر مروان بن حکم کو دے دی تھی ۔ (تاریخ ابوالفداء) ۔ حضرت علی علیہ السلام حریص اور زر پرست خلیفہ نہ تھے جو محض حکومت و اقتدار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس جاگیر کو چھین لیتے آپ کی سیرت گواہ ہے کہ ایک معمولی زرہ جو گم ہو گئی جب ایک ذمی کے پاس دیکھی تو خلیفہ وقت ہوتے ہوئے بھی اس سے نہ چھینی بلکہ قاضی شریح کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا اور مولاؑ نے یہ مقدمہ ہار کر اس ذمی کا دل جیت لیا ۔ جو شخص آئین و دستور کا اس قدر پابند اور محتاط ہو اس کے لئے یہ کس طرح سوچا جا سکتا ہے کہ ایک متنازعہ و مغصوبہ جائداد کو محض شاہی فرمان سے اپنے ذاتی تصرف و ملکیت میں لے لے ۔ اگر ملکی حالات

پرسکون رہتے تو پھر حضرت پاقامہ آئینی و قانونی چارہ جوئی کے ساتھ اپنی جائداد واپس لیتے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت نے جب لوگوں سے ناجائز جاگیریں واپس لینے کی مہم چلائی تو ایسے تمام اموال اپنے قبضہ میں کر لئے اور سرمایہ دارانہ رجحان کی حوصلہ شکنی فرمائی۔

اعتراض ۵۰۳:۔ اگر تقسیم فرمایا تو ثبوت مدلل درکار ہے۔

جواب ۵۰۳:۔ گزشتہ اعتراض کے جواب میں عرض کر دیا ہے کہ تقسیم کا سوال غلط ہے۔

اعتراض ۵۰۴:۔ والا صدیقی عمل پر اعتراض بے جا ہو گا

جواب ۵۰۴:۔ عمل ابوبکر اور عمل علیؑ میں زمین و آسمان کا فرق ہے اول الذکر کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک ہبہ شدہ جائداد پر غاصبانہ قبضہ کیا اور موخر الذکر کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ مالک و حقدار ہونے کے باوجود اپنے ظاہری اقتدار کی قوت استعمال نہ کی۔ ممکن ہے آپ کی نظر میں یہ دونوں صورتیں یکساں ہوں ورنہ ہر صاحب بصیرت اس میں اندھیرے اور اجالے کا فرق دیکھ رہا ہے۔

اعتراض ۵۰۵:۔ اگر یہ فکر کیا جائے کہ عترت رسول مغصوب چیز کو استعمال میں نہیں لاتے تو بقول شما خلافت بھی غصب کر لی گئی تھی اس کو کیوں اپنا لیا۔

جواب ۵۰۵:۔ اس جملہ جوئی کی ضرورت نہیں ہے کہ عترت مغصوب چیز کو استعمال میں نہیں لاتے حالانکہ مال غصب پر امام عادل و برحق کا پورا حق ہے مگر عترت کا یہ شعار رہا ہے کہ انہوں نے اپنے غصب شدہ حقوق کو طاقت کے بل بوتے

پر حاصل کرنے کی سعی نہیں کی ہے بلکہ آئینی و دستوری احتجاجات کے ذریعے اپنے حقوق طلب کئے ہیں لہٰذا اگر کرسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت علیؑ فدک کو اپنے قبضہ میں واپس لے لیتے تو یہ ان کا حق تھا مگر انہیں ایک اور حق کا بھی احساس تھا کہ یہ جائداد حکومت اور مالک کے مابین متنازعہ ہے اس پر مقدمہ بازی کی جا چکی ہے ، حکومت نے اس کے مالکوں کے خلاف فیصلہ کیا ہے لہٰذا معاملہ ضوابطہ عدالت کے بغیر خود ہی طے کر لینا غیر آئینی قرار پا جاتا ۔ اس لئے آپ نے اپنے اس ذاتی مسئلہ کو التوا میں رکھا اور اپنے ملکی معاملات خصوصاً داخلی امن و امان و انتشار سے فراغت پا نہ پائی ۔ اگر حضرت کو زیادہ وقت حاصل ہو جاتا اور ان کا زمانہ اندرونی خلفشاروں کی آماجگاہ نہ بنا رہتا تو شاید آپ اس معاملہ کو دستور کے مطابق طے کر کے فدک کی جائداد اولادِ فاطمہؑ کو واپس کرا دیتے ۔

امامت و خلافت خدائی عہدہ ہے جس کے لئے حکومت شرط نہیں ہے بلکہ امام برحق کا حق ہے کہ وہ حاکم وقت ہو اور دوسرے اس کی محکومیت قبول کریں ۔ حضرت علیؑ جس خلافتِ الٰہیہ و نیابت رسولؐ کے عہدہ پر خدا کی طرف سے مقرر ہوئے ہیں اس کا غصب ناممکن ہے ۔ حقِ حکومت جسے چھینا گیا وہ حق تھا ہی جو واپس لوٹ آیا ۔ حکومت حاصل کرنے کے لئے حضرت علیؑ نے سوائے احتجاج کے اور کوئی طریقہ استعمال نہ کیا اور جب آپ کو حکومت کی پیشکش کی گئی تو آپ نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے رسماً انکار تکراری فرمایا مگر عوام نے مجبور کیا ۔ خدا اور رسولؐ کے اور دین کے واسطے دیئے تب کہیں حضرت نے اپنی شرائط کو منوا کر یہ مطالبہ منظور فرمایا ۔ لہٰذا جب حضرت علی علیہ السلام کا بذات خود حکومت حاصل کرنے کی کوشش فرمانا ہی ثابت نہیں ہے تو پھر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے غصب شدہ خلافت کو اپنا لیا ۔ جس طرح حکومت لوگوں نے پیش کی تھی اگر اس وقت کے قابضین فدک فراخدلی سے فدک اولاد سیدہؑ کے حوالے کر دیتے تو اس حق کو بھی اپنا لیا جاتا خواہ بعد میں اسے حسب عادت غریبوں ہی میں بانٹ دیا جاتا ۔ لیکن ایسا نہ ہوا ۔ نہ ہی حضرت علیؑ حکومت کی طرف خود لپکے اور نہ ہی فدک کو حاصل

کرنے کا لالچ دل میں لائے۔ حکومت وفات عثمان کے بعد خود ہی قدموں میں آ گری اور فدک مروان کے بعد عمر بن عبدالعزیز نے واپس کر دیا۔ (فتح الباری شرح بخاری) دیر آید درست آید۔ بالآخر حق کا بول بولا ہوتا ہے اور جھوٹ کا سر نیچا ہی رہتا ہے اور اللہ کی سُنت میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔

اعتراض ۵۰۶:۔ اگر یہ شبہ پیش کیا جائے کہ جب سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث بنے تھے تو سیدہ وراثت رسول مقبول سے کیوں محروم رہیں۔ پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے مال کے وارث بنے تھے یا دین اور نبوت کے؟

جواب ۵۰۶:۔ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے مال کے بھی وارث ہوئے اور نبوت کے بھی۔

اعتراض ۵۰۷:۔ اگر ارشاد یوں ہو کہ مال کے وارث بنے تھے تو پھر سلیمان علیہ السلام کی کیا تخصیص داؤد علیہ السلام کے تو سلیمان کے علاوہ اور بھی بہت سے بیٹے تھے آخر ان کے ذکر اور ان کے عدم ذکر کی کیا وجہ؟

جواب ۵۰۷:۔ اصول کے مطابق دلیل اس دعویدار کو پیش کرنا ضروری ہوتا ہے جو اس امر کا دعویٰ کرے جو غیر فطری یا عمومی حالات سے مختلف ہو۔ اب یہ ایک فطری امر ہے اور دنیا اس پر کاربند ہے کہ کسی کی جائداد اس کے وارثوں میں تقسیم کر دی جاتی ہے۔ اب جبکہ ایسا دعویٰ کیا جائے کہ کچھ مخصوص لوگ ایسے بھی ہیں جو اس رسم زمانہ کے خلاف وارث نہیں ہو سکتے تو پھر اس خلاف معمول بات کا ثبوت دینا بھی

ایسے دعویداروں کی ذمہ داری ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ عام قانون شریعت کے مطابق حضرت سلیمانؑ اپنے والد جناب داؤدؑ کے وارث ہوئے اور اس کا ثبوت اول جاری قانون ہے مگر خلاف قانون آپ کہتے ہیں کہ داؤدؑ کے وارث سلیمانؑ نہ ہوئے لہٰذا اب یہ آپ کا کام ہے کہ اس محرومی کو ثابت فرمائیں حالانکہ قرآن سے وارث ہونا ثابت ہے۔

حضرت سلیمانؑ چونکہ حضرت داؤدؑ کی ولی عہدی اور جانشینی پر بھی فائض ہوئے اس لئے مالی وراثت کی بحث میں ان کو تخصیص حاصل ہوئی جبکہ دیگر بیٹوں کو مال کا حصہ ضرور ملا لیکن چونکہ ان کی شہرت نہ ہوئی لہٰذا ان کا ذکر معلوم نہیں ہوا۔ بعض لوگوں کا ایسا بھی خیال ہے کہ منسوخ شریعت میں صرف بڑا بیٹا ہی وارث قرار پاتا تھا اور وصیت کی عدم موجودگی میں باقی بیٹے محروم رہ جاتے تھے مگر یہ حکم اسلامی شریعت کے خلاف ہے لہٰذا ہم اس پر کوئی بحث کرنا نہیں چاہتے اب ایک اور خاص قابل ذکر بات یہ ہے کہ بادشاہ کی جائداد دو قسموں میں قبول کی جاتی ہے۔ ایک مملوکہ خاص اور ایک ریاستی املاک۔ مملوکہ خاص بادشاہ کی ذاتی جائداد ہوتی ہے جو اس کے وارثوں میں تقسیم کردی جاتی ہے۔ جبکہ حکومتی املاک میں صرف وارث تخت کا تصرف ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی طرح حضرت سلیمانؑ کو جناب داؤد علیہ السلام کی ذاتی جائداد سے بحیثیت وارث حصہ ملا جس کا ذکر کتب سُنیہ میں موجود ہے مثلاً حضرت سلیمانؑ کو نبوت اور ملک، علم، منطق الطیر اور ہر طرح کا دوسرا سامان دیا گیا۔ تفاسیر سُنیہ میں مرقوم ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو داؤدؑ کی وراثت میں سے ایک ہزار گھوڑا ملا۔ ملاحظہ فرمائیے معالم التنزیل علامہ بغوی ص ۵۶۵، تفسیر دُرِ منثور علامہ سیوطی جلد ۵ ص ۱۰۳، تفسیر خازن جلد ۳ ص ۴۷۷، تفسیر کبیر امام رازی جلد ۶ ص ۵۷۷ اس کے علاوہ بیضاوی مدارک، ابوالتاج، نیشاپوری اور ثعلبی وغیرہ میں بھی حضرت سلیمان کا حضرت داؤد کی میراث کا وارث ہونا بالصراحت مرقوم ہے پس مملوکہ خاص کا یہ قاعدہ دنیا کا عام اصول بن چکا ہے اور اسے عقل و نقل کی تائید حاصل ہے تو پھر ان ناقابل تردید حقائق کا انکار کرنا

محض ہٹ دھرمی ہوگا۔ ورنہ آپ ثابت کر دیجئے کہ جناب سلیمانؑ کو حضرت داؤدؑ کی بیا مداد سے محروم کر دیا گیا یا اُن کے کسی اور وارث کو حصہ نہ دیا گیا ہو۔

اعتراض ۵۰۸: اور اگر نبوت کی وراثت مراد ہے تو فہو المراد اس سے تو اہل سنت کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔

جواب ۵۰۸: آپ تو نبوت کی وراثت کے بھی قائل نہیں ہیں اگر آپ کا مذہب یہ ہوتا تو حضرت ابوبکر کو خلیفہ کیوں مانتے جبکہ وہ نہ ہی عترت رسول میں تھے اور نہ ہی حضورؐ نے کوئی ان کی خلافت کے لئے وصیت فرمائی تھی جبکہ سلیمانؑ داؤد علیہ السلام کے اہل بیت میں سے تھے۔

اعتراض ۵۰۹: فرمائیے سیدنا ابوبکر کا یہ فعل کہ متروکہ رسول مقبول میں وراثت جاری نہیں آپ کے نزدیک نیکی پر محمول ہے یا معصیت پر؟

جواب ۵۰۹: معصیت پر۔

اعتراض ۵۱۰: اگر نیکی پر محمول ہے تو فہو المقصود اور اگر معصیت پر محمول ہے تو سیدنا علیؓ کی معصیت کو بچایا جائے۔

جواب ۵۱۰: حضرت علیؑ کو اس معصیت سے کیا علاقہ ہو سکتا ہے کیا انہوں نے کسی کی املاک پر غاصبانہ قبضہ کیا ہے؟ اگر کیا ہے تو ثبوت پیش کیجئے پھر جواب بھی عرض کر دیا جائے گا۔ حضرت علیؑ کی معصومیت کے دفاع کی ضرورت اس وقت پیش آتی جب وہ اس جھوٹی حدیث کی تائید کرتے یا عملاً کسی وارث کو محروم کرتے اپنا بوجھ ہم پر کیوں ڈال رہے ہیں۔ اٹھائیے پھریے ورنہ اتار پھینکئے۔

اعتراض ۵۱۱: کوئی اعتراض نہیں ہے۔

جواب ۵۱۱: اب اعتراضات کی تعداد ۹۹۹ رہ گئی بجائے ایک ہزار کے۔

اعتراض ۵۱۲: اگر یہ کہا جائے کہ "یوصیکم اللہ فی اولادکم

"ہیں تو عمومیت کے لحاظ سے للذکر مثل حظ الانثیین حضورؐ بھی شامل ہیں لہٰذا حضرت کے مال سے وراثت جاری نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو دریافت طلب امر ہے کہ اس طرح کہنا تو تب بجا ہوگا کہ مال فے کی نفی کر کے حضور علیہ السلام کی ملکیت خاصہ تسلیم کی جائے پس اگر آپ کے پاس اس قسم کا ثبوت ہے تو پیش کیجئے۔

جواب ۵۱۲ :- میرا نظریہ تو یہ ہے کہ مال "فے" حضور کی ملکیت خاصہ ہوتا ہے جیسا کہ " وما افاء اللہ علی رسولہ الخ " کے الفاظ قرآن مجید میں ہیں اور خدا نے کھلے الفاظ میں فرمادیا ہے کہ جو مال خدا نے اپنے رسولؐ کو بے لڑے مفت میں دشمن سے دلوایا ہے اور مسلمانوں نے اس پر کوئی دوڑ دھوپ نہیں کی ہے نہ اونٹ گھوڑے بھگائے ہیں اور نہ ہی کوئی اور محنت کی ہے مگر اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے قابض کر دے یعنی مسلمانوں کا اس پر کوئی حق نہیں ہے رسولؐ مختار ہے اس کو حسب منشا تصرف میں لائے اور پھر تاکید بھی کر دی ہے کہ جو رسولؐ دے لے لیا کرو اور جو نہ دے مت لو اگر اس قدر واضح حکم کو بھی اگر کوئی نہ مانے اور رسولؐ کے حق کا انکار کرے تو اس کے دل کا قفل خدا ہی کھول سکتا ہے تاہم اگر "فے" کے اموال میں رسولؐ کی ملکیت و تصرف سے انکار ہو تو بھی معاملہ فدک میں فدک کا حضورؐ کی ملکیت خاصہ ہونا مکمل طور پر ثابت ہے چنانچہ مولانا شبلی نعمانی آیۃ "ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ فللہ الخ" پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اس سے فدک وغیرہ آنحضرتؐ کی خاص جائداد ہونا ثابت ہوتا ہے اور خود حضرت عمر اس کے یہی معنی قرار دیتے تھے۔ آیت یہ ہے۔" وما افاء اللہ علی رسولہ منھم ... علی من یشاء " اور جو کچھ ان لوگوں سے (یعنی یہودی بنی نضیر سے) خدا نے اپنے پیغمبر کو دلایا تو تم لوگ اس پر چڑھ کر نہیں گئے تھے بلکہ خدا اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کرتا ہے چنانچہ حضرت عمر نے اس آیت

کر پڑھ کر کہا تھا کہ " فکانت خالصۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " اور یہ واقعہ صحیح بخاری باب الخمس اور باب المغازی اور باب المیراث میں بہ تفصیل مذکور ہے

(الفاروق حصہ دوم ص۳۵۱)

اگر یہ مکر کیا جائے جیسا شبلی نعمانی نے کیا کہ بلا شبہ فدک خالصہ رسول اللہ تھا مگر وہ خالصہ بھی بغیر خالصہ تھا کہ عام حاکموں کی طرح رسول نے ذاتی تصرف میں رکھا ہوا تھا تو میں کہتا ہوں کہ اُسے ہبہ کیوں کیا گیا اور اگر ہبہ نہیں کیا گیا تو وارثوں نے مطالبہ کیوں کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود حضرت عمر نے اپنے دورِ حکومت میں فدک حضرت علیؑ اور عباسؓ کو واپس کر دیا اور حق وراثت تسلیم کر کے قول ابوبکر کی تردید کر دی ص۱

(معجم البلدان جلد ۱۴ ص۲۳۹)

اعتراض ۵۱۳ :۔ نیز حدیث عدم توریث جب متواتر المعنی مسلم بین الفریقین دونوں پارٹیوں کی کتب صحاح میں مروی از صحابہ و اہل بیت موجود ہے تو تخصیص سے رُوگردانی کی کیا وجہ ہے؟

جواب ۵۱۳ :۔ اس لئے کہ حدیث رسول خلاف قرآن نہیں ہو سکتی اور ہم نے اس حدیث کو صحیح تسلیم نہیں کیا ہے کتابیں صحاح میں سے ہوں یا غیر صحاح سے کتاب الٰہی کے سامنے اقتدار نہیں رکھتی ہیں۔ یہ حدیث عقل کے خلاف ہے۔ اہل بیتؑ کی شان میں تنقیص پیدا کرتی ہے اور خود رسولؐ کو مخالفِ قرآن قرار دیتی ہے لہٰذا ہم اس کو نہیں مانتے ہیں۔

اعتراض ۵۱۴ :۔ فرمائیے " فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث و ربٰع " کے مدلول میں حضور علیہ السلام عمومیت خطاب کے لحاظ سے داخل یا نہیں اگر داخل ہیں تو سراسر خلاف واقع

ص۱ واقعات مابعد سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی ہے بلکہ فدک حکومت کا کھلونا ہی رہا ہے

ہے ورنہ وجہ تخصیص قرآنی آیات سے ثابت کیجئے بصورت عجز اس تخصیص کے تسلیم کرنے اور اس تخصیص کے تسلیم نہ کرنے کے وجوہ بیان کیجئے۔

جواب ۵۱۴۔ جماعت حکومت ہی میں کا ایک گروہ اہل قرآن ہے آج کل عرف عام میں ان لوگوں کو پرویزی بھی کہا جاتا ہے۔ اُن کا یہ نظریہ ہے کہ اس حکم کا اطلاق خود ذاتِ رسول اکرمؐ کے لئے بھی تھا کیونکہ جب رسولؐ قرآن کے خلاف ہوگا تو رسالت عبث ٹھہرے گی۔ لہٰذا ان حضرات کا خیال ہے کہ حضورؐ نے ایک وقت میں چار نکاح سے زیادہ عقد نہ فرمائے۔ لہٰذا سراسر خلافِ واقعیت کا دعویٰ آپ کے سُنی بھائیوں ہی نے توڑ دیا لیکن اگر ان کی تحقیق کو قبول کر لیا جائے تو سُنی مذہب کے پیر تو اکھڑ جائیں گے مگر میرے پیر اور جم جائیں گے کہ میں کہوں گا چلیے چار نکاح ہوئے باقی متعہ لیکن سُنیوں کو اپنے ہم مذہب گروہ کے سامنے لاجواب ہونا پڑے گا یا رسولؐ کو مخالف قرآن ماننا پڑے گا یا قیاس سے تخصیص بنانی پڑے گی یا پھر باقی ازواج کا انکار کرنا پڑے گا لیکن میں سیدھی دو ٹوک بات کر کے عصمتِ رسولؐ کے عقیدہ کی حفاظت بھی قائم رکھ جاؤں گا اور وجودِ ازواج کا بھی مقر رہوں گا اور ظاہر ہے متعہ بھی نکاح ہی ہے اور ممتوعہ زوجہ ہے مگر پیغمبرؐ کی ازواج کے لئے نص ہے کہ وہ مائیں ہیں۔ بہر حال یہ تو پرویزی جانیں اور آپ۔

اصل بیان کا مدعا یہ ہے کہ اگر اس حکم کو رسول اللہ سے متعلق نہ سمجھیں تو بھی اس کو وراثت کی نفی کرنے کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا ہے اس لئے کہ "وآت ذالقربیٰ حقہ" والی آیت میں پیغمبر کو خطاب کر کے حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے قرابتداروں کا حق ادا کر دیں اور پھر یہ کہ عدم توریث کی حدیث قرآن کے عمومات و خواصات کے خلاف ہے جیسا کہ حکم ہے "ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون" جو ترکہ ماں باپ اور اقربا چھوڑ جائیں ہم نے ان کے وارث قرار دیئے ہیں اور آیت میں "کل" سے حکم عام ثابت ہے کسی کو تخصیص نہیں ہے۔

اعتراض ۵۱۵ :۔ اگر یہ مکرر کیا جائے کہ جس طرح حجرے حضورؐ کی بیویوں کو دے دیئے گئے اسی طرح فدک بھی سیدہ کا حق تھا تو یہ سوال ہے کہ حجرے ازواجِ مطہرات کو حضرت کی وفات کے بعد دیئے گئے یا پہلے سے ان کی ملک میں تھے؟

جواب ۵۱۵ :۔ حضور اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ ہی میں ازواج حجروں میں مقیم تھیں۔ لیکن بعد از رسولؐ ان کا قبضہ ہی دلیل ملکیت سمجھ لیا گیا جبکہ سیدۂ طاہرہ کا ہبہ بھی تسلیم نہ کیا گیا کسی زوجہ سے نہ ہی گواہ طلب کیے گئے اور نہ ہی کچھ دلیل ملکیت کا سوال کیا گیا۔ اگر پیغمبرؐ کی متروکات صدقہ ہیں تو ہبہ یا اَز ازواج کی ملک ثابت کی جائے یا وراثت تسلیم کر کے حدیث کا انکار کر دیا جائے ورنہ جواب دیجئے وہ حجرے اوقاف وصدقات میں کیوں نہ لیے گئے۔

اعتراض ۵۱۶ :۔ اگر بعد میں دیئے گئے تو اس کے متعلق تشفی کن دلائل پیش کیجئے۔

جواب ۵۱۶ :۔ بعد کو دیئے یا پہلے دیئے جب رسولؐ کی ارث ہی سے نفی ہے تو اس بحث کا کیا فائدہ پہلے دیئے تو ہبہ یا وصیت فرمایئے بعد میں دیئے تو وجہ بتایئے وارث سمجھتے ہوئے یا مستحق صدقات گردانتے ہوئے۔

اعتراض ۵۱۷ :۔ اور اگر حضور کے زمانہ اقدس میں ان کے سپرد کر دیئے گئے تھے اور تا وفات ان کے قبضے میں رہے تو پھر مسئلہ توریث سے اس کا کیا تعلق ہے واضح کیجئے۔

جواب ۵۱۷ :۔ اگر ازواج کا قبضہ بحیاتِ رسولؐ قبول ہے تو پھر ہبہ سیدہؑ کیوں منظور نہیں ہے

اعتراض ۵۱۸:۔ اگر یہ تکرار کیا جائے کہ وآتِ ذالقربیٰ حقہ میں سیدہ کا حق مذکور ہے تو سوال یہ ہے کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے یا مدینہ میں؟

جواب ۵۱۸:۔ آیت مکہ میں نازل ہوئی یا مدینہ میں اس سے سیدہ کے حق کو چھینا نہیں جاسکتا کیونکہ حکم موجود ہے اسے منسوخ نہیں کیا گیا ہے۔ کئی آیات مکہ میں بھی نازل ہوئیں اور مدینہ میں بھی۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ امام فخرالدین رازی نے کہا کہ سورۂ فاتحہ مکہ میں بھی نازل ہوئی اور مدینہ میں بھی اور پھر عرض کرتے ہیں کہ امکان ہے کہ یہ آیت مکہ میں بھی اتری ہو اور مدینہ میں بھی اگر صرف مکی بھی کہا جائے تو بھی نزول حکم میں کسی طرح کا کوئی حرج نہیں ہوگا۔

اعتراض ۵۱۹:۔ اگر اس کا نزول مکہ معظمہ میں ہے تو پھر معدوم چیز کے متعلق آرڈر دینے کا کیا معنے جبکہ ابھی تک فدک حضور علیہ السلام کے قبضے میں بھی نہ آیا تھا۔

جواب ۵۱۹:۔ چونکہ خدائے تعالیٰ کو اپنے علم ازلی سے معلوم تھا کہ پیغمبرؐ خدا کو بعد ہجرت کے مدینہ میں اور بعد فتح خیبر کے جو علیؑ کے ہاتھ سے ہوگی فدک ملے گا حکم اس کا پہلے ہی نازل کر دیا اور نزولِ حکم میں کسی ایسی چیز کا ذکر کرنا جو آئندہ زمانے میں آئے گی قبل اس کے وقوع کے کچھ حرج نہیں ہے

فتاویٰ عزیزیہ میں بھی مکی و مدنی کی بحث موجود ہے اور اس کی بہت سی مثالیں ہیں جیسا کہ تفسیر کبیر میں "وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس" کی تفسیر میں امام فخر رازی لکھتے ہیں کہ حضورؐ نے بنی امیہ کو خواب میں دیکھا تھا کہ بندروں کی طرح منبر پر اچھلتے پھرتے ہیں اور پھر امام رازی کہتے ہیں کہ یہ قول ابن عباس کا ہے مگر مشکل اس میں یہ ہے کہ آیت مکی ہے اور مکے میں منبر نہ تھا اور پھر اس کا جواب دیتے

ہیں کہ کچھ بعید نہیں ہے کہ مکہ میں ان کو دکھایا جائے کہ مدینہ میں منبر قائم ہوگا۔ اسی طرح دولت خواہ کب آئے حکم زکوٰۃ قبل از آمد دولت نصابیہ موجود ہوتا ہے۔ موت آنے سے قبل ہی حصص کا تعین اور میراث کی تقسیم کے احکام موجود ہیں۔

اعتراض ۵۲۰:۔ اور اگر مدینہ میں ہے تو جمع ذی القربیٰ پر حضرت نے فدک ٹکڑے ٹکڑے تقسیم کردیا یا نہ۔ اقرباء کے اسماء اور حصص کی تعیین مع دلائل پیش کیجئے؟

جواب ۵۲۰:۔ فدک جب حضورؐ نے سیدہؑ کو ہبہ کردیا تو پھر جائداد میں کسی دوسرے قریبی کا حصہ نہ رہا بلکہ واحد مالکن سیدہ طاہرہ صلوٰۃ اللہ علیہا ہی قرار پائیں۔ جب اس جائداد میں کسی دوسرے کا حصہ ہی نہ رہا تو پھر اس کی تقسیم کیسی؟

اعتراض ۵۲۱:۔ اور اگر نہیں کیا تو معاذ اللہ حضور علیہ السلام تعمیل ارشاد سے قاصر رہے جو کہ شانِ نبوت کے خلاف ہے۔ جواب دیجئے۔

جواب ۵۲۱:۔ جب ذی القربیٰ سے مراد ہی مخصوص ہستیاں تھیں اور ان کے علاوہ کوئی نہ تھا جس پر اس حکم کے تعمیل کا اثر ہوتا تو پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ حضورؐ نے تعمیل نہ فرمائی۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل، ابن حاتم، طبرانی، حاکم، دیلمی اور ثعلبی وغیرہم جیسے عظیم الشان علمائے اہل سنت نے تسلیم کیا ہے کہ ذی القربیٰ سے مراد صرف سیدہؑ ان کے شوہرؑ اور آپ کے شہزادگان ہیں جیسا کہ علامہ واحدی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ "ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت مودۃ فی القربیٰ نازل ہوئی تو لوگوں نے حضورؐ سے پوچھا کہ وہ کون سے قرابتدار ہیں جن کی محبت ہم پر واجب قرار دی گئی ہے آپ نے فرمایا وہ علیؑ، فاطمہؑ اور ان کے دونوں بیٹے ہیں"۔

اعتراض ۵۲۲: نیز جب حضرت نے اپنی زندگی میں جو کچھ کسی کو دیا اسے ہبہ سے تعبیر کیا جائے گا یا وراثت سے۔ ہر دو شقوں پر دلائل بیان کیجئے۔

جواب ۵۲۲: موقع و محل کی نزاکت کے مطابق جو کچھ حضورؐ نے کسی کو دیا وہ خیرات و صدقہ ہوگا یا ہبہ۔

اعتراض ۵۲۳: اگر ہبہ ہو تو رعایت حصص کیا معنی؟

جواب ۵۲۳: لتبکل ہبہ حصص کا کوئی سوال نہیں ہوتا ہے۔

اعتراض ۵۲۴: اگر بطور وراثت ہو تو وراثت قبل از وفات کیسی؟

جواب ۵۲۴: اگر صاحب املاک چاہے تو اپنی زندگی ہی میں تقسیم کر سکتا ہے مگر فدک کے معاملہ میں جب دعوئی ہبہ قبول نہ ہوا تو حق وراثت کا دعوئی کیا گیا جو بعد از وفات تھا۔

اعتراض ۵۲۵: اگر یہ مکرر کیا جائے کہ حدیث عدم توریث خبر واحد ہے تو سوال یہ ہے کہ یہی حدیث اہل تشیع اور اہل سنت دونوں کی کتابوں میں مروی ہے یا نہیں۔ اہل تشیع کے جملہ امام اسے مانتے ہیں یا نہ۔ اہل سنت میں سے کسی نے انکار نہیں کیا جملہ صحابہ کرام نے تسلیم کیا آج تک یہ حدیث زبان زد خلائق ہے فرمائیے معنوی طور پر تواتر ثابت ہوا یا نہ؟

جواب ۵۲۵: جب یہ حدیث قرآن مجید کے سراسر خلاف ہے خبر واحد بھی ہے خود راوی حدیث اور دیگر صحابہ نے اس کے خلاف عمل کیا ہے آئمہ شیعہ میں سے کسی نے اس کو صحیح نہیں سمجھا ہے تو پھر قرآن کو چھوڑ کر کتابوں کو کیسے ترجیح دی جاسکتی ہے جبکہ شیعوں نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ اگر اس قاعدہ کو کلیہ بنا کر حق و باطل کی تصدیق کی جائے تو پورے مذہب شیعہ کی تائید سنی کتب سے ہوتی ہے بلکہ سنی مذہب کی تصدیق شیعہ کتب سے نہیں ہوتی تو پھر کیوں آپ سنی مذہب ترک نہیں کر دیتے۔ اگرچہ اس حدیث کو معنوی تواتر کا درجہ حاصل ہے مگر ضعف کے ساتھ۔ اہل بیت تو رہے ایک طرف خود ازواج نے اور اکابر اصحاب نے اس حدیث کو نہیں مانا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں بی بی عائشہ کی روایت ہے کہ:

"جب رسول وفات پا گئے تو ازواج نبی نے چاہا کہ عثمان بن عفان کو ابو بکر کے پاس بھیجیں اور ان سے پیغمبر اکرم کی میراث کا مطالبہ کریں۔ عائشہ نے کہا کیا حضور نہیں فرما گئے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۹۱)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ عائشہ کے کہنے سے قبل ازواج بھی اس حدیث سے بے خبر تھیں اور حضرت عثمان بھی۔ اسی طرح اگر یہ حدیث صحیح تھی تو پھر حضرت عمر نے اپنے دور میں اس پر عمل کیوں نہ کیا اور خود حضرت ابو بکر نے سیدہ کے حق میں دستاویز کیوں لکھی جسے بعد میں پھاڑا گیا اور پھر یہ کہ کم سے کم رسول اللہ کو اپنے وارثوں کو تو یہ پیغام ضرور دینا چاہیئے تھا۔ جبکہ یہ حدیث سوائے ابو بکر کے کوئی نہ جانتا تھا۔ جس نے سنی ابو بکر سے سنی۔ جبکہ ابو بکر نہ ہی وارث تھے اور نہ ہی اہل بیت۔

اعتراض ۵۲۶: اگر یہ فکر کیا جائے کہ یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ توثیق فدک ص ۲۵ میں کہا گیا ہے تو مراۃ العقول شرح الفراع والاصول ص ۲۴ جلد ۱ کی اس عبارت کا کیا جواب ہے "حسن او موثق

لایقصر عن الصحیح "۔ یہ حدیث حسن اور توثیق یافتہ ہے صحیح سے کم درجہ کی نہیں ہے۔

جواب ۵۲۶:۔ مراۃ العقول میں اس حدیث کو حسن و موثق کہا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس روایت کے راوی غیر شیعہ ہیں اور لا یقصر عن الصحیح سے مطلب یہ ہے کہ اس کی جڑ صحیح نہیں ہے کیونکہ "قصر" درخت کی جڑ یا بنیاد کو کہتے ہیں۔

اعتراض ۵۲۷:۔ من لا یحضرہ الفقیہ ج ۳ ص ۳۴۶ میں ہے۔

" فان الفقہاء ورثۃ الانبیاء ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکنھم ورثوا العلم فمن اخذ منہ بحظ وافر "

فرمائیے کیا جواب ہے جبکہ یہ ابوالائمہ حضرت علیؑ مرتضیٰ کا قول ہے۔

جواب ۵۲۷:۔ اس قول سے مراد یہ ہے کہ انبیاء سرمایہ دارانہ نظام قائم کرنے کے لئے مبعوث نہیں ہوتے ہیں بلکہ علم دین (جو کہ مادیت و روحانیت پر حاوی ہوتا ہے) کی تعلیم کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ جو مال خدا نے ان کے اور ان کی اولاد کے بسر اوقات کے لئے مخصوص کیا ہوتا ہے وہ انبیاء کے بعد ان کی اولاد کو ورثہ میں پہنچتا ہے تاکہ وہ ذلت کی زندگی بسر نہ کریں اور دوسروں کے محتاج بن کر اپنی خودداری اور اپنے روحانی اقتدار کو نہ کھو بیٹھیں۔ ہمارے رسولؐ نے جو ترکہ چھوڑا وہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے تھا اس فرمان سے حدیث لا نرث ولا نورث کو صحیح تسلیم کیا جائے تو پھر سوال اٹھے گا کہ رسولؐ نے اپنے والد کے ترکہ سے اُن کی کنیز اُم ایمن کو کیسے ورثہ میں پایا اور رسولؐ کے ورثہ میں ازواج کو مکانات کی ملکیت کیسے حاصل ہوئی! اس ارشاد سے کسی طرح بھی یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ نبیوں کے ورثاء کو ترکہ سے محروم کر دیا جائے اور درہم و دینار

کا جو تذکرہ ہے اس کا مطلب یہ ہے اللہ کے رسول دولت اندوزی کر کے درہم و دینار کے خزانے جمع نہیں کرتے ہیں جیسا کہ حضورؐ کی سیرت سے ثابت ہے کہ آپؐ نے بیت المال کا قیام فرمایا۔ بلکہ جب حضورؐ مالک حقیقی کی جانب رخصت ہوئے تو اس وقت وہ مقروض تھے اور یہ قرضے امام حسینؑ کے وقت تک ڈنڈر ے دے دے کر ادا کئے جاتے رہے پس یہ فرمان علمائے کرام کی فضیلت اور زر پرستی کی مذمت کے لئے ہے۔

اعتراض ۵۲۸:۔ اگر یہ فکر کیا جائے کہ یہ حدیث اگرچہ من لا یحضرہ الفقیہ میں درج ہے لیکن پھر بھی غیر صحیح ہے تو سوال یہ ہے صاحب من لا یحضرہ الفقیہ کی اس کلام مندرجہ من لا یحضرہ الفقیہ ص۲ کا کیا مطلب ہے جبکہ اس نے تصریح کی ہے کہ:۔

بل قصدت الی ایراد ما افتی به واحکم بصحته واعتقد فیه حجة فیما بینی و بین ربی جمیع مافیه مستخرجة من کتب مشهورة علیها المعقول

"بلکہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ من لا یحضرہ الفقیہ میں ایسی چیزیں لاؤں جن سے فتویٰ دے سکوں اور اس کی صحت کا حکم دے سکوں اور میرا اعتقاد ہو کہ یہ میرے اور میرے پروردگار کے درمیان حجت ہے اور سب کچھ اس میں ان مشہور کتابوں سے لیا گیا ہے جن پر اعتماد اور اعتبار ہے۔

جواب ۵۲۸:۔ شیخ صدوقؒ کی من لا یحضرہ الفقیہ کی محنت قابل قدر اور

لائق احسان) ہے لیکن آپ نہ ہی امام تھے اور نہ ہی معصوم لہٰذا ان کے اس تعارفی
بیان سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ جو کچھ انہوں نے من لا یحضرہ الفقیہ میں جمع فرمایا
اس میں ان سے سہو نہیں ہو سکا البتہ ان کی خلوص نیتی پر شبہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔
باقی انہوں نے کہیں بھی وہ حدیث نقل نہیں فرمائی جو جناب ابوبکر سے مروی کی گئی
ہے اور جو ارشاد زیر بحث ہے اس سے انبیاء کی وراثت کا مسئلہ ہمارے عقائد کے
مطابق طے قرار پاتا ہے۔ یہ علم کی تحصیل اور علماء کی فضیلت سے متعلق ہے اور ہوس
زر کی تنقیص کرتی ہے اس حدیث سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی ہے کہ نہ ہی انبیاء
کا کوئی وارث ہوتا ہے اور نہ ہی انبیاء کسی کے وارث ہوتے ہیں اور ان کا ترکہ صدقہ
ہوتا ہے ورنہ یہی الفاظ ثبوت دیجئے۔

اعتراض ۵۲۹ :۔ جبکہ یہ حدیث اصول کافی ص ۱۶ میں موجود ہے
اور اس کی توثیق امام مہدی نے غار شریف میں کر دی ہے تو انکار کیسا؟

جواب ۵۲۹ :۔ اصول کافی والی حدیث کا جواب دیا جا چکا ہے کہ وہ ابوالبختری
سے مروی ہے جو دشمن اہل بیت اور جھوٹا تھا۔ امام مہدی کی توثیق امر مسلمہ نہیں ہے
البتہ علماء و فقہاء کی وراثت علمیہ والی حدیث صحیح ہے۔

اعتراض ۵۳۰ :۔ کیا امام مہدی اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ
اصول کافی میں غیر معتبر احادیث شریف بھی موجود ہیں پس اگر یہ قول
حقیقت کا ترجمان ہے تو لامحالہ امام مہدی علیہ السلام کے قول کو
خلاف واقع کہنا پڑے گا۔ جو کہ مہدویت اور معصومیت کے شان کے
خلاف ہے۔

جواب ۵۳۰ :۔ ہم بار بار اس بات کو دہرا رہے ہیں کہ امام مہدیؑ کی

توثیق امر مسلمہ نہیں ہے تو پھر اس تکرارِ فضول سے کیا حاصل ؟

اعتراض ۵۳۱ :- اگر ایک امام کسی حدیث کی کتاب کو معتبر بتائے اور غیر امام اس کی ایسی تنقیحات پیدا کر دے جو کہ شانِ امام کے خلاف ہو تو فرمایئے غیر امام کا ایمان بحال رہے گا یا نہ ۔ ہر دو شقوں پر با دلائل روشنی ڈالئے ۔

جواب ۵۳۱ :- جب امام کا کتاب کو معتبر قرار دینا پایہ ثبوت ہی کو نہ پہنچتا ہو تو پھر عند التحقیق معاملہ سے دلیل قائم کرنا کس طرح معقول بات ہو سکتی ہے ۔ اس اعتراض کی گنجائش اس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب ہم امام کی تصدیق کو تسلیم کرتے ہوئے غیر امام کی بات کو قبول کر لیں ۔ افسوس ہے کہ محض غیر محقق الزام خواہ مخواہ ہمارے سر منڈھا جا رہا ہے جبکہ خود کلینی نے اپنے مقدمہ میں ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا بلکہ ہر طرح کی احادیث کا مجموعہ قرار دیا ہے ۔

اعتراض ۵۳۲ :- اگر قولِ وراثت بزعم شیعہ صحیح ہے تو صرف بنت الرسول کی وراثت کا کیا معنے ۔ اس لحاظ سے تو جملہ امہات المومنین بالخصوص سیدہ کونین حلیلۂ حبیبِ خدا سیدہ عائشہ رض سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہن حضرت عباس رض وغیرہ کے متعلق وراثت کے لحاظ سے کیوں اغماض سے کام لیا جا رہا ہے ؟

جواب ۵۳۲ :- جب ہم وراثت کے قائل ہیں تو پھر سب کی وراثت تسلیم کرتے ہیں ۔ کسی سے اغماض نہیں کیا جاتا ہے مگر یہ افسوس ہے کہ حکومت نے دیگر لوگوں کو تو اُن کے حصوں سے بھی زائد ادا کر دیا مگر سیدہ طاہرہ ؑ سے سب کچھ چھین

لیا چونکہ سیدہ پر ظلم ہوا اس لئے مظلومہ کی وراثت کو اہمیت حاصل ہے جبکہ ازواج و دیگر لوگوں کو حکومت کی سختیاں برداشت نہیں کرنا پڑی ہیں۔

اعتراض ۵۳۳:۔ معین کیجئے کہ سیدہ کا مطالبہ ہبہ کا تھا یا وراثت کا۔ اگر ہبہ کا تھا تو ہبہ بخش ہو جانے کے بعد واہب کی ملک سے نکل جاتا ہے پس اس لحاظ سے فدک حضور علیہ السلام کے قبضے میں نہ رہا اور وفات پائی تو اس مال سے وراثت کا جاری ہونا بعید از قیاس رہیگا

جواب ۵۳۳:۔ دراصل فدک کے بارے میں سیدہؑ کا مطالبہ ہبہ ہی کا تھا اور حضورؐ کی حیات ہی میں سیدہؑ قابض تھیں مگر جب آپ کے ہبہ نامہ کو قبول نہ کیا گیا اور گواہوں کی گواہیاں جھٹلا دی گئیں تو سیدہؑ نے وراثت کا مطالبہ کیا۔ حضورؐ تو قبضہ عطا فرما چکے تھے مگر حکومت نے بے دخل کرنے کے اقدام کئے اور وثیقہ تک کو جھوٹا سمجھا۔

اعتراض ۵۳۴:۔ اور اگر وراثت کے طور پر سوال کیا تھا تو وراثت کا تقاضا یہ ہے کہ مال موروث کے قبضے میں مدۃ العمر تک قبضے میں رہے تو ہبہ کا قول خلاف عقل ہے بہر حال جواب درکار ہے۔

جواب ۵۳۴:۔ جب حکومت نے فدک سے سیدہ کے وکیل کو نکال دیا اور قبضہ جمایا تو اس کا موقف یہ تھا کہ فدک ہبہ نہیں کیا گیا بلکہ حضورؐ کے قبضہ میں تھا لہٰذا حکومت کی اس ناانصافی کے خلاف سیدہؑ نے احتجاج کر کے دعویٰ وراثت کیا اور حاکم وقت لاجواب رہ گیا اور سوائے ایک وضعی حدیث کے کوئی چارہ نظر نہ آیا جب یہ داؤ بھی نہ چلا تو مجبوراً تحریر لکھ دی مگر مشیر خاص نے اسے چاک کر دیا۔

اعتراض ۵۳۵:۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ پہلے سیدہ طاہرہ نے ہبہ کا دعویٰ کیا تھا جب سند پھاڑ ڈالی گئی تو پھر وراثت کا دعویٰ کیا تو سوال یہ ہے کہ کیا اس سے سیدہ کے تقوے و دیانت نیز علم و فہم پر تو معاذ اللہ حرف نہیں آتا جبکہ ہبہ بعد الہبہ رفع الملک کو مقتضی ہے اور ورثہ بقاء الملک کے

جواب ۵۳۵:۔ ہبہ کے مطالبہ میں ناکامی کے بعد سیدہ کا دعویٰ وراثت ان کے کمال علم و معاملہ فہمی کی دلیل ہے اور اپنے حقوق کو غاصب سے حدود شرعی میں طلب کرنا تقویٰ و دیانت کے ہرگز منافی نہیں ہوتا ہے۔ جب سیدہؑ کو مطالبہ ہبہ پر جھوٹا قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ ملک واہب کے قبضہ میں تھی تو ورثہ بقاء الملک بزبان غاصب تسلیم ہو گیا لہٰذا اسی کے قول کے مطابق سیدہؑ نے وراثت کا دعویٰ کیا اور فریق مخالف کی اس ترکیب کو خاک میں ملا دیا کہ نبی کے وارث نہیں ہوتے اگر یہ حدیث درست ہوتی تو سیدہؑ کبھی ایسا مطالبہ نہ کرتیں۔

اعتراض ۵۳۶:۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ ابن قتیبہ نے الامامت و السیاست ص۱۵ میں سیدہ طاہرہ کا قول نقل کیا ہے:۔

قالت فاطمۃ لابی بکر و عمر	"سیدہ فاطمہ نے ابوبکر و عمر سے
اسخطتمانی وما ارضیتمانی	فرمایا کہ تم نے مجھے ناراض کیا ہے
ولئن لقیت النبی لاشکونکما	اور راضی نہیں کیا البتہ اگر میں
الیہ۔	حضورؐ سے ملی تو تمہاری شکایت کروں گی"۔

تو سوال یہ ہے کہ کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ مذکورہ کتاب کسی

اہل سنت معتبر عالم کی تصنیف ہے نیز یہ کہ جب ابن قتیبہ کے شیعہ
ہونے کے متعلق ہمارے علماء نے یہ تصریح فرما دی ہے کہ وہ شیعہ تھا
پھر خواہ مخواہ مغالطے میں ڈالنے کا کیا فائدہ۔ ملاحظہ فرمائیے:

"وابن قتیبہ صاحب المعارف الذی ہو رافضی عنید" (المنحۃ الالٰہیہ ص۳۳)

ابن قتیبہ صاحب المعارف کٹر شیعہ ہے۔

جواب ۵۳۶: آپ کی طرف سے انکار کتب وعلماء کا یہ حال ہے کہ آج
بخاری ومسلم جیسے لوگوں کو بھی سبائی کہا جاتا ہے اور تمام اسلامی لٹریچر کو شیعوں کی
تصنیف وتالیف قرار دے دیا ہے۔ اب ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں قرآن سے بھی انکار نہ
کر دیں۔ رہی بات کتاب "الامامت والسیاست" کی تو اس کتاب کا آغاز ہی حضرت ابوبکر
وحضرت عمر کی فضیلت سے ہوتا ہے اور پہلی روایت ہی جنت کے بڈھوں کے سرداروں
سے ہیں والی نقل کی گئی ہے جو کہ شیعہ عقائد کے خلاف ہے لیکن آپ کی عادت ہے کہ
جہاں کہیں کسی کے قلم سے کوئی ایسی بات قدرتاً نکل جائے جو آپ کے عقائد کے خلاف
ہو تو فوراً اس پر رافضی ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے حالانکہ عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ
کی توثیق حضرت عمر کے وکیل خاص علامہ شبلی نعمانی بایں الفاظ کرتے ہیں:

عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ المتولد ۲۱۳ھ المتوفی ۲۷۶ھ۔ یہ نہایت نامور
اور مستند مصنف ہے محدثین بھی اس کے اعتماد اور اعتبار کے قائل ہیں (الفاروق دیباچہ)

اس کے علاوہ علامہ ابن خلکان نے اپنی وفیات الاعیان میں اسے فاضل عالم، ثقہ،
اور قابل اعتبار لکھا ہے نیز ملاحظہ کیجئے شرح زرقانی علی مواہب لدنیہ الجزء الاول
ص۲۷ وغیرہ۔ اب اگر آپ انکار کتب وعلماء کرتے کرتے یہاں تک آگئے ہیں کہ متن قرآن
بھی آپ کے لئے دلیل نہیں رہا بلکہ صرف ترجمہ کے قائل ہیں جیسا کہ مسٹر محمود عباسی و
عزیز احمد صدیقی وغیرہ کا خیال ہے تو پھر اس کا علاج میرے پاس نہیں ہے کہ جہلا کے

لئے بہترین جواب خاموشی ہوا کرتا ہے ۔

اعتراض ۵۳۷: آپ حضرات میں سے کوئی شخص یہ ثابت کر سکتا ہے کہ سیدنا ابی بکر الصدیق نے بنت الرسول سے فدک چھین کر اپنی بیٹی سیدہ عائشہ کے حوالے کیا ہو۔

جواب ۵۳۷: حضرت ابوبکر یا حضرت عمر کا سیاسی تدبر ان کے دشمنوں سے بھی خراج تحسین حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتا انہوں نے اپنی سیاسی بنیادیں اس قدر سوچ سمجھ کر استوار کی ہیں کہ انسانی مکر و تفکر حیران رہ جاتے ہیں ۔ اگر حضرت ابوبکر سیدہ ؑ سے چھینا ہوا فدک اپنی کسی بیٹی کو دے دیتے تو یہ ان کی سیاسی فاش غلطی ہوتی اور اس وقت کے سیاسی حالات اس عمل کو کبھی برداشت نہ کرتے ایک طرف بنی ہاشم کی مخالفت تیز ہو جاتی تو دوسری طرف ان کو اس آمدنی سے ہاتھ دھونا پڑتا جس کے ذریعہ سے انہوں نے لوگوں کو ہمنوا بنایا اور پھر تاریخ میں ان کی نیک نامی کو مزید بٹہ لگتا ۔ لہٰذا بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے حضرت ابوبکر صاحب نے ایسا قدم نہ اٹھایا۔ مگر انہوں نے اپنی بیٹی کی معاشی حالت کا خاص خیال رکھا اور یہ ہی عمل ان کے جانشین نے پلے باندھے رکھا ۔ لہٰذا حضرت عائشہ کی مالی حالت بہت مستحکم تھی البتہ زمانہ عثمان میں بی بی صاحبہ کی آمدن میں کمی واقع ہوئی تو آپ نے فتویٰ دیا کہ عثمان کافر ہو گیا ہے اس نعثل کو قتل کر دو (احمد بن حنبل) چنانچہ ہم قارئین کو ام المومنین کی جائداد کی ایک معمولی جھلکی صحیح بخاری سے دکھاتے ہیں جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ بی بی صاحبہ کس قدر متمول تھیں ۔ امام بخاری روایت لکھتے ہیں کہ "اسماء بنت ابوبکر نے قاسم بن محمد اور عبداللہ بن ابی عتیق سے کہا کہ مجھے اپنی بہن عائشہ کے ترکہ میں غابہ میں کچھ جائداد ہاتھ آئی تھی معاویہ اس کے بدلے میں ایک لاکھ روپیہ دیتے تھے (مگر میں نے نہیں بیچی) یہ جائداد تم دونوں لے لو ۔ (ترجمہ علامہ اہلحدیث مولوی وحید الزمان صاحب کا ہے)

غابہ ایک گاؤں کا نام ہے جو مدینہ سے متصل تھا وہاں بی بی عائشہ کا کچھ حصہ تھا زمین میں (حاشیہ بخاری)

اب قریشی صاحب بتائیں کہ جب رسولؐ نے کوئی ترکہ نہیں چھوڑا ۔ جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہوا اور بی بی صاحبہ کو صرف نان ونفقہ ہی ملتا تھا تو یہ ایک لاکھ روپے کی زمین کہاں سے آگئی اور کون سی شرعی دلیل سے آپ کے قبضہ میں تھی نیز کس شرعی دلیل سے بی بی عائشہ کو دس ہزار درہم کا عطیہ ملا کرتا تھا کیا لا نورث والی حدیث جناب بی بی صاحبہ پر حاوی نہ تھی ۔ مزید اطمینان کے لئے ملاحظہ کیجئے صحیح بخاری ترجمہ مطبع احمدی لاہور کتاب الہبہ باب ہبۃ الواحد للجماعۃ صـ۳۱۴ سطر آخر پارہ دسواں ۔ تیسیر الباری ترجمہ صحیح البخاری وغیرہ

اس روایت میں آپ نے بی بی عائشہ کی جائداد میں سے کچھ کی مالیت جو کہ ان کی بہن کے ہاتھ آئی کا اندازہ لگایا اب ذرا ان کے (ابوبکر کے) داماد حضرت زبیر کی دولت کا نظارہ فرمائیے صحیح بخاری میں ہے کہ

"عبداللہ ابن زبیر نے (اپنے باپ زبیر کا ترکہ بعد ادائے قرض) تقسیم کیا ۔ زبیر کی چار بیویاں تھیں باوجودیکہ تیسرا حصہ وصیت کا نکالا گیا جب بھی ہر بی بی کو بارہ بارہ لاکھ ہاتھ آئے اور کل جائداد زبیر کی پانچ کروڑ دو لاکھ کی ہوئی (صحیح بخاری ترجمہ مولوی وحید الزماں پ۱۲ صـ۸۱ کتاب الجہاد و السیر باب برکتہ الغازی فی مالہ حیاً و میتاً مع النبی صلعم) اب قارئین ذرا غور کریں کہ حضرت زبیر داماد ابوبکر کو یہ کروڑوں روپے کی جائداد کیسے حاصل ہوئی ۔

اس قدر کثرت و فراوانی زر کی صورت میں فدک کا حضرت عائشہ کو دینا بے فائدہ تھا ۔ حالانکہ دوسرے ذرائع سے ان کی مالی حالت کو مستحکم بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی ۔

اعتراض ۵۳۸ :۔ اگر یہ فکر کیا جائے جیسا کہ فلک النجاۃ صـ۳۹۲

میں کیا گیا ہے کہ کیا صاحب البیت حدیث عدم توریث کو نہیں جانتے تھے صرف ابوبکر جانتا تھا تو سوال یہ ہے کہ کس نے کہا ہے کہ نہیں جانتے تھے اور کون کہتا ہے کہ اس حدیث کے راوی صرف ابوبکر صدیق ہی ہیں صاحب منتقی نے تصریح فرمائی ہے:

رواہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر وعمر وعثمان وعلی و طلحۃ وزبیر وسعید وعبدالرحمن بن عوف والعباس وازواج النبی صلعم وابو ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔	اس حدیث کو حضور علیہ السلام سے ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ وطلحہؓ زبیرؓ سعیدؓ عبدالرحمٰنؓ بن عوف، عباسؓ اور حضور علیہ السلام کی ساری گھر والیوں نے اور حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے۔

پس دروغ بیانی کا کیا فائدہ؟

جواب ۵۳۸:۔ اگر یہ مُصر ہیں کہ اس حدیث کا راوی سوائے حضرت ابوبکر اور کوئی نہیں ہے تو آپ سے گزارش ہے کہ عائشہ و ابوبکر کے علاوہ ہر ایک راوی سے مروی یہ حدیث مع مکمل حوالہ نقل فرما دیجئے۔ یہ حوالہ جات صحاح ستہ میں سے ہونے چاہئیں اور روایت کے لئے ضروری ہے کہ وہ مرفوع ہو اس کے اسناد مکمل ہوں اور تمام راوی ثقہ ہوں ان میں حضرت ابوبکر و عائشہ نہ ہوں اگر آپ ایسی روایات دکھا دیں گے تو ہم فی روایت از مختلف راوی ایک سو روپیہ نقد انعام پیش کریں گے۔ مگر بصورت ناکامی ہم پر دروغ بیانی کا الزام واپس لے کر اپنے جھوٹ کا اقرار کر لیجئے۔

اعتراض ۵۳۹:۔ اگر یہ فکر کیا جائے کہ ابوبکرؓ نے فدک اس لئے

نہیں دیا تھا کہ ان کو قرابت رسول مقبول سے عناد (سے عناد) تھا تو سوال یہ ہے کہ آخر اس طوطا چشمی کا کیا فائدہ جبکہ کتاب فضائل الصحابہ بخاری ص۶۲ باب ۱۲ جلد ۴ و ص ۲۰۹ و ص ۲۱ اسی طرح کتاب المغازی باب غزوۂ خیبر ص ۸۲ ج ۵ میں صدیق اکبر کا قول موجود ہے:

فتكلم ابوبكر فقال والذی نفسی بيده لقرابة رسول الله احب الی ان اصل من قرابتی۔

"پس ابوبکرؓ نے جواب دیا مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ حضور علیہ السلام کی قرابت مجھے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ تعلق قائم کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔"

جواب ۵۳۹: معترض کا یہ مکر بالکل ایسے ہی ہے کہ کوئی مسلمان کسی منافق کی صفائی پیش کرتے ہوئے کہہ دے کہ آخر اگر اس منافق کو رسول اللہ سے دشمنی یا عناد تھا تو پھر اس نے کلمہ رسول کیوں پڑھا۔ نمازیں کیوں ادا کیں اور جہاد میں کیوں گیا بہر حال حضرت ابوبکر نے فدک اور دیگر ذرائع آمدنی اہلبیتؑ میں دخل اندازی اس لئے کی کہ آپ کو اہل بیتؑ میں سے خصوصاً علی علیہ السلام کی طرف سے سیاسی خطرہ تھا اور حضرت نے سب سے پہلے دانائی بھری دشمنی یہ کی کہ ان کو مالی لحاظ سے مفلوک الحال بنا دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا لیکن یہ کام بھی سیاست پر گہری نظر رکھتے ہوئے کیا گیا۔ چنانچہ زبانی چکنی چپڑی چپڑی باتیں بھی کی جاتی رہیں لیکن خفیہ کانٹا صاف کرنے کی تدابیریں سوچی جایا کرتی تھیں کبھی احراق خانہ کا منصوبہ بنتا تھا اور کبھی قتل پر کرایہ کے غنڈے خریدے جاتے تھے۔ جیسا موقع ہوتا ویسی چال ہوتی۔ پہلے زخم لگا کر گھائل

کیاجاتا پھر ٹسوے بہا کر ہمدردی جتائی جاتی تھی تاکہ ایک تیر سے دو نشانے کرنے میں ہر رکاوٹ دور ہو جائے بس اور کیوں کر کہوں صرف یہ کہتا ہوں کہ حضرت صاحب کا احساس ایسا تھا کہ لینے دینے کے سر میں خاک محبت پاک ۔ ایسی ہی محبت تھی کہ رسولؐ کے قرابت داروں سے وقتی طور پر زبانی محبت کا اظہار اور اپنے قرابداروں کو مالی نوازشات!

اعتراض ۵۴ :۔ کتاب فرض الخمس صحیح بخاری پ ۱۳ ج ۴ ص ۴۳

میں ابوبکر صدیقؓ کا قول موجود ہے :

لست تارکا شیئا کان رسول اللہ یعمل بہ الا عملت بہ فانی اخشی ان ترکت شیئا من امرہ ان ازیغ ۔	"میں نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی کہ حضور علیہ السلام اس پر عمل کرتے ہوں تو میں نے کیا ہے مجھے خوف ہے کہ اگر میں نے حضور کے کسی حکم کی تعمیل نہ کی تو میں تباہ ہو جاؤں گا ۔

فرمائیے سیدنا ابوبکر نے بسبب عناد وراثت تقسیم نہ فرمائی یا بر عایت حکم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ۔

جواب ۵۴ :۔ حضرت علی علیہ السلام کا شوریٰ کے وقت سیرت ابوبکر کی پیروی کرنے سے انکار کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ جناب ابوبکر کا قول حقیقت پر مبنی نہیں ہے ۔ ہم صرف فدک ہی کو لے لیتے ہیں کہ عمل رسول سے ہبہ بنام سیدہؑ ثابت ہے جبکہ حضرت ابوبکر نے اس کے خلاف عمل کرتے ہوئے سیدہؑ کو بے دخل کیا ورنہ ثابت کیا جائے کہ حضورؐ کی حیات میں فدک کی حیثیت ایسی تھی جس طرح حضرت ابوبکر نے کرلی جبکہ یہ خالصہ رسولؐ تھا اور آپؐ نے اسے سیدہؑ کو بخشا ۔

چونکہ وراثت کی تقسیم کا کوئی حکم بزبان رسولؐ ثابت نہیں ہے اس لئے عمل ابوبکر بر عایت حکم رسولؐ ہرگز نہ تھا بلکہ بسبب عناد تھا۔

اعتراض ۵۴۱:۔ کیا سیدہ پر یہ بہتان کہ وہ شکایت حضور علیہ السلام کے سامنے کریں گی نصوص صریحہ کے معارض نہیں کیونکہ قرآن مجید سورۂ یوسف میں ہے:

انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ "میں اپنے رنج و غم کی شکایت خدا تعالیٰ کی طرف کرتا ہوں"

دعائے موسیٰ علیہ السلام میں ہے:۔

اللھم لک الحمد والیک المشتکی "اے اللہ تیرے لئے حمد ہے
انت المستعان وبک المستغاث تیری طرف ہماری شکایت ہے
وعلیک التکلان۔ تو مددگار ہے اور تیری طرف فریاد ہے اور تجھی پر توکل ہے۔

اگر بقول شما سیدہ کا وہ قول مندرجہ الامامتہ والسیاست صحیح ہے تو ان نصوص کا جواب دیجئے۔

جواب ۵۴۱:۔ خدا کا حکم ہے کہ تم اپنے باہمی تنازعات خدا اور رسولؐ کی طرف لوٹاؤ اور پھر اللہ کا فیصلہ ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔ پس ثابت ہوا کہ رسول کے سامنے شکایت کرنا دراصل خدا ہی کے سامنے شکایت کرنا ہے کیونکہ سورۂ نساء میں واضح حکم ہے کہ پس نہیں ہوں گے آپ کے رب کی قسم (لوگ) نہیں ایمان لاتے ہوں گے جب تک وہ اپنے باہمی جھگڑوں میں آپ،

کو حکم نہ تسلیم کریں" پس سیدہ کا اپنے تنازعہ کو عدالتِ محمدیہ میں پیش کرنا بمطابق حکم قرآن ہے اور جناب یعقوبؑ و جناب موسیٰؑ سے متعلقہ آیات کے مطابق سیدہ کا بحضور رسالت مآبؐ شکایت کرنا متعارض نہیں ہے جبکہ پیغمبرؐ کی طرف رجوع دراصل خدا کی طرف رجوع ہے اگر آپ بارگاہ رسالتؐ میں شکایت کرنا خلاف شریعت سمجھتے ہیں تو حکم ممانعت کے ثبوت میں نص پیش کیجیے جبکہ حضور شفیع المذنبین ہیں۔

اعتراض ۵۴۲: اگر یہ ملکر کیا جائے کہ صدیق اکبر نے فدک نہ دیکر اتنا گناہ کیا کہ جس کی پاداش میں سیدہ نے اپنے جنازہ میں بھی داخل نہ ہونے دیا تو سوال یہ ہے کہ اگر یہ وصیت تسلیم کر لی جائے تو کیا اسے کمال ستر و حجاب پر محمول کرنا بہتر ہوگا یا اظہار ناراضگی پر۔

جواب نمبر ۵۴۲: اگر آپ یہ ملکر کر لیتے ہیں کہ جنازے پر نہ آنے کی وصیت کمال ستر و حجاب پر محمول ہے تو پھر بتایئے اُم المومنین بی بی عائشہ کیلئے ایسی وصیت کس لئے کی گئی اور دفن و نماز میں حضرت عمارؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت زبیر، حضرت ابوذرؓ، حضرت بریدہؓ، حضرت سلمانؓ وغیرہ کی شرکت پر کیوں پابندی نہ ہوئی۔ خصوصاً شیخین اور ان کے ہم مشربوں کے لئے ایسی وصیت ثابت کرتی ہے کہ اس کا مقصد اظہار ناراضگی تھا۔ کیونکہ دیگر لوگ اصحاب رسول تھے مگر حضرات شیخین کو تو سیدہ کا "نانا" ہونے کا بھی اعزاز حاصل تھا۔

اعتراض نمبر ۵۴۳: اگر کمال ستر پر محمول ہے تو وہ مطابق واقع ہے کسی کو اس کے خلاف پر اصرار نہیں ہے اور اگر اظہار ناراضگی پر محمول کیا جائے تو سوال یہ ہے کہ اس قسم کی وصیت کی حضرت سیدہ سے توقع بھی کی جا سکتی ہے۔

جواب نمبر ۵۴۳: ایسی وصیت جو اظہار ناراضگی پر محمول ہو ماں لینے میں آخر کیا قباحت ہے۔ ایسا سوشل بائیکاٹ تو اللہ نے منافق کے جنازہ میں شرکت سے منع کر کے بتایا ہے اور اگر اسی حکم کو الٹ لیا جائے تو نتیجہ برابر ہوگا یعنی نہ ہی منافق کے جنازے میں شرکت کرو اور نہ ہی اپنے جنازے پر منافق کو آنے دو۔

اعتراض نمبر ۵۴۴: کیا یہ وصیت عمل سید الرسل کے خلاف نہیں جبکہ آپ نے اپنے جنازے سے کسی کو منع نہیں فرمایا تھا کیا آپ لوگ ایسی خفیف باتیں بھی سیدہ کیطرف منسوب کرنیکے عادی ہیں؟

جواب ۵۴۴: کیا آپ کوئی ایسی ممانعت بزبانِ رسولؐ ثابت کر سکتے ہیں کہ جنازہ پر آنے سے منع کرنے کی وصیت شریعت کے خلاف ہے۔ جب حکم امتناع ہی نہیں ہے تو ممانعت کیسی؟ باقی حضورؐ تو علم نبوت سے جانتے تھے کہ لوگ خود ہی آپؐ کا جنازہ چھوڑ کر تخت کے پیچھے بھاگ جائیں گے اس لئے وصیت کی ضرورت ہی نہ رہی۔ بلا وصیت ہی لوگ اس عزت سے محروم ہو گئے۔ کیونکہ از روئے قرآن رسولؐ اور منافق کا ساتھ دائمی نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۵۴۵: اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اگر سیدہ کو حق دینا ناجائز تھا بروایت حدیث لانورث تو ابو بکر صدیق نے خچر، تلوار اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمامہ (دستار) حضرت علی کو کیوں دیا تھا۔ تو سوال یہ ہے کہ ذرا تحقیق تو فرمایئے کہ سیدنا ابو بکر صدیق نے سیدنا علی مرتضیٰ کو یہ چیزیں دی تھیں یا ان کے پاس رہنے دی تھیں اور یہ ترک یا ترک عند علی برائے تصرف تھا یا برائے تملیک تھا؟

جواب ۵۴۵ :- جس طرح مذکورہ تبرکات حضرت علیؑ کے تصرف و قبضہ میں تھے اسی طرح فدک بھی سیدہؑ کے قبضے میں تھا۔ جس طرح تبرکات رہنے دیئے گئے اسی طرح فدک بھی سیدہؑ کے پاس ہی رہنا چاہیئے تھا۔ حضورؐ نے اپنا عمامہ (تاج) حضرت علیؑ کو دیکر ثابت کیا کہ یہ میرا ولی عہد ہے اور وارث دستار ہے عمامہ دیکھ کر ہی حضرت ابوبکر کچھ خیال کر لیتے۔ اگر یہ تبرکات برائے تصرف تھے تو پھر حکومت نے صدقہ قرار دیتے ہوئے کیوں نہ واپس لیے۔ اگر یہ چیزیں ترکہ ہو کر صدقہ نہیں ہیں تو پھر فدک کیوں؟ شاید اس کی مالیت زیادہ ہے اس لیے۔

اعتراض نمبر ۵۴۶ :- اگر یہ کہا جائے کہ ثعلبی نے عرائس المجالس میں لکھا ہے کہ ورث سلیمان داؤد یعنی نبوتہ و حکمتہ و علمہ و ملکہ۔ جیسا کہ فلک النجاۃ صہ ۲۹۶ میں کیا گیا ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سے وراثت مالی مراد لینا کیا آپ کے جہل کی دلیل نہیں جبکہ عبارت کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ بیٹا باپ کی طرح بادشاہ بنا اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہ وراثت سیدنا سلیمان علیہ السلام کے بغیر کسی کو نہ ملی؟

جواب ۵۴۶ :- آپ مہربانی کر کے وہ الفاظ بتائیں جن کا مطلب یہ ہے کہ وراثت سیدنا سلیمانؑ کے بغیر کسی کو نہ ملی۔ باقی چونکہ حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے بڑے صاحبزادے تھے لہٰذا نبوت و علم و حکمت اور تخت حکومت کے وارث آپ ہی قرار پائے۔ اور ہم نے گذشتہ اوراق میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے والد کی ملک خاص سے حصہ وراثت پایا ہے۔

اعتراض نمبر ۵۴۷ :- اگر فلک النجاۃ صہ ۲۹۷ ج ۱ کا حوالہ دیکر کہا جائے

کہ خاف ذکریا ان پر ثوالہ سے معلوم ہوا کہ وراثت مالی مراد ہے تو سوال یہ ہے کہ یہاں کیا یہ مطلب نہیں کہ قوم میرے مال پر قابض ہو جائیگی۔

جواب ۵۴۷: چلئے آپ کی بات بڑی صحیح مگر یہ تو بتائیے جب مال صدقہ ہے اور قوم ہی کا ہے تو پھر خوف کی کیا ضرورت ہے۔ قابض ہو جائیگی تو ہوتی رہے ایسا خوف محسوس کرنا دلیل ہے کہ مال نبیؑ پر قبضہ جمانے والی قوم سے اللہ کے نبی کو خدشہ و خوف ہوتا ہے۔ فافہم۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ وہ خدشہ حیات نبی کے زمانہ میں متوقع تھا تو پھر اور بھی خطرناک صورت ہوگی کہ نبی جبکہ حق ملکیت ہی نہیں رکھتا بلکہ صرف متصرف ہے اور اصلی مالک قوم ہے تو پھر حقیقی مالکوں سے غصب کا کیا ڈر؟

اعتراض نمبر ۵۴۸: اگر یہ مکر کیا جائے جیسا کہ فلک النجاۃ صد ۴۰۲ میں کیا گیا ہے کہ جابر کے کہنے پر تو بلا شہادۃ بحرین کے مال سے صدیق اکبر نے حضرت فاطمہ کو مالِ کثیر دے دیا تھا لیکن یہاں مسئلہ فدک میں کسی کی بھی گواہی منظور نہیں کی گئی تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہاں جابر کے دعویٰ کے خلاف حضور علیہ السلام کا ارشاد موجود نہیں ہے اور وہاں بطرق کثیرہ سرورِ کائنات کا ارشاد اجراء سلسلہ توریث سے مانع ہے فرمائیے آپ کے استدلال کی کیا قیمت رہی؟

جواب نمبر ۵۴۸: فلک النجاۃ میں حضرت جابر کے کہنے سے بی بی پاک کو مال کثیر دینا تو نہیں لکھا ہے۔ البتہ خود حضرت جابرؓ کو پندرہ سو کی رقم بلا اشتہام و گواہ ادا کرنا مرقوم ہے اور یہ روایت صحیح بخاری کی ہے۔ اب تقاضا انصاف یہ ہے کہ ایک صحابی کی محض زبان ہی پر دان

ہو رہا ہے جبکہ سیدہؑ کی دستاویز اور گواہوں کو بھی جھوٹا قرار دیا جاتا ہے۔ اس کی بنیاد ایک حدیث خود ساختہ بنائی جاتی ہے۔ جس کا راوی وہ شخص ہے جو فریق مقدمہ ہے۔ اگر انہیں بنیادوں پر یہ دعویٰ کسی عام عدالت میں پیش کیا جائے تو نتیجتاً حضرت ابوبکر کے انصاف پر عدل و انصاف ماتم کناں ہو جائیں گے ہمارا استدلال قرآن پر ہے اور آپ کا حدیث پر بتایئے فوقیت کس کو حاصل ہے ایک خلاف قرآن حدیث موضوعہ کو یا حکم الٰہی کو۔

اعتراض نمبر ۵۴۹:۔ فلک النجاۃ صفحہ ۴۰۶ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے سیدہ کو فدک بطور عطیہ کے دیا تھا تو سوال یہ ہے کہ جب فدک میں جملہ اقربا، یتامیٰ مساکین اور فقراء مہاجرین شریک تھے تو صرف سیدہ پر مشترک مال کا دان کرنا چہ معنی دارد؟

جواب نمبر ۵۴۹:۔ جائیداد فدک میں جملہ اقربا، یتامیٰ مساکین و فقراء کا حق ملکیت نہ تھا بلکہ خالصہ رسولؐ تھا۔ جس میں سے حضورؐ ان لوگوں کی امداد فرمایا کرتے تھے۔ اور جب سیدہؑ کے نام ہبہ ہو گیا تو آپ بھی ایسا ہی کرتی تھیں۔

مگر آج تک یہ نہ ہوا کہ مالک جائداد اگر اس کی آمدن میں سے صدقہ خیرات کرنا شروع کردے تو محتاجین اس جائداد کی تملیک میں حصہ دار قرار پا جائیں اگر اس اصول کو مان لیا جائے تو پھر سخاوت کی صفت ختم ہو جائے گی۔

اب اگر بقول شما فدک میں یتیموں مسکینوں اور فقیروں وغیرہ کو ملکیت کا حق تھا تو پھر بتائیے بی بی پاکؑ کے علاوہ بھی کسی شخص نے یتیم، مسکین فقیر نے فدک پر ملکیت کا دعویٰ کیا۔ جب مدعی ہی دعویدار نہیں تو پھر وکیل کی وکالت کا کیا فائدہ ہے جب مال مشترکہ ثابت نہیں بلکہ حضورؐ کی ملکیت ثابت ہے تو پھر اعتراض بے معنی ہے۔

اعتراض نمبر ۵۵:۔ کہا جاتا ہے کہ ابوبکر صدیقؓ نے ممبر پر فرمایا تھا

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان "بلاشبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

یعتصم بالوحی وان لی شیطان وحی کے ساتھ تمسک فرمایا کرتے

یعترینی فان استقمت فاعینونی اور بیشک میرے لئے شیطان ہے

زغت فقومونی (فقومونی) اگر میں سیدھا رہوں تو میری امداد کرنا اور اگر میں ٹیڑھا ہونے لگوں تو مجھے سیدھا کرنا۔

فرمائیے اس پر کیا اعتراض ہے کیا اس بات سے سیدنا صدیق اکبر کا اخلاص ثابت نہیں ہوتا۔

جواب نمبر ۵۵:۔ حضرت ابوبکر کے اس اعتراف پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ یہ انہوں نے بالکل سچ کہا ہے اعتراض مجھے حضرت ابوبکر کے مریدوں پر ہے کہ جو پیر ہدایت کے لئے مریدوں کا محتاج ہو وہ پیر کامل نہیں ہو سکتا ہے۔

اعتراض ۵۵۱:۔ اگر اس جملے پر اعتراض ہے کہ میرے لئے شیطان .... ہے تو کیا حدیث شریف میں وارد نہیں ہے:۔

ما من احدٍ الا وقد وکل بہ قرینہ من الجن وقرینہ من الملائکۃ۔
"کوئی انسان نہیں مگر اس کا ایک ساتھی جنوں سے بنایا گیا ہے اور ایک ساتھی فرشتوں میں سے"

جواب ۵۵۱:۔ نہ ہی ہم اس جملے پر معترض ہیں اور نہ ہی یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے غلط کہا۔ لہٰذا آپ کا اعتراض کرنا بے وجہ ہے۔ باقی از روئے قرآن کچھ مخصوص و مصطفیٰ ہستیاں ایسی بھی ہیں جن پر شیطان کا تسلط نہیں ہے جیسا کہ خود خدا نے بوقت اخراجِ ابلیس وعدہ فرمایا ہے۔

اعتراض ۵۵۲:۔ کیا حضرت نے یوں نہیں فرمایا:

ان الشیطن یجری فی الانسان کمجری الدم
"بلاشبہ شیطان میں انسان خون کی طرح چلتا ہے۔"

جواب ۵۵۲:۔ فرمایا ہے (بخاری)

اعتراض ۵۵۳:۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سیدنا ابوبکر صدیق رض نے بوجہ عدم معصومیت یہ بیان دیا ہے؟

جواب ۵۵۳:۔ ہوتا ہے تبھی تو ہم کہتے ہیں معصوم کا نائب معصوم ہونا چاہیئے اور حضرت ابوبکر معصوم نہ تھے۔

اعتراض ۵۵۴:۔ اگر سیدنا ابوبکر کا یہ قول پیش کیا جائے

اقیلونی فلست بخیرکم و علیؓ فیکم "میری بیعت مجھے واپس کر دو پس میں تم میں سے اچھا نہیں ہوں اور علیؓ تم میں ہے"

پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ خلیفہ کامل کی یہ پہچان نہیں کہ پبلک زور سے اُسے خلیفہ منتخب کرے اور اس کے دل میں رائی کے برابر بھی طمع نہ ہو۔ اگر یہ سچ ہے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیسا؟

جواب ۵۵۴:۔ خلیفہ برحق کو پبلک رائے کی احتیاج ہی نہیں ہوتی کیونکہ اس کا تقرر خدا کی طرف سے ہوتا ہے وہ جمہوری رائے کا پابند و محتاج نہیں ہوا کرتا اور اگر حضرت ابوبکر کا مقولہ ناقابل اعتراض ہے تو پھر آپ اس کی تردید کیوں کرتے ہیں اسے قبول کر لینے میں آپ کو کیا عذر ہے؟

اعتراض ۵۵۵:۔ کیا سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ نہیں فرمایا میری وزارت تمہارے لئے میری امارت سے بہتر ہے۔

جواب ۵۵۵:۔ حضرت علیؑ کے اس ارشاد اور حضرت ابوبکر کے اس قول میں زمین و آسمان کا فرق ہے حضرت نے ایسا اس وقت فرمایا جب دنیا نے حکومت کا تاج اُن کے قدموں میں مجبور ہو کر رکھ دیا اور حضرت ابوبکر نے وہ بات اس وقت کہی جب وہ تخت پر بیٹھے حکومت کے سربراہ تھے اور لوگ ان کو غاصب سمجھتے تھے اور علیؑ کو حقدار جانتے تھے لہٰذا یہ تقریر سیاسی حربہ کے تحت کی گئی اور خدا کی قدرت سے سچی بات زبان پر آئی۔ تدبیر الٹی ہو گئی جسے آج کل آپ سیدھا کرنے کی

فکر میں ہیں کہ بات بھی معقول مانتے ہیں اور اس سے انکار بھی کرتے ہیں۔

اعتراض ۵۵۶: جب ہمارے حضرات نے اس عبارت کی سند کے لحاظ سے تردید کردی ہے تو اعتراض کرنے کا کیا فائدہ جیسا کہ المنتہیٰ ص۳۷ میں ہے "ھذا کذب ولا لہ اسناد" یہ جھوٹ ہے اور اس کے لئے کوئی اسناد نہیں ہے۔

جواب ۵۵۶: آپ حضرات نے کس بات کا انکار نہیں کیا مگر حقیقت صرف انکار کر دینے سے نہیں بدلا کرتی۔ جید جید علماء نے اس روایت کی موجودگی کا اقرار کیا ہے اور کتاب ابطال الباطل میں فضل ابن روز جیسے عالم نے اسے صحاح میں سے کہا ہے غزالی نے سر العالمین میں تسلیم کیا ہے اور سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامۃ میں لکھا ہے۔ (تشئید المطاعن ص۱۵۱)

اعتراض ۵۵۷: اگر یہ کہا جائے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ السلام نے کبھی بھی والی بناکر نہیں بھیجا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہجرت کے نویں سال حج کا امیر سید الرسل نے کس کو بنا کر فرمایا تھا۔ نیز بتائیے فضیلت امیر بنا کر بھیجنے میں ہے یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں رہ کر شرف زیارت حاصل کرنے اور جرعہ ہائی وصال پینے اور فیوضات نبوت سے مستفیض ہونے میں۔

جواب ۵۵۷: ہمیں ایسا اعتراض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی مواقع پر لوگوں کو امیر یا سردار بنایا ہے ایسی تقرری دلیل خلافت وامامت نہیں ہے۔ باقی رہ گئی فضیلت کی بحث تو فضیلت دراصل اطاعت

محبتِ رسولؐ سے منسلک ہے۔ حضرت کی اطاعت خواہ ان سے بظاہر دور رہ کر کی جائے یا قریب اس اطاعت کا خلوص و تقویٰ ہی باعث فضل ہوگا۔ اگر ایک جانثار رسولؐ کی عدم موجودگی میں حضورؐ کی محبت میں کمال فرمانبرداری کی مثال قائم کرتا ہے تو وہ اس صاحب سے یقیناً افضل ہوگا جو ساتھ رہ کر بھی رات کو رسولؐ کے قتل کے منصوبہ میں ملوث ہوتا ہے پس شرفِ زیارت پانا اسی وقت مفید ہوگا جب دل میں محبت اور نیت میں خلوص ہوگا اس لئے فضل کا تعلق ساتھ رہنے یا امیر بننے سے نہیں اطاعت مخلصہ سے ہے۔ (نوٹ: ہجرت کے نویں سال حضرت ابوبکر کو حج پر بھیجنا بالکل غلط ہے جبکہ بھیجا ہی نہیں تو امیر بنانا کیسا؟)

اعتراض ۵۵۸:۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق تو عمر فاروقؓ کا قول موجود ہے یعنی ابوبکرؓ کی بیعت جلدی ہوئی تو دریافت طلب امر یہ ہے اس جملہ میں صدیق اکبر کی خلافت کی کس طرح تردید ہو سکتی ہے جبکہ اس کا معنے یہ ہے کہ بیعت بلا پس و پیش ہوئی بغیر کسی انتظار کے ہوئی بغیر کسی تفریق کے ہوئی کیا اس میں صراحتہً صدیق اکبر کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی ہے

جواب ۵۵۸:۔ پہلے حضرت عمر کا قول سنئے "ابوبکر کی بیعت بلے سوچے سمجھے ناگہانی طور پر واقعہ ہوگئی تھی: اللہ نے اس کے شر سے بچالیا: اگر آئندہ کوئی اس طرح کرے تو اسے قتل کر دینا" (صواعق محرقہ ص۳۶) اب بتایئے اگر اس قول سے حضرت ابوبکر کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے تو پھر اس میں شائبہ شر کیوں مانا گیا اور اگر یہ بیعت دستوری جمہوری یا صحیح طریقہ پر عمل میں آئی تھی تو پھر اس کے اعادہ پر قتل کرنے کا فتویٰ حضرت عمر نے کیوں دے دیا حضرت عمر کا قتل کرنے کا حکم دینا ثابت کرتا ہے کہ بیعت ابوبکر فلتہ تھا اور اس کا ارتکاب مستوجب سزا ہے

موت ہے! لہذا تنقیص ثابت ہوئی نہ کہ فضیلت"

اعتراض ۵۵۹:۔ آپ کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہمیشہ کہا کرتے تھے: لیتنی کنت سالت رسول اللہ ہل للانصار فی هذا الامر حق! کاش کہ میں انصار کے متعلق حضورؐ سے پوچھ لیتا کہ امر خلافت میں کچھ ان کا بھی حق ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس میں خلافت صدیقی کی تردید ہوتی ہے کیا مطلب ظاہر نہیں کہ ابوبکر صدیق نے حضور سے پوچھا نہیں اور حضور نے ازسر خود بتایا نہیں اگر ضروری ہوتا تو حضورؐ اس مسئلے کو ہرگز ہرگز مخفی نہ رکھتے جب کہ نبوت چھپانے کا نام نہیں بلکہ ظاہر کرنے کا نام ہے

جواب ۵۵۹:۔ اگر حضرت ابوبکر حضورؐ سے پوچھے بغیر خود تخت حکومت پر قابض ہو سکتے تھے تو پھر آخر انصار کے لئے حکم ممانعت کی عدم موجودگی میں کون سی ایسی بات تھی جو وہ امر حکومت سے محروم رہ گئے جب کہ حضورؐ نے نہ ہی کسی مہاجر کو اپنا خلیفہ نامزد فرمایا اور نہ ہی انصار میں سے کسی کو بلکہ ہمیشہ حضرت علی کو اپنا قائم مقام بناتے رہے۔ دعوت ذوالعشیرہ کے موقعہ پر ہی خلافت علویہ کا اعلان فرما دیا اور پھر اکثر وہ لفظ حضرت علیؑ کے لیے ارشاد فرمایا جس سے آپ کا خلیفہ بلا فصل ہونا ثابت ہوتا ہے اور کار رسالت کا آخری کام حکم خدا سے علیؑ کو نامزد فرماتا ہوا۔ لوگوں نے عہد غدیر کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حضرت علیؑ کو حکومت سے محروم کر دیا حضورؐ نے اپنا فرض پورا کیا اور امت کو ثقلین کتاب و اہلبیت کے سپرد کیا مگر امت نے حضورؐ کے اس حکم کو فراموش کر کے ہدایت کو چھوڑ دیا اور ضلالت کے گڑھے میں گر گئی!

اعتراض ۵۶۰:۔ اگر یہ عبارت تسلیم کر لی جائے تو کیا اس میں سے صدیق اکبرؓ کے خلوص کا ثبوت نہیں ملتا۔

جواب ۵۶۰:۔ اس عبارت سے حضرت ابوبکر کے خلوص کا ثبوت اسی صورت میں مل سکتا ہے جب وہ کوئی ایسا ثبوت پیش کرتے کہ حضورؐ نے مجھے تو اپنا خلیفہ

بنایا ہے مگر انصارین کو اس شرف سے محروم رکھا ہے حالاں کہ نہ ہی کوئی حکم حضرت ابوبکر کے لیے تھا اور نہ ہی انصار کے لیے لہٰذا دونوں کا پلہ خالی اور برابر تھا البتہ انصار کے ساتھ یہ خلوص اس طرح ہوتا کہ انہیں بھی برابر کا شریک کار کیا جاتا جیسا کہ حضورؐ نے رشتہ اخوت قائم کر کے مساوات کا درس دیا تھا۔ لیکن یہاں تو انصار و مہاجرین میں سے کسی کو اختیار نہ تھا کہ معصوم نبی کا قائم مقام غیر معصوم شخص کو چن لیتے جب کہ یہ کام ہی خدا اور رسولؐ کا تھا امت کو خوامخواہ ٹانگ پھنسانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

اعتراض نمبر ۵۶۱: اگر یہ کہا جائے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو بوقت وفات فرمایا تھا: لیت امی لم تلدلی کاش کہ میری ماں نے مجھے نہ جنا ہوتا! تو کیا مجھے دریافت کرنے کی اجازت ہے کہ آپ ذرا صدیق اکبر کے متعلق بوقت وفات یہی جملہ بروایت صحیحہ و بسند مستند ثابت تو کر دکھائیے

جواب نمبر ۵۶۱:۔ اگر یہ قول صحیح اور مستند نہیں ہے تو پھر اگلے اعتراض ہی میں آپ نے اسے تقویٰ کی علامت کیوں قرار دیا ہے! اب اگر آپ حضرت ابوبکر کو صفت تقویٰ سے خارج کرنے ہی پر آمادہ ہیں تو میں مان لیتا ہوں کہ یہ انہوں نے نہیں کہا ہوگا! باقی اس کی روایت و درایت کے چکر میں مغز ماری کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے! کیوں کہ اس فقرہ کو ہمارے ہاں کوئی اہمیت ہی حاصل نہیں ہے البتہ تشئید المطاعن میں یہ جملہ لکھا گیا ہے تفصیل اصل کتاب میں ملاحظہ فرما لیجیے

اعتراض نمبر ۵۶۲:۔ نیز اگر تسلیم کر لیا جائے تو کیا!

ان اکرمکم عند اللہ اتقکم! بے شک خدا تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہی ہے جو تم میں سے خدا کا خوف زیادہ رکھتا ہو! کا نمونہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کلمات سے پیش نہیں فرمایا

آخر بات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کا کیا فائدہ ؟

جواب ۵۶۲ :۔ جب آپ اس بات ہی کو نہیں مانتے تقویٰ کا نمونہ کیوں کہتے ہیں! ہاں اگر صحیح مان لیں تو پھر جواب یہ ہے کہ کسر نفسی کا مظاہرہ اس وقت نظر آتا ہے جب پشیمانی کوئی فائدہ نہیں دیتی! اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت! ہمیں بات کو توڑنے مروڑنے سے کیا حاصل آپ کی تو پوری کل خودبخود مڑی ہوئی ہے کیا فرعون کا اقرار ایمان مفید ہوا؟

اعتراض نمبر ۵۶۳ :۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بار ہا اپنے گناہوں کا اقرار کیا اس لئے وہ خلافت کے مستحق نہیں تھے تو سوال یہ ہے: حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حسب ذیل ارشاد کا کیا جواب ہے؟ لیجیئے چنانچہ صحیفہ کاملہ سجادیہ صہ ۸۳ مطبوعہ طہران بازار سلطانی ۔

ھا انا ذا یا رب مطروح بین یدیك انا الذی اوقرت الخطایا ظہرہ وانا الذی افنت الذنوب ۔ اے میرے رب میں آپکے سامنے پڑا ہوا ہوں میں وہ ہوں جس کی پیٹھ کو گناہوں نے بیٹھا دیا ہے اور میں وہ ہوں جس کی عمر کو گناہوں نے فنا کر دیا ہے اگر حضرت سجاد معصوم ہو کر اقرار معصیت کر سکتے ہیں تو غیر معصوم ہو کر اقرار ذنوب کیوں نہیں کر سکتے!۔

جواب ۵۶۳ :۔ ہمیں کسی پر اس وجہ سے کوئی اعتراض نہیں ہے کہ اس نے اپنے گناہوں کا اقرار کیوں کیا نہ ہی یہ صفت مذموم ہے! لہٰذا جب ہم معترض ہی نہیں تو پھر بلا وجہ الزام کیوں لگایا جاتا ہے! باقی معصوم نے جو مناجات بارگاہ الٰہی میں عرض کی ہیں تو وہ امت کی تعلیم کے لئے ہے نہ کہ فی الحقیقت معاذاللہ حضرت سجاد ایسے گنہگار تھے! ان کی عصمت اس کی قوی دلیل ہے!

اعتراض نمبر ۵۶۴: اگر با ایں ہمہ معصوم ہو کر امامت کے فرائض انجام دے سکتے ہیں تو وہ با ایں اقرار غیر معصوم ہو کر خلافت کا کام کیوں نہیں کر سکتے!۔

جواب ۵۶۴:۔ خلافت و امامت کے لئے نص درکار رہتی ہے، معصوم منصوص ہوتا ہے اور غیر معصوم غیر منصوص پس محرومی عصمت کی وجہ سے غیر معصوم منصب خلافت الٰہیہ کے اہل نہیں ہوتا ہے! ایک شبہ کا ازالہ کر دینا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمام بری صفات سے پاک ہے لیکن مجازی معنوں میں جو خدا نے اپنے کو مکار۔ جبار قہار وغیرہ کہا ہے حالانکہ نہ ہی وہ ذات کسی سے مکر کرتی ہے نہ کسی پر جبر کرتی ہے اور نہ ہی قہر و ظلم جسطرح خدا نے بہ صفات مجازاً ارشاد فرمائی ہیں اسی طرح ائمۂ برحق نے مجازاً خود کو خاطی و گنہگار کہکر بندگیٔ خدا کی تعلیم دی ہے!۔

اعتراض ۵۶۵:۔ صحیفہ کاملہ سجادیہ صفحہ ۸۰ میں ہے

لما ثقل علی ظہری من الخطیات! گناہوں کی وجہ سے میری پیٹھ پر بوجھ آپڑا ہے فرمایئے کیا خیال ہے اب بھی صدیقی ارشادات پر اعتراض کرنے کی جرات ہے انکار خلافت صدیقی کے لئے اگر یہ مکر کیا جائے کہ وہ تو مسائل شرعیہ بھی نہیں جانتے تھے!۔

۱۔ انہوں نے چور کے بائیں ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ ۲۔ ایک شخص نے لواطت کی تو اسے آگ میں جلا دیا! ۳۔ جدہ اور کلالہ کے مسئلے کو نہ جانتے تھے!۔ اگر تسلیم کر لیا جائے تو فرمایئے! دوسری مرتبہ چوری کی پاداش میں بد بیسری کے کاٹنے کا حکم دیا تھا یا

پہلی دفعہ کے جرم ہیں۔ ہے کوئی ماں کا لال جو پہلی مرتبہ کی سرقت کے جرم کی پاداش میں ثابت کر سکے!۔

جواب ۵۶۵۔ ہمیں حضرت ابوبکر کے ایسے اقوال پر کوئی بھی اعتراض نہیں ہے جن میں انہوں نے خود کے گنہگار اور غیر معصوم ہونے کا اقرار کیا ہے، کیوں کہ ان باتوں کا ان کی خلافت سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے اس لئے کہ خلافت حقہ کے لیے عصمت شرط ہے اور حضرت ابوبکرؓ اسی لئے کہا کرتے تھے کہ میں خلیفہ نہیں ہوں بلکہ خالفہ ہوں جب حضرت صاحب خود ہی حقیقت کے معترف تھے اور اپنے کو خلیفہ نہیں سمجھتے تھے تو پھر ان کی نام نہاد خلافت کا انکار کرنا کوئی جرم نہیں ہے، چوں کہ خلیفہ کے لیے عالم ہونا ضروری ہے جیسا کہ اللہ نے اپنے پہلے ارضی خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام کا تقرر علم ہی کی وجہ و باعث سے کیا اس لئے خلیفہ کا جاہل ہونا براہ راست عجز خدا کا سبب ٹھہرتا ہے! لہذا آپ کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے ہم وہ اثبات پیش کر رہے ہیں جس سے حضرت ابوبکر کی قلت علم واضح ہو جاتی ہے، حضرت ابوبکر نے چوری کی سزا میں چور کا بایاں ہاتھ کٹوایا وہ پہلی مرتبہ کی چوری تھی اور یہی وجہ ہے کہ علماء اہل سنت نے حضرت صاحب کی اجتہادی غلطی مانی ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمالیں! نہایت العقول علامہ اہل سنت امام فخر الدین رازی، اور تحفہ اثنا عشریہ وغیرہ،،

اعتراض ۵۶۶۔ کیا علم الہدیٰ کی کتاب تنزیہ الانبیاء والائمہ میں مذکور نہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ نے ایک لوطی مرد کو جلا دیا تھا،،

جواب ۵۶۶۔ تنزیہ الانبیاء مصنفہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ رحمۃ اللہ علیہ میں یہ واقعہ ہمیں نہیں ملا ہے، مفصل حوالہ درکار ہے جب کہ حضرت ابوبکر پر جو الزام ہے وہ فجارہ سلمی کو آگ میں جلا دینے کا ہے جس کا لوطی ہونا ثابت نہیں ہے بلکہ

اس نے حضرت ابوبکر کی اطاعت نہ کی تھی ۔

اعتراض ۵۶۷ ۔ اگر کسی مسئلہ میں شک ہو اور کسی واقف سے پوچھ لیا جائے تو کیا یہ مدحت و منقبت میں داخل ہے یا جہل اور انکا میں

جواب ۵۶۷ ۔ ایسی تحصیل علم عام انسان کے لئے قابل تعریف ہے لیکن نائب رسول حامل علم وہبی ہونا چاہیئے اور اسے اپنے زمانے کے سب نفوس پر علمی فوقیت حاصل ہونا ضروری ہے کیوں کہ عالم جاہل سے افضل ہوتا ہے ۔

اعتراض ۵۶۸ ۔ اگر یہ پیش کیا جائے کہ لشکر اسامہ میں حضرت علیہ السلام نے ابوبکر کو بھیجا تھا اور وہ نہیں گئے تھے تو سوال یہ ہے کہ اگر یہ صحیح ہو تو امامت صلوٰۃ کا حکم کس کیلئے تھا اور اگر امامت کا حکم حضرت ابوبکر صدیق کو تھا تو آپ کے سوال کی کیا وقعت رہتی ہے ۔

جواب ۵۶۸ ۔ کوئی ماں کا لال یہ ثابت نہیں کر سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر کو جیش اسامہ میں ساتھ جانے کا حکم رسول نے نہیں دیا تھا اور امامت نماز کی حقیقت ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں پس جب حضرت ابوبکر کو اسامہ کے ماتحت جانے کا حکم ثابت ہے اور امامت نماز کا حکم متنازعہ ہے تو پھر ہمارے سوال کی وقعت کیسے کم ہو سکتی ہے ۔

عظمت حضرت فاروق اعظم کے تسلیم کرانے کے سلسلے میں چند سوالات

اعتراض ۵۶۹ ۔ قرآن مجید میں ہے ۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا

اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کیساتھ بھیجا تاکہ دین کو تمام ادیان پر غالب

کر دے اور اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے

خدا تعالیٰ نے بعثت نبوی کی علت غائی غلبہ دین کو قرار دیا ہے۔۔
ظاہر ہے مصر و شام اور ملک فارس پر غلبہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اقدس میں حاصل نہ ہوسکا پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کا غلبہ کس کے عہد میں نصیب ہوا!

جواب ۵۶۹ :۔ آیت موصوفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "وہ وہی ذات تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب رکھے اور گواہی کے لئے تو بس خدا کافی ہے" (الفتح پ ۲۸)

چوں کہ آیت میں صیغہ ماضی استعمال ہوا ہے اور اس سے پہلے فتح مکہ کا بیان ہے اس لئے اس کا تعلق حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے کہ خدا نے دین کو غالب رکھنے کا وعدہ کیا ہے اور گفتگو مضارعی ہے۔ جو حال اور مستقبل پر حاوی ہے! کیوں کہ حیات رسول میں دین مکمل ہوگیا لہذا تکمیل دین کا تقاضا ہے کہ اسے غلبہ بھی حاصل ہو، غلبہ دین سے مراد غلبہ زمین لینا یا کثرت امت سمجھنا ہرگز درست نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود تعلیم دین ہے جو ہر باطل دین پر غالب و فاتح ہے: اگر کچھ رقبہ پر مسلمانوں کے تسلط کو غلبہ دین قرار دے دیا جائے تو تاریخ اسلام میں ایک لمحہ بھی ایسا نہ مل سکے گا جب اسلام کی حکمرانی ساری دنیا پر ہوتی ہو،، مسلمان اگر غالب آئے تو مغلوب بھی ہوتے اگر ان کا غلبہ دین کا غلبہ مانیں گے تو ان کی شکست بھی معاذ اللہ دین کی شکست ماننا پڑے گی پس غلبہ دین کو فتوحات سے ذرا سا تعلق بھی نہیں ہے!

اگر مصر و شام فارس پر غلبہ کو دین کا غلبہ کہا جائے تو پھر باقی کرہ ارض پر جو اس وقت کے زیر اثر مسلمین رقبہ سے کئی گنا زیادہ تھا دین کو غلبہ حاصل نہ تھا۔ یعنی قلیل رقبہ پر غلبہ تھا اور کثیر رقبہ پر مغلوب تھا! ایسی صورت حقانیت دین کی تنقیص

ظاہر کرتی ہے اس لئے ماننا پڑے گا کہ غلبہ دین سے مراد تسلط فی الارض
نہیں ہے بلکہ اس غلبہ سے مطلب دین کی وہ عالمگیر تعلیم ہے جو تمام مادی اور
روحانی مسائل کا حل پیش کرتی ہے اسی لئے ہمارے ہاں تفسیر قمی میں ہے
کہ اس غلبہ سے مراد امام ہے، اور مہدی علیہ السلام تمام دنیا کو عدل و انصاف
سے پر کر دیں گے جسطرح وہ ظلم و جور سے پر ہو چکی ہو اس وقت دنیا کے
چپہ چپہ میں دین کی حکومت ظاہری ہو گی اگر تو آج کے زمانہ کا یہی حال ہے کہ
مسلمانوں کو کسی جگہ بھی صحیح غلبہ حاصل نہیں ہے، جو بظاہر آزاد مسلم ملکتیں
ہیں وہ بھی غیر مسلموں کی محتاج دست نگر ہیں کیا غلبہ کا وعدہ خدا نے صرف
چند سالوں کے لئے کیا تھا کہ جب وقت مسلمانوں کی تلوار تیز تھی اور جب کند ہو گئی
تو معاذ اللہ خدا بھی اپنے وعدے سے پھر گیا، نہیں ہرگز ایسا نہیں ہے
بلکہ غلبہ سے مطلب یہی ہے کہ باطل خواہ کتنا ہی مادی لحاظ سے طاقتور و عالی شان
ہو حق ہمیشہ غالب رہتا ہے یعنی اسلام کو تمام دیگر نظریات و ادیان پر
فوقیت حاصل ہے کیوں کہ یہ ایک فطری و عالمگیر ضابطہ حیات ہے کیا
کوئی مسلمان یہ سوچ بھی سکتا ہے کہ حضورؐ کے زمانہ میں دین غالب نہ تھا
جب کہ مصر، شام، و ایران وغیرہ ابھی مسلمانوں کے زیر اثر نہ تھے

جس طرح حضورؐ تھوڑا اور تعداد کم ہونے کے باوجود دین کے لحاظ سے غالب تھے
اسی طرح اللہ کا دین ہر وقت اور ہر لحظ غالب ہے، بلکہ اگر دنیا میں ایک بھی
مومن باقی ہے تو بھی دین غالب ہی غالب ہے فتوحات کو غلبہ دین سے
کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۵۷:۔ کیا یہ سچ ہے کہ یہ عہد فاروقی دور میں پورا ہوا اور
ان کے زمانہ میں ہی دین کو مکمل تسلط نصیب ہوا۔

جواب نمبر ۵۷:۔ یہ بالکل سفید جھوٹ ہے حالاں کہ دین حضورؐ ہی کے زمانہ

میں مکمل ہوا اور اسے ہر وقت غلبہ حاصل ہے، حضرت عمر کی فتوحات محدود تھیں، اور دنیا کی آبادی کا کثیر حصّہ اسلامی تسلط سے باہر تھا۔ اگر حدود سلطنت ہی کو غلبہ سمجھ لیا جائے تب بھی مزعومہ غلبہ ثابت نہیں ہو سکتا ہے، جب کہ عہد عمر میں نصف ایشیا بھی مسلمانوں کے زیر اثر نہ تھا، جب کہ غلبہ دین تمام کائنات کے لئے ہے نہ کہ اس گروہ کے لئے جو مسلمانوں کی زیر حکمرانی ہے

اعتراض ۵۷۱:۔ اور اگر ہماری یہ تعبیر خلاف واقعہ ہے تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوہ خندق کے موقع پر پہلا وار کیا تو فرمایا خدا تعالٰی نے میرے ہاتھ پر فتح کر دیا گیا۔

جواب ۵۷۱:۔ ہماری روایات میں ہے کہ حضور نے جب روز خندق پہلا کدال مارا تو کچھ حصہ پتھر کا ٹوٹ گیا آپؐ نے فرمایا خدا نے شام کی کنجیاں مجھکو عطا فرمائیں، اس سے مطلب صاف ظاہر ہے شام کی فتح کا اشارہ ہے

اعتراض ۵۷۲:۔ تفسیر صافی ص میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی۔ اللھم اعز الاسلام باحد العمرین بعمر بن الخطاب او بابی جہل! یعنی یا اللہ اسلام کو یا تو عمر بن الخطاب سے عزت و غلبہ عنایت فرما اور یا ابوجہل سے فرما دیجئے
خدا تعالٰی نے حضور علیہ السلام کی یہ دعا قبول فرمائی یا نہ؟

جواب ۵۷۲:۔ علمائے شیعہ کے نزدیک مذکورہ روایت درست نہیں ہے کیوں کہ حضرت عمر کی عرب میں کوئی عزت نہ تھی اور آپ کے اسلام لانے سے اسلام کو عزت دینے کی دعا والی روایت سنی علماء نے خود گھڑی ہے اور اس قسم کی دعا جو عقل و نقل کے سراسر خلاف ہے حاشا و کلا رسول اکرمؐ کی زبان مبارک سے ادا نہیں ہوئی پھر بھی اگر بالفرض یہ حدیث صحیح سمجھ لی جائے تو سنی زعم ثابت نہیں ہو سکتا حضورؐ کی ہر دعا قبول ہوئی ہے۔

اعتراض ۵۷۳ ۔ اگر قبول نہ ہوئی تو کیا حضور علیہ السلام کی یہ دعا کتب حدیث میں موجود نہیں! اللھم انی اعوذ بک من دعاء لایستجاب! یا اللہ بے شک میں تیری پناہ میں آتا ہوں ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو۔

جواب ۵۷۳ ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر دعا مستجاب ہوئی

اعتراض ۵۷۴ ۔ اور اگر قبول ہوئی تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری سے یقیناً دین کو عزت و سطوت نصیب ہوئی فرمائیے کیا جواب ہے۔

جواب ۵۷۴ ۔ اللہ کی یہ قدرت ہے کہ وہ شخص فاجر سے بھی اپنے دین کی تائید کر سکتا ہے۔ بخاری ملاحظہ فرمائیے۔

اعتراض ۵۷۵ ۔ غزوات حیدری ترجمہ حملہ حیدری میں ہے کہ بیت اللہ شریف کے در و دیوار فاروق اعظم کی تشریف آوری پر فخر میں آئے پس اگر ان کا ایمان قابل افتخار نہیں تھا تو در و دیوار نے فخر کیوں کیا؟

جواب ۵۷۵ ۔ حملہ حیدری نامی کتاب ہمارے لئے حجت نہیں ہے۔ اس کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے۔ باقی جب شکاری خود ہی اپنے جال پھنس جاتا ہے تو اس کی بے بسی پر جال کی تار تار رقصاں ہوتی ہے۔

اعتراض ۵۷۶ ۔ مذکورہ کتاب میں یہ بھی ہے کہ بیر زم زم کے پانی نے فرط مسرت میں سل سبیل کو ذائقہ حلاوت بخشا اگر فاروق ایمان قابل اعتبار نہ تھا تو اس قدر انقلاب کیوں؟

جواب ۵۷۶ ۔ خود مولوی رفیع باذل نے اپنی کتاب کو غیر معتبر کہا ہے لہذا یہ شاعری ہمارے لئے دلیل قرار نہیں پا سکتی

اعتراض ۵۷۷ ۔ کیا یہ سچ ہے کہ فاروق اعظمؓ کے اظہار ایمان سے

پہلے حضور اکرم بمعہ جماعت اپنے گھر میں نماز ادا کرتے تھے لیکن جب فاروق رضؓ نے ایمان کا اظہار فرمایا تو پوری جماعت لے کر حرم کعبہ میں نماز ادا کی اور سب کو جماعت سے نماز نصیب ہوئی

جواب ۵۷۷: جی نہیں یہ جھوٹ ہے، حضرت عمر کے مسلمان ہونے سے قبل بھی نماز علانیہ ادا کی جاتی تھی۔

اعتراض ۵۷۸: اگر غلط ہے تو غزوات حیدری کی اس عبارت کا کیا جواب ہے؟ "آگے آگے سب کے عمر تیغ بکر با جماعت وافر ساتھ انکے اصحاب خجستہ باتیں کرتے بے خوف وخطر داخل خانہ وارد ہوتے"

جواب ۵۷۸: غزوات حیدری ہماری مستند کتاب ہی نہیں ہے، باقی یہ واقعہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت پیش آیا تھا

اعتراض ۵۷۹: اگر یوں تعبیر کیا جائے کہ فاروق اعظمؓ کے آنے سے کعبہ کا در کھلا اور نماز با جماعت نصیب ہوئی پس جب تک کعبے کا در کھلا رہے گا فاروقی یاد تازہ رہے گی فرمایئے اس میں کیا حرج ہے؟

جواب ۵۷۹: ایسی تعبیر حقائق سے بہت ہی دور ہوگی کیوں کہ جس دن سے حضرت عمر اسلام میں داخل ہوئے اس کے بعد مصائب کا دور شدت آمیز ہو گیا اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد حضور کو شہر بدر ہو جانا پڑا۔ اگر عمر کا دبدبہ ایسا ہوتا تو مسلمانوں کو ہجرت نہ کرنا پڑتی۔

اعتراض ۵۸۰: اگر آپ کو فاروقؓ کے دربیں علیہ دین سے انکار ہے تو سیدنا علی المرتضیٰ کے اس ارشاد کا جواب دیجئے جب کہ آپ نے سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طلب مشورہ کے جواب میں فرمایا، بحوالہ نہج البلاغۃ:

إن هذا الامر لم يكن نصره ولا خذلانه بكثرة ولا قلته

وَهُوَ دِینُ اللّٰهِ الَّذِی اَظْهَرَهٗ ۔ بے شک یہ دین کا کام اس کا غلبہ اور اس کا خسارہ فوج کی کثرت اور قلت پر موقوف نہیں ہے اور یہ خدا کا دین ہے جس دین کو خدا تعالیٰ نے غالب کر دیا ہے

جواب نمبر ۵۸۰ :- اس کا جواب بھی ہم نے ذکا الافہام میں عرض کر دیا ہے اس سے مراد دین کا غلبہ ہے نہ کہ اس فرمان میں حضرت عمر کی کوئی تعریف ہے اللہ کا دین ہر دور میں غالب ہے خواہ وہ دور عمر ہو یا دور یزید ۔ دین کا مغلوب ہونا امر محال ہے ، مولا علیؑ کے اس فرمان سے دراصل حضرت امیر علیہ السلام کی شان ولایت ظاہر ہوتی ہے کہ فرمایا یہ اللہ کا دین ہے جسے اس نے ظاہر کیا ہے ۔ یعنی باوجود تصرف حکومت کے حاکم صاحب تخت و تاج و اقتدار مجبور ہے کہ وہ ہادی برحق سے مشورہ لے ۔ اگر حضرت علیؑ کا مقصود حضرت عمر کی خلافت و حکومت کی حقانیت کی تائید ہوتا تو آپ حکومت یا حکمران کی شان و تعریف کرتے نہ کہ اظہار دین کی ضرورت محسوس کرتے ۔ دراصل ارشاد مولا کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے حق کو ظاہر و غالب کیا ہے ، دین حقہ کو غلبہ عطا کیا ہے کہ حاکم غاصب مجبور ہو کر جاہ و حشم کے باوجود حجت خدا جو کہ گوشہ نشین ہے ، کی چوکھٹ پر سر نیاز تسلیم خم کر رہا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کا دین غالب ہے اور حکومت مذکور وارث دین کے سامنے مغلوب ہے !

اعتراض ۵۸۱ :- اگر فاروقی غلبے کو مذہب حق کا غلبہ تسلیم نہ کیا جائے تو فرمایئے سیدنا علی المرتضیٰ نے فوج فاروقی کو فوج خداوندی قرار کیوں دیا ، جواب دیجئے چنانچہ نہج البلاغۃ ج ص میں ہے ۔

وَجُنْدُهُ الَّذِی اَعَدَّهٗ وَاَمَدَّهٗ حَتّٰی بَلَغَ حَیْثُ مَا بَلَغَ ،

اور فاروقی لشکر خدا کا لشکر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے خود تیار کیا ہے اور خود پھیلایا ہے حتیٰ کہ جہاں پہنچنا تھا پہنچ گیا ۔ ،،

جواب ۵۸۱ ۔ حضرت امیرالمومنینؑ نے یہ ارشاد لشکر عمر کے لئے نہیں بلکہ لشکر
اسلام کے لئے فرمایا حضرت کے کلام کا ترجمہ اس طرح ہے جو نہج البلاغۃ کے ارشاد
۱۴۶ میں مرقوم ہیں یہ اسلام کی نصرت اور خذلان کا انحصار فوج کی کمی زیادتی پر
نہیں ہے، یہ خدا کا دین وہ دین ہے جس سے تمام ادیان پر اس نے غلبہ عطا
فرمایا۔ اگر حکومت کا غلبہ مراد لیا جائیگا تو خلاف واقع ہوگا کیوں کہ تاریخ میں
ایک منٹ بھی ایسا نہیں اسکا ہے کہ حکومتی لحاظ سے اسلام کو غلبہ حاصل ہوسکا
ہو۔ اور اس کا وہ لشکر ہے (دین کا لشکر نہ کہ افواج حکومت اسلامیہ) جسے
اس نے مہیا کیا ہے اس کی اعانت کی ہے، یہاں تک کہ یہ یہاں تک پہنچا ہے
اور اس نے کہاں تک ترقی کرلی؟ ہمیں خدا کے وعدے پر بھروسہ ہے اور
بلاشبہ خدا اپنا وعدہ (ضرور) پورا کرے گا اور وہ اپنے لشکر کا مددگار رہنا ضرور ہے"
اس کلام کا تعلق حضرت عمر سے یا ان کے لشکر سے نہیں ہے کیوں کہ گفتگو ماضی کے
صیغہ میں کی گئی ہے اور بشارت دین کے غلبے کی ہے، حضرت علی علیہ السلام نے
اپنے ارشاد ۲۱۹ میں فرمایا ہے کہ "عمر) اس دنیا سے اس حال میں رخصت ہوا کہ
لوگوں کو گوناگوں راستوں پر ڈال دیا، جن میں گمراہ راہ یاب نہیں ہو سکتے
اور راہ یافتہ یقین پر قائم نہیں رہ سکتے" نہج البلاغۃ ص ۴۸۶

اعتراض ۵۸۲ ۔ فرمائیے فتوحات فاروق اعظم اسلامی فتوحات
تھے یا نہ اگر نہیں تھے تو امتناعی وجوہ بیان کیجیے؟

جواب ۵۸۲ ۔ حضرت عمر کی فتوحات کو اسلامی فتوحات نہیں کہا جاسکتا
ہے کیوں کہ اسلام کا نظام توسیع مملکت اور جارحانہ کاروائیوں کی اجازت
نہیں دیتا ہے۔ اسلام صرف دفاعی جہاد کی اجازت دیتا ہے اور جب ہم اسلام کے
معیار جہاد پر حضرت عمر کے عہد کی فتوحات کو جانچتے ہیں تو یہ جنگیں جہاد تو درکنار
صریحًا خلاف اسلام لڑائیاں ثابت ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت علماء نے
شریعت پر غور و خوض کے بعد اس لشکر کشی کو ناجائز قرار دیا ہے اور اس پیش رفت سے

جو ممالک فتح ہوئے ہیں انہیں غصب شدہ جابتداد سمجھ کر ناجائز تسلیم کیا ہے جیساکہ خطیب بغدادی مشہور سنی عالم نے اپنی تاریخ بغداد جلد ۱ صفحہ ۵۴ میں لکھا ہے کہ بغداد کی زمین کے متعلق علماء کے اقوال کا ذکر اس کی خرید و فروخت کی کراہت کی نسبت ان سب علما کا قول ہے کہ بغداد دار غصب ہے ان کی جائیداد اراضیات مکانات کی خرید و فروخت ناجائز ہے،

پس جب یہ فتوحات اصول اسلامیہ کے خلاف ہیں اور ان کی وجہ سے مسلمانوں کو رسوائی اٹھانا پڑی ہے کہ غیر مسلم آج تک کہتے ہیں، اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے" اور مسلمان علماء نے ان کو ناجائز قرار دیا ہے اس لئے ان فتوحات کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اعتراض ۵۸۳: بر تقدیر عدم تسلیم سیدہ شہر بانو کے نکاح کے متعلق جناب کا کیا خیال ہے اور سید تا زین العابدین کی ذات گرامی کے ساتھ جناب کی عقیدت و محبت کا رنگ کیسا ہے؟

جواب ۵۸۳:- ہم عرض کر چکے ہیں کہ بی بی شہر بانو کا حضرت عمر کے عہد سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو امام برحق کا مال غصب پر پورا پورا حق ہوتا ہے، لہٰذا ہمارے مذہب کو دونوں صورتوں سے کوئی حرج نہیں ہے،

اعتراض ۵۸۴:- کیا جناب رہنمائی فرما سکتے ہیں کہ وہ کون سی کتاب ہے جس میں سیدنا علی نے سیدنا عمر کے متعلق مثابتہ ہملمین ...... فرمایا ہے، نیز ان جملوں کا کیا معنے ؟

جواب ۵۸۴:- حضرت علی علیہ السلام نے متذکرہ بالا الفاظ حضرت عمر کے لئے ارشاد ہی نہیں فرماتے ہیں، یہ کسی کتاب میں نہیں ہیں۔ اگر آپ کو معلوم ہو تو مہربانی کر کے بندہ کم علم کی رہنمائی فرما دیجئے۔

اعتراض ۵۸۵:- کیا آپ کے نزدیک مسلمانوں کے لئے جائے پناہ اور ملجا و ماویٰ کسی غیر مسلم کو قرار دینا جائز ہے

جواب ۵۸۵ :- اگر حضرت ابو طالب علیہ السلام کے ایمان کو آپ مان لیں تو پھر ہمیں اس اعتراض پر غور کرنا ہو گا، جب آپ کے مذہب کے مطابق جناب ابو طالب معاذ اللہ غیر مومن ہوتے ہوئے مسلمانوں کے رسولؐ کی جائے پناہ ہو سکتے ہیں تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کی جائے پناہ ہو سکے باقی یہ تو خدا کی قدرت ہے وہ چاہے تو کافر ہی سے اپنے دین کی مدد کروا دے جسطرح حضرت موسیٰؑ کی پناہ گاہ فرعون ملعون ہی کو بنا دیا گیا نیز اشارہ یہ ہے کہ مثابتہ کے معنی شکاری کا جال بھی ہے۔

اعتراض ۵۸۶ :- فرمایئے حضرت سیدنا علیؓ سیدنا حسینؓ کو لے کر سیدنا عمرؓ کے دروازے پر سیدہ شہر بانو سے نکاح کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو بتایئے وہاں نکاح کا خطبہ کس صاحب ایمان نے پڑھا اور گواہی دینے والے کون سے صاحب ایمان تھے ان کے اسماء گرامی سے مطلع فرمایئے۔

جواب ۵۸۶ :- مشہور سنی کتاب حبیب السیر کے مطابق نہ ہی بی بی شہر بانو حضرت عمر کے دور میں آئیں اور نہ ہی نکاح ہوا لہذا عدم وقوع پر اعتراض کیسا اور جواب کیسا۔

اعتراض ۵۸۷ :- فاروقی دور میں سیدنا علیؓ جماعت سے نمازیں ادا فرماتے تھے یا خلوت میں دلائل قویہ سے ثابت کیجئے۔

جواب ۵۸۷ :- حضرت امیر المومنین با جماعت نماز بھی ادا فرماتے رہے اور خلوت میں اکیلے بھی، لیکن کوئی ایک بھی روایت کسی کتاب شیعہ میں نہیں ہے جس سے ثابت ہو سکے کہ حضرت امیرؑ نے حضرت عمر کو امام مان کر ان کے پیچھے نماز ادا کی ہو ایسی روایت صحیح ثابت کرنے والے کو منہ مانگا انعام دوں گا۔

اعتراض ۵۸۸ :- اگر خلوت میں پڑھتے تھے تو کسی مسجد میں یا گھر میں

دلائل بیان کیجئے؟

جواب ۵۸۸:۔ آپ نے مسجد میں بھی نمازیں ادا کی ہیں اور گھر میں بھی مگر نیت فرادی کیساتھ

اعتراض ۵۸۹:۔ اگر جماعت سے نمازیں پڑھتے تھے تو امام کے مذہب کے متعلق ان کا کیا عقیدہ تھا واضح کیجئے؟ مذکورہ بالا دلائل بھی ضرور پیش نظر رہیں جبکہ ان سے عقیدت اور محبت کا بدرلامع نظر آرہا ہے

جواب ۵۸۹:۔ کسی بھی مسلمان کے پیچھے نماز پڑھ لینے کی اجازت ہے بشرطیکہ نیت فرادی ہو اور اقتدا نہ کیا جائے اور اس مسئلہ پر ہم حضرت ابو بکر کے بارے میں اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے سیر حاصل و مدلل بحث کی ہے اعادہ فضول ہے، صرف اتنا یاد دلاتے دیتے ہیں اگر نماز پڑھی تو کہ ظ و کذا سمجھ کر، بخاری شریف دیکھیے،،

اعتراض ۵۹۰:۔ کیا یہ سچ ہے کہ احتجاج طبرسی ص۔ میں موجود ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے نہاوند کے لشکر کو فرمایا۔
سار یتا بجبل اور وہاں انہوں نے سن لیا کیا یہ سارا واقعہ ان کی کرامت پر محمول نہیں،

جواب ۵۹۰:۔ یہ واقعہ موضوع ہے علامہ طبرسی نے اسے احتجاج میں بطور احتجاج درج کیا اور اسے درست تسلیم نہیں کیا ہے پھر علمائے اہل سنت کی کثیر تعداد نے اس قصہ کو من گھڑت و ناقابل اعتبار قرار دیا ہے اسکی پوری تفصیل تشید المطاعن میں ملاحظہ فرما لیجئے۔

اعتراض ۵۹۱:۔ کیا یہ سچ ہے کہ بیت المقدس (پہلا کعبہ) بھی فاروق اعظم نے فتح کیا؟

جواب ۵۹۱:۔ جی ہاں بیت المقدس حضرت عمر کے زمانہ ہی میں فتح ہوا

اعتراض ۵۹۲:۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ممالک فتح کر کے کتنی مسجدیں

تعمیر رایئں ! اگر آپ کے علم میں ہیں تو ضرور مطلع فرمادیں "

جواب ۵۹۲ : عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ حکومت میں چار ہزار کے قریب مساجد تعمیر کی گئیں لیکن رانوں رات مسجد بنا دینا اور ہوتا ہے اور حرارت ایمانی اور شئے ہے " ع ۔

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایمان کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں سے نمازی بن نہ سکا

اعتراض ۵۹۳ : مراۃ العقول شرح الفروع والاصول میں ہے کہ سیدہ شہر بانو نے بیان کیا کہ میں نیند میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہوئی تو آپ نے فرمایا عنقریب مسلمانوں کا لشکر تم کو فتح کریگا فرمایئے ! کیا جواب ہے ؟

جواب ۵۹۳ : مسلمانوں کے لشکر کی فتح سے ہمیں انکار نہیں ہے ! باقی یہ ایک تاریخی واقعہ ہے ! دین میں حجت قرار نہیں دیا جا سکتا جب کہ یہ تحقیق ہو چکا ہے کہ بی بی شہر بانو حضرت علی علیہ السلام کے دور میں آئی تھیں نہ کہ حضرت عمر کے زمانے میں

اعتراض ۵۹۴ : احتجاج طبرسی صـ میں معصوم عندکم کا قول موجود ہے کہ لست بمنکر فضل عمر ولکن ابابکر افضل منه، میں عمر فاروق رض کی فضیلت کا منکر نہیں ہوں لیکن ابوبکر صدیق حضرت عمر سے افضل ہیں !

جواب ۵۹۴ : اس بات کو شیعہ بھی مانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کو حضرت عمر پر فضیلت حاصل ہے !

اعتراض ۵۹۵ : کیا آپ یہ بتلانے کی زحمت گوارہ فرمائیں گے کہ خلفائے اربعہ میں سے سب سے زیادہ ممالک فتح کر کے اسلام کے قبضے میں کس نے دیئے

جواب ۵۹۵ : غیر اسلامی فتوحات کے ذریعہ کثیر رقبہ ارض کو مسلمانوں کے

قبضے میں دینے کا سہرا حضرت عمرؓ ہی کے سر ہے۔

اعتراض نمبر ۵۹۶! اور ساتھ یہ بتلانے کی تکلیف فرمائیں گے کہ سب کم ملک کس نے فتح کئے اور خلیفہ وقت کا نام کیا ہے جس کے ہاتھ سے ایک ملک بھی فتح نہیں ہوا!

جواب نمبر ۵۹۶:۔ اسلامی اصول جہاد کے مطابق کے سب سے زیادہ فتوحات حضرت علیؑ نے کیں، جب کہ غیر اسلامی فتوحات آپ نے بالکل ہی نہیں کیں! اربعہ میں ایسا کوئی بھی خلیفہ نہیں ہے جس کے ہاتھ سے کوئی ملک فتح نہ ہوا ہو! تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت علیؑ کے عہد میں مسلمان گجرات کاٹھیاوار سندھ اور افغانستان وغیرہ تک پہنچ گیا تھا درۂ خیبر میں علی مسجد کا ہونا مدائن میں امیرالمومنین کے مصلّے کی موجودگی اور حیدرآباد میں حضرت کے قدم کا نشان آج بھی ان کے جہاد فی سبیل اللہ کی گواہی دے رہے ہیں۔ مگر جہاد علویہ اور فتوحات ثلاثہ میں فرق ہے!

اعتراض نمبر ۵۹۷! سیدنا علی المرتضیٰؓ سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کے فرزندوں میں کسی کا نام عمر بھی ہے! باحوالہ جواب درکار ہے!

جواب نمبر ۵۹۷! جی ہاں! مگر امام حسینؑ کے کسی فرزند کا نام عمر نہیں تھا!

اعتراض نمبر ۵۹۸! خلفائے اربعہ میں سے اس خلیفہ وقت کا اسم گرامی بیان فرمائیے جسکے عدل کی شہرت چار دانگ عالم میں ہے!

جواب نمبر ۵۹۸! حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام جن کے بارے میں حضرت عمر کہا کرتے تھے! اقضانا علی! طبقات ابن سعد!

اعتراض نمبر ۵۹۹! وہ کونسا خلیفہ تھا جو رات کو رعیت پر چوکیداروں کی طرح پہرہ داری کیا کرتا تھا!

جواب نمبر ۵۹۹! امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام!

اعتراض نمبر ۶۰۰ وہ کونسے خلیفہ وقت تھے جن کے متعلق سیدنا علیؓ

کا بیان ہے : خلف البدعۃ واقام السنۃ :۔ اپنے پیچھے ڈالا بدعت کو اور قائم کیا سنت رسول صلعم کو !

جواب نمبر ۶۰۰ : حضرت علی نے حضرت عمر کے متعلق فرمایا !

خلف البدعۃ واقام السنۃ ۔ مطلب اس سے یہ ہے کہ عمر نے بدعت کو پیچھے چھوڑا اور سنت کو اٹھایا ! چنانچہ اس کلام کو حضرت امیر اس طرح ختم فرماتے ہیں کہ وہ (عمر) اس حالت میں انتقال کر گئے کہ لوگوں کو مختلف راہوں میں ڈال گئے جن میں گمراہ ہدایت نہیں پا سکتے اور راہ یافتہ اپنے یقین پر قائم نہیں رہ سکتے ۔

اعتراض نمبر ۶۰۱ : اس حضرت کا اسم گرامی کیا ہے جنکا وجود باوجود سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعد روضہ اقدس میں وفات کے بعد سپرد روضہ کیا گیا !

جواب نمبر ۶۰۱ : حضرت عمر بن خطاب !

اعتراض نمبر ۶۰۲ : کیا یہ سچ ہے کہ جس عمر میں سید الرسل نے وفات پائی اس عمر میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ، اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے وفات پائی

جواب نمبر ۶۰۲ : یہ صحیح ہے کہ حضور کی عمر ۶۳ سال تھی اسی طرح حضرت ابوبکر و عمر کی عمریں بھی ۶۳ سال تھیں ! مگر ابو جہل کی عمر بھی تقریباً اتنی ہی تھی !

اعتراض نمبر ۶۰۳ : کیا یہ سچ ہے کہ سیدنا عمر کو نماز کی حالت میں شہید کیا گیا !

جواب نمبر ۶۰۳ : یہ بھی صحیح ہے کہ حضرت عمر کو حالت نماز میں ایک غلام نے قیام کی حالت میں زخمی کیا جو ان کی موت کا سبب بن گیا ! ذو الخویصرہ جیسے خارجی و منافق صحابی کو حضور نے حالت نماز میں قتل کر دینے کا حکم دیا تھا لہٰذا صرف حالت نماز میں قتل ہو جانا باعث عزت و شرف نہیں جب ایمان خالص و مستحکم نہ ہو !

مسئلہ قرطاس

اعتراض ۶۰۴: حدیث قرطاس کو کتب اہل السنت میں کس صحابی نے روایت کیا ہے! اور بوقت واقعہ ان کی عمر کیا تھی!
کیا ان کے علاوہ کسی اور نے بھی اسے روایت کیا ہے یا نہ!

جواب ۶۰۴: گو کہ حدیث قرطاس کتب صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جن کی عمر اس وقت ۱۴/۱۵ برس تھی سے مروی ہے لیکن دیگر کتب احادیث میں یہ روایت خود حضرت عمر سے روایت کی گئی ہے

اعتراض ۶۰۵: اگر کیا ہے تو اس کی نشان دہی کیجئے اور کتاب کا نام مع صفحہ ذکر فرمائیے!

جواب ۶۰۵: طبرانی نے حضرت عمر سے روایت کی ہے حضرت عمر کہتے ہیں کہ جناب رسولؐ خدا نے بحالت مرض ارشاد فرمایا۔ کہ کاغذ و دوات میرے پاس لاؤ تاکہ میں ایک ایسا نوشتہ لکھدوں کہ جس کی وجہ سے تم لوگ اس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے! ازواج رسولؐ میں سے چند نے پردہ میں سے کہا کیا تم لوگ جناب رسول خدا کا ارشاد نہیں سنتے ہو۔ میں نے ان بیبیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ تم صواحبات یوسف کی طرح ہو! جب رسولؐ خدا بیمار ہوتے ہیں تو تم روتی ہو اور صحت کی حالت میں ان کی گردن پر سوار ہو جاتی ہو۔ یہ سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو وہ تم سے بہتر ہیں۔ کنز العمال ملا علی متقی جزء ثالث صہ ۱۳۸ حدیث ۲۳۳۲ جزء الرابع صہ ۵۲ حدیث نمبر ۱۰۸۹)

اعتراض ۶۰۶/۵۰۶: یہ واقعہ قرطاس کس دن پیش آیا اور حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسکے بعد کتنے دن تک دنیا میں رہے،

جواب ۶۰۶: یہ واقعہ جمعرات کو پیش آیا اور حضورؐ کی رحلت سوموار کو ہوئی یعنی پانچویں دن،،

اعتراض ۶۰۷/۵۰۷: قرطاس لانے کا حکم اجمالی طور پر حاضرین سے تھا یا خصوصی طور پر حضرت عمرؓ سے تھا؟

جواب ۶۰۷: حاضرین میں حضرت عمر نمایاں تھے وہ قریب تھے اور حضور کا حکم اجمالاً تھا مگر حکم عدولی خصوصاً ہوئی!

اعتراض ۶۰۸: اگر خطاب حضرت عمرؓ سے تھا تو اہل سنت کی کسی معتبر یا غیر معتبر کتاب میں ثابت کیجئے؟

جواب ۶۰۸: چوں کہ حضرت عمر بھی حاضرین میں موجود تھے حضورؐ کے قریب بیٹھے تھے اور ان کی حیثیت بھی نمایاں تھی لہذا وہ اس خطاب سے خارج نہیں کئے جا سکتے پھر حضرت صاحب کا جوابی رد عمل اس بات کی دلیل ہے وہ بھی مخاطب تھے، تاہم صیغہ حاضر واحد کا کلام حضرت عمر کیلئے ثابت نہیں ہے!

اعتراض ۶۰۹/۵۰۹: اور اگر خطاب سب سے تھا جو کہ بیت رسول مقبول میں موجود تھے تو کیا ان میں حضرت علی بھی موجود تھے یا نہ؟

جواب ۶۰۹: قضیہ قرطاس کے وقت حضرت علی علیہ السلام ان حاضرین میں موجود نہیں تھے!

اعتراض ۶۱۰/۵۱۰: کیا یہ صحیح ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ حضور علیہ السلام کے کاتب الوحی تھے اور متبادر طور پر یہی سمجھنا مطابق واقع ہے کہ بقرینہ مذکورہ خطاب بھی ان سے تھا؟

جواب ۶۱۰: جب کسی شیعہ کتاب سے حضرت علیؑ کی اس مجلس میں موجودگی ثابت نہیں تو قرینہ خطاب کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

اعتراض ۶۱۱: اگر باوجود قرینہ مثبتہ محققہ حضرت علی مخاطب نہیں تھے تو حضرت عمر کیسے ہو سکتے ہیں، جب کہ وہ صرف حضور علیہ السلام کی طبع پرسی کیلئے بیت رسول میں تشریف لائے تھے،

جواب ۶۱۱: حضرت علی علیہ السلام کا اس موقع پر موجود ہونا ثابت نہیں جب کہ حضرت عمر وہاں حاضر تھے اور انہوں نے جواب بھی دیا اگر وہ مخاطب نہیں تھے تو پھر ان کو جواب دینے اور بارگاہ رسالت میں گستاخی کرنے اور دنگہ فساد مچا کر حضور کو اذیت پہنچانے کی کیا ضرورت تھی اگر وہ خلوص نیت سے صرف حضور کی عیادت کیلئے آئے تھے تو صرف طبع پرسی کرتے نہ کہ ہنگامہ آرائی کر کے خلاف قرآن نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند کرتے اور حضور کیلئے باعث پریشانی بنتے؟

اعتراض ۶۱۲: فاروق اعظم سے کونسا لفظ علی سبیل التعین ثابت ہے حسبکم کتاب اللہ یا حسبنا کتاب اللہ یہ جملہ آپ کے نزدیک قابل اعتراض ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس جملے کو جب حضرت عمر نے دربار نبوت میں ذکر کیا تو کیا حضور علیہ السلام نے ان کی تغلیط و تکذیب کی؟

جواب ۶۱۲: سنی شیعہ علمائے زیادہ تر حسبنا کتاب اللہ کا جملہ لکھا ہے باقی معنی و مفہوم کے اعتبار سے دونوں جملوں میں کوئی فرق نہیں ہے حضور کی اس جملے پر ناراضگی اس سے ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا: قوموا عنی میرے پاس سے دور ہو جاؤ، یعنی دفعہ ہو جاؤ اٹھ جاؤ، باہر چلے جاؤ GET OUT اگر حضور اس جملہ کو صحیح و سچا سمجھتے تو پھر اس قدر رنجیدہ ہو کر اپنے پاس سے کیوں اٹھا دیتے؟

اعتراض ۶۱۳: اسی طرح سیدنا علی اور سیدہ طاہرہ نے فاروق اعظم کی تردید کی ہے!

جواب ۶۱۳: جب خود قرآن حضرت عمر کے اس جملے کی تردید کرتا ہے تو پھر

حضرت علیؑ یا سیدہ طاہرہؑ کس طرح تائید کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ اس قرآن مجید ہی سے خدا بہتوں کو گمراہ کرتا ہے! سورۃ البقرہ ۲۶ ! جب اکیلا قرآن کافی ہی نہیں ہے تو پھر خلاف قرآن حضرت عمر کی تائید کیوں کر کی جا سکتی ہے؟

اعتراض ۶۱۴! اگر حضور علیہ السلام یا عترت منقول سے تردید لفظی ثابت ہے تو نشان دہی فرمایئے اور اگر ثابت نہیں تو پھر آپ کو تغلیط و تکذیب کا کیا حق ہے!

جواب ۶۱۴! حضور اکرمؐ نے امت کو بار بار تمسک بالثقلین ہونے کی ہدایت فرمائی اور دونوں ثقلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اسطرح چسپاں فرمایا کہ دونوں میں جدائی ممکن نہیں تاوقتیکہ حوض کوثر پر اکٹھے وارد نہ ہوں۔ اب جب کوئی شخص دونوں میں جدائی پیدا کرے ایک کو تو کافی کہے اور دوسرے کو ناکافی سمجھ کر ٹھکرا دے وہ حکم عدول پیغمبر ہوگا پس ایسے شخص کی تغلیط و تکذیب نہ کرنا بالواسطہ رسولؐ کی نافرمانی ہوگا اس لئے حدیث ثقلین حضرت عمر کے قول کی مکمل تردید کرتی ہے۔ اور حضور علیہ السلام اور عترت طاہرہ کی جانب سے لفظی و معنوی تردید کا مکمل اور ناقابل انکار ثبوت ہے اس لئے محدث عبدالعزیز دہلوی جیسے شیعہ دشمن نے بھی علانیہ اقبال کیا ہے کہ حضورؐ نے امت کو قرآن پاک و اہل بیتؑ کے حوالے کیا ہے! اور ان میں سے کسی ایک کا منکر کافر ہے! (تحفہ اثنا عشریہ)

اعتراض ۶۱۵! قالوا اھجر استفھموہ کہنے لگے کیا حضورؐ تشریف لے جا رہے ہیں پوچھ تو لو! یہ جب قالوا بصیغہ جمع ہے تو اس قول کو حضرت عمر فاروق کی طرف منسوب کیوں کیا جاتا ہے؟

جواب ۶۱۵! اس اعتراض کے جواب سے پہلے اس غم اندوز اور دل سوز سچی کہانی کو صحیحین کے اماموں سے سنئے! صحیح بخاری میں یہ روایت سات جگہ دہرائی گئی ہے ہم یہ عبارت کتاب الجہاد والسیر باب **ھل یستشفع الی اھل الذمۃ و معاملتھم** سے نقل کرتے ہیں!

عن ابن عباس انہ قال یوم الخمیس
وما یوم الخمیس ثم بکی حتی خضب
دمعہ الحصباء فقال اشتد برسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم وجعہ یوم الخمیس
فقال ائتونی بکتاب اکتب لکم
کتابا لن تضلوا بعدہ ابدا فتنازعوا
ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا
ھجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فقال دعونی فالذی انا فیہ
خیر مما تدعونی الیہ واوصی
عند موتہ بثلاثۃ اخرجوا المشرکین
من جزیرۃ العرب اجیزوا الوفد
بنحو ما کنت اجیزھم
ونسیت الثالثۃ

عبد اللہ ابن عباس سے مروی ہے کہا انہوں نے
کہ جمعرات کا دن کیسا افسوسناک تھا جمعرات
کا دن پھر رونے لگے یہاں تک کے ان کے
آنسوؤں نے زمین کی کنکریوں کا رنگ بدل
دیا کہا کہ جمعرات کے دن حضورؐ کا مرض
زیادہ تیز ہو گیا تو آپؐ نے فرمایا میرے
پاس لکھنے کا سامان لاؤ تاکہ میں
تمہارے لیے ایسا صحیفہ لکھ دوں
کہ پھر اس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے
لوگوں نے اختلاف و تنازعہ کیا،
حالاں کہ نبیؐ کے پاس جھگڑا مناسب نہیں
ان لوگوں نے کہا کہ رسولؐ ہذیان بک رہے
ہیں آں حضرتؐ نے فرمایا مجھے رہنے دو
جس حالت میں ہوں وہ بہتر ہے اس سے جس حالت کی طرف تم مجھکو بلاتے ہو۔ اور آنحضرت نے اپنی وفات کے قریب تین وصیتیں کیں۔ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو اور وفود کے ساتھ اسی طرح سلوک کرو جس طرح میں نے کیا ہے۔ تیسری وصیت راوی بھول گیا۔

بخاری کی اس روایت میں حضرت عمر کا نام موجود نہیں ہے۔ لیکن یہی روایت امام بخاری نے کتاب الاعتصام میں یوں لکھی ہے

عن ابن عباس قال لما حضر النبی
صلی اللہ علیہ وسلم قال وفی البیت
رجال منہم عمر بن الخطاب

ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے کہا
کہ جب رسول خدا کا وقت رحلت
آگیا اور اس وقت دولت کدہ میں

قال هلموا اكتب لكم كتاباً لن
تضلوا بعده فقال عمر ان النبي
صلی اللہ علیہ وسلم غلب علیہ
الوجع وعندکم القرآن فحسبنا
کتاب اللہ واختلف اهل
البیت واختصموا فمنهم
من یقول قربوا یکتب لکم
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کتاباً لن تضلوا بعده ومنهم
من یقول قال عمر فلما اکثروا
اللغو والاختلاف عند النبي
صلی اللہ علیہ وسلم قال قوموا
عني قال عبید اللہ فکان ابن
عباس یقول ان الرزیة کل
الرزیة ما حال بین الرسو
ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وبین ان یکتب لهم ذلك
الکتاب من اختلافهم ولغطهم

لوگ بہت سے تھے جن میں سے ایک
عمر بن خطاب تھے تو حضورؐ نے فرمایا
آؤ میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھ دوں
کہ پھر جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے
حضرت عمر نے کہا کہ رسولِ خدا پر اس
وقت بیماری کا غلبہ ہے! اور تمہارے
پاس قرآن ہے ہمارے لئے کتاب
خدا کافی ہے وہ لوگ جو وہاں جمع تھے
آپس میں جھگڑنے لگے کچھ تو ان میں سے
ایسے تھے جو کہتے تھے کہ سامان کتابت
لاؤ، حضورؐ تمہیں ایسا صحیفہ لکھ دیں
گے کہ جس کی وجہ سے تم کبھی گمراہ نہ ہو گے
اور کچھ ان میں سے حضرت عمر کے ہمزبان
ہو گئے جب انہوں نے بیہودہ کلامی
زیادہ کی اور رسولؐ کے پاس شور
وغل بڑھ گیا تو حضورؐ نے فرمایا،
میرے پاس سے دور ہو جاؤ عبید اللہ
کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس ہمیشہ کہا
کرتے تھے کہ وہ سخت مصیبت تھی جو آنحضرتؐ اور ان کے کتابت صحیفہ کے درمیان اس وجہ
سے حائل ہو گئی کہ لوگوں نے بیہودہ کلامی کی

صحیح بخاری کی اس روایت میں حضرت عمر کا نام بالصراحت موجود ہے اب
صحیح مسلم کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیے!

عن ابن عباس انه قال یوم الخمیس
وما یوم الخمیس ثم جعل تسیل
دموعه حتی رایت علی خدیه
کانها نظام اللولوء قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ائتونی بالکتف والدواۃ (واللوح
والدواۃ) اکتب لکم کتابا لن تضلوا
بعدہ ابدا فقالوا ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یہجر

ابن عباس سے مروی ہے وہ کہتے
تھے جمعرات ہائے جمعرات کا دن پھر
ابن عباس کی آنکھوں سے آنسو
بہنے لگے میں دیکھتا تھا کہ گویا موتیوں
کی لڑی ہے! ابن عباس نے کہا کہ
حضورؐ نے فرمایا کاغذ و دوات یا
تختی و دوات لاؤ میں ایک ایسا
وثیقہ لکھدوں کہ پھر تم اس کے بعد
کبھی گمراہ نہ ہو گے لیکن لوگوں نے کہا
کہ رسولؐ اللہ ہذیان بک رہے ہیں (صحیح مسلم کتاب الوصیت)

صحیح مسلم کی منقولہ روایت میں حضرت عمر کا نام موجود نہیں ہے لہذا یہی روایت
امام مسلم نے اپنی صحیح میں بایں الفاظ نقل کی ہے۔

عن ابن عباس قال لما حضر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی
بیت رجال فیہم عمر ابن
الخطاب فقال النبی صلی اللہ
علیہ وسلم ھلموا اکتب لکم
کتابا لا تضلون بعدہ فقال
عمر ان رسول اللہ قد غلب
علیہ الوجع وعندکم القرآن
حسبنا کتاب اللہ فاختلف
اہل البیت فاختصموا
فمنہم من یقول قربوا
یکتب لکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ
کہتے تھے کہ جب رسولؐ خدا کا وقت
احتضار ہوا تو دولتسرائے نبوت
میں عمر بن الخطاب اور دیگر حضرات
موجود تھے حضور نے ارشاد فرمایا کہ
آؤ میں تمہارے لئے ایسا وثیقہ لکھ
دوں کہ اس کے بعد تم کبھی نہ گمراہ
ہو حضرت عمر بولے کہ یہ بات تو
حضورؐ علیہ مرض کی وجہ سے کہہ
رہے ہیں ورنہ تمہارے پاس

لنتا بالن تضلوا بعده ومنهم
من يقول ما قال عمر فلما
اكثروا اللغو والاختلاف
عند رسول الله صلعم
قال رسول الله صلعم
قوموا قال عبيد الله
فكان ابن عباس
يقول ان الرزية كل
الرزية ما حال بين الرسو
ل الله صلعم وبين ان
يكتب لهم ذلك الكتب
من اختلافهم ولغطهم

تو قرآن مجید موجود ہے اور کتاب اللہ
ہی محض ہمارے لئے کافی ہے اس
پر حضار خانہ میں اختلاف ہوا
ان میں سے بعض تو یہ کہتے تھے کہ
رسولؐ خدا کے حکم کی تعمیل کرو اکثر
وہ کہتے تھے جو عمر نے کہا تھا جب بہت
غل مچا تو حضورؐ نے فرمایا میرے
پاس سے ہٹ جاؤ پس ابن عباس
ہمیشہ کہا کرتے تھے مصیبت اور سخت
مصیبت تھی وہ بات جو ان لوگوں
کے شور و لغو کی وجہ سے رسولؐ
کے ارادہ کتابت وثیقہ میں حائل
ہوئی اور جس کی وجہ سے حضورؐ کچھ نہ لکھ سکے! (صحیح مسلم کتاب الوصیۃ)

صحیح مسلم کی اس روایت میں حضرت عمر کا نام بالصراحت موجود ہے، چوں کہ یہ
واقعہ صحیحین میں ہے اس لئے محدثین اہل سنہ کے مطابق یہ واقعہ متفق علیہ
ہے! قالوا ھجرا استفھموہ کے الفاظ ان روایات میں موجود نہیں
ہیں! البتہ قالوا بصیغہ جمع کا عذر رد کیا جاتا ہے کہ اس جمع کے صیغے
میں سے حضرت عمر کو خارج نہیں کیا جا سکتا ہے! کیوں کہ وہ وہاں موجود
تھے اور ان کے ساتھی در فقاء وہاں حاضر تھے لہٰذا ایسے موقع پہ جب ایک سے
میں زیادہ افراد حامی کار ہوں تو فرد واحد جمع کے صیغہ کا متحمل ہوتا ہے
پھر یہ کہ روایات میں حضرت عمر کے مکالمات کو خصوصی اہمیت حاصل ہے
اور ان کا نام واضح طور پر مرقوم ہے! "کہنے لگے کیا حضورؐ تشریف لے جا رہے
ہیں پوچھ تو لو!" کا ترجمہ کسی بھی روایت میں مربوط نہیں ہو سکتا ہے کیوں کہ

جب خود حضورؐ قلم دوات طلب فرما رہے ہیں تو بھی "پوچھ لو" کا قرینہ ہی مہمل ہے۔ نیز یہ کہ انتقال کیلئے ہجر کا لفظ لغوی لحاظ سے بے معنی ہے اور نہ ہی ایسا کوئی محاورہ زبان عرب میں استعمال ہوتا تھا۔ پھر روایات میں حضرت ابن عباس رضؓ کی غمگین و تاسف انگیز کیفیت، حضورؐ کی ناراضگی، حاضرین کا اخراج اور شور شرابا ایسے قرائن مہیہ کرتے ہیں کہ مذعومہ مطلب کسی صورت اخذ نہیں کیا جا سکتا ہے

اعتراض ۶۱۶: ہجر جب ہجرت کے معنے میں بھی مستعمل ہے تو افتراق و انشقاق پیدا کرنے کی غرض سے خوانخواہ دوسرا معنیٰ مراد کیوں لیا جاتا ہے؟

جواب ۶۱۶: سنی تاویلات بھی عجیب ہیں لیکن جب کبھی وہ اپنے بزرگوں کے کسی فعل یا قول کی حمایت یا تشریح کرتے ہیں تو ان سنی علماء کا منطق و ذہن کام نہیں کر سکتا۔ ایک جھوٹ کو چھپانے کی خاطر سینکڑوں جھوٹی تاویلیں بنانی پڑتی ہیں مگر بات پھر بھی بن نہیں پڑتی ہے، اس میں سنی حضرات کی منطقی قابلیت کا قصور نہیں بلکہ یہ اعجاز خداوندی ہے کہ وہ فعل و قول ہی ایسا نامراد ہوتا ہے کہ جو شرمندہ توجیہہ و تشریح نہیں ہونا چاہتا۔ پہلے قریشی صاحب نے استفہام کا جملہ استعمال کیا حالاں کہ آنحضرتؐ کے قول میں کوئی ایسی گنجائش نہیں ہے جس سے ہذیان کا شبہ ہوتا۔ اگر استفہام تھا تو پھر بتایئے ازواج نے پردہ میں سے کیوں آوازیں دیں کہ حکم رسولؐ کی تعمیل کرو۔ امہات المومنین نے پردہ میں سمجھ لیا لیکن قریب بیٹھے حضرات مغالطہ میں رہ گئے! اگر انداز استفہامی تھا تو پھر ازواج کو صحابیات یوسفؑ کہنے کی ضرورت کس لئے محسوس ہوئی! اس قدر سیخ پا ہو کر ماؤں سے ناراضگی کا اظہار کیوں کر دیا! اگر شبہ تھا تو کیا تھا اور یہ شبہ کونسی تحقیقات سے دور ہوا! پھر آخر وہ کیا سبب تھا کہ حضورؐ پر خلط و لغو گفتگو کا یقین کیا اور قلم و دوات پیش نہ کی اگر استفہام ہوتا تو آنحضرتؐ اتنے ناراض ہو کر دفعہ دور کیوں کرتے

آپ کیوں فرماتے کہ مجھے میرے حال پر رہنے دو! یہ حالت اس حالت سے بہت بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو! دلیل و منطق تو ملاحظہ کر لیجئے! چونکہ اس گستاخی کے مرتکب حضرت عمر ہیں۔ لہذا حقائق کو نظر انداز کر کے بھی اس طرح تاویل بے بنیاد کی جاتی ہے کہ وہ فقرہ استفہامیہ تھا! لیکن میں کہتا ہوں کہ پھر بھی ہمارا دعویٰ ثابت ہوتا ہے کہ دکلا حضرت عمر واقعات صحیحہ کی بنا پر اپنا اعتقاد قائم نہیں کرتے بلکہ اعتقاد کے تعصب کی وجہ سے کتر بیونت و تحریف کرتے ہیں! علاوہ اس کے جب خود حضرت عمر کا فعل معرض بحث میں ہو تو اس وقت یہ دلیل کیا کام کر سکتی ہے چلئے اس سے اتنا تو آپ مان گئے کہ ان کلمات کے کہنے والے حضرت عمر ہی ہیں! چنانچہ ابن اثیر اور ابن تیمیہ جیسے متعصب و شیعہ دشمن علماء نے بھی اسے کلام عمر تسلیم کیا ہے اب ھجر کے معنیٰ کی طرف آیئے! اگر اسے ہجرت کے معنیٰ میں لیا جائے تو بالکل بے معنیٰ عبارت ہو جاتی ہے! کیوں کہ مرنے والے کو مہاجر نہیں کہا جاتا ہے! ورنہ پھر مہاجرین کو یہی معنیٰ دے دیجئے! ہجر کے معنیٰ فحش کلامی یا ہذیان ہر لغت میں عام ہیں اور عام معنیٰ چھوڑ کر تاویلی معنیٰ کیوں کر لئے جا سکتے ہیں!

پھر یہ کہ روایات میں غلبہ مرض کی وجہ سے کلام کے الفاظ بھی ہیں جو ان معنے کے قریب تر ہیں کیوں کہ ہجر کے معنیٰ خبط و مختلط ہونے کے ہیں! بس پاس عمر کی خاطر لغت تبدیل نہیں کی جا سکتی ہے

اعتراض ۶۱۷! خدا نخواستہ اگر تسلیم کر لیا جاتے کہ فاروق اعظم نے بغرض بے ادبی اس قسم کا لفظ حضور علیہ السلام کے حق میں استعمال کیا تھا تو فرمایئے! سیدنا علی نے اس کا رد عمل کیا فرمایا الفاظ حدیث سے ثابت کیجئے؟

جواب ۶۱۷! حضرت امیر علیہ السلام اس وقت موجود ہی نہ تھے لہذا رد عمل کیسا! پھر موجودگی رسولؐ میں اپنی طرف سے کوئی رد عمل کرنا بھی گستاخی رسولؐ ہوتا! کیوں کہ حضورؐ کی موجودگی میں ان کی آواز سے اپنی آواز بلند تک کرنا

شان مومنیت کے خلاف ہے!

اعتراض ۶۱۸:۔ اگر سیدنا علی نے حضورؐ کی عمرؓ کے آخری لمحات میں حضور کی طرف داری نہ کرتے ہوئے حضرت عمر کی تردید نہیں فرمائی تو کیا اسے بے وفائی پر محمول نہ کہا جائے گا؟

جواب ۶۱۸:۔ جب حضرت علیؑ وہاں موجود ہی نہ تھے تو پھر یہ اعتراض فضول ہے! البتہ بعد میں حضرت امیرؑ نے حضرت عمر کو ہمیشہ جھوٹا خائن۔ غادر اور آثم سمجھا۔ صحیح مسلم ملاحظہ کیجیے۔ واضح ہو کہ حضرت علی حکم رسولؐ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے

اعتراض ۶۱۹:۔ فرمایئے حضورؐ کی قدر کیا رہتی ہے! جب کہ نبوت کا دعویٰ فرمایا تو ابولہب نے سب وشتم کیا اور دھمکیاں دینے لگے تو حضرت عمرؓ نے اور فدائیوں کی یہ حالت کہ نہ روز اول فدا ہوتے اور نہ روز آخر روز اوّل تو خیر ابھی تک کوئی شخص بھی دولت ایمان سے سرفراز نہ ہوا تھا! لیکن اس مجلس میں تو ایسی شخصیت موجود تھی جو شجاعت میں بھی نامور تھے اور فراست میں بھی یکتا داماد بھی تھے اور چچازاد بھائی بھی؟

جواب ۶۱۹:۔ مخالفین اور دوست نما دشمنوں کے مظالم کو صبر و تحمل سے برداشت کرنا انبیاء مظلومین کا شیوا ہے! اس صبر و استقامت سے ان کے درجات میں ترقی ہوتی ہے جس طرح اصحاب عیسیٰؑ میں کے صاحب کا ستارہ مقدر ڈوب گیا اور اس نے عیسیٰؑ سے وفا نہ کی لیکن جناب عیسیٰؑ کی قدر و منزلت میں کوئی فرق نہ آیا! اسی طرح نہ ہی ابولہب کی گستاخی سے حضورؐ کی شان میں کوئی کمی واقع ہوئی ہے اور نہ ہی حضرت عمر کی بے ادبی آپؐ کی قدر و منزلت پر اثر انداز ہوئی! اگر یہودہ مسلکہ یوتی کی بغاوت جناب عیسیٰؑ کے لیے کوئی بے قدری کا سبب بن سکتی ہے تو پھر یہ بات ابولہب و عمر کے معاملہ میں سوچی جا

سکے گی ، باقی جو شیدائی اور فدائی حقیقی تھے انہوں نے ہر مقام پر اپنی وفاؤں کے
جھنڈے گاڑے ہوتے ہیں اسی لئے ان ذوات پر ایسے مطاعن دشمن بھی پیش
نہ کر سکے کہ کبھی بے وفائی کا مظاہرہ کیا ہو ۔ لیکن جو لوگ فدائی نہیں بلکہ حکومت
کے سودائی تھے ان کی عادت تھی کہ ہر وقت مخالفت رسول ص کرتے تھے خواہ
جنگ ہو یا امن گھر ہو یا میدان ۔ میدان سے خود بھاگتے رہے مگر گھر سے رسول ص
بھگاتے رہے ! حضرت علی علیہ السلام تو اس مجلس میں موجود ہی نہ تھے البتہ
ازواج مخدرات نے پردہ میں سے تعمیل حکم کی تلقین کی اور حاضرین میں سے
کچھ اصحاب نے ایسی ہی رائے دی لہذا تکرار و تنازعہ بڑھ گیا اور حضور ص نے
اپنے پاس سے اٹھا دیا !

اعتراض نمبر ۶۲۰ ! اگر معاذ اللہ حضور ص کی یہی کیفیت تصور کی جاتے
تو فرمائیے لوگوں کے سامنے ایسے پیغمبر کو کس رنگ میں پیش کرو گے

جواب نمبر ۶۲۰ ! مجھ سے یہ اگر پوچھا جاتے تو میں یہ کہوں گا میرے رسول ص
سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی مظلوم نہیں گزرا ہے جس قدر بے وفائی امت
نے میرے نبی ص سے کی اس کی مثال ملنا محال ہے ! ساری زندگی جس صابر و
امین پیغمبر ص نے امت کے لئے ہر طرح کی صعوبت برداشت کی امت نے اس رسول ص
کو آخر دم تک اذیت پہنچائی اور آج تک اس کی روح کو تکلیف دینے کی نا
کام کوششیں جاری ہیں ! جس رسول ص نے لوگوں کو حیوان سے انسان بننے کی تعلیم
دی دنیا کی غلامی سے نجات دلائی آزادی کی نعمت عطا کی ۔ امت نے اس
رسول ص کو اس قدر بے قدر جانا کہ اس کی آخری خواہش بھی پوری نہ کی اور
اس کا لاشہ بے گور و کفن چھوڑ کر اپنی ہوا و حرص کے پیچھے بھاگ گئے اس کے
ہر حکم کو تبدیل کیا اس کی ہر محبوب چیز سے عداوت رکھی اور خفیہ و علانیہ
وہ تمام عناصر بروئے کار لائے گئے جس سے حضور ص کو اذیت دی جا سکتی
تھی ظاہری دشمن تو علانیہ دشمنی رکھتے تھے لہذا افسوس کم ہے مگر دوست

نماد شمنوں کی تدابیر قابل صد افسوس اور لائق مذمت ہیں! لیکن یہ کیفیت اور صورت حال صرف آنحضرتؐ ہی کے لیے نہ تھی بلکہ اکثر نبیوں سے ان کے صحابہ نے ایسا ہی کیا: بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیتیں دیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود ان کے صحابیوں کے ہاتھوں ظلم وستم کا نشانہ بن جانا پڑا! اگر وہ کیفیت موسیٰؑ وعیسیٰؑ کے لیے باعث تنقیص نہیں بلکہ باعث عزت ہے تو پھر حضورؐ کے لئے ایسی کیفیت کا امکان کیونکر بعید از قیاس اور سبب تنقیص ہوسکتا ہے ان واقعات سے رسولؐ کی مظلومیت ثابت ہوتی ہے اور آپؐ کا صبر واستقلال ابھر کر سامنے آجاتا ہے! جس امت کی بھلائی کی خاطر رسولؐ نے کسی قربانی سے دریغ نہ کیا اسی امت نے رسولؐ کے زبان وحی بیان پر ناز یبا حملہ کیا اور آپ کی آخری وصیت کی آڑ بن گئی رسولؐ کی شان ہر حالت میں بلند رہتی ہے اور امت کے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے!

اعتراض ۶۲۱: اگر تسلیم کر لیا جائے کہ قلم دوات لانے میں مانع حضرت عمر کی ذات تھی تو سوال یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی وفات پیر کے دن ہوئی۔ ان پانچ دنوں میں رکاوٹ کرنے والا کون تھا؟

جواب ۶۲۱: قضیہ قرطاس میں اختیار کی گئی تدبیر ناقص الایمان لوگوں کی وہ زبردست ترکیب تھی جس کو استعمال کرنے سے ان کو اپنے عزائم میں کامیابی ہوگئی مگر سیاہ چہروں پہ پڑے ہوئے نقاب خودبخود اٹھ گئے اعلان غدیر کے بعد کی کارروائیوں سے جب رسول اکرم صلے اللہ علیہ والہ وسلم کو اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ بعض مسلمان حضرت علیؑ کی خلافت قبول کرنے کے لئے دل سے تیار نہیں ہیں اور ان کی اپنی نگاہیں مسند حکومت پر جمی ہوئی ہیں تو حضورؐ نے آخری حجت پورا کرنا چاہی

تاکہ لوگوں کو اپنی دلی حالت کے چھپانے کا موقع ہی نہ ملے حجت بھی پوری ہو جائے اور کچھ افراد کی کیفیت قلبی بھی عریاں ہو جائے اگر موجودہ افراد کو یہ لوگ اپنی چالاکیوں کے ذریعہ سے حرص ولالچ فریب کے دام میں پھنسا کر اپنی طرف کھینچ بھی لیں تب بھی آئندہ محققین پر یہ آسانی سے ظاہر ہو جائے کہ جن لوگوں نے علیؑ کی مخالفت کی تھی وہ اپنے رسولؐ کے بھی تابعدار نہ تھے! اور ان لوگوں کے دلوں میں اپنے نبیؐ کی وقعت کچھ نہ تھی! حضورؐ نے! قوموا عنی! کہہ کر ہمیشہ کے لئے ان اشخاص کو اپنے حلقہ رحمت سے خارج فرما دیا! اس متفق علیہ واقعہ منع تحریر وصیت کے بعد جب آنحضرتؐ کو مشہور صحابہ کیطرف سے ناامیدی ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ یہ ضرور تنازعہ پیدا کریں گے تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو بلا کر بہت دیر تک راز کی باتیں کیں اور صبر کی تلقین فرمائی! علامہ طبری لکھتے ہیں کہ "ابن عباس کہتے ہیں کہ اسی مرض کے دوران حضورؐ نے فرمایا علیؑ کو میرے پاس بلواؤ بی بی عائشہ نے کہا کاش آپؐ ابوبکر کو بلاتے اور حفصہ نے کہا کاش آپؐ عمر کو بلاتے پس اتنے میں وہ حضرات وہاں جمع ہو گئے حضورؐ نے جب علیؑ کو نہ دیکھا تو فرمایا کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ! اگر تمہاری ضرورت ہو گی تو میں خود تم کو بلا لوں گا یہ لوگ سن کر واپس چلے گئے!!" ابوجعفر محمد بن جریر الطبری! تاریخ الامم والملوک! الجزء الثالث (ص ۱۹۵)

یہ خبر غیر جانبدار محققین کے نزدیک بہت اہمیت رکھتا ہے اور ہمارے مدعا پر بہت اچھی روشنی ڈالتا ہے! حکومت پر قبضہ جمانے کی جو تدبیریں کی جارہی تھیں ان میں ان دونوں بیبیوں کا بہت بڑا حصہ ہے! کسی موقعہ کو یہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھیں اور حضورؐ کو ایک عام انسان سمجھ کر آپکی جسمانی کمزوری وبیماری کا فائدہ اٹھانا چاہتی تھیں اپنی رائے کے مطابق عمل کرانا چاہتی تھیں جب حضورؐ نے نہ مانا تو خود ہی دونوں نے اپنے اپنے باپ کو بلایا لیکن چونکہ حضورؐ کو وہ حضرات مطلوب نہ تھے لہٰذا آپؐ نے واپس کر دیا! ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ کو آنحضرتؐ نے اہم کام کے لئے طلب فرمایا

تھا اور واقعات بتاتے ہیں کہ حضورؐ جناب امیرؑ کو صحابہ کی کیفیت بیان کر کے صبر کی تلقین کرنا چاہتے تھے اور ساتھ ہی ان کو امامت نماز کے لئے مقرر فرمانا چاہتے تھے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ مطلب سمجھ گئی تھیں اپنے اپنے والد کو بلایا جب حضورؐ نے ان سے کوئی بات نہ کی اور واپس کر دیا تو خود ہی بی بی عائشہ نے اپنے والد صاحب کو امامت نماز پر کھڑا کر دیا! بالآخر علیؑ کو بلایا گیا! چنانچہ صاحب روضۃ الاحباب لکھتے ہیں کہ!

"آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے بھائی علیؑ کو بلاؤ۔ حضرت علیؑ آئے اور آپ کے سرہانے بیٹھے! آنحضرتؐ نے اپنا سر تکیہ سے اٹھایا اور حضرت علیؑ کو اپنی بغل میں لے لیا اور آنحضرتؐ کا سر حضرت علیؑ کے بازو پر تھا! آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ فلاں یہودی سے میں نے تجہیز جیش اسامہ کے لئے کچھ قرض لیا تھا دیکھو ضرور بالضرور اس کو میری طرف سے ادا کر دینا! اے علیؑ تم پہلے وہ شخص ہو گے جو حوض کوثر پر میرے پاس پہنچو گے! میرے بعد تم کو بہت سے مصائب و تکالیف پہنچیں گے تم کو چاہیے کہ دل تنگ نہ ہو اور صبر کرو! اور جب دیکھو کہ لوگوں نے دنیا اختیار کی تو تم آخرت تیار کرنا"! (روضۃ الاحباب محدث شیرازی)

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ جمعرات سے پیر تک کے دوران کیا باتیں تھیں جو رکاوٹ تحریر ہوئیں حضرت علیؑ کو ویسے ہی دور رکھا گیا اور جب آنحضرتؐ نے دیکھا کہ امت اس نوشتہ کو قلمبند کرنے پر راضی نہیں ہے تو پھر حضورؐ نے وہ تحریر نہ لکھوائی کیوں کہ گمراہی کا خدشہ ان ہی لوگوں سے تھا!

اگر وہ تحریر آپ علیؑ سے لکھوا لیتے تو اس کا حشر بھی وہی ہوتا جو فدک کی اسناد پر کا ہوا تھا! لہذا حضورؐ نے حضرت علیؑ کو زبانی وصیت فرمائی اور صبر کی تلقین کی اور حضورؐ نے امت کو زبانی وصیت فرمائی کہ "میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اللہ کی کتاب اور میری عترت میرے اہل بیت۔ (الخ)"

حضورؐ نے تمام اسرار و وصایا حضرت علیؑ سے خلوت میں فرمائے!

اعتراض ۶۲۲:۔ اگر کوئی رکاوٹ کرنے والا نہیں تھا تو حضور علیہ السلام نے معاذ اللہ امت کو کس حالت میں چھوڑا جب کہ حدیث موجود ہے ! تاکہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جاؤ ۔

جواب ۶۲۲ ! ہادی عظیم رحمت للعالمین رسول الثقلین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کی شدید مزاحمت کے باوجود اپنی آخری وصیت حدیث ثقلین کی شکل میں چھوڑی اور امت کو ثقلین کے سپرد کر کے یہ ضمانت دی کہ تمام گمراہوں سے نجات کا صرف ایک راستہ تمسک بالثقلین ہے ! رسول اکرم کا آخری حکم یہ ہے کہ تحقیق میں تم لوگوں میں دو ایسی عالی قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم ان کو پکڑے رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے سے بڑی چیز ہے: اللہ کی کتاب حبل ممدود ہے اور دوسری میری عترت میرے اہل بیت ، خبردار (یاد رکھو) کہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گی ! حتیٰ کہ حوض کوثر پر میرے پاس دونوں اکٹھی وارد ہوں گی (متفق بین الفریقین)

اعتراض ۶۲۳ ! کیا حضور علیہ السلام کی ذات جو مدت العمر تک کسی کافر اور ملحد سے نہ ڈر سکے وہ حضرت عمرؓ کے جواب سے ہراساں ہو گئے ! العیاذ باللہ !

جواب ۶۲۳ ! رسول خدا کبھی کسی سے نہ ڈرے ، عمر سے حضورؐ اس وقت بھی خوفزدہ نہ ہوئے جب وہ برہنہ تلوار ہاتھ میں لئے ارادہ قتل پیغمبر کے لئے آئے تو اس وقت کیسے ڈر سکتے تھے حضورؐ نے بلا خوف و خطر پیغام حدیث ثقلین کی وصیت فرمادی !

اعتراض ۶۲۴ ! جب حضورؐ علیہ السلام بار ہا ! مَنْ یَہْدِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ ! فرما چلے تھے اور ہدایت کی تکمیل کے لئے آیت الیوم ! اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ! نازل ہو چکی تھی

تو حضور علیہ السلام کے آخری ارشاد کو امتحان پر محمول کیوں نہ کیا جائے!

جواب ۶۲۴ : حضورؐ کے ارشاد کو امتحان پر محمول کریں یا ہدایت کیلئے معاملہ تعمیل ارشاد پیغمبرؐ کا ہے کہ حضورؐ کی خواہش پوری نہ کی گئی اور انکے بارے میں نازیبا کلمات کہے گئے اس نافرمانی سے گستاخی پیغمبر ثابت ہوتی ہے اور نقص اطاعت ظاہر ہوتا ہے جو مومنیت کی نشان کے خلاف ہے ارشاد کا مقصد کچھ بھی ہو یہ ضمنی معاملہ ہے اصل اعتراض حکم عدولی اور بے ادبی سے متعلق ہے جس کا ارتکاب قابل مذمت ہے۔

اعتراض ۶۲۵ : سیدنا عمر کا یہ قول کیا حضرت عمر کے کمالات عالیہ میں سے آخری کمال نہیں جب کہ حضرت عمر نے ایسا جواب دیا جس کو سنکر حضورؐ نے سکوت اختیار فرمالیا اور ظاہر کہ حضور علیہ السلام کا کسی امر پر سکوت اختیار فرمانا اس امر کے مستحسن ہونے پر دلالت کرتا ہے!

جواب ۶۲۵ : معترض کی اس بات کو اور کوئی شیعہ ماننے چاہے نہ مانے لیکن مجیب یہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے کہ بلاشبہ یہ حضرت عمر کے مذعومہ کمالات کا آخری کمال تھا کہ اس حربہ میں کامیاب ہوئے اور بڑی آسانی سے اقتدار پر قبضہ جمالیا اور لوگوں میں اپنی حیثیت رسولؐ سے بھی بڑھالی کیوں کہ حضورؐ کو لاجواب کرکے خاموش کر دیا اللہ کے سچے نبی کے لبوں پر مہر سکوت لگا کر ثابت کیا کہ میرا کمال یہ ہے کہ میں رسولؐ کو اپنے سے بالا نہیں سمجھتا ہوں! مگر اللہ کا رسولؐ بھی بالکل خاموش نہیں رہا ہے بلکہ فوراً پکار کر فرمایا ہے! دفع ہو جاؤ نکل جاؤ۔ پس اگر قریشی صاحب ایسے سکوت کو مستحسن سمجھتے ہیں تو سمجھتے رہیں ورنہ میرے نزدیک یہ سکوت ویسا ہی ہے جیسا خدا کو خلقت آدمؑ کے وقت درشیارہ ابلیس ہوا جس طرح اللہ نے اپنے

خلیفہ کے مخالف کو راندہ درگاہ قرار دے دیا اسی طرح اللہ کے رسولؐ نے اپنے وصی کے مخالفین کو اپنی بارگاہ رسالت سے نکال کر مردود قرار دیا۔ جسطرح خدا نے شیطان کو ڈھیل دی قوت و غلبہ و اختیار دیا اسی طرح گستاخ رسولؐ کو مطلوبہ مرادیں حاصل ہوگئیں اور جو انجام ابلیس کا ہو وہی انجام یطع شیطان ہوگا

اعتراض ۶۲۶: قرطاس نہ دینے سے حیات القلوب، ج ۲ ص ۸۴۲ میں ملا باقر مجلسی نے لیوں یاوہ گوئی کی ہے "ہیچ عاقل را مجالے آں ہست کہ شک کند در کفر عمر کفر کسے کہ عمر را مسلمان گرداند! ترجمہ بوجہ غیرت ایمانی نہیں لکھا جاسکتا! معذور ہوں)

بتائیے آپ کا اس عبارت سے اتفاق ہے یا نہ؟

جواب ۶۲۶: جب رسولؐ خدا چاہتے ہوں کہ ایسی وصیت قلمبند فرمائیں جس میں تمام امت کی بھلائی اور ہر گمراہی کا علاج ہو اگر کوئی امتی مانع ہو جائے اور ایسی حالت میں حضورؐ کو رنجیدہ کرے اور حضرت کو ہذیان سے نسبت دے ایسے گستاخ و موذی رسولؐ کیلئے ایک صحیح مسلمان امتی کی کیا رائے ہو سکتی ہے حضور اکرمؐ کے مقابلے میں کسی شخص کا کوئی اقتدار نہیں ہے۔ اگر علامہ مجلسی نے کسی گستاخ رسولؐ اور ایذا دہندہ پیغمبرؐ اور راندہ درگاہ نبوی کے لئے ایسی رائے قائم کرلی ہے تو یہ محبت و اطاعت رسولؐ کی علامت ہے آپ کی غیرت ایمانی نے جس بات کو چھپایا ہے میری غیرت ایمانی اسے ظاہر کرنے پر مجبور کرتی ہے علامہ مجلسی کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ کسی عاقل کی مجال نہیں ہے کہ عمر کے کفر میں شک کرے اور اس کے کفر میں جو ان کو مسلمان قرار دے! یہ تو عمر بن خطاب کی بات ہے اگر یہی الزام (نعوذ باللہ) اگر کسی اور بزرگ پر بھی ثابت ہو جائے کہ انہوں نے حضورؐ کی آخری وصیت پوری نہ کی اور آپؐ کی بے ادبی و گستاخی کا ارتکاب کیا تو اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ ان کے بارے میں کہدوں کیوں کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی توہین کے سامنے ہر کسی کی تعظیم ہیچ ہے پس مجھے علامہ مجلسی کے ایمانی جذبات سے کوئی اختلاف نہیں ہے کیوں کہ انہوں نے کوئی خلاف عقیدہ یا ناجائز بات نہیں لکھی ہے

اعتراض ۶۲۷ اگر اتفاق نہیں ہے تو ملا باقر مجلسی آپ کے نزدیک مسلمان ہے یا کافر، اگر مسلمان ہے تو کیوں اور اگر کافر ہے تو اس کی مصنفات آپ کے نزدیک قابل قبول ہیں یا نہ ہر دو شقوں کو وضاحت سے بیان کیجئے!

جواب ۶۲۷ مذہب سنیہ کے مطابق اور ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر کی رو سے خلفاء اربعہ کے قاتل تک پر فتویٰ کفر عائد نہیں کیا جا سکتا ہے جبکہ علامہ مجلسی نے اپنے اجتہاد و اعتقاد کے مطابق محض محبت رسولؐ میں ایک گستاخ رسولؐ کی بابت اپنے جذبات ایمانیہ کا اظہار کیا جس سے مجھے بھی اتفاق ہے اس لئے علامہ موصوف مومن تھے! کیونکہ حضرت عمر نہ ہی منصوص ہستی تھے اور نہ ہی ان پر ایمان لانا ضروری ہے! جب حضرت عمر پر تنقید کرنا کسی اصل دین کی مخالفت نہیں ہے تو پھر معاذ اللہ ان کو کافر کس طرح سمجھا جا سکتا ہے ان کے مومن و مجاہد ہونے کا بین ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے حمایت رسولؐ میں ایک حکم عدول صحابی کے شنیع و قبیح فعل کا اظہار کرتے ہوئے اپنی بے باک رائے لکھدی ہے اور کسی خطرہ کی پرواہ نہیں کی یہ شان مومنیت ہے! اگر علامہ مجلسی کسی اصل دین کی تکذیب کرتے تو پھر وہ دائرہ ایمان سے خارج تھے جب کہ انہوں نے اشاعت دین حقہ کیلئے وہ نمایاں خدمات انجام دی ہیں جو رہتی دنیا تک قائم رہیں گی اور ان کی بدولت ہزاروں متلاشیان حق کو راہ ہدایت نصیب ہوئی ہے! اللہ ان کے مراتب جلیلہ میں اضافہ کرتا رہے۔ (آمین)

اعتراض ۶۲۸ اور اگر اتفاق ہے تو آپ کا سیدنا علیؓ اور سیدنا حسینؓ کے ساتھ کیسے ایمان وابستہ رہ سکتا ہے جب کہ انہوں نے سیدنا عمرؓ کو مسلمان سمجھ کر سیدہ شہربانو کو طلب فرمایا!

جواب ۶۲۸: اتفاق کی صورت میں حضرت عمر سے امام علیؑ اور امام حسینؑ کا بی بی شہر بانو کو قبول کر لینا اس لئے وابستگی ایمان کو مانع نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بی بی ہاجرہ کو ایک کافر بادشاہ سے قبول کر لیا تھا جب یہ بات جناب خلیل اللہ کے لئے باعث اعتراض نہ ہو سکی تو خلیل کربلا اور ان کے والد محترم کیلئے کیسے معارض ہو سکتی ہے حالاں کہ ہم نے بار بار اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ بی بی شہر بانو ہرگز حضرت عمر کے زمانے میں تشریف نہیں لائی ہیں اور یہ قصہ من گھڑت ہے جب حضرت ابراہیم منکر خدا کافر مطلق فرعون مصر سے لونڈی قبول کر لی اور گنہگار نہ ہوئے تو پھر حضرت عمر جو کلمہ گو مسلمان تھے ان کے بارے میں ایسے اعتراض کی کیا وقعت ہو گی!

اعتراض ۶۲۹: کیا معاذ اللہ ان حضرات کو آپ جتنا بھی علم نہیں تھا

جواب ۶۲۹: کیوں نہیں تھا وہ تو علم و حکمت کے دروازے ہیں مگر ان کے علم میں یہ بات قابل اعتراض ہی نہ تھی!

اعتراض ۶۳۰: لولا علی لھلک عمر سے استدلال اس رنگ میں کیوں نہ لیا جائے کہ یہ جملہ ان کے باہمی تعلقات کی پیوستگی پر دلالت کرتا ہے! نیز چند ذرائع سے اس واقعہ کی حقیقت سے حضرت علیؓ باخبر تھے اور حضرت عمرؓ کو خبر نہیں تھی اور ظاہر ہے کہ عالم الغیب خدا تعالےٰ کے بغیر کوئی نہیں ہے!

جواب ۶۳۰: جسطرح کفار و مشرکین حضورؐ کو صادق و امین مانتے ہوئے بھی آپ کی رسالت سے منکر رہے اور ان کا یہ اقرار باہمی تعلقات کی پیوستگی پر دلالت نہیں کرتا ہے اسی طرح حضرت عمر کا یہ اعتراف بھی ان کے کردار کی روشنی میں باہمی تعلقات کی کشیدگی ثابت کرتا ہے بے خبری قلت علم کی دلیل ہے اور باخبری فضل علم کی علامت ہے! لہذا چوں کہ حقیقی

خلیفہ کے لئے علم شرط خلافت ہے اور حضرت علیؑ حضرت عمرؓ سے زیادہ عالم تھے
اس لئے استحقاق خلافت حضرت علیؑ کے لئے ثابت ہوتا ہے! اور حضرت عمر
کے متعدد اقوال شاہد ہیں کہ حضرت علیؑ ان سے علم میں بہت ہی بلند مرتبہ
پر فائز تھے اور حضورؐ نے آپ کو باب مدینۃ العلم و باب حکمت فرمایا تھا

اعتراض ۶۳۱! جب سیدنا عمرؓ خلیفہ وقت تھے اور سیدنا علیؓ
ابھی خلیفہ نہیں بنے تھے! اور اس حالت میں غیر خلیفہ کا خلیفہ
وقت کو ایک امر سے باخبر کرنا اور خلیفہ وقت کا تسلیم کر لینا کیا اس
کے کمال تقویٰ اور دیانت پر دلالت نہیں کرتا!

جواب ۶۳۱! دراصل اس مقام پر معترض کے انداز فکر اور مجیب
کے اعتقادی نظریات و سوچ و بچار میں ٹکراؤ ہے! معترض کے مطابق
ہر وہ شخص خلیفہ رسولؐ ہونے کا اہل ہے جسے لوگ منتخب کر لیں یا وہ خود
کسی محلاتی سازش سے برسر اقتدار آجائے! ایسے شخص کے لئے جو جمہوری
خلیفہ بن جائے یا پیشرو کی نامزدگی سے برسر مسند آجائے یا کسی اور تدبیر
سے تخت نشین ہو جائے حقیقت کا اعتراف کرنا دیانت پر محمول کیا جاسکتا
ہے لیکن مجیب کے نظریات کے تحت خلیفہ رسولؐ کے لئے معصوم و علیم ہونا
اشد ضروری ہے! لہٰذا جب اس کو امتحان علم میں ناکامی ہو گی تو وہ شخص
خلافت کے لائق نہیں ہے اور اگر وہ اس نااہلیت کے باوجود بھی کرسی پر
قابض ہے تو غاصب اور خائن ہونے کے ساتھ کاذب و آثم بھی ہے اس لئے
اس کا اقرار و اقبال اس کی دیانت پر دلالت نہیں کرے گا بلکہ سیاسی مصلحت
اور موقع پرستی یا مطلب برآری کے مترادف ہو گا! کمال تقویٰ و دیانت
کی اشکال اس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب وہ اعتراف حقیقت کرتے ہوئے
غصب شدہ مقام کو چھوڑ دے اور حقدار کو اس کا حق لوٹا کر اپنی ندامت
غلطی کا اظہار کر کے آئندہ کے لئے تائب ہو جاتے اور اطاعت کلی کا

عہد کر لے ورنہ محض ذاتی منفعت کی خاطر اقبال حقیقت و تسلیم راتے تقویٰ دیانت کے زمرہ میں داخل نہ ہونگی!

فضیلت فاروق اعظم کے سلسلے میں سیدہ ام کلثوم بنت سیدنا علی کے نکاح کی تحقیق

اعتراض ۶۳۲: فرمایئے آپ حضرات کے نزدیک سادات کرام امت محمدیہ میں داخل ہیں یا نہ؟

جواب ۶۳۲: داخل ہیں!

اعتراض ۶۳۳: اگر داخل نہیں تو کیا! کنتم خیر امۃ اخرجت للناس کے خطاب سے سیدنا علی کو آپ خارج سمجھتے ہیں بر سبیل خروج دلائل سے باخبر فرمایئے!

جواب ۶۳۳: یہ آیت صرف اہل بیتؑ کے لئے ہے اور باقی امت اس کی مصداق نہیں ہے! ابن ابی حاتم نے حضرت ابو جعفر سے روایت کی ہے کہ خیر امت اہل بیت رسولؐ ہیں! ملاحظہ فرمایئے تفسیر در منثور جلد ۲ صفحہ ۶۴ علامہ سیوطی

اعتراض ۶۳۴: اور اگر امت میں داخل ہیں تو کیا آپ کے نزدیک سیدہ جو کہ امت میں داخل ہیں غیر سید عالم متقی جو کہ وہ بھی امت میں داخل ہے سے نکاح جائز سمجھتے ہیں یا نہیں!

جواب ۶۳۴: خیر امتؑ اور امت میں امتیاز رکھنا ضروری ہے

خیر امت میں کی سیدہ کا نکاح خیر امت سید ہی سے جائز ہو گا اور غیر سید کا نکاح جو عالم و متقی ہے عام امت میں جائز ہو گا تاکہ نسبی احترام برقرار رہے!

اعتراض ۶۳۵: اگر جائز سمجھتے ہیں تو اشکال نہ رہا۔

جواب ۶۳۵: یہ ہم اسلئے جائز نہیں سمجھتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا بناتنا لبنینا ہمارے گھرانے کی بیٹیاں ہمارے ہی گھرانے کے بیٹوں کے لیے موذون ہیں نیز حدیث رسول ہے کہ بنی ھاشم کا کفو غیر بنی ھاشم نہیں، صواعق محرقہ صلا۱۶)

اعتراض ۶۳۶: اور اگر ناجائز سمجھتے ہیں تو فروع کافی صلا۱۴۱ جلد ۲ کتاب النکاح کی اس عبارت کا کیا جواب ہے،

اذا جاکم من ترضون خلقہ ودینہ فزوجوہ الا تفعلو تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر

اگر آپ کے پاس ایسا شخص آئے جسکا خلق اور دین تم کو پسند ہو تو اس کو نکاح کر دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہو گا!

جواب ۶۳۶: یہ حکم عام ہے سادات کا تذکرہ نہیں ہے جس طرح عام مسلمانوں کی بیوگان دیگر مسلمانوں کے لیے نکاح میں لانا جائز ہے مگر رسول کریم کی ازواج امت کی مائیں ہیں اور امت کو ان سے نکاح کی خواہش کرنا حرام ہے

اعتراض ۶۳۷: کیا آپ اس مسئلے کے حل کرنے کی زحمت گوارہ فرمائیں گے کہ سیدنا عمر کا یہ نکاح کس غرض کے ماتحت ہوا تھا تحصیل برکت اور ازدیاد حسن تعلق کے لئے یا اور کوئی مقصد تھا ہر دو شقوں پر خاطر خواہ روشنی ڈال لئے!

جواب ۶۳۷: اس میں شک نہیں کہ میں حضرت عمر سے کوئی عقیدت نہیں رکھتا لیکن بحیثیت ایک صحابی حضرت صاحب کو اس قدر بدکار اور بے حیا

بھی نہیں مانتا ہوں کہ انہوں نے اپنی آخری عمر میں چار سالہ بچی سے شادی رچا کر اپنی داڑھی نیچوائی ہو اور اپنی نواسی کو عقد میں لینے کا ارادہ کیا ہو! بس اس نکاح کو حضرت عمر کی سخت توہین سمجھتا ہوں اور اس کے وقوع ہی کا انکار کرتا ہوں لہذا جب واقعہ ہی تسلیم نہیں ہے تو پھر غرض وغایت مقصد کی بحث فضول ہو گی

اعتراض ۶۳۸! امام محمد باقر کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ الکفوان یکون عفیفا فروع کافی کفو یہ ہے کہ پاک دامن ہو کیا اس قول سے قومیت کی اہمیت کم ہوتی نظر نہیں آتی!

جواب ۶۳۸! اسلامی شریعت میں قومیت ونسل پرستی کی گنجائش نہیں ہے عفت وتقوی ہی معیار شرافت ہے یہ شرف سیادت صرف حضور علیہ السلام کی اولاد واہل بیت واقرباء کے لئے مخصوص ہے کہ ان کا کفو غیر نہیں ہے یہ قدرتی فضیلت ہے

اعتراض ۶۳۹! اگر آپ یہ فکر کریں کہ عمر فاروق صرف قریشی تھے اور سیدہ تو سیدہ تھیں پھر نکاح کیسے جائز ہو سکتا ہے تو سوال یہ ہے کہ جناب فرماتے ہیں۔ فقریش یتزوج من بنی هاشم (فروع کافی) کہ قریش بنی ہاشم سے شادی کر سکتا ہے! اگر قول امام سے انکار ہے تو پھر ایمان کی فکر کیجئے!

جواب ۶۳۹! ہمیں قریشی وہاشمی کی نامداری سے کوئی بحث نہیں ہے ہم تو یہ کہتے ہیں کہ سیدانی کی شادی غیر سید سے نہیں ہونی چاہیے! کیونکہ حضور کا ارشاد ہے کہ ہماری بیٹیاں ہمارے ہی بیٹوں کے لئے موزوں ہیں!

اعتراض ۶۴۰! اگر یہ فکر کیا جائے کہ عمر فاروق کی عمر زیادہ تھی اور سیدہ ام کلثوم کی کم تو سوال یہ ہے کہ جب سیدہ عائشہ کے ساتھ حضور علیہ السلام نے نکاح فرمایا تھا اس وقت سیدہ کی عمر کیا تھی اور حضور کی کتنی تھی

جواب ۶۴۰! عمر کے سن وسال سے بھی ہم کو اتنا اعتراض نہیں ہے! لیکن پھر بھی جو عمر بی بی ام کلثوم کی اس افسانوی نکاح کی روایات میں نقل ہوئی

سے وہ حضرت عائشہ سے کم ہے یعنی صرف چار یا پانچ سال افسوس یہ ہے کہ ام کلثوم حضرت عمر کی نواسی ہوتی تھیں جب کہ معاذاللہ حضورؐ بی بی عائشہ کے نانا نہ تھے حضرت عمر کے اس نکاح میں اخلاقی قباحت پائی جاتی ہے!

اعتراض ۶۴۱: کیا جناب بقول ائمہ کرام ثبوت کتب روافض عمر قلیل و کثیر درجا نبین نکاح کے موافقات میں سے ہے دکھا سکتے ہیں"

جواب ۶۴۱: جب یہ نکاح ہی معدوم ہے تو پھر ائمہ کو اس کے ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی! یہ من گھڑت قصہ تو ائمہ کے بعد کذاب راویوں نے کسی خاص مقصد کے لئے گھڑا ہے ورنہ ائمہ کے زمانہ میں یہ بات قابل تذکرہ ہی نہ تھی کیوں کہ خلافت واقع تھی!

اعتراض ۶۴۲: اگر آپ اس قسم کے ثبوت سے عاجز ہیں تو کیا مسئلے کے اقرار کی جرأت کر سکتے ہیں ورنہ انکار پر دلائل قائم فرمایئے!

جواب ۶۴۲: ثبوت اس بات کا مہیا کیا جاتا ہے جس کا وجود ہو اور جو بات محض اختراعی ہو گی اس کے اثبات بھی اختراعی ہوں گے! ہم سرے سے اس نکاح کا انعقاد ہی تسلیم نہیں کرتے اور نہ ہی ائمہ طاہرین کے زمانہ میں یہ مسئلہ موجود تھا اس لئے اس کے انکار و تردید کا بزبان ائمہ ثابت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے! یہ فرضی اتہام تو کافی عرصہ بعد ایک ضد کی خاطر گھڑا گیا ہے! اس مزعومہ عقد کی تردید کا اولین ثبوت یہ ہے کہ مشکوٰۃ شریف میں حضرت عمر کی سیدہ فاطمہؑ کے لئے درخواست گزاری کا تذکرہ موجود ہے کہ حضورؐ نے حضرت عمر کو بی بی پاک کا کفو نہ سمجھا اور صغر سنی کا عذر پیش کیا یہ بات عقلاً محال اور اخلاقاً معیوب ہے کہ یہی حضرت سیدہؑ کی بیٹی سے سولہ سال بعد نکاح کر لیں جبکہ تعلقات خاندانی میں بھی کشیدگی و تفاوت ہو! دوم یہ کہ حضرت عمر کی عورتوں سے بدسلوکی بہت زیادہ مشہور تھی اور تمام سنی و شیعہ مورخین نے یہ بات متفقہ طور پر حضرت عمر کے نقائص میں تسلیم کی ہے اب فطرۃً کوئی شخص جانتے

بو جتنے ایسے بدمزاج تند خو کو اپنی دختر دیگر اولاد سے بدخواہی نہیں کر سکتا سوم۔ یہ کہ من گھڑت نکاح کی روایات میں اس قدر تفاوت ہے کہ ان کا کھلا ہوا تضاد اس قصہ کے جھوٹے ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے چہارم یہ کہ جو سلوک زوجہ کا اپنے شوہر کے ساتھ اور جو بدتمیزی شوہر کی اپنی بیوی کے ساتھ روایات میں درج کی گئی ہے وہ حضرت عمر جیسے زیرک شخص سے متوقع نہیں ہے پنجم، حضرت علیؑ یا کسی امامؑ کے قول سے حضرت عمر کا داماد علیؑ و فاطمہؑ ہونا ثابت نہیں!

اعتراض ۶۴۳۔ استبصار ص ۱۸۵ میں ہے!

لما توفی عمر اتی ام کلثوم جب حضرت عمر کی وفات ہوئی تو فانطلق بھا الی بیتہ حضرت علی ام کلثوم کے پاس تشریف لائے اور اپنے گھر لے گئے!

فرمایئے یہ ام کلثوم کس کی صاحبزادی تھی!

جواب ۶۴۳! یہ بی بی حضرت ابو بکر کی دختر تھیں اور وفات ابو بکر کے وقت اسما بنت عمیس کے بطن میں تھیں!

اعتراض ۶۴۴! سیدنا علی کی یا کسی اور کی دختران کی اپنی تھی تو تنازع ختم اور اگر کسی اور کی تھی تو براہ کرم کتب اہل التشیع کی صحیح عبارات سے سیدنا علی المرتضیٰ کا اپنا اقرار ثابت فرمایئے!

جواب ۶۴۴! ام کلثوم منکوحہ حضرت عمر حضرت ابو بکر کی صاحبزادی تھیں جن کا نکاح بی بی عائشہ کی پرزور سفارش پر حضرت عمر سے کیا گیا! "ام کلثوم" شرح کنز مکتوم "مؤلفہ عالیجناب سید مفتی سجاد حسین صاحب مرحوم میں مطلوبہ عبارات مطالعہ کی جا سکتی ہیں!

اعتراض ۶۴۵! نیز جب کسی اور کی بیٹی کے متعلق سیدنا علی کو لے آنے کا کوئی حق نہ تھا تو آپ نے ایسی جرأت کیوں فرمائی

کیا وہ سیدنا علی کے محرمات میں سے تھی!

جواب ۶۴۵ ! بی بی صاحبہ کی والدہ اسماء بنت عمیس حضرت علی کی زوجیت میں تھیں اور ام کلثوم جناب امیر علیہ السلام کی ربیبہ بیٹی تھیں لہٰذا آپ کے محرمات میں سے ہوئیں اور بی بی صاحبہ اپنی والدہ کے گھر تشریف لائیں!

اعتراض ۶۴۶ : طراز المذہب مظفری مصنفہ مرزا عباسی ص۲۳ میں موجود ہے۔ علی علیہ السلام ام کلثوم را با دی تزویج نمود عباس

حضرت علیؓ نے ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے کیا ابن عبدالمطلب باجازت امیرالمومنین علی بن ابی طالب متولی امر تزویج شد

اور عباسؓ ان کی اجازت سے اس امر کے متولی قرار پائے

اس سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ نکاح حضرت سیدنا علی کی اجازت سے ہوا فرمائیے کیا جواب ہے۔؟

جواب ۶۴۶ ! حضرت عائشہ بنت ابوبکر کی پرزور کوششوں سے یہ نکاح ہوا بی بی عائشہ ہی نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت علی کو مجبور کرنے پر مامور کیا! اور حضرت نے اپنے چچا کو اس نکاح کی اجازت دے دی!

اعتراض ۶۴۷ ! اگر یہ ملکر کیا جائے کہ یہ سیدہ ام کلثوم بنت علی نہیں تھی تو سوال یہ ہے کہ ملا خلیل قزوینی کی اس عبارت کا کیا جواب ہے، گفت امیرالمومنین پس بغایت مضطرب شدم وقتیکہ فکر کردم وفہمیدم آں سخن از امین الہٰی جبرئیل علیہ السلام کہ مراد شکستن عہد نیست بلکہ مراد غصب دختر من است کہ بزور خواہند گرفت (الصافی ج۳ حصہ۱)

حضرت علی نے فرمایا پس میں بہت ہی پریشان ہوا جب میں نے فکر کیا اور میں نے اس سخن کو سمجھا جو کہ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ نقض عہد مراد نہیں ہے! بلکہ میری لڑکی کا العیاذ باللہ غصب ہو جاتا ہے جس کو زور کے ساتھ لے جائیں گے!

کیا اس میں بنت علی کا تذکرہ نہیں کیا گیا!

جواب ۶۴۷: اولاً تو یہ روایت ضعیف ہے کہ اس کا مدار زبیر بن بکار کی روایت پر ہے جو دشمن آل محمد تھا دوم اگر بالفرض محال یہ صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے حضرت کی ناراضگی ثابت ہوتی ہے اور چونکہ منکوحہ بی بی حضرت علیؑ کی ربیبہ تھیں، لہٰذا انہیں بنت یا دختر رواج و مجاز کے تحت کہا گیا ہے!

اعتراض ۶۴۸: نیز یہ بھی واضح کیا جائے کہ طراز المذہب کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کام برضا و رغبت ہوا اور الصافی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ غصب کی گئی فرمایئے ا رفع تعارض کی صورت علمی طور پر کیا ہے؟

جواب ۶۴۸: اگر تھوڑا غور کیا جائے تو دونوں عبارتیں متعارض نہیں دونوں میں حضرت علیؑ کی ناراضگی جھلکتی ہے کیونکہ اول ذکر میں حضرت علیؑ کا خود کی بجائے حضرت عباسؓ کو متولی قائم کرنا دعوت غور دیتا ہے کہ آخر جناب امیرؑ نے خود اس ذمہ داری کو قبول کیوں نہ کیا اور امر نیک سے کنارہ کش رہنے میں کیا مصلحت سمجھی اور مؤخر الذکر روایت تو خود ہی جناب امیر علیہ السلام کی ناراضگی ظاہر کر رہی ہے! پس دونوں روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب امیرؑ نہ ہی ذاتی طور پر راضی تھے اور نہ ہی ان کی رغبت ثابت ہے البتہ دونوں میں مجبوری و دباؤ کے پہلو نظر آتے ہیں!

اعتراض ۶۴۹: اگر معاذ اللہ یہی روایت تسلیم کر لی جائے تو کیا اس سے دو چیزیں ثابت نہیں ہوتیں (۱) حضرت علی المرتضیٰ کا عاجز ہو کر اس کام کو قبول کرنا (۲) نکاح کا تسلیم ہونا!

جواب ۶۴۹: اگر چہ روایت مذکورہ صحیح نہیں ہے مگر مفروضاً ہمیں حضرت علیؑ کا عاجز معذور ہونا جو صبر کہلاتا ہے اس لئے قبول ہے کہ بی بی صاحبہ زوجہ عمر کا نکاح حضرت ابوبکر کے وارثوں اور خصوصاً ام المومنین عائشہ کی

شدید دباؤ کی وجہ سے ہوا! لہذا حضرت علیؑ کو ان کے اس مطالبہ کو ماننا پڑا اور نکاح بنت ابوبکر وربیبہ علیؑ سے ہمیں انکار نہیں ہے!

اعتراض نمبر ۶۵۰! اگر تسلیم کر لیا جائے تو کیا عجز منصب امامت کے خلاف نہیں جب کہ بقول اہل تشیع سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو مشکل کشا اور علی کل شئی قدیر تسلیم کیا جاتا ہے!

جواب نمبر ۶۵۰ : اسے تسلیم کرنے سے صبر امامت ثابت ہوتا ہے صبر منافی منصب امامت نہیں ہے بے شک مولا علیؑ مشکل کشا ہیں اور جس طرح مشکل کشا علیؑ کا مشکل کشا اللہ مصلحتاً بیرون کار دست دراز کیے رہتا ہے اسی طرح حکمت کے تحت مولا علیؑ نے صبر فرمایا! باقی ہم علی کل شئی قدیر صرف خدائے قادر مطلق کو مانتے ہیں نہ کہ علیؑ کو! مگر خود خداوند کریم نے میرے مولا کو اپنی صفات کا مظہر بنایا ہے!

اعتراض نمبر ۶۵۱ ! اگر یہ مکر کیا جائے کہ منکوحۂ عمرؓ کا نام رقیہ تھا ام کلثوم نہ تھا تو سوال یہ ہے کہ طراز المذہب صفحہ ۳۳ سطر کی اس عبارت کا کیا جواب ہے حضرت علی را دو دختر است یکے رقیہ کبریٰ بکنایۃ با ام کلثوم کہ در سرای عمر ابن الخطاب بود! حضرت علی کی دو صاحبزادیاں تھیں ایک رقیہ کبریٰ جس کی کنیت ام کلثوم تھی جو کہ عمر ابن الخطاب کے گھر میں تھیں!

کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رقیہ کبریٰ اور ام کلثوم ایک بی بی کا ہی نام تھا!

جواب نمبر ۶۵۱ ! یہ روایت درایتاً ہی غلط ہے کہ حضرت علیؑ کی دو صاحبزادیاں تھیں! لہذا غلط روایت کا کیا جواب ہو!

اعتراض نمبر ۶۵۲ ! کوئی اعتراض نہیں ہے!

جواب نمبر ۶۵۲ ! اب کل اعتراضات ایک ہزار کی بجائے ۹۹۳ رہ گئے

اعتراض نمبر ۶۵۳ ! اگر شیعہ یہ مکر کریں کہ عمر ابن الخطاب اور حضرت علی المرتضیٰ

کے باہمی اختلافات اس قدر زیادہ ہو چکے تھے کہ ان کو جرأت ہی نہ تھی کہ بالواسطہ یا بلا واسطہ اس قسم کا مطالبہ کر سکیں تو براہ کرم طراز المذہب ص۴۹ بحوالہ ناسخ التواریخ جلد۲ کتاب دوم وچہارم کی روایت کو ذرا غور سے دیکھ کر جواب عنایت فرمائیں!

در سال ہفدہم ہجری عمر ابن الخطاب بحضرت امیر المومنین فرستاد ام کلثوم را از بہر خویشتن خواستگاری نمود!

ہجرت کے انیسویں سال عمر ابن الخطاب نے حضرت علی المرتضیٰ کے پاس پیغام بھیجا اور ام کلثوم کی اپنے لئے خواستگاری کی!

جواب ۶۵۳: ناسخ التواریخ کا شمار کتب معتبرہ میں نہیں ہے تاہم صاحب ناسخ التواریخ نے یہ عبارت جرح کی خاطر نقل کی ہے جبکہ مورخین کا یہ فیصلہ ہے کہ حضرت عمر کا یہ نکاح ام کلثوم بنت ابوبکر سے ۱۷ھ میں ہوا جب یہ روایت تاریخی اعتبار ہی سے غلط ہے تو اس کا جواب کیا ہو سکتا ہے باقی اختلافات کی وسیع خلیج کی موجودگی واقعتاً ایک سبب ہے کہ ام کلثوم بنت علی کا نکاح حضرت عمر سے ہر گز نہ ہوا! ورنہ ثابت کیجئے کہ حضرت علیؑ نے حضرت عمر کے جنازہ میں شرکت فرمائی حالاں کہ مدینہ میں تھے!

اعتراض ۶۵۴: عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی تزویج ام کلثوم ان ذالک فرج غصبناہ	امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ ام کلثوم یہ پہلا ہے جو ہم سے غصب کیا گیا ہے!

(فروع کافی جلد۲ ص۱۴۱ باب النکاح!)

حضرت امام محمد باقر کا یہ ارشاد جناب کے نزدیک کس امر پر محمول ہے

جواب ۶۵۴! یہ کلام ہر گز امام معصوم کا نہیں ہو سکتا ہے اور یہ راوی زبیر بن بکار کذاب کی یاوہ گوئی ہے اس موضوع روایت کے خلاف قطعی اثبات پیش کئے جا چکے ہیں!

اعتراض ۶۵۵ ! اگر واقعی حقیقت پر محمول ہے تو فرمایئے سید تا عباس کی طرف تفویض امر اور غصب کے درمیان کیا نسبت ہے !

جواب ۶۵۵ ! یہ قول قطعاً درست نہیں ہے اور امام پر بہتان ہے !

اعتراض ۶۵۶ ! نیز غصب اور لفظ فرج کا اطلاق کیا ایک امام کیلئے معاذاللہ نازیبا اور ان کی شان سے مستبعد نہیں کونسا امر مانع ہے کہ آپ اس روایت کی تردید کر کے امام معظم کی عظمت کو برقرار رکھ لیں اور روایت کو ان کے وقار پر قربان کر دیں !

جواب ۶۵۶ ! ہم شروع ہی سے اس بیہودہ روایت کا انکار کرتے آ رہے ہیں مگر معترض پھر بھی اس لغو اور توہین آمیز روایت کو زیر بحث لا رہے ہیں ! اس کا راوی زبیر نہ صرف اہل شیعہ کے نزدیک کٹر دشمن آل محمدؐ ہے بلکہ سنی رجال میں بھی ایسا ہے !

اعتراض ۶۵۷ ! پھر اگر آپ کا ہمارے ساتھ اتفاق ہے تو کیا اس سے امام مہدی کی توثیق کی تضعیف لازم نہیں آئے گی !

جواب ۶۵۷ ! اس بات کو بھی ہم بار بار دہرا رہے ہیں کہ کافی کے متعلق توثیق امام مہدی امر مسلمہ نہیں ہے !

اعتراض ۶۵۸ ! اگر تضعیف کو تسلیم کر لیا جائے تو ان کا قول غیر موثق قرار نہ پائے گا اور کیا عدم توثیق سے شان امامت پر حرف نہ آئیگا

جواب ۶۵۸ ! جب توثیق امام عند التحقیق امر مسلمہ نہیں ہے تو ایسی شکل کا پیدا ہونا ہی ممکن نہیں ہے !

اعتراض ۶۵۹ ! بر تقدیر تسلیم روایت کیا غصب ملک کے انتفا کو مستلزم نہیں -

جواب ۶۵۹ ! شیعہ علماء نے اس روایت کو تسلیم نہیں کیا ہے ! اعتراض بے کار ہے !

اعتراض نمبر ۶۶۰ اگر ہے تو انعقاد نکاح کے متعلق معاذاللہ ہم اغیار کے سامنے کیا منہ دکھائیں گے!

جواب نمبر ۶۶۰ جب ہم روایت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے تو پھر اس کی جوابداری سے بری الذمہ ہیں!

اعتراض نمبر ۶۶۱ مجالس المومنین میں ہے! اگر نبی دختر خود بعثمان رض داد ہم علی رض دختر خود بعمر فرستاد! اگر نبی کریم نے اپنی صاحبزادی حضرت عثمان کو دی تو حضرت علی نے بھی اپنی لڑکی حضرت عمر کو دی!

یہ عبارت تطبیق کے بیان کے طور پر تحریر کی گئی ہے! پس جس طرح سیدنا عثمان رض کے ساتھ حضرت کی صاحبزادیوں کا یکے بعد دیگرے نکاح کرنا غصب کے بغیر ہے اسی طرح تسلیم کرنا پڑے گا کہ سیدنا علی رض نے بھی غصب کے بغیر اپنی دختر نیک اختر کا نکاح کر دیا کیا آپ اس کے قائل ہیں یا نہ! دونوں شقوں کو با دلائل ثابت کیجئے!

جواب نمبر ۶۶۱ ہمیں اس تطبیق پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور ہم اس کے قائل ہیں کہ جسطرح حضور نے اپنی ربیبہ بیٹیوں کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا۔ اسی طرح حضرت علی ع نے اپنی ربیبہ ام کلثوم بنت ابوبکر کا نکاح بی بی عائشہ وغیرہ کے اصرار پر حضرت عمر سے کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا! اور غصب والی روایت قطعاً لغو اور خود ساختہ ہے علمائے شیعہ ابتدا ہی سے اس جھوٹی وضعی روایت کو ٹھکراتے آرہے ہیں

اعتراض نمبر ۶۶۲ فروع کافی جلد ۲ صفحہ ۳۱۱ و صفحہ ۳۱۲ مطبوعہ لکھنؤ میں ہے!

عن سلیمان ابن خالد قال سالت	سلیمان ابن خالد سے روایت ہے
اباعبداللہ علیہ السلام عن امرأۃ	فرمایا میں نے امام محمد باقر سے
توفی عنھا زوجھا این تعتد	سوال کیا اس عورت کے متعلق
فی بیت زوجھا او حیث	جسکا خاوند فوت ہو جاتے کہا،

شمارت عدت گذارے اپنے خاوند کے
ثم قال ان علیا لما مات عمر اتی ام کلثوم فاخذ بیدھا فانطلق بھا الیٰ بیتہ! گھر یا جہاں چاہے۔ فرمایا بلکہ جہاں چاہے اس کے بعد فرمایا بلاشبہ جب عمرؓ فوت ہوئے تو حضرت علی ام کلثوم کا ہاتھ پکڑ کر انکو اپنے گھر میں لے گئے

یہ روایت سیدنا مہدی کی بزعم شما مصدقہ ہے اور امام معصوم کی مروی یہ ہے کیا اس سے سیدہ ام کلثوم کا نکاح اور حضرت عمر کا شہید ہو جانا اور ان کے بعد ان کی بیوہ ام کلثوم کا سیدنا علی کے گھر جانا ثابت نہیں ہوتا

جواب ۶۶۲: ملاحظہ کیجئے مراۃ العقول کہ روایت ضعیف ہے! تاہم چونکہ ام کلثوم بیوہ عمر حضرت علی کی ربیبہ تھیں لہٰذا اس لحاظ سے وہ انہیں اپنے گھر جو ان کی والدہ کا گھر تھا لے آئے اس روایت سے یہ ہر گز ثابت نہیں ہوتا کہ ام کلثوم بنت علی تھیں! باقی یہ روایت نہ ہی امام سے مروی ہے اور نہ ہی امام مہدی نے اس کی توثیق کی ہے بلکہ وضعی ہے!

اعتراض ۶۶۳: اگر ثابت ہوتا ہے تو مسلک اہل سنت کی تائید میں کلام نہ رہا!

جواب ۶۶۳: مسلک اہل سنت دراصل ایک مغالطہ کا شکار ہے کیونکہ حضرت عمر کی کئی ازواج کا نام ام کلثوم تھا! لہٰذا بعض مورخین نے دیدہ دانستہ طور پر نام سے فائدہ اٹھایا اور بات کا بتنگڑ بنا دیا شیخ عبدالحق محدث دھلوی جیسے علماء نے اس افسانہ کی تحقیق کر کے اس کی اصلیت یہ بیان کی ہے کہ اسماء بنت عمیس پہلے جعفر طیار کی بیوی تھیں ان کے بعد حضرت ابوبکر کے نکاح میں آئیں اور حضرت ابوبکر سے ان کے دو بچے ایک لڑکا (محمد) اور ایک لڑکی ام کلثوم نام کی پیدا ہوئی اس کے بعد اسماء حضرت علیؑ کے نکاح میں آئیں ام کلثوم اپنی ماں کے ہمراہ آئیں اور عمر ابن خطاب نے انہیں

ام کلثوم دختر ابوبکر سے نکاح کیا! رجال مشکوٰۃ ص۱۱۵ تاریخ کامل ج۳ ص۲۱ وغیرہ
اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا؟

اعتراض ۶۶۴! اور اگر ہمارا مسئلہ ثابت نہیں ہوتا تو امتناعی وجوہ بیان فرمایئے؟

جواب ۶۶۴! آپ کا مسئلہ اس لئے ثابت نہیں ہوتا کہ عربوں کے معاشرہ میں اولاد والی عورت اگر عقد ثانی کر لیتی تھی تو اس کی اولاد جو شوہر ثانی کے زیر سایہ تربیت پاتی تھی، اسی شوہر ثانی کی اولاد سمجھی جاتی تھی! لہٰذا اس رواج کے مطابق حضرت ام کلثوم بنت ابوبکر کو حضرت علی کی بیٹی کہا گیا اور مورخین نے تحقیق کیا ہے کہ ۱۷ھ میں عمر کو بیاہی جانے والی بی بی ام کلثوم بنت ابوبکر ہی ہے! ملاحظہ کیجئے فاروق اعظم مصنفہ محمد حسین ہیکل مصری، الفضائل تبلیغ مولوی محمد زکریا اور ہدایۃ السعدا از علامہ دولت آبادی وغیرہ

اعتراض ۶۶۵! اگر سیدہ کے اس نکاح سے انکار ہے تو امام کے اس استنباط کو بغور پڑھیے اور براہ کرم مسئلہ اور دلیل کے درمیان تطبیق ثابت کیجئے؟

جواب ۶۶۵! ہمیں ام کلثوم بنت ابوبکر کے نکاح سے انکار نہیں ہے البتہ روایت مذکورہ ضعیف ہے! لیکن پھر بھی یہ مسئلہ مطابق دلیل ہے کیونکہ ام کلثوم بنت ابوبکر حضرت علیؑ کی ربیبہ تھیں! لہٰذا استنباط محفوظ رہتا ہے! اور اعتراض کی گنجائش پیدا نہیں ہوتی ہے؟

اعتراض ۶۶۶! اگر یہ ملکر کیا جائے کہ سیدہ کا نکاح حضرت عمرؓ سے تو بعید از عقل ہے البتہ ایک مادہ جن کو متشکل بشکل انسان بنا کر حضرت علی نے بھیج دیا تھا اگر یہ واقعہ حقیقت پر مبنی ہے تو براہ کرم کسی مستند کتاب کا حوالہ دیجئے تاکہ شک رفع ہو اور بحث ختم ہو

جواب ۶۶۶! جہاں تک حضرت ام کلثوم بنت فاطمہؑ و علیؑ کے نکاح

کاسوال ہے اور یہ عقد حضرت عمر سے بعید از عقل بھی ہے ۔ اور بعید از نقل بھی البتہ مادہ جن کی کہانی ہم نے کسی شیعہ معتبر کتاب میں نہیں پڑھی ہے لہذا حوالہ پیش کرنے سے قاصر ہیں !

اعتراض ۶۶۷ ! فرمایئے غیر جنس سے بھی دنیا میں شادی کی جا سکتی ہے !

جواب ۶۶۷ ! یہ کہانی ناقابل اعتبار اور غیر مستند ہے ! ایسے ہی بعض جہلاء کا یہ خیال ہے کہ حضرت علی نے ایک مادہ جن سے شادی کی اور اس سے حضرت محمد حنفیہ پیدا ہوتے ! لہذا اس قسم کی لغو باتیں حلقہ علمائیں مردود قرار پائی ہے اور ایسے جاہلانہ اعتراضات کا جواب خاموشی کے سوا کچھ نہیں ہے

اعتراض ۶۶۸ ! کیا غیر جنس سے توالد و تناسل کا سلسلہ جاری ہو سکتا ہے ثبوت درکار ہے !

جواب ۶۶۸ ! زمانہ سائنس و فنون کا ہے ۔ اس لئے غیر جنس سے توالد و تناسل کا سلسلہ جاری ہو جانا امر ناممکنات میں سے نہیں ہے کیونکہ ایسے تجربات کئے جا چکے ہیں ! مثلاً گھوڑے اور گدھے کے ملاپ سے خچر یا ٹٹو کی پیدائش یا بھیڑیئے اور کتے سے لومڑ وغیرہ کی نسل کے قصے اس طرح کی مثالیں ہو سکتی ہیں ! مگر زیر بحث سوال میں بحث استدلال کے طور پر نہیں کی جا سکتی کیوں کہ ہم اس کہانی کو صحیح نہیں مانتے ہیں ! یہ کسی سر پھرے جاہل کا غیر عاقلانہ خیال خام ہے !

اعتراض ۶۶۹ ! اگر تسلیم کر لیا جاتے تو کیا اس شکل میں بنت علی کی توہین نہیں !

جواب ۶۶۹ ! اولاً تو یہ من گھڑت کہانی ہم تسلیم ہی نہیں کرتے کیوں کہ معصومین کی احادیث میں وارد ہوا ہے کہ شیطان ہماری شکل اختیار نہیں کر سکتا ہے اور شیطان گروہ جنات میں سے ہے البتہ اگر یہ روایت

کسی انسانی شکل کو مسخ کرنے کی ہوتی تو شاید قابل اعتبار ہو جاتی کیوں کہ یہودہ عسکریوتی نے جب حضرت مسیح علیہ السلام سے غداری کی تو اسکو حضرت مسیح کی شکل دے دی گئی اور صلیب پر چڑھا دیا گیا جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اٹھالیا گیا! تاہم یہ معدوم روایت قطعاً غلط ہے اور اس سے بلاشبہ توہین کا پہلو پیدا ہو جاتا ہے!

اعتراض نمبر ۶۷: اگر تشکل مان لیا جائے تو علی سبیل الاستمرار ہو الدوام یا وقتی طور پر! اگر وقتی طور پر ہو تو تم میں سے کوئی اس کا مدعی نہیں اور اگر دائماً ہو تو یہ خلاف عقل و نقل ہے۔ جواب دیجئے!

جواب نمبر ۶۷: میں ایسے تشکل کو نہ ہی دائمی مانتا ہوں اور نہ ہی عارضی اس کی دونوں صورتیں خلاف عقل و نقل ہیں یہ من گھڑت کہانی ہماری کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں ہے نہ ہی ہمارے علماء نے اس کی توثیق کی ہے لہذا تکرار فضول ہے! اس علمی دور میں کوئی احمق آن واحد کے لئے بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ حضرت عمر جیسے مدبر بزرگ شخص نے ساٹھ سال کی عمر میں اپنی پر نواسی حضرت ام کلثوم سے بعمر ۴، یا ۵ سال اپنا پیغام عقد دیا ہو اور اس ضعیف العمری میں آپ نے شادی رچائی ہو! کسی واقعہ کو جانچنے کیلئے صرف دو طریقے رائج ہیں روایت و درایت۔ روایت اس شخص کی قبول کی جاتی ہے جو اس واقعہ میں موجود ہو اور عینی گواہ ہو! اور اس کی ثقاہت مسلمہ ہو! درایت سے مراد اصول عقلی سے واقعہ پر تنقید ہوتی ہے لہذا جب ہم اس قصہ کو روایت و درایت کے آئینہ میں دیکھتے ہیں تو یہ واقعہ عقلی اعتبار سے بالکل غلط اور بہتان عظیم ثابت ہوتا ہے اور درایت کے لحاظ سے درست قرار نہیں پاتا اسی طرح روایتی طریقہ سے بھی یہ قصہ کسی ایسے راوی تک نہیں جاتا ہے جو اس نکاح کا عینی گواہ ہو اور اس کے راوی فریقین کی رجال کشی کے اصولوں ہی کے مطابق مجروح و کذاب پائے جاتے ہیں ان راویوں میں بعض کا وجود بھی ثابت نہیں ہے مثلاً صحیح بخاری میں اسی موضوع

پر ایک روایت ہے جسے ثعلبہ ابن ابی مالک نے حضرت عمر سے روایت کیا ہے حالاں کہ ثعلبہ ابن ابی مالک نام کا کوئی آدمی ہی نہیں تھا چنانچہ اس موضوع پر معتبر ترین کتاب میزان الاعتدال میں علامہ ذہبی نے اس کو فہرست راویان میں شمار ہی نہیں کیا اور نہ ہی اس کے بارے میں کوئی حالات لکھے ہیں، روایات ہیں، "صبیۃ" یعنی دودھ پیتی بچی لکھا گیا ہے، کیا ایک ساٹھ سالہ بزرگ صحابی کسی دودھ پیتی بچی سے شادی کر سکتا ہے، خدارا اپنے خلیفہ کی پاکبازی کا احساس کرو اور زبیر بن بکار کذاب و ناصبی تھا (میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۳۰۹) کی دشمنی کے جال میں آکر حضرت عمر کی توہین نہ کرو

کیا فاروق اعظم نے سیدہ فاطمہ کا گھر جلایا تھا

اعتراض ۱۷۶: فاروق اعظم کے متعلق شیعی حلقے میں یہ مشہور کیا جا رہا ہے کہ آپ نے (معاذ اللہ) سیدہ فاطمۃ الزہرا کا گھر جلایا سیدہ کے مبارک پہلو پر تلوار ماری تو اسقاط حمل ہو گیا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہے کوئی ماں کا لال جو اہل سنت کی کتب معتبرہ سے بسند صحیح اس روایت کو پیش کر سکے؟

جواب ۱۷۶: ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے احراق خانہ سیدہ طاہرہ کا قصد کیا، دھمکیاں دیں اور بی بی پاک کے پہلو پر دروازہ گرایا جس کی وجہ سے اسقاط محسنؑ ہوا، حضرت ابوبکر کا حضرت عمر کو بھیجنا حضرت عمر کا اپنے ہوا خواہوں کی جماعت کو خانہ فاطمۃ الزہرا پر چڑھا کر لانا، جناب عمر کا بی بی پاک کے گھر کو جلانے کے لئے

آگ و لکڑیاں جمع کرنا اور دھمکیاں دینا نیز حضرت علیؑ کے دوستوں کو بیعت کے لئے
لے جانے کا ذکر بہت سے مورخین نے کیا ہے، مثلاً، کتاب الامامت والسیاست
الجزاول ص۱۲، ۱۳ تاریخ طبری الجزالثالث ص۱۹۸، عقد الفرید جلد۲ ص۱۷۹
تاریخ المختصر فی اخبار البشر الجزالاول ص۱۵۶، روضۃ المناظر برحاشیہ جلد
یازدہم تاریخ الکامل ص۱۱۳، مروج الذہب جلد ثالث ص۲۴۴، ازالۃ الخفا
مقصد دوم ص۲۲۹، استیعاب جز الاول ص۳۴۵، تحفہ اثنا عشریہ ص۲۹۲
وغیرہ وغیرہ۔ ابن قتیبہ، علامہ طبری، امام عبد ربہ اندلسی، ابوالولید ابن اثیر
علامہ مسعودی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علامہ ابن عبد البر اور
شاہ عبد العزیز جیسے بلند پایہ علمائے اہل سنت کے اقبال واقعہ کے بعد
کوئی صورت باقی نہیں رہ جاتی کہ اس واقعہ کو غیر مستند و غیر معتبر قرار دیا جا
سکے باقی یہ تو اہل سنۃ والجماعۃ حضرات کی عادت فطری ہے کہ وہ ہر اس
واقعہ کا انکار کر دیتے ہیں جو ان کے مذہب کے لئے مضر ثابت ہوتا ہو،
ہم کہتے ہیں کہ ہے کوئی مائی کا لال جو منقولہ بالا حوالہ جات کی موجودگی میں اس
واقعہ کا انکار کرے اور اپنے جلیل القدر علما کی تکذیب کرے!

اعتراض ۶۷۲: کیا اہل سنت کے علما نے اس کی تردید نہیں کی

(۱) اِنّ ھٰذہٖ القصۃ محض ھذیان وزور من القول وبہتان) — بلاشبہ یہ واقعہ محض ہذیان ہے اور جھوٹ ہے اور سراسر بہتان ہے
المنحۃ الالٰہیۃ مصریہ ص۲۵۲،

جواب ۶۷۲: یہ تردید صرف ظنی ہے اور محض اعتقادی خوش فہمی ہے،
کہ منکر کو فاعل یعنی حضرت عمر سے ایسی توقع و امید نہ تھی۔ لیکن تاریخی حقائق
کا انکار واقعات کی روشنی میں کیا جاتا ہے نہ کہ خوش عقیدگی سے اسی لئے علمائے
سنیہ کی کثیر تعداد نے اس واقعہ کو درست تسلیم کیا اور اس کی وکالت اس طرح
کی ہے کہ سیاست کے مذہب میں یہ سختی بالکل جائز تھی، نظم و نسق کی خاطر یہ

دھکی ایک انتظامی تدبیر تھی اور یہی مؤقف معترض نے خود بھی اختیار کیا ہے
جیسا کہ آئندہ اعتراضات سے ظاہر ہوگا ۔

اعتراض ۶۷۳ : فلک النجات ج ۱ ص ۲۴۸ باب انعقاد خلافت ،
میں ہے : ولقد احرق الخلیفة الثانی ثانی الثقلین ۔ یعنی حضرت
عمرؓ نے دوسرے ثقل اہل بیت کو جلایا ۔

ولا انکار المتواترات لانہ — اس واقعہ کا انکار متواترات کا انکار
ھذا روی بطرق کثیرة — ہے کیونکہ بہت طریقوں اور مشہور
واسانید شہیرة ! — سندات کے ساتھ روایتیں موجود
ہیں ۔ ۲ ، نیچے حاشیہ سلہ پر لکھا ہے اگرچہ سند کے اعتبار سے
ہم اتنا اعتبار نہیں کر سکتے کیوں کہ اس روایت کے رواة کا حال ہمیں معلوم
نہیں کیا ان سب عبارتوں میں تعارض نہیں اور جملہ ضدی رافضیوں
اور مؤلفین فلک النجات کی اندرونی کیفیت طشت از بام نہیں ہوئی
پہلی عبارت میں روایت کے تواتر کا دعوی آخر میں سند سے
جہالت کیا اس بل بوتے پر اہل سنت کے مذہب پر طرح طرح
کے اعتراضات کئے جاتے ہیں ؟

جواب ۶۷۳ : بلاشبہ حضرت ثانی نے نہ صرف ثقل دوم کے دل جلائے
بلکہ مقام نزول ملائکہ کے آگے آگ روشن کرنے کی جسارت کی ۔ واقعہ اپنے
نوعیت کے اعتبار سے اس قدر منفرد تھا کہ اسے متواترات میں کہا گیا ہے اور
مختلف حیلوں سے وکالت کر کے آج تک مرتکب کو اس الزام سے بری الذمہ
قرار دینے کی کوشش جاری ہیں : اس دلسوز واقعہ کو اتنی شہرت ہوئی
ہے کہ اسے اسناد کی احتیاج ہی نہیں رہی اور اس کا چرچا اتنا عام ہے
کہ اس کی تشہیر بذات خود اسے مستند کرتی ہے ایسے اہم واقعات کو محض
اس لئے نہیں جھٹلایا جا سکتا ہے کہ اس کے اسناد معتبر نہیں ہیں کیونکہ

چاند چڑھتا ہے تو زمانہ دیکھتا ہے اور جب حضرت عمر نے چاند چڑھایا تو سارے مدینہ نے دیکھا لوگ چاند پر پہنچے لیکن ہم اس واقعہ کو صرف اسناد کی بحث سے جھوٹا قرار نہیں دے سکتے صاحب فلک النجاۃ کی متنی عبارت اور حاشیہ میں قطعاً کوئی تعارض و تضاد نہیں ہے کیوں کہ متن میں انہوں نے **اسانید شہیرہ** کہا ہے اسناد کے معتبر ہونے کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ اس واقعہ کی شہرت کو سند مانا ہے، ایسے مشہور واقعہ کو غلط قرار دینے کے لئے صرف دو راستے ہو سکتے ہیں ایک ظنی اور دوسرا عقلی یا درایتی ظنی راہ فریق مقابل کیلئے قابل قبول نہ ہو گی اور درایتی راستہ خود علمائے سنیہ نے اختیار کر کے اس واقعہ کا انعقاد تو تسلیم کیا ہے لیکن اسے اپنی تاویل کا تابع کرنے کی کوشش کی ہے جس پر مفصل بحث آگے آ رہی ہے اس واقعہ کا تواتر بھی ثابت ہے اور سند سے جہالت کا عذر اس کی شہرت عامہ سے دور ہو جاتا ہے، ہمیں نہ ہی ضد ہے اور نہ ہی کوئی ذاتی عناد ہماری اندرونی کیفیت صاف ظاہر ہے کہ اگر یہ عمل حضرت عمر نے کیا ہے تو یہ نہ صرف قابل مذمت ہے بلکہ لائق نفرین ہے، مذہب اہل سنت کے غبارہ میں جو ہوا بھری ہوئی ہے اس کو خارج کر دینے کے لئے صرف احراق خانہ بتول کا قصہ ہی کافی ہے! باقی مولا کے فضل سے اہل سنت کے مذہب پر تو جاہل راقم الحروف کم سے کم ایک کروڑ اعتراضات کر سکتا ہے! اور دعویٰ مولائی یہ ہے کہ دس لاکھ اعتراضات صرف سنی عقیدہ توحید کے بطلان میں ہوں گے اگر کوئی ناصبی فقیر آل محمد علیہم السلام کی حاصل کردہ وہ خیرات جو اسے در مدینۃ العلم سے بخشش میں ملی ہے کا نظارہ چاہے تو میدان میں آجائے! العلم عند اللہ

اعتراض ۱۶۷! کیا حقیقت میں واقعہ یوں نہیں ہے کہ بعد از انعقاد خلافت کچھ لوگ سیدنا علیؑ کے مکان میں امور خلافت کے متعلق مختلف تبادلہ خیالات کرنے لگے جس پر حضرت عمرؓ کو اطلاع

ہوئی تو آپ تشریف لائے اور فرمایا ان کو نکال دو! اور یہ بھی فرمایا

یا بنت رسول اللہ مامن الخلق احب الی من ابیک ومن احد احب الینا بعد ابیک منک (کنز العمال ج۳ ص۱۳۹)

اے رسول خدا کی صاحبزادی مخلوق میں سے کوئی مجھے تیرے باپ سے زیادہ محبوب نہیں اور انکے بعد تجھ سے زیادہ میرے نزدیک صاحب توقیر نہیں ۔۔

جب یہی روایت فلک النجاۃ میں نقل کی گئی ہے تو کیا اس سے قلب فاروقی میں حضرت سیدہ کی عزت مرکوز و مخزون نظر نہیں آتی اور مصنف فلک النجاۃ نے جو زہراگلی ہے، (۱) عمرؓ نے اہل بیت کو جلا دیا۔ (۲) گھر کو جلا دیا ہے تو ہین کا پروپگنڈا انہیں سے فرمایئے آپ کے ہاں کچھ ایمان کا مقام بھی ہے یا نہیں ؟ کیا ایسی کتاب پر دنیائے شیعت کو ناز ہے! اف لکم و ما تعبدون ۔

جواب ۴۷: علامہ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر درمنثور میں حضرت انس بن مالک اور بریدہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے اس آیت کو پڑھا

بیوت اذن اللہ ان ترفع گھروں کے اندر اللہ نے حکم کیا ہے کہ بلند کیا جائے پس ایک شخص کھڑا ہوا پھر اس نے پوچھا یہ گھر کون ہے حضورؐ نے فرمایا کہ انبیاء کے گھر ہیں پھر ابوبکر نے کھڑے ہو کر پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ گھر علیؑ و فاطمہؑ کا انہیں گھروں سے ہے حضور اکرمؐ نے فرمایا ہاں یہ گھر ان گھروں سے فاضل تر ہے، یہ وہ گھر ہے جو نبیوں کے گھروں سے افضل ہے جس کے بارے میں قریشی صاحب نے زعم کیا ہے وہاں سیاسی سازش بن رہی تھی اور عمر کو اس کی اطلاع ہوئی لہذا لوگوں کو نکالنے کے لئے وہاں چڑھ آئے، اب کنز العمال کی پوری روایت سنیئے مزعومہ قلب فاروقی میں بی بی پاک کی عزت کا مرکز نظر آجاتے ہے!

عن زید بن اسلم انہ حین
بویع لابی بکر بعد رسول اللہ
صلعم کان علی والزبیر فی بیت
علی وفاطمہ بنت رسول اللہ
صلعم ولیشاورونہا دیر
تجعون فی امرھم فلما بلغ
ذلک عمر ابن الخطاب
خرج حتی دخل علی
فاطمہ فقال یا بنت رسول اللہ
واللہ ما من الخلق احد احب
الی من ابیک وما من احد
احب الینا بعد ابیک منک
وایم اللہ ما ذاک بمانعی ان
اجتمع ھولاء النفر عندک
ان امرتھم ان تحرق علیھم
الباب فلما خرج عمر جاؤھا
قالت تعلمون ان عمر قد
جاءنی قد حلف اللہ لئن عدتم
لنحرقن علیکم البیت) الخ

زید بن اسلم سے روایت ہے بعد
رسول صلعم جب ابوبکر سے بیعت ہو گئی
حضرت علی و زبیر جناب فاطمہؑ کے گھر
میں خلافت کے خلاف مشورہ کر رہے
تھے عمر یہ خبر جان کر خانہ سیدہؑ پر گئے
اور کہا اے دختر رسولؐ آپ کے باپ
سے بڑھ کر مجھے مخلوق میں کوئی پیارا
نہیں نہ تھا ان کے بعد مجھے حقیقی
محبت آپ سے ہے کسی سے نہیں
مگر یہ بات مجھے اس بات سے
روکے گی کہ یہ لوگ (علی و زبیر)
جمع مشورت کریں! بے شک میں
پھونک دوں گا ان کو اس گھر میں

کنز العمال کی منقولہ روایت سے حضرت
عمر کا کردار نکھر کر سامنے آجاتا ہے کہ با
وجود یہ کہ وہ نبی و بنت رسولؐ کے مقامات
سے بخوبی واقف تھے پھر بھی اس محبت
کو نظر انداز کرتے ہوئے آگ لگانے کے
قاصد تھے۔ اور جو کچھ لوگ امور خلافت
پر تبادلہ خیالات کر رہے تھے ان میں صرف علی و زبیر کا نام صاحب کنز العمال نے
نے لکھا ہے! اور اخراج صاحب خانہ علی اور زبیر کے لئے مطلوب تھا مصنف
فلک النجاۃ نے جو لکھا ہے کہ عمر نے اہل بیت کو جلایا! تو اس سے مراد یہ ہے کہ
ان کو رنجیدہ کیا تکلیف دی ان کا دل جلایا! کیوں کہ محاورہ میں یہ معنی عام گفتگو میں

مستعمل ہوتے ہیں کہ جیسے کہتے ہیں کہ اس نے تو مجھے جلا دیا! فلک النجاۃ میں یہ نہیں، لکھا گیا ہے کہ گھر کو جلا دیا، بلکہ الفاظ یہ ہیں کہ اہل بیت کو جلا دیا لہذا یہ کوئی چھوڑا پروپیگنڈا نہیں ہے! ملا علی متقی کی منقولہ روایت ہی سے حضرت عمر کا ارادہ و قصد ان کی اپنی زبان سے ثابت ہے اور یہ جارحانہ قدم اس اعتراف کے باوجود ہے کہ ترک مراتب خانہ سیدہؑ کو تسلیم کر کے کہہ رہا ہے کہ میرے قصد احراق میں یہ توقیر حائل نہیں ہوسکے گی! اگر کسی عزت دار سے یہ کہا جائے کہ بے شک آپ معزز ہیں لیکن میں تو آپ کو ذلیل کروں گا! تو اگر یہ رویہ عزت کی طرف مرکوز ہوسکتا ہے تو ہم حضرت عمر کے لئے بھی سمجھ لیں گے حالاں کہ اس روایت سے حضرت عمر پر دہرا الزام آتا ہے کہ ایک طرف معظمہ کی عزت و توقیر جانتے ہوتے اور مانتے ہوتے بھی ان کو بے عزت کرنے کا مذموم فعل کیا اور ہتک کی اور دوسری طرف جبری بیعت حاصل کرنے کے لئے دھمکایا اور آگ لگانے کیلئے بند و بست کیا، نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت علی حضرت ابوبکر کی خلافت پر راضی نہ تھے اور سیدہؑ طاہرہ بھی حضرت ابوبکر کے انتخاب سے خوش نہ تھیں۔ حضرت عمر خانہ اہل بیت کو سازش کا گھر سمجھتے تھے! اسے پھونک دینا چاہتے تھے اس ارادہ میں مقام سیدہؑ و مقام رسولؐ کو بھی نظر انداز کر دینے پر آمادہ تھے، یہی وجہ ہے شبلی جیسے مداح عمر نے اعتراف کیا ہے کہ حضرت عمر کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں (الفاروق حصہ اول ص۷۱)

اعتراض ص۲۵۰! کیا ہے کوئی شیعی دنگل کا پہلوان جو فاروق اعظم کا قول بدیں الفاظ ثابت کر دے!

لاحرقن علیک بیتک یابنت رسول اللہ یا لاحرقنک یا بنت رسول اللہ	اے رسول خدا کی بیٹی میں تیرے اوپر تیرے گھر کو ضرور جلا دونگا یا میں ضرور تجھے جلا دونگا

ثابت کیجئے اور منہ مانگا انعام لیجئے ورنہ اس ذات اقدس پر بہتان

طرازیوں سے بچئے اور اپنا مقام جہنم میں نہ بنا لیجئے؟

جواب ۶۷۵: حضرت عمر کا بی بی پاک کو یہ دھمکی دینا کہ میں ان کا گھر ضرور جلا دوں گا کتب تاریخ سے مکمل طور پر ثابت ہے! جو الفاظ قریشی صاحب نے رقم کئے ہیں ان ہی مطالب کو پورا کرتی ہوئی عبارت درج ذیل ہے

وکذالك تخلف عن بیعة ابی بکر ابو سفیان من بنی امیه ثم ان ابابکر بعث عمر بن الخطاب الی علی ومن معه لیخرجهم من بیت فاطمه رضی الله عنها وقال ان ابوا علیك فقاتلهم فاقبل عمر بشئ من نار علی ان یضرم الدار فلقیته فاطمه رضی الله عنها وقالت الی این یا ابن الخطاب اجئت لتحرق دارنا قال نعم او تدخلوا فیما دخل فیه الامته!

اسی طرح ابو بکر کی بیعت سے ابو سفیان اموی نے تخلف کیا پھر حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو حضرت علی کی طرف یہ حکم دے کر بھیجا کہ علی کو اور ان کے ساتھیوں کو خانہ فاطمہ سے نکال دیں اور اگر وہ انکار کریں تو ان سے جنگ کریں پس حضرت عمر خانہ فاطمہ کو جلانے کیلئے آگ لے کر آئے۔ ان سے حضرت فاطمہ نے ملاقات کی اور کہا اے خطاب کے بیٹے کیسے آئے ہو کیا تم ہمارا گھر جلانے کیلئے آئے ہو حضرت عمر نے جواب دیا ہاں تمہارا گھر جلا دوں گا ورنہ تم سب ابھی ابو بکر کی بیعت کرلو جس طرح اور لوگوں نے کی ہے!

(تاریخ ابو الفداء الجزء الاول صفحہ ۱۵۶۔ عماد الدین ابو الفداء)

اب جب کہ ہم نے معترض کا مدعا پورا کر دیا ہے ہم حق رکھتے ہیں کہ انعام طلب کریں وہ یہ ہے کہ قریشی صاحب صرف ایسے موذی لوگوں سے بیزاری اختیار کریں جنہوں نے محض دنیوی اقتدار کی خاطر اپنے نبیؐ کے اہل بیتؑ کو ستایا اور اپنا مقام جہنم میں بنا لیا! یہی انعام ہمارے لئے اس قدر انمول

ہو گا کہ زادِ آخرت بھی بن جائے گا اور اس دنیا میں بھی لازوال متاع عظیم
ہو گا، مگر یہ امید ہمیں کم ہے کہ قریشی صاحب بات کے پکے ثابت ہوں،
کیوں کہ ایفائے عہد تو ان کے اماموں نے بھی نہ کیا لہٰذا ہم ان کی وعدہ
خلافی پر بھی افسردہ نہ ہوں گے بلکہ اتباعِ ائمہ ضالین سمجھیں گے!

اعتراض ۶۷۶: فلک النجاۃ میں جن کتابوں الامامۃ والسیاسۃ،
مروج الذہب، رسالۃ الزہرا، النار الموقدہ والنار الحاطمہ،
تشئید المطاعن کی عبارتیں نقل کی گئی ہیں، کیا یہ کتابیں شیعوں کی
تصنیف شدہ نہیں اور جاہلوں کو ورغلانے کے لئے یہ سارا سامان
نہیں کیا گیا تاکہ ان کے سامنے کتابوں کا نام آجائے گا تو مرعوب ہو کر
ہمارا مذہب قبول کریں گے کسی کو کیا خبر کہ یہ کتابیں اہل سنت
کی ہیں یا شیعوں کی اور نیز یہ کہ معتبر ہیں یا غیر معتبر آخر دین کے پلٹش کرنے
میں کچھ تو دیانت چاہیے

جواب ۶۷۶: فلک النجاۃ میں دونوں مسالک کی کتب سے عبارتیں
درج کی گئی ہیں تاکہ واقعہ زیر بحث متفق بین الفریقین قرار پائے ہم ایسے نعوذ
کچے طریقوں سے تبلیغ حق کرنے کے قائل نہیں ہیں کہ خواہ مخواہ اپنی کتابوں کو،
دوسروں کی تصانیف ظاہر کرتے پھریں تمام اہل علم جانتے ہیں کہ رسالۃ الزہرا
النار الموقدہ والنار الحاطمہ اور تشئید المطاعن ہماری کتب ہیں مگر الامامۃ والسیاست
اور مروج الذہب ہرگز ہماری کتب نہیں ہیں ابن قتیبہ مصنف الامامۃ والسیاست
کی توثیق ہم گذشتہ اوراق میں پیش کر چکے ہیں مروج الذہب مشہور مصنف اہل سنۃ
علامہ مسعودی کی ہے ان کی توثیق حاضر خدمت ہے حضرت عمر کے مشہور وکیل
شمس العلماء علامہ شبلی اپنی کتاب الفاروق کے دیباچہ میں امام مسعودی کے متعلق یوں
لکھتے ہیں:- ابوالحسن علی بن حسین مسعودی المتوفی سنہ ۳۸۶ھ و سنہ ۳۴۶ھ مطابق
فوات الوفیات ابن شاکر، فن تاریخ کا امام ہے اسلام میں آج تک اسکے

برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا! وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اسکی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی کچھ حاجت نہ ہوتی! لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بد مذاقی سے اس کی اکثر تصنیفات ناپید ہو گئیں یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں! ایک مروج الذہب اور دوسری کتاب الاشراف والتنبیہ۔ مروج الذہب مصر میں چھپ گئی ہے! اس قدر پر زور توثیق کے بعد مسعودی کو غیر معتبر قرار دینا اور اسے سنی المذہب نہ ماننا ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ تو صرف دو کتابوں کی بات ہے ورنہ یہ واقعہ اہل سنت کی بیسیوں کتب میں مرقوم ہے چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

(۱) امام اہل سنت ابو جعفر محمد بن جریر طبری! تاریخ الامم والملوک جلد ۳ ص ۱۹۸ مطبوعہ مصر

(۲) امام اہلسنت شہاب الدین احمد المعروف بابن عبد ربہ اندلسی! عقد الفرید جلد ۲ ص ۷۶ مطبوعہ مصر

(۳) امام اہلسنت ملک المؤید عماد الدین اسمٰعیل ابو الفدا! تاریخ المختصر فی اخبار البشر جلد ۱ ص ۱۵۶ " "

(۴) علامہ اہل سنت ابو الولید محمد بن شحنہ! روضۃ المناظر بر حاشیہ تاریخ کامل جلد ۱۱ ص ۱۱۳ " "

(۵) امام اہلسنت ابو الفتح محمد بن عبد الکریم شہرستانی! الملل والنحل جلد ۱ ص ۲۵ مطبوعہ بمبئی،

(۶) امام اہل سنت ابن عبد البر! استیعاب فی معرفۃ الاصحاب جلد ۱ ص ۵۴۲ مطبوعہ حیدر آباد دکن

(۷) شاہ عبد العزیز محدث دہلوی! تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۹۲ مطبوعہ نولکشور،

(۸) مولوی شبلی نعمانی شمس العلماء! الفاروق حصہ اول ص ۱۷

(۹) مولوی وحید الدین خان! حد تحقیق مشرب سنی ص ۱۱۱ مطبوعہ لکھنؤ!

(۱۰) مولوی حافظ عبد الرحمٰن حنفی سنی! المرتضیٰ ص ۴۵ مطبوعہ امرتسر!

(۱۱) شاہ ولی اللہ دھلوی! ازالۃ الخفا مقصد دوم مآثر ابو بکرؓ!

کیا یہ ساری کتب شیعہ تصنیفات ہیں! اور ان کے مؤلفین شیعۃ المذہب تھے؟ اس قدر شواہد کی موجودگی میں قریشی صاحب کی بیہودہ گوئی کہ "یہ سارا سامان جاہلوں کے ورغلانے کے لئے کیا گیا ہے" صریحاً ان کے جاہل ہونے کا ثبوت ہے اگر کسی سنی میں کوئی دم خم ہے تو اپنے ان بزرگ علماء کی تکذیب کر کے دکھائے کہ یہ

سنی نہیں تھے، ورنہ ایسے اوچھے ہتھیار کبھی کار آمد نہ ہوں گے، ہماری دیانت داری کو
ثابت کرنے اور معترض کے کذاب و دغا باز ہونے کیلئے، متذکرہ بالا کتب کافی ثبوت
ہیں اب یہ فیصلہ ناظرین خود فرمالیں کہ معترض بددیانتی سے کام لے رہے ہیں یا مجیب!

اعتراض ۱۷۶: آخر وجہ کیا ہے کہ اگر جنگ جمل میں سیدنا علی بزعم شما سیدہ
عائشہ اہل بیت نبیؐ (اولاً) کی بے حرمتی کریں ان کو بے پردہ اونٹ سے
گرائیں ان کی فوج کو قتل کریں تو بجا اور حضرت عمر اہل بیت علی کے دروازے
پر جا کر امور خلافت کے نظم ونسق کو بحال رکھنے اور اختلافات کو مٹانے اور
دین اسلام کے رشتہ کو مضبوط بنانے کیلئے چھپ کر مخالفانہ مشورے کرنے
والوں کو تنبیہ فرمائیں تو بے جا، آخر اس قدر طوطا چشمی اور اعراض عن الحق
کی کیا وجہ ہے؟

جواب ۱۷۶: اس واقعہ کو جنگ جمل کے واقعہ سے مماثلت دینا انتہائی
جاہلانہ حرکت ہوگی کیوں کہ بی بی عائشہ میدان جنگ میں سپہ سالار بن کر برسر پیکار
تھیں، اور میدان جنگ میں ان کی حیثیت ایک امام عادل کے خلاف بغاوت کے سر
غنہ کی تھی لیکن باوجود اس کے کہ جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز کہا جاتا ہے حضرت علیؑ
نے بی بی عائشہ کی پوری پوری حفاظت وتوقیر کی پورے اہتمام کے ساتھ مدینہ
روانہ کیا، مگر سیدہؑ کا گھر میدان جنگ ہرگز نہ تھا؛ بی بی عائشہ براہ راست اس بغاوت
میں شریک تھیں اور میدان جنگ میں حاربین کی قیادت کر رہی تھیں؛ بی بی صاحبہ نے
تمام اسلامی اصول فراموش کر کے خلاف قرآن صف آرائی کی تھی اور حضورؐ کے آگاہ
کر دینے کے باوجود اس مقام پر آ پہنچی تھیں جہاں کتے بھونکے. لہذا امام عادل کا
فرض منصبی تھا کہ وہ اس خلاف دین وایمان وغیر قرآنی بغاوت کو کچل دیتے جبکہ
(نعوذ باللہ) سیدہ طاہرہ سے ایسی کوئی حرکت سرزد نہ ہوئی تھی گھر اور میدان جنگ
میں کوئی مطابقت نہیں ہے؛ حضرت ابوبکر ناحق امام بنے تھے اور اہل بیت خلافت
کو اپنا حق قدرتی سمجھتے تھے لہذا محض ایک امر ناحق کی خاطر مسجود ملائکہ گھر پر

دھاوا بولنا اور بات ہے اور میدان کارزار میں ایک علانیہ باغیہ کو قابو میں لینا اور بات ہے! پھر اس تشدد کا مقصد دین اسلام کی مضبوطی نہ تھا بلکہ اتحاد ملت کو تباہ کرنا اور حقداروں کو ہراساں کرنا تھا۔ صرف بیعت ابوبکر حاصل کرنے کی وجہ سے یہ سنگین اقدام کیے گئے: بی بی عائشہ کے گھر کے متعلق حضورؐ نے اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ فتنے یہاں سے سر اٹھائیں گے جب کہ سیدہؑ کے گھر کو بیبیوں کے گھر سے افضل قرار دیا تھا! کہاں بی بی عائشہ کہ سورہ تحریم ان کی مذمت میں نازل ہوا اور کہاں بی بی بتولؑ کہ سورہ دہر شان سیدہ طاہرہؑ میں اترا! ہم طوطا چشمی نہیں کرتے صاف لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے ابوبکر کو حاکم تسلیم نہ کیا جس کی وجہ سے ان پر مصائب کے پہاڑ توڑے گئے اور حکومت نے وہ تمام حربے آزمائے جو ایک غاصب حاکم سے ممکن ہوسکتے تھے جب امام عادل علیؑ ابن ابی طالب نے بغاوت کی سرکردہ لیڈر کو فتح یاب ہونے کے بعد باعزت رہا کیا۔ اس شکل کے سامنے آنے سے ایک اور بات بھی ثابت ہو گئی کہ اہل بیتؑ حضرت ابوبکر کو خلیفہ ماننے پر راضی نہ تھے لہذا ان کو ڈرا دھمکا کر جبری بیعت لینے کی کوشش کی گئی جس سے نہ ہی اختلافات مٹائے جاسکتے تھے اور نہ دین اسلام کے رشتے مضبوط ہوسکتے تھے کیوں کہ دین ایسی بیعت کو مستحسن قرار نہیں دیتا ہے پس اگر ابوبکر خلیفہ برحق ہوتے تو حضرت علیؑ بلا توقف ان کی اطاعت قبول کر لیتے اور بادشاہ کو احکام قتل صادر کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی نہ ہی حضرت عمر کو دروازہ بتولؑ پر آگ روشن کرنا پڑتی لیس اگر علیؑ فاطمہؑ نے انکار خلافت کر کے کوئی گناہ نہیں کیا تو پھر شیعہ بھی ابوبکر کے منکر ہوتے ہم بے گناہ ہیں چھپ کر مخالفانہ مشورے کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ اہل بیت رسولؐ حضرت ابوبکر کو غاصب سمجھتے تھے جو شیعہ عقیدہ ہے!

اعتراض ۱۷۸ شیعی کتاب مروج الذہب کے حوالے سے فلک النجات حصہ اول صفحہ ۲۱۲ میں یہ عبارت موجود ہے انما زاد بذالک ھا بھو یعنی فاروق اعظمؓ کا منشا گھر جلانا نہیں تھا بلکہ مشورہ کرنے والوں کو

ڈراتا تھا! کیا اس سے مسئلے کی حقیقت کھل نہیں گئی؟

جواب ۶۷۸! مروج الذہب ہرگز شیعہ کتاب نہیں ہے! کیا مسعودی کا وہی عقیدہ تھا جو شیعوں کا ہے؟ عوام کو کیوں دھوکہ دے رہے ہو؟ اس کی توثیق ہم گذشتہ صفحات میں نقل کر چکے ہیں! یہ علامہ مسعودی کا حسن ظن ہو گا! ان کا ارادہ تھا یا نہ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے البتہ قصد تالیت ہے! چلو ڈرانے پر ہی جم جاؤ۔ تمہاری اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حکومت میں اور حضرت علیؑ میں شدید مخالفت تھی حضرت علیؑ حضرت ابوبکر کو قطعاً خلیفہ رسولؐ نہ مانتے تھے بنگاہ علیؑ یہ حکومت الہیہ نہ تھی اس کی بنا غصب وظلم وجور پر تھی حضور کا ارشاد ہے کہ! حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علی حق کے ساتھ ہے آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ! علیؑ اور قرآن قیامت تک ساتھ رہیں گے! پس معلوم ہوا کہ مخالفین علیؑ حق و قرآن۔

کے مخالفین ہوئے۔ ارشاد رسولؐ ہے علیؑ کی رضا میری رضا ہے۔ جو علیؑ کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے" لہٰذا مخالفین علیؑ مخالفین رسولؐ قرار پائے۔ آنحضرتؐ کا قول تھا کہ جس نے اپنے وقت کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت علیؑ ایک دوسرے کے مخالف تھے یا ابوبکر جائز امام نہ تھے یا معاذ اللہ حضرت ابوبکر کو نہ پہچان کر حضرت علیؑ نے کفر کیا تھا۔ اگر آپ یہ مفروضہ بحث کرتے ہیں تو آپ کے مذہب کی ساری بنیاد متزلزل ہو جائے گی۔ ایسی بحث تو غیر مسلم کر سکتا ہے جو خدا و رسولؐ و اسلام سے ناآشنا ہو۔ ایک طرف آپ کے مذہب کی بنا یہ ہے کہ چار دل یار ایک جان اور چار قالب تھے ایک دوسرے کے خیر خواہ تھے۔ ان میں رشک و حسد نام کو نہ تھا جناب امیرؑ حضرت ابوبکر کو جائز خلیفہ خدا اور اپنے سے افضل جانتے تھے اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ آپؑ کے گھر مخالفت کے مشورے ہوتے تھے لہٰذا استحکام حکومت کے لئے یہ ضروری تھا کہ ایسی دھمکی دی جائے۔ آخر مرغا ایک ٹانگ پہ کتنی دیر تک گذارہ کر سکے گا۔ !

اعتراض نمبر ۶۷۹ :- فرمایئے آگ سے جلانا ناجائز تھا یا دھمکی دینا اگر جلانا ناجائز تھا تو وہ ثابت نہیں اور اگر دھمکی دینا ناجائز تھی تو نماز میں سستی کرنے والوں کیلئے حضور علیہ السلام نے بھی گھروں کے جلانے کی دھمکی دی تھی

جواب نمبر ۶۷۹ :- نہ ہی آگ میں جلانا جائز تھا اور نہ ہی ایسی دھمکی دینا نماز ایک فریضہ ہے اور حضورؐ نے اس میں سستی و کاہلی دور کرنے کے لئے ایسی دھمکی دی تاکہ لوگ اس فریضہ کی اہمیت جان جائیں اور غفلت نہ کریں۔ جبکہ حصول بیعت کوئی فریضہ تھا نہ ہی مخالفین سے کوئی سازش ظاہر ہوئی تھی جس سے امن عامہ یا استحکام حکومت کو نقصان پہنچا محذرشش ہوتا۔ یہ دھمکی صرف اور صرف رائے حاصل کرنے کے لئے دی گئی۔ اور اسلامی شریعت آزادیٔ رائے پر عاید کردہ ہر پابندی اور جبر و ظلم کی مخالفت کرتی ہے۔ پس غیر شرعی امر پر ایسی دھمکی کو شرعی امر پہ دی گئی دھمکی سے کوئی نسبت نہیں ہوسکتی ہے۔

اعتراض نمبر ۶۸۰ :- فرمایئے حضرت عمر کو بدنام کرنے کے لئے نہج البلاغۃ کی شرح ابن ابی الحدید، روضۃ المناظر جیسی کتابوں کے حوالے بغیر تصریح مذہب مصنف کیوں دیئے گئے ہیں جبکہ یہ کتابیں شیعوں کی ہیں۔

جواب نمبر ۶۸۰ : ابن ابی الحدید کی شرح ہرگز شیعہ کتاب نہیں ہے۔ کیونکہ شارع کا تعلق اہل سنۃ والجماعت کے ایک فرقہ معتزلہ سے ہے اسی لئے اس نے اپنی شرح نہج البلاغہ میں اکثر خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو عقیدۂ شیعہ کے صریحاً خلاف ہے۔ مشہور امام اہل سنت حجت الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ "شیعہ عالم کا یہ دعویٰ کہ تمام اہل سنت و جماعت خلفاء

ثلاثہ کی امامت قیاس سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں غلط ہے کیونکہ اہل سنت وجماعت میں بہت سے فرقے مثلاً معتزلہ فقہا بغدادیہ، ظاہریہ مثل داؤد ابن حزم وغیرہما کے ان کی امامت قیاس سے نہیں ثابت کرتے "(منہاج السنۃ الجزء الثانی ۹۵)

علامہ اہل سنت محمد ابن شاکر بن احمد اپنی کتاب فوات الوفیات ج ص۲۴۸ میں لکھتے ہیں کہ "(ابن ابی الحدید) کا شمار بہت بڑے شعراء میں ہوتا ہے ان کا دیوان مشہور ہے ان سے روایت حدیث علامہ دمیاطی نے کی ہے۔ مذہب کے متعلق ان کو معتزلہ لکھا ہے" علامہ کمال الدین عبدالرزاق بن احمد بن ابی المعالی الشیبانی اپنی کتاب مجمع الآداب فی معجم الالقاب میں لکھتے ہیں کہ علامہ ابن ابی الحدید حکیم اصولی تھا۔ وہ بہت بڑے علماء اور افاضل میں سے تھا حکیم صاحب علم کامل اصول کلام کا جاننے والا مذہباً معتزلہ تھا... اس کی تصانیف میں سے شرح نہج البلاغۃ ہے۔

اسی طرح روضۃ المناظر بھی شیعہ کتاب نہیں ہے اس کے مصنف محب الدین ابوالولید محمد بن محمد الشہیر ابن شحنہ الحلبی الحنفی ہیں۔ مولوی عبدالحئی لکھنوی اپنی کتاب "التعلیقات السنیہ" میں لکھتے ہیں۔ "یعنی محب الدین محمد بن محمد الشہیر ابن شحنہ حلبی حنفی یہ سنت اور اہل سنت کے عاشق تھے ۸۱۷ھ میں انتقال ہوا۔ ان کی تصنیف سیرۃ النبویہ بہت اچھی ہے" اسی طرح کتاب حدائق الحنفیہ میں ہے کہ محمد بن محمد شحنہ محب الدین ۷۴۹ھ میں پیدا ہوئے۔ علم حدیث کے بہت محب تھے امام ہمام نے آپ سے پڑھا۔ کتاب روضۃ المناظر تصنیف کی پس جب یہ کتب شیعہ کی نہیں بلکہ مشہور سنی کتابیں ہیں تو پھر تصریح کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

اعتراض نمبر ۱۶۸: جب مخالفین خلافت اور استیصال کنندگان فیصلہ شوریٰ نے بیعت سیدنا علی کو اپنے سر چھپانے کی جگہ بنا لیا تو اس سے یقیناً عترت رسول کے حصہ دار بننے کا شبہ گذرتا تھا پس حضرت عمر نے

دھمکا کر سیدہ کے گھر کو ایسی سازشوں سے پاک بنانے کا قصد کیا فرمایئے اس میں اظہارِ اخلاص ہے یا اظہار عداوت۔

جواب نمبر ۹۸۱ :- کوئی بھی شریف النفس اور منصف مزاج شخص یہ حرکت علامت اظہار اخلاص قرار نہیں دے سکتا ہے کہ کسی معزز گھرانے کے دروازے پر آگ جمع کر کے اس کو دھمکایا جائے۔ اگر حکومت کو کوئی ایسا شبہ گذرا تھا تو اُسے آئینی طریقوں سے دور کرنے کی کوشش کی جا سکتی تھی نہ کہ ابتدا ہی میں انتہائی قدم اُٹھا لیا جاتا۔ حکومت کا عترت رسولؐ کی دیانت، شرافت اور حُبِ دینی پر شبہ کرنا ہی اُن کے متخلف الثقلین ہونے کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ مرحوم متمسک بالثقلین ہونے کی صورت میں ان لوگوں کو چاہیئے تھا کہ ثقل دوم کے قائد سے مذاکرات کرتے اور اگر پھر بھی اہل بیت مخالفت کرتے تو وہ حکومت چھوڑ دیتے۔ حضرت عمرؓ کی ایسی وکالت ثابت کرتی ہے کہ حضرت علیؓ حکومت کے مخالف تھے اور حکومت ان کو مشتبہ تصور کرتی تھی۔ پس مخالفت اور شبہ دونوں خلاص پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ عداوت کی دلیل بنتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ عمرؓ اور

عترت رسولؐ میں باہمی تعلقات مخالفت و شبہ پر استوار تھے جسے دوسرے الفاظ میں عداوت کہتے ہیں نہ کہ اخلاص۔

یہ بات عقلاً محال ہے کہ مخلص دوست بلا مسلمہ وجہ محض شبہ کی بنا پر دوسرے مخلص دوست کے گھر کو جلانے کے لئے آپہنچے اور محض اپنی رائے مسلط کرنے کی خاطر دھمکانا ڈرانا شروع کر دے۔ ایسی دوستی و اخلاص ہم نے دنیا میں اور کہیں نہیں دیکھی ہے

اعتراض نمبر ۹۸۲ :- فرمایئے جب سیاست ابوبکرؓ و عمرؓ رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں تھی اور حضرت علیؓ کا وظیفہ تقیہ تھا۔ ذرا بتایئے تو سہی کہ عمرؓ فاروق

کو آگ لگانے سے کس نے منع کیا اور وہاں کون تھا جو منع کر سکتا۔

جواب نمبر ۶۸۲ :- وہ لوگ جنہوں نے ابوبکر کو خلیفہ ماننے سے انکار کر دیا تھا جب انہوں نے یہ حالات دیکھے تو اُن کی غیرت نے یہ گوارہ نہ کیا کہ اس گھر کو نذر آتش دیکھ سکیں جہاں حوران جنت کا نزول ہوتا تھا اور فرشتے آکر چکیاں پیسا کرتے تھے لہذا وُہ باہر آ گئے اور عمر کا مقصد پورا نہ ہو سکا۔ قابل افسوس مقام ہے کہ خانہ سیدہؑ کی بے حرمتی تو صرف شک و شُبہ پر کی جائے لیکن سعد بن عبادہ کی علانیہ مخالفت شدید کے باوجود اس کے گھر ایسی کارروائی نہ کی جائے۔

اعتراض نمبر ۶۸۳ :- اگر یہ ارتکاب معصیت تھا تو سیدنا علی نے ان کے دورِ خلافت میں ان کے متعلق پاکیزہ اور مصلحانہ خیالات کا اظہار کیوں فرمایا۔

جواب نمبر ۶۸۳ :- اگر یہ ارتکاب معصیت نہ ہوتا تو جب حضرت عمر اور ابوبکر معافی مانگنے کے لئے سیدہؑ کے ہاں آئے تو سیدہؑ یہ ہرگز نہ فرماتی وقسم بخدا ہر ایک نماز میں جو پڑھوں گی تمہارے لئے بددعا کروں گی،، (الامامت والسیاست ج صلا)

اور حضرت علیؑ اُن کے بارے میں کاذب، غادر، خائن اور آثم کے القابات تجویز نہ فرماتے۔ (مسلم شریف)

شیخین کا معذرت طلبی کے لئے حاضر ہونا از خود دلیل ہے کہ یہ ارتکاب معصیت تھا ورنہ معافی کی کیا ضرورت تھی۔؟

اعتراض نمبر ۶۸۴ :- کیا سیدنا حسین کو اس دشمنی کا پتہ نہ تھا جبکہ سیدہ شہر بانو کے ساتھ نکاح کرنے کے لئے اپنے باپ کو لے کر سیدنا عمرؓ کے دروازے پر آتے تھے۔؟

جواب نمبر ۶۸۴ :- حضرت امام حسینؑ کو یہ سب کچھ معلوم تھا اور ان کا بی بی شہربانو کے لئے اپنے والد کے ساتھ دروازہ عمر پہ آنا تاریخ سے ہرگز ثابت نہیں ہے۔ یہ بات ہم پیچھے دہراتے آرہے ہیں۔

اعتراض نمبر ۶۸۵ :- امام دو قسم ہیں ایک امام نماز دوسرا امام رعیت جب امام صلوٰۃ کے پیچھے تساہل والوں کو حضور علیہ السلام گھر جلا دینے کی دھمکی دے سکتے ہیں جس میں صرف جماعتوں کا وقتی طور پہ نظم و نسق قائم کیا جاتا ہے تو امام رعیت کے پیچھے اتباع نہ کرنے والے بلکہ مخالفت کرنے والے اور سستی کرنے والوں کو فاروق اعظم اس قسم کی دھمکی کیوں نہیں دے سکتے جس پر مملکت اسلامیہ کے پورے نظم و نسق کا مدار ہے۔

جواب نمبر ۶۸۵ :- حضور سرور کائنات امام برحق اور منصوص و معصوم تھے۔ لہٰذا نفاذ شریعت کی خاطر ایسے احکام کا اجراء کر سکتے تھے جبکہ حضرت عمر نہ ہی امام معصوم و منصوص تھے اور نہ ہی امام مزعوم تھے۔ کیونکہ جب یہ واقعہ رونما ہوا اس وقت صاحب حکومت حضرت ابوبکر تھے۔ حضرت ابوبکر کا ایسا حکم ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے سیدہ کے گھر کو جلا دینے کی دھمکی دینے کی ہدایت جاری کی۔ پس جب حضرت عمر امام ہی نہ تھے تو انہوں نے اپنے امام کیخلافِ مرضی یہ قدم کیوں اٹھایا۔

نیز اس بحث سے ثابت ہوا کہ اہل سنت کے اعتقاد کے مطابق حضرت علیؑ، سیدہ فاطمہؑ اور ان کے اصحاب و رفقاء و ہمخیال حکومت ابوبکر کے غیر مطیع بلکہ مخالف تھے۔ پس جب حکومت ابوبکر کے لئے اہل بیت کی رضامندی ہی ثابت نہیں تو پھر یہ مزعوم خلافت برحق کیسے ہو سکتی ہے۔ کیونکہ علماء سنیہ کا اقرار ہے بلا شرکت اہل بیت اجماع

جائز نہیں ہے اور علی و دیگر اہلبیتؑ کی مخالفت سستی اور عدم اتباع بقول شما بھی ثابت ہے تو پھر حضرت ابوبکر کو جائز امام کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اگر ان کی مخالفت اہل بیت کے لئے مضر نہیں ہے تو پھر شیعان اہل بیتؑ کے لئے کیوں ہو۔؟

تراویح میں جماعت کی تحقیق

اعتراض نمبر ۶۸۶ ۔ کیا آپ لوگ اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ اہل سنتہ کی کتابیں اس سے لبریز ہیں کہ حضور علیہ السلام نے تین دن تراویح کی جماعت فرمائی۔

جواب نمبر ۶۸۶ ۔ ہم پوری ذمہ داری سے اس بات کا انکار کر سکتے ہیں کہ مذہب اہل سنتہ والجماعتہ کی کتابوں میں ایک روایت بھی ایسی موجود نہیں ہے جس سے یا یہ الفاظ ثابت ہو جائے کہ حضورؐ نے "تین دن تراویح کی جماعت فرمائی"

اعتراض نمبر ۶۸۷ ۔ حضور علیہ السلام نے چوتھے روز ترک جماعت کی وجہ یہی بیان فرمائی تھی تاہم تم پر فرض نہ ہو جائے۔ کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ترک جماعت خوف فرض کی وجہ سے تھا ورنہ قلبی آرزو اور ذاتی تمنا یہی تھی کہ جماعت ہونی چاہیئے۔

جواب نمبر ۶۸۷ ۔ ایسی تمام روایات غیر مرفوع اور غیر ثقہ ہونے کی وجہ سے مجروح ہیں اور سنی اصول حدیث کے مطابق معتبر قرار نہیں پاتی ہیں۔ یہ بحث تو رہی ایک طرف جب تین دن تراویح کی جماعت فرمانا ہی ثابت نہیں ہے اور ایک روایت بھی اس مقصود کو پورا

نہیں کرتی ہے۔ تو پھر چوتھے دن کی بات ہی بے بنیاد ہے۔ اور پھر یہ کہ حضورؐ تو چاہتے ہی وہ تھے جو خُدا چاہے ان کی ذاتی تمنا و قلبی آرزو یقیناً منشاء خداوندی کے خلاف نہ ہوسکتی تھی۔

اعتراض نمبر ۶۸۸ بعد از وفات جب خوف فرضیت نہ رہا تو فاروق اعظمؓ نے حجت پر عمل کروا کر کیا نبوی تمنا کو پورا نہ کیا؟

جواب نمبر ۶۸۸ ذرا یہ تو بتایئے کیا حضرت ابوبکر کو رسُولؐ کی اس تمنا کا کوئی احساس نہ ہوا جو بہرحال حضرت عمر سے زیادہ بزعم شما عاشق رسول تھے اور آخر اس معاملہ میں جناب عمر کو حضورؐ کی تمنا پوری کرنے کا شوق کیوں ہو گیا جب یہ تمنا پوری کرنا خُدا کو منظور نہ ہوا حالانکہ حضرت عمرؓ نے رسُول اللہؐ کی آخری تمنا پوری نہ کی جیسا کہ انہوں نے خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا۔

"بے شک حضورؐ سے علیؑ کے بارے میں چند ایسی باتیں ہوتی تھیں جن سے کوئی حجت (عدم استخلاف) ثابت نہیں ہوتی تھی نہ عذر (عدم استخلاف) قطعی ہوتا تھا بسا اوقات تو جناب رسُولِ خداؐ علیؑ کے امر میں حق سے باطل کی طرف مائل ہو جانا چاہتے تھے اور بہت مبالغہ کرتے تھے اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے مرض موت میں علیؑ کے نام تصریح خلافت کے بارے میں کرنی چاہی مگر میں نے ان کو اس سے روک دیا جس سے میری غرض محض اسلام کی ہمدردی تھی کعبہ کے رب کی قسم علیؑ کے بارے میں کبھی قریش کا اجتماع نہ ہوگا اگر وہ خلیفہ ہو گئے تو ہر طرف سے عرب ان پر یورش کریں گے۔ بس رسُول اللہؐ سمجھ گئے کہ میں نے ان کے دل کی بات تاڑلی اور وہ رک گئے۔ (شرح نہج البلاغہ علامہ ابن ابی الحدید ج۲ ص۹۷)

اسی طرح کا ایک مکالمہ صاحب تاریخ بغداد علامہ احمد ابن ابی طاہر نے نقل

کیاہے کہ جناب عمر نے کہا۔

"اے ابن عباس یہ تو درست ہے کہ جناب رسولِ خدا کا یہی ارادہ تھا کہ خلافت علیؑ کو ملے لیکن جناب رسولِ خدا کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے جب خدا نے نہ چاہا کہ خلافت علیؑ کو ملے۔ خدا نے اس کے خلاف چاہا اور خدا کی مراد جاری ہو گئی اور رسولِ خدا کی خواہش پوری نہ ہوئی۔ دیکھو رسولِ خدا نے بہت چاہا کہ چچا ایمان لائے لیکن وہ ایمان نہ لایا کیونکہ خدا نے نہ چاہا کہ وہ ایمان لائے۔ رسولِ خدا نے تو یہ بھی چاہا تھا کہ مرض موت میں خلافت کی وصیت علی کے نام کر دیں۔ لیکن میں نے فتنہ وامر اسلام کی پراگندگی کے خوف نے روک دیا۔ رسولِ اللہ بھی میرے دل کی بات سمجھ گئے اور رک گئے اور اللہ نے جو مقدر کیا تھا وہی ہوا"

(شرح، نہج البلاغۃ الجزء الثالث ص۱۱۱)

اب ان عبارتوں کی روشنی میں ناظرین کرام خود اندازہ لگالیں کہ جناب عمر رسولؐ اللہ کے ارادوں، خواہشوں اور تمناؤں کو کیا وقعت دیتے تھے۔ ایسی ظاہر خواہش وتمنا وآرزوئے رسولؐ کی تو ابن خطاب پرواہ نہ کریں اور محض قیاسی وظنی خواہش کا احساس کر کے ایک بدعت کے اجراؑ کو تکمیل تمنائے رسولؐ قرار دیں۔ یہ خلوص ہماری سمجھ سے باہر ہے: باقی تاویح کی تردید کے لیئے تو بی بی عائشہ کی منقولہ ذیل روایت کافی ہے جو متفق علیہ ہے

ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کس طرح ہوتی تھی۔!

انہوں نے کہا کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نماز نہ پڑھتے تھے"

(صحیح بخاری پ ج ص۱۱۹ حدیث ۱۸۵۷) (صحیح مسلم جلد ۲ ص۲۲)

پس جب حضورؐ کا یہ عمل ہی ثابت نہیں ہوتا ہے تو پھر غیر نبوی عمل کو جاری کر کے نبوی تمنا پورا کرنا کس طرح صحیح سمجھا جائے۔

اعتراض نمبی ۷۸۹ ہم پر تو طرح طرح کے اعتراضات کئے جاتے

ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ تراویح با لجماعت کا کوئی اصل نہیں لہذا بدعت ہے لیکن ذرا جناب تو ارشاد فرمائیں۔

(۱) ربیع الاوّل کی نویں تاریخ کو حضرت عمرؓ شہید ہوئے ہیں تم اسی دِن صلوٰۃ تشکر پڑھتے ہو۔

(۲) یوم نیروز مناتے ہو حالانکہ یہ مجوس کی عید کا دِن ہے جن کی اصل بھی شریعت میں نہیں ہے ان کو بدعت کیوں نہیں کہتے ہیں۔

جواب نمبر ۶۸۹ آپ کی تراویح پر کئے جانے والے سارے اعتراضات ہم واپس لے لیتے ہیں اور ان کے بدلے میں صرف ایک اعتراض کرتے ہیں کہ اگر تراویح با جماعت نام کی کوئی شئے زمانہ رسولؐ میں تھی تو آپ ازراہ نوازش اپنی کسی معتبر یا غیر معتبر کتاب میں صحیح حدیث سے یا غلط روایت سے لفظِ "تراویح" بزبان رسولؐ دکھا دیجئے۔ مہربانی کرکے حوالہ مکمل دیجئے گا۔

۹ ربیع الاوّل کو جو نماز شکرانہ پڑھی جاتی ہے وہ شکرانہ نافلہ نماز ہے۔ جسے ہر وقت پڑھا جا سکتا ہے۔ اور تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ ۹ ربیع الاوّل کو فوت نہیں ہوئے بلکہ ۲۶ ذی الحجہ کو انتقال کیا اور علامہ سیوطی کے مطابق غرہ محرم کو تدفین ہوئی۔ (تاریخ الخلفا) ہماری کتب میں ۹ ربیع الاوّل کے فضائل درج ہیں جس نے تفصیلات دیکھنا ہوں۔ زاد المعاد از علامہ مجلسی کا مطالعہ کرے۔ حضرت حذیفہؓ سے ایک طویل حدیث نقل کی گئی ہے جس میں رسولؐ خدا نے اس دِن کو روز عید قرار دیا ہے۔ پس جب سنت ثابت ہے تو بدعت کیونکر ہوا۔!

اسی طرح روز نوروز کی فضیلت میں کافی احادیث ہماری کتب میں ہیں۔ اور نوروز کو تو آپ

مشاہدہ بھی خود روزِ سعید ثابت کر سکتے ہیں کہ گل گلاب وقت تحویل پانی میں خود بخود حرکت کناں ہو جاتا ہے۔ یہ سرسوں تو ہتھیلی پر جمائی جا سکتی ہے۔ تجربہ کر لیجئے گا۔ ورنہ اس روز کے فضائل کسی منجم و ماہرِ فلکیات سے دریافت فرما لیجئے گا۔

اعتراض نمبر ۶۹۰ اگر اہل السنت کے اس مسلک اور ادائے تراویح بالجماعت پر اعتراض ہے تو بروئے مسلک اہل السنت یا بروئے مسلک اہل تشیع

جواب نمبر ۶۹۰ دونوں مسالک کی رو سے ہمیں اس بدعت پر اعتراض ہے۔

اعتراض نمبر ۶۹۱ اگر بروئے مسلک اہل السنت اعتراض ہے۔ تو سراسر لغو ہے۔ کیونکہ حسب ذیل روایتیں صراحتاً مسلک اہل سنت کی تائید میں موجود ہیں۔

عن عبد الرحمن ابن القاری قال خرجت مع عمر لیلة فی رمضان الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون یصلی الرجل بنفسه فقال عمر انی لا ری لو جمعت هولاء علی قاری واحد لکان امثل ثم عزم فجمعهم علی ابی ابن کعب ثم خرجت معه لیلة اخری والناس یصلون بصلوة قارئهم فقال نعمة البدعة هذه (المنتقی ص۵۴۲ مطبوعہ مصر)

عبدالرحمٰن بن قاری کہتے ہیں کہ میں رمضان میں ایک دفعہ مسجد کو حضرت عمر کے ساتھ چلا گیا ناگہاں لوگ علیحدہ علیحدہ نمازیں پڑھ رہے تھے پس حضرت عمرؓ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ ان کو ایک قاری پر جمع کروں تو بہتر رہے گا۔ پھر ارادہ کیا پھر ان کو ابی ابن کعب پر جمع کیا پھر دوسری رات ان کے ساتھ مسجد میں آیا تو لوگ جماعت کے ساتھ تراویح پڑھ رہے تھے۔ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ نیا طریقہ بہتر ہے۔ (المنتقی ص۵۴۲ مطبوعہ مصر)

فرمائیے طبیعت مطمئن ہوئی یا نہیں۔ !

جواب نمبر ۶۹۱ - اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ اس رات کی آمد عمر سے قبل اصحاب مصلین باجماعت نماز پر عامل نہ تھے۔ بلکہ یہ حضرت عمر کی خواہش میں بہتر ہوا کہ وہ ایک قاری پر جمع ہو جائیں۔ یعنی حالتِ مقدم جناب عمر کی نگاہ میں بہتر نہ تھی چنانچہ حکم عمر کے مطابق جب لوگوں نے ان کی تعمیل کی تو اگلی رات انہوں نے خود اقرار کیا «البدعة ہذا» یہ نیا طریقہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ سُنت تھی تو پھر عمر صاحب نے لفظِ "بدعة" کیوں استعمال کیا اور نعمت کی صفت استعمال کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

اب چونکہ غیر نبی کو یہ ہرگز اختیار نہیں ہے کہ غیر معصوم ہوتے ہوئے امور شریعت میں دخل اندازی کرے اور احکام میں ردوبدل کرے اس لئے ہم حضرت عمر کا یہ حکم تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ کیونکہ حکم قرآن ہے کہ جو رسولؐ دے دے لو اور جو نہ دے نہ لو چونکہ تراویح کا حکم رسولؐ نے نہیں دیا اس لئے ہم اسے قبول نہیں کرتے۔ اور نہ ہی ہم حضرت عمر کو اس کا مجاز مانتے ہیں کہ وہ دینی احکام میں ترمیم و اضافہ کریں۔ پس محولہ روایت سے صریحاً ثابت ہوا کہ یہ بدعت حضرت عمر کے حکم سے جاری ہوئی اور چونکہ ہم عمر کو نبی نہیں مانتے ہیں اور نہ ہی امام تسلیم کرتے ہیں اس لئے ان کا یہ ذاتی حکم جس کو صادر کرنے کے وہ مختار بھی نہ تھے ہمارے لئے ناقابل قبول ہے پھر یہ کہ اس روایت میں بھی "تراویح" کا لفظ یا "سُنت" کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے۔

اعتراض نمبر ۶۹۲ - جب حضرت علی المرتضےٰ[۲] نے بیس تراویح بالجماعت کی تردید نہیں فرمائی بلکہ ایسے کلمات استعمال فرمائے ہیں جن سے مدح و منقبت معلوم ہوتی ہے تو بتائیے آپ کو کیوں اعتراض ہے۔

---

(۱) قال علی نور الله علی عمر قبره کما نور علینا مسا جدنا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا خدا تعالیٰ عمر پر اس کی قبر کو منور فرمائے جیسا کہ اس نے (ادائے تراویح باجماعت سے) ہماری مسجدوں کو منور فرمایا۔

(۲) عن ابی عبدالرحمٰن السلمی ان علیا دعا القراء فی رمضان فامر منھم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعۃ قال وکان علی یوتر بھم۔

ابو عبدالرحمٰن سلمی سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک قاری کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھاتا رہے اور حضرت علیؓ وتر پڑھا دیتے تھے۔

(۳) وعن عرفجۃ الثقفی قال کان علی ابن ابی طالب یامر بقیام رمضان ویجعل للرجال اماما وللنساء اماما فکنت انا امام النساء۔

حضرت عرفجہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رمضان کی تراویح کا حکم فرماتے اور مردوں اور عورتوں کے لئے امام کا اہتمام فرماتے تھے اور میں عورتوں کا امام بنتا تھا۔ (بحوالہ المنتقی منہاج الاعتدال ص۵۴۳)

اس قدر دلائل کے باوجود انکار کے وجوہ کیا ہیں۔!

جواب نمبر ۶۹۲ تراویح کے باطل ہونے کا اول ثبوت یہ ہے کہ خود اہل سنت میں اس کی رکعتوں کے تعین میں اختلاف ہے۔ کچھ آٹھ رکعت کے قائل ہیں اور کچھ بیس رکعت کے جب تک سنی آپس کا یہ اختلاف دور نہ کر لیں تب تک وہ اس پر حجت قائم نہیں کر سکتے۔ معترض کی نقل کردہ تینوں روایات شیعہ کے لئے دلیل نہیں بن سکتی ہیں کیونکہ یہ روایتیں اہل سنت کی ہیں۔ پھر بھی ہم عبوری طور پر ان پر جرح کرتے ہیں۔ روایت ۱ میں عربی متن میں ایسے کوئی الفاظ نہیں ہیں جن سے نماز تراویح باالجماعۃ کا مطلب نکل سکے ترجمہ میں یہ کلمہ خطوط وحدانی میں لکھا گیا ہے۔ روایت ۲ غیر مستند بھی ہے اور غیر معتبر بھی اس کی تفصیل ملاحظہ کر لیجئے تمام اہل حدیث کی کتب میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس روایت میں تراویح باالجماعۃ کا قطعاً ذکر نہیں ہے صرف بیس رکعتیں پڑھانے کا تذکرہ ہے۔ جو پنجگانہ کی سترہ رکعتیں اور تین رکعت وتر کی بھی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ۳ میں جو معترض نے ترجمہ میں " رمضان کی تراویح کا حکم فرماتے ہیں"۔ کا جملہ لکھا ہے عربی متن میں اس کے ہم معنی عبارت قطعاً موجود نہیں ہے۔

نیز سنی علم الرجال کے مطابق یہ روایت بھی صحیح الاسناد اور معتبر نہیں ہے۔ جب یہ روایات خود اہل سنت کے ہاں مجروح ہیں تو پھر ہمارے لئے دلیل کیسے ہو سکتی ہیں۔ ہم نے سیدھی بات کی ہے کہ یا تو کوئی مرفوع حدیث پیش کر دو یا پھر "تراویح" کا لفظ زبان حضورؐ سے ثابت کر دو۔

اعتراض نمبر ۶۹۳ اور اگر شیعی کتب سے ثبوت درکار ہے تو براہ کرم شیعی کتب سے ثابت فرمایئے کہ فاروق پر سیدنا علی نے اعتراض کیا ہو ثبوت مستند الی السند الصحیح درکار ہے۔؟

جواب نمبر ۶۹۳ اصولاً ثبوت پیش کرنا آپ کی ذمہ داری ہے کہ دعویدار آپ ہیں۔ ہم تو مجموعی طور پہ بزبان علیؑ ثابت کر دیں گے کہ جناب امیر حضرت عمر کو "بدعت کو جاری کرنے والا" کہا کرتے تھے۔ نہج البلاغۃ پڑھ لیجئے کہ ثابت ہو گا کہ حضرت علیؑ کے نزدیک وہ سنت کو پس پشت ڈالنے والے اور بدعت کو قائم کرنے والا ہے یہ حوالہ ہم نے گذشتہ صفحات میں تفصیل سے نقل کر دیا ہے۔ اس سے پڑھ کر اور کیا اعتراض حضرت علیؑ کی طرف سے ہو سکتا تھا۔ واضح ہو کہ خلفائے اربعہ کے زمانہ میں تراویح کا رواج بہت ہی کم تھا۔

اعتراض نمبر ۶۹۴ آپکی جماعت میں سنا ہے کہ سیدنا عمرؓ پہ یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کا انکار کیا تھا۔ پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایک زبردست واقعہ ہائلہ فاجعہ کی وجہ سے طبیعت کے متاثر ہو جانے کا آپ انکار کر سکتے ہیں؟ کیا حضور علیہ السلام کا داغ مفارقت دے جانا اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جدائی دل و دماغ پر صدمے کا باعث نہیں تھا؟ اگر یہ سب واقع کے مطابق ہے تو اسے مدح و توصیف میں شمار کیا جانا چاہیئے یا توہین و تذلیل میں۔

جواب نمبر ۹۹۴ وفات رسولؐ کے جانکاہ حادثۂ عظیم کے موقعہ پر ان کے اکابرین و متعلقین کی طبائع نیک کا متاثر ہونا امر ناگزیر تھا۔ بے شک عاشقان رسولؐ کے لئے یہ داغ مفارقت داغ جگر تھا اور یہ جدائی کا صدمہ ناقابل برداشت تھا۔ لیکن جس عنوان سے حضرت عمر نے انکار وفات کیا وہ اپنی حیثیت کا واحد واقعہ ہے۔ متوفی کے لواحقین یقیناً دل برداشتہ ہوتے ہیں۔ وہ روتے ہیں پیٹتے ہیں ٹکریں مارتے ہیں۔ خود کو زخمی کرتے ہیں نالہ و فریاد کرتے ہیں۔ ان پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے۔ بے ہوش ہو جاتے ہے الغرض جو بھی غم کی کیفیات ممکن ہو سکتی ہیں ان کا طاری ہونا بعید نہیں سمجھا جاتا۔ ہم نے آج تک نہ ہی سنا یا پڑھا ہے اور نہ ہی دیکھا ہے کہ جس طرح حضرت عمر کی طبیعت متاثر ہوئی ویسی کسی اور صاحب کی بھی ہوئی ہو۔

اگر کسی اور صاحب کی نگاہ دور بین نے ایسا نظارہ کیا ہو تو ناقص الفہم کو بھی مطلع کر دیں۔

طبیعت کا متاثر ہونا اس طرح کبھی نہیں ہوتا ہے جس طرح جناب عمر کی طبیعت متاثر ہوئی۔ صاحبان غور و فکر جانتے ہیں کہ اظہار محبت و جوش عشق کے طریقے ایسے نہیں ہوتے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں حضورؐ نے وصیت لکھوانی چاہی تو وہ لکھنے نہ دی اور کہہ دیا کہ یہ شخص معاذاللہ ہذیان بک رہا ہے کیا محبت بھری گفتگو ہے اور تو مواعنی اس محبت کا جواب پایا۔ رنج کی علامت ہے کہ آدمی آہ و زاری کرتا ہے سینہ منہ اور سر پیٹتا ہے گریبان چاک کرتا ہے سر میں خاک ڈالتا ہے میت پر جا کر بیٹھتا ہے حضرت عمر کی کیفیت سے تو رنج کی ایک کیفیت بھی ظاہر نہ ہوئی ان کی آنکھ سے تو ایک قطرہ اشک بھی نہ ٹپکا۔ خود تو محبوب کے ساتھ مرنے کا جذبہ پیدا نہ ہوا۔ لوگوں کو ننگی تلوار سے قتل کرنے کا خیال آ گیا۔ جب روز احد حضور کی شہادت کی جھوٹی خبر اڑی۔ اس وقت جناب عمر کی وہ بگ محبت میں ایسا اُبال کیوں نہ آیا وہاں تو موقع تھا تلوار ہاتھ میں لے کر للکارتے اور کہتے کہ جو کہے گا کہ رسولؐ نے وفات پائی تو میں اسکا سر قلم کر دوں گا۔ اچھا چلیئے بالفرض محال مان لیا کہ آپ جناب مدہوش رنج و غم تھے اور عقل گم ہو گئی تھی لیکن یہ اثر کم سے کم کچھ دیر تو قائم رہتا جو ہی حضرت ابوبکر صاحب آتے جناب عمر کی عقل بھی ساتھ لیتے آئے۔ اگر محبت کا جوش تھا تو ابوبکر کو دیکھتے ہی ان سے گلے لگ کر روتے اظہار رنج و غم فرماتے میت کے پاس تشریف لے جاتے رخ محبوب کا آخری دیدار کرتے لیکن کچھ نہ کیا بلکہ جیدا طہر کو بے غسل و

وکفن چھوڑ کر ٹبوارے کے منصوبے کی تکمیل کے پیچھے سقیفہ بنی ساعدہ روانہ ہو گئے۔ اور شبلی نعمانی کے بقول اس طرح کھسکے کہ گویا کوئی حادثہ ہی پیش نہ آیا تھا۔ یہی وہ عشق تھا جس کا نشہ چند لمحات میں ہی اتر گیا اور شمع گل ہوتے ہی پروانے رفو چکر ہو گئے۔ لاکھ چھپاؤ۔ یہ جنون بے مقصد نہ تھا۔ یہ رنگ بے رنگ نہ تھا۔ ہم پہچانتے ہیں کہ اس نام نہاد جنون میں کیا پنہاں تھا اور اس راز کا ہلکا سا افشا شبلی نعمانی سے سن لیجئے۔

"ہمارے نزدیک چونکہ مدینہ میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا۔ جو فتنہ پردازی کے لئے آنحضرتؐ کی وفات کا منتظر تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے مصلحتاً اس خبر کو پھیلنے سے روکا ہوگا۔" پس اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ عشق عمر کا پردہ چاک ہوا اور خود وکیل عمرؓ نے تسلیم کیا کہ حضرت عمرؓ نے مصلحت وقت کی وجہ سے حضورؐ کی موت کی خبر کو روکا اور اس کو روکنے کے لئے یہ ڈھونگ یا بہروپ اختیار کیا۔ اگر شبلی منافقین کے ساتھ مخالفین رسولؐ بھی کہہ دیتے تو یہ بہت ہی مطابق واقعہ ہوتا۔ ورنہ ایسے بڑے حادثہ کا عدم چند منٹوں تک نہیں ہوتا بلکہ اس کا اثر طویل المدت رہتا ہے جیسا کہ سیدہ کی وفات کا باعث اول یہ حادثہ عظیم ہوا اور حضرت علیؑ نے اس سانحہ کو زندگی کا سب سے بڑا المیہ سمجھا۔

اعتراض نمبر ۶۹۵ بوجوہ چند درچند اگر طبیعت کا متاثر ہو جانا قابل تردید ہے تو حضرت موسٰی علیہ السلام کے متعلق جناب کا کیا خیال ہے جبکہ ان کو خضر علیہ السلام کے سامنے وعدہ صبر کے باوجود وعدے کا خیال نہ رہا۔

جواب نمبر ۶۹۵

حضرت عمرؓ کے اس واقعہ انکار وفات رسولؐ کے ساتھ حضرت موسٰی علیہ السلام کا قصہ کسی طرح کوئی مشابہت ہی نہیں رکھتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے انکار وفات رسولؐ کر کے کوئی وعدہ خلافی نہ کی تھی بلکہ یہ ایک سوچی سمجھی تدبیر حصول اقتدار تھی جبکہ بزعم شما جناب موسٰی علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے سامنے وعدہ صبر کے باوجود سہواً وعدہ خلافی کی۔

شیعہ عقیدہ کے مطابق حضرت موسٰیؑ معصوم نبی تھے لہذا اُن سے کوئی خطا سہواً یا قصداً سرزد نہ ہوئی اور جس وعدہ صبر کا تذکرہ معترض نے کیا ہے حضرت موسٰیؑ کا حضرت خضرؑ سے مشروط وعدہ تھا جبکہ مطلق وعدہ انہوں نے اطاعت کا فرمایا تھا۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ "ستجدنی انشاء اللہ صابراً و لا اعصی لک امرا" یعنی اگر اللہ نے چاہا تو تم مجھکو صابر پاؤ گے اور میں کسی امر میں تمہاری نافرمانی نہ کروں گا۔ صبر کے لئے جناب موسٰیؑ نے مشیت الٰہی کی شرط عائد فرمائی ہے مگر اطاعت گذاری اور نافرمانی سے بچے رہنے کو مطلق طور پر بیان کیا ہے اور اس میں کچھ قید و شرط نہیں لگائی۔ پس جناب موسٰیؑ سے کوئی وعدہ خلافی نہ ہوئی۔ جبکہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہؐ کے ہر وعدہ کی خلاف ورزی کی۔

اعتراض نمبر ۶۹۶ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق جناب کا کیا فتویٰ ہے جبکہ اکل شجر کے خیال میں بزعم دشمنا، شجر ذہن سے منع خداوندی کا تصور نہ رہا۔

جواب نمبر ۶۹۶ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس بشکل دیگر آ کر شیطان نے حق تعالیٰ کی قسم کھائی لہذا ان سے ترک اولیٰ ہوا۔ جبکہ حضرت عمرؓ کی بھول یا وعدہ خلافی کا اعتراض ہی نہیں کیا جاتا ہے کیونکہ وہ معصوم نہ تھے۔ پس یہ مماثلت ہی غیر معقول ہے۔

مسئلہ متعہ کے متعلق سیدنا عمر پر حرمت کا الزام

اعتراض نمبر ۶۹۷ اہل تشیع میں بات زبان زد خواص و عوام

ہے کہ عمرؓ نے متعہ کو اپنے زمانہ میں حرام کر دیا تھا ورنہ حضور علیہ السلام
سے اس کی کوئی ممانعت ثابت نہیں ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ
اس سے آپکا مقصد کیا ہے؟ ایجادِ منعؐ یا اظہارِ منعؐ

جواب نمبر ۶۹۷ ۔ ایجاد منع

اعتراض نمبر ۶۹۸ اگر ایجاد منع ہے تو ہم حضرت فاروق اعظم
رضی اللہ عنہ کو خلیفہ وامام تو مانتے ہیں لیکن حلت وحرمت پر مختار نہیں مانتے
لہٰذا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے کسی چیز کا حرام ہونا
ہمارے مذہب کیخلاف ہے اگر طاقت ہے تو ثابت کیجئے۔

جواب نمبر ۶۹۸ آپ کے مذہب کا ہوائی قلعہ مسمار کرنے کے لئے کسی طاقت کی
ضرورت ہی نہیں ہے اسے تو صرف نعرہ حیدریؑ کی صدا سے ڈھیر کیا جا سکتا ہے۔ تو
پہلے آپ خود حضرت عمر کا اقرار ملاحظہ کریں۔

"۲ دو متعہ تھے جو رسول اللہ کے زمانے میں رائج تھے لیکن میں انہیں بند کرتا ہوں
ایک متعہ حج اور دوسرا عورتوں کے ساتھ متعہ" (زاد المعاد ابن قیم جلد ۲ صفحہ ۲۰۴)

علامہ حافظ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ "حضرت عمر سب سے پہلے شخص
ہیں جنہوں نے متعہ کو حرام کیا"
(اول من حرم المتعۃ) (تاریخ الخلفاء صفحہ ۹۷)

ایسے ہی مزید اثبات میری کتاب "متعۃ النساء" میں ملاحظہ کیجئے۔ اور انصاف سے
کہیئے کہ آپ کے فاروق آپ کے مذہب میں حلت وحرمت کے مختار ثابت ہوتے ہیں۔
یا نہیں دین کا وہ کون ایسا رکن ہے جس میں حضرت عمر صاحب نے اپنی ترامیم واضافہ

جات شامل نہیں کئے ہیں تفصیلات دیکھئے میری کتاب "فروع دین" میں تاکہ آنکھیں کھل جائیں۔

اعتراض نمبر ۶۹۹ اور اگر اظہار منع ہے تو یہ کس طرح قابل اعتراض ہے۔ وضاحت کیجئے۔

جواب نمبر ۶۹۹ - جی نہیں یہ ایجاد منع ہے جو قابل اعتراض ہے۔

اعتراض نمبر ۷۰۰ آپ کا اگر یہ خیال ہے کہ متعہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جائز تھا تو اس پر دلائل قائم کیجئے جبکہ صحیح مسلم باب المتعہ کتاب النکاح میں موجود ہے۔

عن ایاس بن سلمة الاکوع عن ابیہ قال رخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام اوطاس فی المتعۃ ثلاثا ثم نھی عنھا۔

ایاس بن سلمہ ابن اکوع کے باپ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے اوطاس کے سال متعہ کی تین مرتبہ رخصت دی تھی پھر منع فرمادیا تھا۔

جواب نمبر ۷۰۰ زمانہ رسولؐ میں متعہ کے جائز ہونے کی لاکھوں پر بھاری دلیل آیت متعہ کا قرآن میں موجود گی ہے۔ جس کی آیت ناسخ ثابت کرنا جوئے شیر لانا ہے۔ قرآن کے مقابلے میں حدیث پیش نہیں کی جاسکتی ہے۔ جب تک آیت متعہ موجود ہے حرمت متعہ ثابت نہیں ہوسکتی ہے۔ روایت منقولہ مرفوع نہیں ہے۔ اور حلت و حرمت کے نزاع میں غیر مرفوع احادیث دلیل نہیں ہوسکتی ہیں جب کہ مقابلہ میں قرآنی استدلال بھی موجود ہو۔ باقی ہم نے اس مسئلہ پہ علیحدہ رسالہ موسومہ "ہم متعہ کیوں کرتے ہیں" میں تفصیلی گفتگو کی ہے شائقین مطالعہ فرما سکتے ہیں۔ تفسیر کشاف، تفسیر بیضاوی، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر ثعلبی، تفسیر در منثور اور مسند احمد بن حنبل وغیرہ سے پوری طرح ثابت ہے کہ آیت متعہ محکمات میں سے ہے اور منسوخ نہیں ہے نیز زمانہ عمر تک اصحاب رسولؐ متعہ النساء پر عامل رہے اور

بعد کے علمائے حضرت متعہ کو اولیات عمر میں شمار کیا ہے۔

اعتراض نمبر ۱۰، کیا مسلم شریف کی یہ حدیث آپ کی نظر سے نہیں گذری۔

عن الربیع بن سبرۃ الجھنی عن ابیہ سبرۃ ابن معبد قال اذن لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمتعۃ ثم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان عندہ شئی من ھذہ النساء التی یتمتع فلیخل سبیلھا

حضرت ربیع فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ہمیں متعہ کی اجازت دیدی تھی اس کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کے پاس متعہ والی عورتیں ہوں وہ ان کا راستہ چھوڑ دے

جب تحریم مؤبدالے یوم القیامہ کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد موجود ہے تو حلت متعہ پر اصرار کیا جیسا کہ عن الربیع سبرۃ الجھنی ان اباہ حدثہ انہ کان مع الرسول اللہ صلی علیہ وسلم فقال یاایھا الناس انی قد اذنت لکم فی الاستمتاع من النساء وان اللہ قد حرم ذلک الی یوم القیامۃ فمن کان عندہ منھن شئی فلیخل سبیلہ ولا تاخذوا مما اتیتموا ھن شیئا۔

حضرت ربیع کو ان کے باپ نے بتایا کہ وہ حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے تو آپ نے فرمایا اے لوگو بلاشبہ میں نے تم کو متعے کی اجازت دی تھی اب اللہ تعالیٰ نے قیامت تک متعہ کو حرام کر دیا ہے جس کے پاس متعہ والی عورتیں ہوں وہ ان سے علیحدہ ہو جائے اور جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے وہ واپس نہ کرو۔

فرمایئے فاروق اعظم نے متعہ کو حرام کیا ہے یا بلسان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالےٰ نے۔؟

جواب نمبر ۱۰: مسلم شریف اور دیگر کتب اہل سنت میں مرقوم تمام احادیث جو ممانعت متعہ میں درج کی گئی ہیں ہماری نظر سے گذری ہیں۔ ان روایات کا اضطراب اور

درایت وروایات کے معیار پر ان کی شکست پر طائرانہ نظر ہم آئندہ اعتراض کے جواب میں پیش کریں گے تاکہ احقاق حق کی راہ ہموار ہو جاتے۔

اعتراض نمبر ۲۰۷ حضرت علی مرتضےٰ کا فرمان المنحۃ الالہیۃ

ص ۲۵۷ میں ہے حضرت علیؓ نے فرمایا۔

امرنی رسول اللہ ان انادی بتحریم المتعۃ حضور علیہ السلام نے مجھے حکم فرمایا تھا کہ میں حرمت متعہ کا اعلان کر دوں۔

فرمایئے اب بھی فاروق اعظم کے فرمان پر اعتراض ہو سکتا ہے۔؟

جواب نمبر ۲۰۷

دونوں اعتراضات میں منقولہ روایات کتب اہل سنت سے ہیں۔ لہذا اصولاً ہم ان کو قبول کرنے کے پابند نہیں ہیں۔ تاہم ان پر مفصل جرح سنی قواعد کے مطابق کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی آیت متعہ پانچویں پارے کی ابتدا میں موجود ہے۔ سُنی علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ متعہ صدر اسلام میں جائز تھا جیسا کہ محوّلہ روایات سے ثابت ہے۔ قرآن وحدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ متعہ شارع کی جانب سے حلال ہوا اور حضورؐ نے اس کی اجازت مسلمانوں کو دی اب متعہ کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف یہ ہے کہ یہ حکم بعد میں واپس لے لیا گیا یا حلال رہا۔ مسلمانوں کے بڑے گروہ کا خیال ہے کہ حکم واپس لے لیا گیا اکثریت کو اپنی بات رکھنے کے لئے ضرورت ہوئی کہ کچھ احادیث ایسی پیدا کی جائیں جن میں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے صریحی طور پر متعہ کی ممانعت مذکور ہو تاکہ اپنے مذہب کا بھرم قائم رہے۔ کیونکہ قرآن میں کوئی آیت ایسی موجود نہیں ہے جس سے تحریم متعہ ثابت کی جا سکے جبکہ حلت کی شاہد آیت موجود ہے لہذا بھائی لوگوں نے اپنی بات بنانے کی خاطر یہ راہ آسان پائی کہ کچھ احادیث گھڑلی جائیں اور ایک معمولی سی غلط فہمی پر جس کا

بیان آگے آئے گا اپنا مقصد پانے کی کوشش کی حدیثیں حسبِ منشا وضع کی گئیں لیکن کیا کریں کاغذ کے پھولوں سے پھر بھی خوشبو نہ آسکی۔ سچائی بناوٹ کے اصولوں سے کبھی بھی چھپ نہیں سکتی ہے دل کی دھڑکن چہرہ کی رنگت، زبان کی لکنت، آواز کی تھراہٹ یہ سب عوارض گواہ کی شہادت کو مشکوک کر دیتے ہیں۔ اسی اضطراب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیان میں یک رنگی و یکجہتی پیدا نہیں ہوتی۔ متضاد بیانی زبان کو رڈ کھڑا دیتی ہے۔ پھر اس صورت میں مختلف گواہوں کے بیانات تو بہت کم ایک نکتہ پر متفق ہوتے ہیں۔ ممانعت متعہ کے احادیث میں یہی منظر سامنے آتا ہے۔

یہ امر سب کے نزدیک مسلم ہے کہ متعہ ایک وقت میں حلال تھا اور حضورؐ نے بحکم خدا اجازت دی تھی لیکن ممانعت کے متعلق سخت اختلاف اور ہنگامہ آرائی ہے کوئی صاحب کہتے ہیں، متعہ کو جنگِ خیبر میں حرام قرار دیا دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ نہیں فتح مکہ میں حضورؐ نے صحابہ کو متعہ کرنے کا حکم دیا تھا، ہم نے متعہ کیا۔ خیبر میں تو عورتیں یہودی تھیں ہم ان سے متعہ کیونکر کرتے۔ تیسرے صاحب فرماتے ہیں فتح مکہ کے بعد جنگ اوطاس (حنین) ہے جس میں آنحضرتؐ نے متعہ کی اجازت دی پھر فتح مکہ میں ممانعت کیونکر ہو سکتی ہے۔ چوتھے حضرت ارشاد فرماتے ہیں۔ اوطاس وطاس نہیں یہ راویوں کی گڑبڑ ہے انہوں نے اوطاس کہا ہے دراصل فتح مکہ مراد ہے کیونکہ دونوں ایک سال ہوئی ہیں۔ پانچویں جناب حسن بصری ہیں، اور کہتے ہیں کہ تم سارے باتیں بناتے ہو متعہ کی حلت وحرمت جو کچھ بھی ہے وہ عمرۃ القضا میں ہے نہ اس سے پہلے متعہ حلال ہوا نہ بعد۔ اب حضرت اول فرماتے ہیں کہ یہ تو آپ نے بالکل نئی کہی ہرگز نہیں تمام دیگر راوی آپ کے خلاف ہیں۔ خیبر میں نہیں ہوئی جو تو وہ اس کے پہلے ہے فتح مکہ میں ہو تو وہ اس کے بعد تو پھر یہ آپکا کہنا کیسا ٹھیک یہی ہے کہ ممانعت فتح مکہ میں ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اس راوی کا اعتبار نہیں ہے اسی نے تو یہ کہا تھا کہ فتح مکہ میں ممانعت ہوئی۔ پھر اب یہی کہہ رہا ہے حجۃ الوداع میں تو اب بتایئے اس کی کونسی بات صحیح مانی جائے۔ کچھ عقل سے کام لیں حجۃ الوداع میں اکثر اصحاب

اپنی ازواج کو ساتھ لے کر آئے تھے پھر انہیں کیا ضرورت تھی کہ وہ متعہ کریں۔ یقیناً یہ اس راوی کا دھوکا ہے۔ اس نے فتح مکہ کی بجائے حجۃ الوداع کر دیا۔ اب امام شافعی فیصلہ فرماتے ہیں۔ کہ لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں یہ سارے راوی ٹھیک کہتے ہیں۔ دراصل بات یوں ہے کہ نکاح متعہ دو تین مرتبہ مباح ہوا ہے اور دو تین دفعہ حرام یعنی کسی طرح رائے قائم ہوئی ہی نہ تھی۔ پہلے سے تو یہ حلال تھا خدا نے اس کی حلیت کو منسوخ کر دیا حرام ہو گیا پھر کچھ سوچ کر اس کی حرمت کو منسوخ کیا حلال ہو گیا اور آخر میں اس کی حلیت کو پھر منسوخ کیا اور اسی طرح چند مرتبہ اتفاق ہوا ہے۔ اس پر علامہ ابن قیم برہم ہو گئے اور فرمایا چند دفعہ منسوخ ہونے کی اچھی کہی شریعت نہ ہوگئی۔ بچوں کا کھیل ہوا آج بنایا کل بگاڑ دیا آخر اس کی کوئی نظیر بھی ہے ہرگز نہیں۔ ان علامہ صاحب کی تائید میں امام فخر الدین رازی کھڑے ہوتے اور کہنے لگے تین مرتبہ چار مرتبہ حرام ہونے کا قول بالکل ضعیف ہے۔ کسی معتبر آدمی نے نہیں کہا یہ فقط راویوں کے اختلاف بیانی پر پردہ ڈالنے کے لئے ایسا کیا گیا اصلیت کچھ نہیں۔ یہ ایک سطحی نظارہ ہے۔ اس اختلاف کا جو عقد متعہ سے ممانعت کے بارے میں پایا جاتا ہے۔ روایات پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو ایک راوی کے متضاد بیانات۔ اور مختلف رواۃ کے مختلف روایات نظر آتے ہیں چنانچہ ہم سب سے پہلے سبرۃ جہنی کو لیتے ہیں جن کی روایات اعتراض میں نقل کی گئی ہیں۔ ملا علی متقی نے کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۹۵ پر سبرۃ سے تین روایات درج کی ہیں۔ پہلی میں سبرۃ نے کہا ہے کہ نکاح متعہ کی ممانعت خیبر کے دن ہوئی۔ دوسری میں کہا ہے۔ فتح مکہ کے دن ہوئی۔ تیسری میں کہا کہ حجۃ الوداع کو ممنوع کیا گیا۔ اب آپ خود اندازہ فرمائیں ایک ہی راوی ایک ہی کتاب ذرا ایک ہی مورخ و محدث ابن جریر طبری کی تہذیب الآثار ایک ہی ناقل صاحب کنز العمال لیکن روایت میں اس قدر تضاد و اختلاف ہے۔ اب ہم علامہ نووی کی عبارت نقل کرتے ہیں، کہ اس مسئلہ میں سنی علما کے آراء و خیالات کیا ہیں تاکہ ہمارے معروضات کی تائید ہو سکے ملاحظہ فرمائیے شرح صحیح مسلم محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی جلد ۱ صفحہ ۴۵۰ امام نووی قاضی عیاض کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

مسلم نے سلمہ بن اکوع سے متعہ کے مباح ہونے کا اوطاس کے دن تذکرہ کیا ہے۔ اور سبرہ کی روایت میں ہے اس کا مباح ہونا فتح مکہ کے دن لیکن یہ دونوں ایک ہی ہیں پھر وہ حرام کر دیا گیا۔ اور حضرت علی کی روایت میں اس کا حرام ہونا خیبر کے دن مذکور ہے۔
اور وہ فتح مکہ سے قبل ہے اور مسلم کے علاوہ دوسرے بعض اشخاص نے حضرت علی کی روایت ذکر کی ہے کہ آنحضرتؐ نے متعہ سے حجۃ الوداع میں ممانعت فرمائی یہ اسحاق بن راشد کی روایت ہے لیکن کسی نے ان سے اتفاق نہیں کیا ہے اور یہ ان کی ایک غلطی ہے اور حضرت علی کی حدیث کو مالک نے موطا میں اور سفیان بن عیینہ اور عمر بن اور یونس وغیرہ نے بھی زہری نے نقل کیا ہے لیکن اس میں خیبر ہی کا دن ہے اور اسی طرح سے مسلم نے ایک جماعت کی زبانی زہری سے روایت کی ہے اور یہی صحیح ہے اور ابوداؤد نے ربیع بن سبرہ کی زبانی ان کے باپ سبرہ سے حجۃ الوداع میں متعہ کے مباح ہونے کی حدیث نقل کی ہے اور پھر یہ کہ اس سے قیامت تک کیلئے ممانعت ہوگئی۔ اور حسن بصری کی روایت ہے کہ متعہ کبھی حلال نہیں ہوا۔ سوائے عمرۃ القضا کے اور یہ روایت سبرہ جہنی سے بھی نقل ہوئی ہے اور مسلم نے سبرہ سے جو روائیتیں نقل کی ہیں، ان میں کسی وقت کا تعین نہیں ہے۔ مگر روایت محمد بن سعید دارمی اور اسحاق بن ابراہیم اور یحییٰ بن یحییٰ میں فتح مکہ کا تذکرہ ہے۔ علما کا خیال ہے کہ حجۃ الوداع میں متعہ کا مباح ہونا روایتاً غلط ہے اس لیئے کہ اس میں کوئی ضرورت نہ تھی اور نہ صحابہ بغیر عورتوں کے تھے بلکہ اکثر عورتوں کے ساتھ آئے تھے اور صحیح یہ ہے کہ حجۃ الوداع صرف ممانعت ہوئی تھی جیسا کہ اکثر روایات میں ہے اور ممانعت کی تجدید اس لئے کی گئی تھی کہ لوگ مجتمع تھے۔ اور غیر حاضر تھے ان کی جانب بھی حاضر الوقت اشخاص تبلیغ کر سکتے تھے نیز دین پورا اور شریعت مکمل ہو رہی تھی جسطرح بہت سے احکام حلال و حرام کی اس دن تبلیغ کی گئی اور متعہ کو الی یوم القیامۃ کہہ کر حرام کر دیا گیا۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ یہ جو متعہ کا حرام ہونا خیبر میں اور عمرۃ القضا میں اور فتح مکہ میں اور اوطاس میں وارد ہوا ہے۔ تو ممکن ہے کہ ان مقامات پر ممانعت کی تجدید کی گئی ہو۔ اور حقیقتاً ممانعت خیبر میں ہوئی ہو۔ اس لئے کہ خیبر میں متعہ کے حرام ہونے کی روایت صحیح السند ہے جس میں کوئی طعن نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ ثقات اور معتبر اشخاص کی روایت سے ثابت ہے لیکن سفیان کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت نے متعہ سے ممانعت

فرمائی اور حمرِ اہلی کے گوشت سے خیبر کے دن۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس کلام میں دو ٹکڑے ہیں متعہ حرام کیا گیا اس میں کسی زمانہ کی تخصیص نہیں ہے اور حمرِ اہلی کا گوشت حرام کیا گیا خیبر کے دن۔ اس میں یوم خیبر کی تخصیص ہے۔ اور حمرِ اہلی کے حرام ہونے سے مخصوص ہے اور حرمت متعہ کا وقت معین کیا گیا ہے۔ تاکہ روایات میں جمع ہو جائے یہ کہنے والا کہتا ہے کہ صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ متعہ کی ممانعت مکہ معظمہ میں ہوئی ہے لیکن حمرِ اہلی کی ممانعت وہ یقیناً خیبر میں تھی۔ قاضی نے کہا ہے کہ یہ تاویل درست ہے۔ اگر دوسری روایتیں جو سفیان کے علاوہ دوسرے راویوں کی ہیں۔ وہ اس کی موافقت کریں۔ قاضی نے کہا ہے کہ بہتر وہی ہے جو ہم نے کہا ہے کہ ممانعت متعہ کی چند مرتبہ ہوئی ہے۔ تاکید کے طور پر اور اصل ممانعت خیبر کے دن تھی لیکن اس میں یہ سوال رہ جاتا ہے کہ روایات میں متعہ کے مباح ہونے کا بھی ذکر ہے۔ عمرۃ القضاء میں اور فتح مکہ کے دن اور اوطاس میں پھر یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ وہ خیبر کے دن ہمیشہ کے لئے حرام ہوا تھا اس صورت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ حرام ہو جانے کے بعد پھر بضرورت اسے مباح قرار دیا۔ اور اس کے بعد اسے ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا۔ تو صورت یہ ہوئی کہ حضرتؐ نے خیبر میں اور پھر عمرۃ القضاء میں ممانعت فرمائی اور اس کے بعد فتح مکہ میں بضرورت اسے مباح قرار دیا اور پھر یوم فتح مکہ ہی اس کو ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا۔ اور وہ روایت جس میں ہے کہ حجۃ الوداع میں اجازت دی تھی وہ ساقط ہو جائیں گی۔ اس لئے کہ وہ سبرہ جہنی سے منقول ہے اور خود سبرہ سے معتبر اشخاص نے روایت کی ہے کہ وہ فتح مکہ میں مباح ہوا تھا۔ اور حجۃ الوداع میں جو کچھ بھی تھا وہ صرف ممانعت۔ لہٰذا ان کی روایات سے اتنا حصہ لے لیا جائے گا جس پر جمہور رواۃ اور دیگر صحابہ متفق ہیں کہ ممانعت روز فتح مکہ ہوئی تھی، اور حجۃ الوداع میں ممانعت صرف تاکید اور سابقہ ممانعت کی اشاعت کے لئے تھی۔ رہ گیا حسن کا قول کہ متعہ کی ممانعت عمرۃ القضاء میں تھی نہ اس کے قبل تھی اور نہ اس کے بعد تو اس کے رد کے لئے وہ معتبر احادیث کافی ہیں جن میں خیبر میں اس کے حرام ہونے کا تذکرہ ہے اور وہ عمرۃ القضاء کے قبل ہے۔ اور جن میں فتح مکہ و اوطاس کے دن مباح ہونے کا ذکر ہے اور وہ عمرۃ القضاء کے بعد ہیں اور پھر یہ روایت سبرہ جہنی سے منقول ہے اور یہی ان دوسری

روایات کے بھی راوی ہیں اور وہ روایات اصح ہیں۔ لہٰذا یہ روایات ترک کی جائے گی۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ متعہ دو مرتبہ مباح اور دو مرتبہ حرام ہوا ہے واللہ اعلم"۔

یہ تھی قاضی عیاض کی عبارت جسے علامہ نووی نے نقل کیا اس کے بعد علامہ موصوف خود اظہار خیال فرماتے ہیں کہ۔

"قول مختار اور صحیح ہمارے نزدیک یہ ہے کہ متعہ کی ممانعت اور اس کی اباحت دو مرتبہ تھی وہ خیبر سے پہلے حلال تھا خیبر کے دن اس کی ممانعت ہوئی پھر وہ فتح کے دن جو یوم اوطاس بھی کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ دونوں متصل ہیں مباح کیا گیا پھر تین دن کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو گیا۔ اور تاکید و تجدید حرمت باقی رہی۔ اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حکم جواز بس خیبر کے قبل تھا اور خیبر کے دن ہی وہ ہمیشہ کیلئے حرام ہوا اور فتح مکہ کے دن صرف ممانعت کی تاکید و تجدید تھی۔ جیسا کہ مازری و قاضی کا مختار ہے اس لئے کہ وہ روایات جنہیں مسلم نے ذکر کیا ہے ان سے صریحی طور پر ثابت ہے کہ فتح مکہ کے دن متعہ مباح کیا گیا تھا۔ لہٰذا ان روایات کا اسقاط جائز نہیں ہے اور اس میں کوئی مانع نہیں کہ متعہ دو مرتبہ مباح کیا گیا ہو۔ واللہ اعلم"۔

ان عبارات سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

(۱) اوطاس (حنین) کی لڑائی جو فتح مکہ کے بعد ہوئی تھی لیکن جس روایت میں یہ ہے کہ اوطاس میں متعہ کا حکم ہوا تھا اس سے مراد فتح مکہ ہی ہے تاکہ فتح مکہ والی روایت کیساتھ تصادم نہ ہو۔

(۲) یہ روایت کہ غزوۂ تبوک میں متعہ جائز ہوا تھا موجود ہے لیکن قابل تسلیم نہیں ہے راوی نے غلطی سے خیبر کو تبوک کر دیا ہے۔

(۳) یہ روایت کہ حجۃ الوداع میں متعہ جائز ہوا تھا اور پھر حرام ہوا یہ بھی ہے لیکن تسلیم نہیں۔ اس لئے کہ خود اسی راوی کی دوسری روایت میں ہے کہ متعہ کی اجازت و ممانعت فتح مکہ میں ہوئی تھی۔

(۴) یہ روایت کہ عمرۃ القضا میں متعہ مباح ہوا تھا حسن بصری سے منقول ہے۔ اور

سبرۂ جہنی سے بھی ہے کہ جو حجۃ الوداع اور فتح مکہ والی روایتوں کے راوی ہیں مگر انہی روایات سے تصادم کے باعث یہ بھی قابل قبول نہیں۔

(۵) قاضی عیاض کی رائے یہ ہے کہ متعہ کی مخالفت درحقیقت خیبر کی جنگ میں ہوئی ہے اور اس کے بعد سے جو کچھ بھی تھا وہ اس حرمت کی تاکید و تجدید تھا۔

(۶) علامہ نووی کی رائے اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر خیبر میں ہمیشہ کے لیے ممانعت ہوئی تھی تو مکہ والی روایات کو کیا کہا جائے، جن میں فتح مکہ میں متعہ کے مباح ہونے کی تصریح ہے لہذا حق یہ ہے کہ متعہ ایک مرتبہ خیبر میں حرام کیا گیا پھر فتح مکہ میں مباح ہوا اور دوسری مرتبہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوا۔

حقیقتاً یہ خیال علامہ نووی کا وہ ہے جس کا خود امام مسلم نے اس کا اندراج کرتے ہوتے اظہار کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے سرخیٔ اس باب کی مندرجہ ذیل الفاظ کو قرار دیا ہے کہ "باب نکاح متعہ اس امر کے بیان میں کہ وہ مباح تھا پھر منسوخ ہوا اور پھر مباح ہوا اور اس کے بعد پھر منسوخ ہوا اور قیامت تک کے لئے اس کی حرمت برقرار رہی"

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مسلم سے پہلے اس رائے کا اظہار امام شافعی نے بھی کیا ہے جیسا کہ تفسیر مظہری صد ۲ ج ۵ میں ہے کہ "امام شافعی کا قول تھا کہ مجھے اسلام میں کسی ایسی چیز کا علم نہیں جو ایک مرتبہ حلال ہوا اور پھر حرام ہوئی ہو اور پھر حلال ہوئی ہو اور پھر حرام سوائے متعہ کے۔ بعض علما نے کہا ہے کہ وہ تین مرتبہ منسوخ ہوا ہے اور بعض نے کہا ہے اس سے زیادہ"

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی شرح بخاری فتح الباری جلد ۹ صد ۱۴۴ پر لکھتے ہیں:

"سہیلی نے کہا ہے کہ نکاح متعہ کے متعلق اختلاف ہوا ہے سب سے زیادہ عجیب روایت یہ ہے کہ وہ غزوہ تبوک میں ممنوع قرار پایا ہے۔ دوسرے نمبر پر حسن کی روایت ہے کہ عمرۃ القضا میں ایسا ہوا ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ اس کی ممانعت غزوہ فتح

میں ہوئی ہے جیسا کہ مسلم کی روایات میں سبرہ جہنی سے مذکورہ ہے دوسری روایت ہے
انہی سبرہ کی جو ابوداؤد نے نقل کی ہے یہ ہے کہ یہ حجۃ الوداع کا موقعہ ہے۔ رہ گئی یہ روایت کہ
غزوہ اوطاس کا قصہ ہے تو وہ فتح مکہ کی روایت کے بالکل منافی ہے اس عبارت سے
معلوم ہوا کہ ممانعت متعہ کے متعلق چھ مواقع بیان کئے جاتے ہیں۔ خیبر، عمرۃ القضا، فتح
مکہ، اوطاس، تبوک، حجۃ الوداع اس میں حنین کا تذکرہ باقی رہ گیا کیونکہ یہ بھی ایک روایت
میں موجود ہے اب یا تو علامہ سہیلی کو اس کے ذکر کا خیال نہ رہا یا اس لئے چھوڑ دیا کہ اس
کے راوی نے غلطی کی ہے یا اس لئے کہ اوطاس و حنین دونوں ایک ہی ہیں تبوک والی روایت
جس کا تذکرہ کیا گیا ہے اسے اسحاق بن راہویہ اور ابن حبان نے ابوہریرہ سے روایت کیا
ہے۔ اور حسن بصری کی روایت کو عبدالرزاق نے اپنے طریق روایت سے درج کیا ہے
اور اتنی زیادتی کی ہے کہ نہ متعہ اس کے قبل تھا۔ اور نہ اس کے بعد لیکن یہ زیادتی اس کے
راوی عمرو بن عبید کی قابل اعتراض غلطی ہے اور یہ شخص حدیث میں غیر معتبر ہے اور سعید
بن منصور نے صحیح طریق سے اس کی روایت بغیر اس زیادتی کے کی ہے۔ غزوہ فتح والی
روایت صحیح مسلم میں پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے۔ اور اوطاس کی روایت بھی صحیح مسلم میں
مسلم ابن اکوع سے منقول ہے رہ گیا حجۃ الوداع وہ ابوداؤد کی روایت میں سبرہ جہنی
سے منقول ہے ان بیانات سے معلوم ہوا کہ تمام روایتوں میں جو بغیر کسی کمزوری کے پایۂ
ثبوت تک صحیح طور سے پہنچی ہوئی ہے وہ حضرت غزوۂ فتح مکہ والی حدیث ہے جنگ
خیبر والی روایت اگرچہ صحیح السند ہے مگر اس کے معنی میں اہل علم نے کلام کیا ہے۔ لیکن
عمرۃ القضا والی روایت صحیح السند نہیں ہے اس لئے کہ وہ حسن بصری کا مرسلہ ہے اور
ان کے مرسلہ روایات سب ضعیف ہیں کیونکہ ہر شخص سے روایت لے لیا کرتے تھے
اور اگر روایت درست بھی ہو تو ممکن ہے کہ عمرۃ القضا سے خیبر مراد لیا جائے اس لئے کہ
دونوں ایک ہی سال میں ہیں۔ رہ گیا تبوک کا قصہ تو ابوہریرہ کے روایات میں تو ہے انہیں
کہ صحابہ نے وہاں متعہ کیا تھا۔ لہذا ممکن ہے کہ یہ کسی قدیم زمانہ میں ہوا ہو۔ اور عورتوں سے
جدائی اس وقت ہوئی ہو۔ یا یہ کہ ممانعت پہلے ہو چکی ہو اور بعض صحابہ کو اس کا علم نہ ہوا ہو۔

لہٰذا وہ لوگ اسے سمجھ کر کرتے رہے ہوں۔ اور اسی لئے ممانعت غصہ و غضب کے ساتھ ساتھ ہے اس کے علاوہ ابوہریرہ کی روایت میں کلام بھی ہے اس لئے کہ وہ موصل بن اسماعیل کے واسطہ سے عکرمہ بن عمار سے ہے ان دونوں میں کلام ہے اور جابر کی حدیث صحیح نہیں ہے اس لئے کہ وہ عباد بن کثیر کے طریق سے ہے اور وہ متروک ہے اور حجۃ الوداع والی روایت بھی ربیع بن سبرہ کی دوسری روایتوں کے خلاف ہے اور فتح مکہ والی روایت ان کی زیادہ صحیح ہے اور پھر ابوداؤد والی روایت میں تو صرف ممانعت ہے لہٰذا ممکن ہے تنہا ممانعت ہوئی ہو اشاعت و تاکید کے لئے جیسا کہ ہم نے کہا ان مقامات میں سے صحیح و صریح سوائے غزوۂ خیبر اور فتح مکہ کے کوئی باقی نہیں ہے"۔

اس عبارت میں بھی احادیث کا بہت فراخ حوصلگی سے قلع قمع کیا گیا ہے۔ عمرۃ القضاء والی روایت غلط مردود و غیر معتبر، تبوک حجۃ الوداع والی روایت غلط، فتح مکہ والی روایت کے مقابل اوطاس والی روایات مسترد اور نامنظور، نتیجے میں وہ روایتیں کہ جو صحیح السند اور معتبر سمجھی جاسکتی ہیں جن میں کسی حدیث سے سند کے اعتبار سے کمزوری نہیں ہے وہ دو باقی رہیں ایک غزوہ خیبر اور دوسرے فتح مکہ۔ ان دونوں روایتوں کے تسلیم کرنے کا نتیجہ یہی ہے کہ متعہ دو مرتبہ مباح ہوا اور دو مرتبہ حرام لیکن علامہ ابن قیمؒ اس کے سختی سے مخالف ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ "اختلاف ہوا ہے اس وقت کے متعلق کہ جس میں متعہ حرام ہوا ہے چار قولوں پر۔ پہلے یہ کہ وہ خیبر کا دن ہے یہ قول ہے۔ ایک جماعت کا علماء میں سے کہ جن میں شافعی وغیرہ شامل ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ سال فتح مکہ ہے یہ ابن عیینہ اور ایک جماعت کا قول ہے تیسرے یہ کہ وہ جنگ حنین والا سال ہے اور حقیقتاً وہی دوسرا قول ہے اس لئے کہ حنین فتح مکہ کے بعد ہی اس سے متصل تھی اور چوتھے یہ کہ حجۃ الوداع ہے یہ حقیقتاً غلطی بعض راویوں کی ہے کہ خیال ان کا فتح مکہ سے حجۃ الوداع کی طرف منتقل ہوگیا جیسا کہ معاویہ کا خیال عمرۂ جعرانہ سے حجۃ الوداع کی طرف منتقل ہوا۔ قصر والی روایت میں جس کا کتاب حج میں تذکرہ ہوا ہے اور خیال کا ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ یا ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف دھوکے سے منتقل ہوجانا اکثر حفاظ اور

حفاظ سے کم درجے کے محدثین کو پیش آیا کرتا ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ متعہ فتح مکہ والے سال
حرام ہوا ہے اس لئے صحیح مسلم سے ثابت ہے کہ صحابہ نے فتح مکہ میں حضورؐ کی معیت میں حضرتؐ
کی اجازت سے متعہ کیا ہے اور اگر ممانعت متعہ خیبر میں ہوئی ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ متعہ
دو مرتبہ منسوخ ہوا۔ اور یہ ایسی بات ہے جس کی نظیر شریعت میں ملنا ناممکن ہے اور اب شریعت
میں ہوتا بھی نہیں ہے نیز خیبر میں مسلمان عورتیں نہ تھیں اور اہل کتاب کے ساتھ نکاح اس
وقت تک جائز نہ ہوا تھا" (زاد المعاد فی ہدی خیر العباد جلد نمبر ۱ صفحہ ۴۴۲ مطبوعہ مصر)

علامہ ابن قیم نے اس عبارت میں صاف طور پر اس خیال کی کمزوری ظاہر کی ہے۔
کہ متعہ چند مرتبہ حلال ہوا اور چند مرتبہ حرام ان کا خیال ہے کہ اس قسم کے الٹ پلٹ شریعت
میں ہوا نہیں کرتے اور نہ ان کی نظیر کوئی دستیاب ہو سکتی ہے اسی طرح امام فخر الدین رازی
اس خیال کی مخالفت یوں کرتے ہیں۔

"یہ قول کہ متعہ چند مرتبہ حلال اور چند مرتبہ منسوخ ہوا ضعیف ہے۔ کسی معتبر آدمی نے اسے نہیں
کیا ہے مگر وہ جنہوں نے صرف اس تناقص کو جو روایات میں ہے دور کرنا چاہا ہے"
(تفسیر کبیر جلد نمبر ۳ صفحہ ۱۹۶) علامہ شیخ عبدالرحمان بن شیخ محمد بن سلیمان داماد آفندی
نے مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر مطبوعہ قسطنطنیہ جلد نمبر ۱ صفحہ ۲۴۱ میں سب سے الگ
بات لکھی ہے وہ کہتے ہیں۔

"نکاح متعہ خیبر اور فتح مکہ کے درمیانی زمانہ میں مباح تھا لیکن یہ کہ وہ منسوخ ہو
گیا باجماع صحابہ یہاں تک کہ اگر کوئی قاضی اس کے جواز کا فیصلہ کرے تو وہ جائز نہ ہوگا۔ اور اگر
کوئی اسے مباح سمجھے تو وہ کافر سمجھا جائیگا"

اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ نکاح متعہ جنگ خیبر میں حرام نہیں بلکہ مباح ہوا تھا۔ اور
اباحت فتح مکہ تک قائم رہی۔ یہ تھے چند علماء اہل سنت کے اقوال کہ وہ روایات کے
اختلاف و پراگندگی کے باعث سراسیمہ و مضطرب ہیں اور کوئی بات طے نہیں کر سکتے
حجتہ الوداع میں اباحت و تحریم کے روایات بجائے خود مثل روایات فتح مکہ کے۔ صحیح
السند ہیں۔ راوی دونوں کے یکساں بلکہ متحد ہیں۔ بیشک وہ یہ کہہ کر مسترد کر دیئے جاتے

ہیں کہ حقیقتاً "فتح مکہ کی حکایت ہے جو راوی نے دھوکہ سے حجۃ الوداع کے متعلق نقل کر دی ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے صاف لکھا ہے کہ "وہم کا ایک موقع سے دوسرے موقعہ پر دھوکے سے منتقل ہو جانا اکثر حفاظ کے لئے ہوا کرتا ہے"!

یہاں بھی دراصل بات یہی ہے کہ جو واقعہ فتح مکہ کا تھا کہ وہ غلطی سے راوی نے حجۃ الوداع کے متعلق نقل کر دیا۔ اور اسی لئے جو روایت اس سلسلہ میں مذکورہ ہے وہ بالکل اس مضمون کی ہے جو فتح مکہ کے متعلق نقل کی ہے یعنی سبرۃ جہنی کا بیان کہ وہ ایک دوست کی معیت میں گیا اور چادر کے عوض اس نے عورت سے متعہ کیا۔ لیکن تین دن بعد حضورؐ نے متعہ سے ممانعت فرما دی اور وہ اس ممتوعہ سے علیحدہ ہو گیا۔ یہ بہت بعید ہے کہ بالکل ایک ہی نوعیت کا واقعہ ایک ہی راوی کے لئے فتح مکہ اور حجۃ الوداع دونوں موقعوں پر پیش آیا۔ لہذا یقیناً یہ واقعہ فتح مکہ تھا لیکن غلطی سے راوی نے ایک موقعہ پر حجۃ الوداع کہہ دیا اور اسے محدثین نے نقل کر لیا۔ یہ علامہ ابن قیمؒ کا خیال قرین قیاس معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے بعد ان روایات کی بھی قدر و قیمت نہیں رہتی۔ جن میں حجۃ الوداع کے متعلق صرف ممانعت کا ذکر ہے۔ مجمل صورت یہ پیدا ہوئی کہ حضورؐ نے حجۃ الوداع میں متعہ سے ممانعت فرمائی۔ اس لئے کہ جب وہ پورا واقعہ جو فتح مکہ میں اباحت و تحریم کا تھا راوی نے فتح مکہ کی بجائے دھوکہ سے حجۃ الوداع کا نام لے کر نقل کر دیا تو ممانعت کی تاریخ میں بھی یہی غلطی واقع قرین قیاس ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ راوی نے فتح مکہ کے بجائے غلطی سے حجۃ الوداع کہہ دیا ہے جبکہ اس کا بھی راوی وہی ہے جو فتح مکہ والی روایت اور اس روایت کا جس میں پورا واقعہ فتح مکہ کا حجۃ الوداع کی طرف منسوب کر کے لکھ دیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے اور ابن حجر عسقلانی کی تحریر کے مطابق بالصراحت معلوم ہوتا ہے کہ ممانعت متعہ کے متعلق اگر صحیح و صریح روایتیں کچھ موجود ہیں وہ صرف خیبر اور فتح مکہ کے متعلق ہیں۔ خیبر کے متعلق علامہ ابن قیمؒ کا اختلاف مان لینے کے بعد بہرحال فتح مکہ آخری تاریخ ہے جس کے متعلق موجودہ روایات کی بنا پر رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ کہ اس میں متعہ حرام کیا گیا۔

لیکن یہ امر قارئین کے لئے اور بھی زیادہ حیرت انگیز ثابت ہوگا۔ کہ جب ہم آیت متعہ کے تاریخ نزول پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ باعتبار زمانہ فتح مکہ سے مؤخر اور اس کے بعد ہے جس کا پتہ علامہ حافظ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب "لباب النقول فی اسباب النزول" مطبوعہ مصر برحاشیہ تنویر المقیاس ص؟ میں لکھا ہے۔

"آیت والمحصنات الخ مسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ اوطاس میں کچھ عورتیں ہماری قید میں آئیں جو شوہردار تھیں۔ اس کی وجہ سے ہم کو برا معلوم ہوا کہ ہم ان کے ساتھ مباشرت کریں۔ لہذا ہم نے حضور سے دریافت کیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ والمحصنات من النساء الا ما ملکت ایمانکم اس کے معنی یہ ہیں کہ شوہردار عورتیں تمام حرام ہیں مگر وہ جنہیں خدا نے تمہیں مال غنیمت میں دیا ہے۔ اس کے بعد ہم نے ان عورتوں کو اپنے لئے حلال سمجھا اور طبرانی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت حنین میں نازل ہوئی۔ جب حنین فتح ہوا تو مسلمانوں کو بہت سی عورتیں اہل کتاب میں سے دستیاب ہوئیں مگر جب کوئی شخص ان میں سے کسی کے پاس جاتا تھا وہ کہتی تھیں کہ میں شوہردار ہوں۔ لوگوں نے حضور سے دریافت کیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔"

درحقیقت آیت متعہ کے طرز عبارت پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ اس میں شروع شروع میں متعہ کی اباحت کا حکم نہیں دیا جا رہا ہے بلکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ ایک مباح و جائز مقررہ طریقہ نکاح ہے جس کا تذکرہ ضمنی حیثیت سے کر دیا گیا ہے اور اصل کسی اور حکم کا بیان کرنا منظور ہے مذکورہ بالا شان نزول کی روشنی میں جو ابوسعید خدری اور ابن عباس کی روایت میں مذکور ہے جب آیت کے معنی پر نظر کی جاتی ہے تو یہ امر صاف طور سے نمایاں نظر آتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"شوہردار عورتوں سے جو تمہارے ملک یمین کے علاوہ ہوں تمہارے لئے عقد جائز نہیں ہے اور یہ خدا کی مقررہ شریعت ہے۔ تمہارے اوپر اور جو ان کے علاوہ ہوں وہ تمہارے لئے جائز ہیں یہ کہ تم اپنے اموال کے ذریعہ سے ان کے ساتھ عقد کرو۔ ان کو اپنا پابند بناتے ہوئے نہ حرامکاری

کے طور پر تو اب جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا ہو ان کی اجرتیں ان کو ادا کرو اور پھر مقررہ شرائط کے بعد بھی آپس میں زیادہ (مدت) کرنا چاہو تو جائز ہے۔" (النساء)

اس آیت کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود بالذات اس میں متعہ کے جواز کا حکم دینا نہیں بلکہ غیر ملک میں شوہر دار عورتوں کی ممانعت کے ساتھ ان کے علاوہ عورتوں کے ساتھ نکاح کے جواز بتلانے کے لئے وارد ہوئی ہے جس کے سلسلے میں نکاح متعہ کا یہ حکم ذکر کر دیا گیا ہے کہ اگر نکاح متعہ کرو تو اجرت دیدو اور بعد میں چاہو تو از سر نو قرار داد کر کے کمی یا زیادتی کرو۔

اب اس روایت میں یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اوطاس سے مراد فتح مکہ ہے اس لئے کہ فتح مکہ میں نہ اہل کتاب یا سبایا ئے غنیمت کا وجود نہ تھا۔ ماننا پڑے گا کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے۔ اور اس آیت قرآن سے حلیت متعہ ثابت ہونے کے بعد پھر خیبر یا فتح مکہ میں جو اس سے پہلے کے واقعات ہیں اگر متعہ حرام بھی ہوا ہو تو بھی اس کا کچھ اعتبار نہیں ہوگا۔ پھر یہ کہ آیت میں متعہ کا خصوصی حکم نہیں دیا گیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سے پہلے نہ ہی متعہ حرام ہوا اور نہ ہی بعد میں مباح ہوا بلکہ اس میں متعہ کی حلیت کو ایک مفروضہ ثابت شدہ شے کی صورت میں پیش کرتے ہوتے اس کے احکام کا ذکر کیا گیا ہے پس از روئے قرآن ثابت ہوا کہ وہ تمام احادیث جن میں ممانعت متعہ کا مختلف اوقات میں تذکرہ ہے غلیظ و بے بنیاد اور بالکل بے حقیقت ہیں۔ ہم نے فنی حیثیت سے تمام روایات کی تحقیق پیش کر دی ہے تاکہ کسی قسم کی گنجائش اعتراض ہی باقی نہ رہے۔ مجھے احساس ہے کہ یہ مضمون طویل ہو گیا ہے لیکن اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کی طوالت نظر انداز کی جائے۔

یہاں ایک اور سوال ابھرتا ہے کہ روایات مجموعی طور پر کثیر تعداد میں ہیں متعدد رواۃ سے منقول ہیں۔ اور کافی محدثین نے تخریج کی ہے۔ لہذا یہ نہیں کہا جا سکتا ہے ان میں کوئی بھی اصلیت نہیں ہے پھر ان کا آپس میں تصادم شکوک پیدا کرتا ہے۔ لہذا اس دو رخی صورت حال میں آخر کیا حل ہو سکتا ہے تو اس گتھی کو سلجھانے کی ایک ترکیب ہے وہ یہ

کہ اس سلسلہ میں صرف دو روایات ایسی ہیں جن سے متعہ کی حرمت تا قیامت ثابت ہے۔ باقی روایات میں ایسا نہیں ہے۔ جب ہم ان سب کو یکجا کر کے غور کرتے ہیں تو ہماری سمجھ میں مندرجہ ذیل باتیں آتی ہیں۔

(۱) قرآن کی آیت متعہ جو فتح مکہ کے بعد اوطاس میں نازل ہوئی متعہ کو ایک ثابت و مروج جائز و مشروع طریقہ نکاح کی صورت میں پیش کرتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سے قبل متعہ حرام نہ تھا۔

(۲) صحابہ کرام برابر وفات رسولؐ کے بعد متعہ پر عامل رہے مثلاً صحیح مسلم ہی میں ہے۔ کہ

"عطاء کی روایت ہے کہ جابر ابن عبداللہ عمرہ کے ارادے سے مکہ معظمہ آئے تو ہم ان کی ملاقات کو گئے اور مختلف لوگوں نے ان سے مختلف مسائل دریافت کئے پھر متعہ کا تذکرہ ہوا۔ انہوں نے (جابرؓ) نے کہا کہ ہاں ہم لوگوں (صحابہ) نے عہد رسولؐ اور پھر ابوبکر و عمر کے زمانہ میں برابر متعہ کیا ہے۔"

(صحیح مسلم جلد نمبر ۱ ص ۴۵۱)

اسی طرح مسلم شریف میں ہے کہ۔

"ابوالزبیر کا بیان ہے میں نے جابر بن عبداللہ کو کہتے سنا کہ ہم لوگ برابر ایک مٹھی جو یا آٹے کے عوض میں متعہ کرتے رہے ہیں۔ حضورؐ کے عہد میں اور پھر ابوبکر کے زمانہ میں یہاں تک کہ حضرت عمر نے عمرو ابن حریث والے واقعہ میں اس سے ممانعت کی۔" (صحیح مسلم جلد نمبر ۱ ص ۴۵۲)

(۳) خلیفہ دوم عمر بن الخطاب کا متعہ کی ممانعت کو اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے یہ تصریح کرنا کہ وہ حضورؐ کے سامنے جائز تھا۔

حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا دو قسم کے متعہ حضورؐ کے زمانہ میں موجود تھے۔ میں ان دونوں کی ممانعت کرتا ہوں۔ ایک متعۃ النساء دوسرے متعہ الحج۔" (کنز العمال جلد نمبر ۸ صفحہ ۲۹۳)

(۴) متعہ کی حرمت کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جسے کبھی حلال قرار دیا گیا ہو اور پھر حرام

اور پھر حلال اور بعد میں حرام یہ واحد امر ہے جو طریقہ شرع کے بالکل خلاف ہے۔
پس معلوم ہوا کہ یہ روایات غلط ہیں۔ اور متعہ کی حرمت کا اعلان صرف فرمانِ عمری کے تحت ہوا۔

اعتراض نمبر ۷۰۳۔ اگر متعہ آپ حضرات کے نزدیک مستحسن امر ہے تو ان حضرات کے اسمائے گرامی کی نشاندہی فرمائیے جن کی ولادت باسعادت ابوین کے اس مستحسن فعل سے ہو۔

جواب نمبر ۷۰۳۔ علامہ ابن حجر عسقلانی اور صاحب اصابہ نے تحریر کیا ہے کہ ابن مسلم بن امیہ کی تولید متعہ سے ہوئی۔

"عمرو بن شیبہ کا بیان ہے کہ سلمہ بن امیہ نے متعہ کیا سلمہ کنیز حکیم ابن امیہ اسلمی اور اس سے فرزند کی ولادت ہوئی۔"

(فتح الباری جلد نمبر ۹ صد ۱۳۹، اصابہ فی معرفتہ الصحابہ جلد نمبر ۲ صد ۶۳۔ موصوف کو ابن خیاط نے ان صحابہ میں شمار کیا ہے جو مکہ میں مقیم تھے)

کنز العمال میں ملا متقی نے ابن جریر سے روایت نقل کی ہے کہ۔

"سعید بن حبیب کا بیان ہے کہ متعہ کیا ابن حریث اور فلاں صاحب کے صاحبزادے دونوں آدمیوں نے اور دونوں کی اولاد ہوئی۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے زمانہ میں۔"

(کنز العمال جلد ۸ صد ۲۹۳ فلاں شخص سے ممتاز ہستی مراد ہے)

تفسیر مظہری صد ۵۷ میں ہے کہ حضرت ابوبکر کی صاحبزادی اسماء بنت ابی بکر نے کہا کہ "عہد رسولؐ میں ہم سے متعہ ہوا"، اور قرین قیاس ہے کہ متعہ کرنے والے حضرت زبیر ہوں انہی عارضی تعلقات میں عبداللہ بن زبیر کی ولادت ہوئی ہو۔ اسی بنا پر حضرت عمرو بن زبیر نے عبداللہ بن عباس سے کہا "الا تتقی اللہ ترخص فی المتعۃ، یعنی تم کو خدا کا خوف نہیں ہے متعہ کی اجازت دیتے ہو۔ تو ابن عباس نے فرمایا، سل امک

یا عمر تیرہ" یعنی ذرا جا کر اپنی والدہ سے تو دریافت کرو۔ (زاد المعاد ابن قیم جلد نمبر ا صد ۲۱۹)

اعتراض نمبر ۷: اگر آئمہ کرام اور ان کے پسماندگان سے یہ فعل ثابت ہے اور ان کا اپنا اقرار اور یہ تصریح کہ میری فلاں اولوالعزم اولاد اس مستحسن فعل سے ہے۔ کہیں معتبر کتاب میں موجود ہے۔

جواب نمبر ۷: بلا ضرورت متعہ کرنے کی مخالفت کتب سے ثابت ہے اور یہ کوئی فرض نہیں ہے کہ اس پر عمل کرنا ہر ایک پر واجب ہو۔) لہٰذا اگر آئمہ نے عقد متعہ نہ بھی کیا تو یہ ہرگز دلیل نہیں ہوگا۔ کہ متعہ حرام قرار دیا گیا جب تک حکم ثابت نہ ہو۔ طلاق دینا جائز ہے جبکہ بظاہر حضورؐ نے کسی زوجہ کو طلاق نہ دی حالانکہ آپ کے مذہب میں حلال ہے مگر یہ فعل نہ ہی رسُول کی سنت سے ثابت ہے اور نہ ہی خلفاء اربعہ کی سیرتوں سے متعہ خاص ضرورت وحالات کے تحت جائز کیا گیا ہے۔ اب اگر آئمہ کو ایسے حالات پیش نہ آئے تو یہ کوئی ضروری نہیں ہے وہ بلا وجہ متعہ کرتے تاہم ان کی احادیث متعہ کی تائید میں کتابوں میں محفوظ ہیں۔ ہم اماموں کے امام سید الانبیاء حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ والہ وسلم کا متعہ آپ ہی کی کتب سے ثابت کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب حضورؐ نے متعہ فرمایا تو آئمہ اپنے نانا کی سُنت کے خلاف کبھی نہیں ہو سکتے ہیں۔ اہل سُنت کے آئمہ اربعہ میں امام احمد حنبل لکھتے ہیں کہ "ابن عباس کہتے ہیں کہ جناب رسُول مقبول نے متعہ کیا تھا۔" (مسند احمد حنبل الجزالاول صد ۳۳۷)

اسی طرح ابو الآئمہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا متعہ حضرت عمر کی خواہر سے ملاحظہ کریں۔ (سبائی سبز باغ صد ۲۸۲)

اب جب کہ عقد متعہ ثابت ہو گیا تو یہ ضروری نہیں ہے کہ اولاد بھی ہو۔ کیونکہ اکثر لوگ عمر رسیدہ عورتوں سے عقد متعہ کیا کرتے تھے بہر حال ہمیں صرف عقد ثابت کرنا ہے نہ کہ اولاد ثابت کرنا ہے۔

اعتراض نمبر ۵۰۷۔ اس امام کا اسم گرامی بیان فرمایئے جس کے سامنے متعہ کا ذکر کیا گیا اور جب مطالبہ کیا گیا کہ کیا عترت سے بھی یہ فعل ثابت ہے تو آپ نے از روئے کراہت منہ پھیر لیا۔ کیا یہ واقعہ اصول کافی میں موجود ہے۔

جواب نمبر ۵۰۷ ایسا کوئی واقعہ اصول کافی میں موجود نہیں ہے اگر کوئی شخص ایسا واقعہ اصول کافی میں ثابت کر دے تو منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ باقی یہاں صرف اتنا عرض کر دوں گا کہ اگر کوئی شخص معترض کو بھرے مجمع میں یہ کہے کہ مولوی صاحب کیا میں آپ کی بیٹی یا بہن سے نکاح کر سکتا ہوں؟ تو اس وقت فطرۃ" معترض کی کیفیات کیا ہوں گی۔ حالانکہ قائل کوئی خلاف شرع بات نہیں کہے گا۔ عاقل را اشارہ کافی است۔

ہم نے عقد متعہ پر ایک مختصر رسالہ الگ سے شائع کیا ہے جس کا عرفی نام "ہم متعہ کیوں کرتے ہیں"؟ ہے قارئین اس کا مطالعہ فرمالیں۔ تاکہ تفصیلات سے آگاہی ہو جائے۔

فاروقی فتوحات

اعتراض نمبر ۵۰۶۔ کیا یہ صحیح ہے کہ سیدنا فاروق اعظم کے مساعی جمیلہ سے دو لاکھ پچیس ہزار ایک سو تین مربع میل رقبہ اسلام اور مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔؟

جواب نمبر ۵۰۶۔ جی بجا ہے۔

اعتراض نمبر ۷۰۷۔ فرمایئے قادسیہ، جلولا، حلوان، تکریت، خورستان، ایران، اصفہان، طبرستان، آذربائیجان، آرمینیہ، فارس، سیستان، مکران، خراسان، اردن، حمص، یرموک، بیت المقدس، اسکندریہ، طرابلس، کو فتح کرکے اسلام کے قبضے میں کس نے دیا؟

جواب نمبر ۷۰۷۔ یہ سارے علاقے حضرت عمر کے زمانہ میں فتح ہوئے۔

اعتراض نمبر ۷۰۸۔ فرمایئے مسلمانوں کو خوش حال بنانے کے لئے ۹۹ میل نہر پہاڑوں میں کھدوا کر دریائے نیل کو بحیرہ قلزم سے کس نے ملایا۔؟

جواب نمبر ۷۰۸۔ جی یہ کام بھی جناب عمر ہی کی حکومت میں ہوا۔

اعتراض نمبر ۷۰۹۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان مسافروں کے لیئے سرائیں چوکیاں حوض کس نے تعمیر کرائے۔؟

جواب نمبر ۷۰۹۔ حکومت عمر نے۔

اعتراض نمبر ۷۱۰۔ کس کے دور خلافت میں احکام الٰہی کے یاد کرنے کے لئے یہ قانون بنایا گیا کہ ہر شخص سورہ بقرہ، سورہ نساء، سورہ مائدہ، حج اور سورہ نور کو یاد کرلے۔؟

جواب نمبر ۷۱۰۔ کہا گیا ہے کہ یہ ہدایت بھی دور عمر میں جاری کی گئی لیکن کیا یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ خود حضرت عمر کو یہ سورتیں زبانی یاد تھیں اگر کوئی سنی المذہب صحاح ستہ میں سے صحیح الاسناد ایک بھی روایت دکھا دے جس میں بزبان

عمر یہ ثابت ہو کہ آپ کو یہ سورتیں زبانی یاد نہیں تو جو صفحہ نمبر ہو گا اتنی رقم بطور انعام دوں گا۔

اعتراض نمبر ۱۱۔ مسلمانوں کے اس بادشاہ کا نام بتایئے۔ جنہوں نے ملکی سیاست کو قائم رکھنے کے لئے فوج کا اسٹاف افسر خزانہ ترجمان طبیب وجراح مقرر کئے ہوں۔

جواب نمبر ۱۱۔ یہ سہرا بھی شہنشاہ عمر اعظم ہی کے سر پر ہے جنہوں نے اسلام میں ان اقدام سے امپیریلزم کی راہ ہموار کر دی۔

اعتراض نمبر ۱۲۔ کس کو غیرت کے اظہار کی برکت سے بے پردہ عورتوں کو پردہ ملا۔؟

جواب نمبر ۱۲۔ حضورؐ اکرم کی غیرت کے اظہار سے پردہ کا حکم نازل ہوا مجاہد سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ ایک دفعہ بی بی عائشہ کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ حضرت عمر آ گئے حضورؐ نے صلح طعام کی۔ جناب عمر بیٹھ گئے اتفاقاً حضرت عمر کی انگلی حضرت عائشہ کی انگلی سے لگ گئی تو حضورؐ کو ناگوار گذرا۔ اسی وقت آیت حجاب نازل ہوئی۔ (تفسیر در منثور نمبر ۵ صہ ۲۱۳)

اعتراض نمبر ۱۳۔ خلفاء اربعہ میں سے کس نے بیت المقدس فتح کرتے وقت پیدل چلنا منظور کیا۔؟

جواب نمبر ۱۳۔ یہ اتفاق بھی جناب عمر سے پیش آیا ہے کیونکہ معاہدہ کی تکمیل کے بعد جب حضرت صاحب نے بیت المقدس کا ارادہ کیا تو اس وقت ان کے گھوڑے کے سم گھس کر بیکار ہو گئے تھے۔ جناب عمر یہ دیکھ کر اتر گئے دوسرا ترکی نسل کا ایک گھوڑا جو بہت عمدہ قسم کا تھا حاضر کیا گیا۔ گھوڑا شوخ و چالاک تھا مگر حضرت

عمر نا تجربہ کار شہسوار تھے اُسے قابو میں لانا ممکن نہ ہوا مجبوراً پیدل چلنا منظور کرلیا۔ ورنہ ممکن تھا کہ گھوڑا صحیح و سالم نہ پہنچتا کھسیانے ہو کر کہا "کمبخت یہ غرور کی چال تو نے کہاں سے سیکھی"۔ (الفاروق حصہ اول صہ ۲۰۲)

اعتراض نمبر ۱۴۔ اس خلیفے کا نام بتایئے جو راتوں کو رعیت پر پہرہ دیا کرتا تھا۔

جواب نمبر ۱۴۔ ویسے تو سب خلیفے ایسے ہی تھے مگر حضرت عمر کا پہرہ ایک خاص مقصد کے لئے تھا کہ مخالفتِ حکومت معلوم ہو جائے۔

اعتراض نمبر ۱۵۔ کعبہ کے غلاف کو اعلےٰ درجہ کا حسین غلاف سے کس نے بدل دیا تھا

جواب نمبر ۱۵۔ اگر سنت کے خلاف بدلا تو بدعت قرار پایا ورنہ غلاف تو زمانہ جاہلیت میں بھی بدلا جاتا تھا۔ باقی مصریوں نے قباطی کا غلاف بنا کر یا حضرت نے چڑھا دیا۔ کوئی امر فضیلت نہ ہوا۔

اعتراض نمبر ۱۶۔ اس خلیفہ رسول کے نام کی تصریح فرمایئے جس نے متعدد ممالک فتح کر کے ان میں چار ہزار مسجدیں تعمیر کرائیں؟

جواب نمبر ۱۶۔ دنیا میں اسلام کے طلوع سے قبل اور حضرت عمر کے بعد کئی فاتح گذرے ہیں۔ جنہوں نے حضرت عمر سے زیادہ فتوحات کی ہیں، اور مسلمانوں میں لاتعداد حاکم ہوئے ہیں جنہوں نے ہزاروں مساجد بنوادی ہیں۔ دور کیوں جاتے ہیں صرف فیلڈ مارشل ایوب خان مرحوم کے دور حکومت میں محتاط اندازہ کے مطابق پاکستان میں ہزاروں مساجد تعمیر کی گئی ہیں۔ اسی طرح انگریز کی دور حکومت میں بھی مساجد بنوائی گئی ہیں۔ صرف ملک

فتح کرنا جبکہ اسلام ارضی فتوحات کی اجازت ہی نہیں دیتا بلکہ صرف دفاعی جہاد کا حکم دیتا ہے کوئی کارنامہ نہیں ہے اور مساجد تعمیر کرانا کار نیک ضرور ہے لیکن حاری غصب اور غیر شرعی طریقے سے حاصل کردہ زمین پر مسجد بنانا شرعاً مستحق نہیں ہے

اعتراض نمبر ۱۷۔ سب سے پہلے کس مسلمان بادشاہ نے رعیت میں مردم شماری کی رسم ڈالی تھی۔

جواب نمبر ۱۷۔ یہ کام بھی ایک خلاف شرعی امر کے تحت سرانجام پایا تھا۔ مفتوحہ اراضی کی تقسیم کے معاملہ میں ایک غلط پالیسی کے تحفظ کے لئے ایسا کیا گیا۔ اس پر تفصیلی بحث "البلاغ المبین" میں ملاحظہ کی جائے یہ کام بھی حضورؐ نے نہیں کیا تھا۔

ملا باقر مجلسی کے وہ مطاعن جو اس نے فاروق اعظمؓ کی نسبت حق الیقین میں پیش کئے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۸۔ ملا باقر مجلسی نے حق الیقین صفحہ ۲۵۵ مطبوعہ تہران میں فاروق اعظم کے متعلق لکھا کہ۔

عمر گفت کہ تو نگفتی کہ ما داخل مکہ خواہیم شد و طواف خواہیم کرد چرا نشد حضرت فرمود کہ من نگفتم امسال خواہد شد بعد از یں خواہد شد پس غضبناک برخاست وگفت اگر باور می یافتم باایشاں	عمر نے کہا کیا تو نے نہ کہا تھا کہ ہم مکہ میں داخل ہوں گے اور طواف کریں گے کیوں نہ ہوا۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ میں نے یہ تو نہ کہا تھا کہ اس سال ہو گا۔ پس عمرؓ غضبناک

جنگ می کردم و نزد ابوبکر آمد و شکایت آنحضرت کرد ابوبکر او را منع کرد چوں روز فتح مکہ شد و رسول خدا کلید را گرفت حضرت فرمود عمر را بطلبید چوں آمد حضرت فرمود ایں است آنچہ خدا مرا وعدہ دادہ بود۔

ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور کہا اگر کوئی میرا امدادی ہوتا تو میں کفار سے ضرور لڑتا جنگ کرتا ابوبکر کے پاس آیا اور حضرت کی شکایت کی ابوبکر نے اسے منع کیا جب فتح مکہ کا دن ہوا اور رسول خدا نے کعبے کی چابیاں ہاتھ میں لے کر عمر کو طلب کیا اور فرمایا یہ ہے وہ وعدہ جو کہ خدا نے میرے ساتھ کیا ہوا تھا

یہ واقعہ لکھ کر پھر یہ آیت چسپاں کی ہے۔

فلا وربک لایومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لایجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما"۔

اہل سنت کی کسی معتبر کتاب میں اگر طاقت ہے تو یہ پہلا مضمون باین الفاظ ثابت کیجئے۔ اور منہ مانگا انعام حاصل کیجئے۔

جواب نمبر ۱۸۷ ۔ جواب اعتراض سے قبل یہ وضاحت ضروری ہے کہ علامہ مجلسیؒ نے یہ عبارت اپنی نہیں لکھی ہے بلکہ اس تحریر سے قبل لکھا ہے کہ بخاری و مسلم وابن ابی الحدید (معتزلی) اور تمام مورخین و محدثین نے روایت کی ہے کہ جب صلحنامہ حدیبیہ میں یہ لکھا کہ اہل اسلام سے جو مشرکوں کی طرف جائے اس کو وہ لوگ نہ پھیریں۔ اور مشرکوں سے جو اہل اسلام کے پاس آئے یہ لوگ اس کو پھیر دیں۔ حضرت عمر غضبناک ہوئے

اور حضرت رسالتمآبؐ کے پاس آکر پوچھا کہ آپ خدا کے رسولؐ ہیں۔ فرمایا۔ ہاں پھر پوچھا ہم مسلمان ہیں اور وہ کافر؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ حضرت عمر نے کہا پھر ہم اس ذلت کو اپنے دین میں کیوں قرار دیں۔ پس حضور رسالتمآبؐ نے فرمایا مجھے خدا نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ کرتا ہوں اور خدا مجھے ضائع نہ کرے گا۔ بلکہ میری مدد کرے گا۔ حضرت عمر نے کہا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے بعد منقولہ عبارت کا بیان ہے۔ پس اس تمہید کی موجودگی میں علامہ مجلسیؒ قانونی طور پر بری الذمہ ہیں۔ اب ہم معترض کے مطالبہ کے مطابق یہی عبارت اہل سنتہ والجماعت کی بہت ہی معتبر کتاب سے دوبارہ نقل کرتے ہیں اور راوی خود عمر ہیں۔

"حضرت عمر کہتے ہیں یہ حال دیکھ کر میں حضورؐ کے پاس آیا۔ میں نے کہا کیا آپؐ اللہ کے سچے پیغمبر نہیں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں۔ میں نے کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن ناحق پر نہیں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا بے شک میں نے کہا تو پھر ہم اپنے دین کو کیوں ذلیل کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا۔ وہ میری مدد کرے گا میں نے کہا آپؐ فرماتے تھے کہ ہم کعبہ کے پاس پہنچیں گے اور طواف کریں گے آپؐ نے فرمایا بے شک مگر میں نے یہ کب کہا تھا کہ اسی سال ہوگا۔ میں نے کہا حقیقت میں آپ نے یہ تو نہیں فرمایا تھا آپؐ نے تو فرمایا تھا تم کعبے کے پاس ایک دن ضرور پہنچو گے۔ اور اس کا طواف کرو گے حضرت عمر نے کہا اور پھر میں ابوبکر کے پاس گیا اور میں نے کہا کیا آپؐ اللہ کے سچے پیغمبر نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بے شک ہیں۔ میں نے کہا کیا ہم حق اور ہمارے دشمن ناحق پر نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں (الا حظہ)"

(تیسیر الباری ترجمہ صحیح بخاری کتاب الشرط مع الناس پ ۱۱ صفحہ ۱۰۱ مطبع احمدی لاہور)

بحوالہ ثبوت خلافت حصہ دوم صفحہ ۱۰۱۔۱۰۰

اس عبارت میں صرف "اگر کوئی میرا امدادی ہوتا تو میں کفار سے ضرور جنگ کرتا" کی عبارت موجود نہیں ہے جسے ابن ابی الحدید نے نقل کیا ہے۔ اب جبکہ تمام مطالب اہل سنت کی معتبر کتب سے ثابت ہیں، تو ہم یہ حق رکھتے ہیں کہ انعام کا مطالبہ کریں اور ہمارے لئے صرف یہی انعام کافی ہوگا۔ کہ معترض اس گستاخ گفتگو کو تسلیم کرتے ہوئے گستاخ رسولؐ سے اپنی

عقیدت کا رشتہ توڑ کر متمسک بالثقلین ہونے کا اعلان کر دے۔

اعتراض نمبر ۱۹۷ ۔ اہل سنت کی معتبر کتاب سیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد نمبر ۳ صہ ۳۳۱ مطبوعہ مصر میں متفقہ طور پر یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے مگر اس بناوٹی عبارت کا کہیں بھی ذکر نہیں وہاں تو صاف لفظ موجود ہیں،

انا اشهد انه رسول الله ثم اتی رسول الله فقال یا رسول الله الست رسول الله قال بلی قال اولسنا بالمسلمین قال بلی قال اولیسوا بالمشرکین قال بلی قال فعلی ما نعطی الدنیة فی دیننا۔ (بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج ۴ صہ ۱۹۲ و ۱۹۹)

میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ واقعی حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول ہیں پس عرض کیا کیا آپ خدا کے رسول نہیں فرمایا ہاں رسول ہوں عرض کیا گیا ہم مسلمان نہیں ہیں فرمایا بلا شبہ تم مسلمان ہو عرض کیا کیا وہ مشرک نہیں ہیں فرمایا ہاں وہ مشرک ہیں پس عرض کیا کس لئے ہم دین میں نقصان برداشت کریں۔

کیا اس سے اظہار تاسف اور فرطِ احساس کا جذبہ معلوم نہیں ہوتا۔ جیسا کہ سوال و جواب سے واضح ہے۔

جواب نمبر ۱۹۷ ۔ جواب اعتراض سے قبل ہم حضرت عمر کے وکیل خاص شمس العلماء شبلی نعمانی کی رائے سپرد قلم کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ شبلی لکھتے ہیں۔

"حضرت عمرؓ کی یہ گفتگو اور خصوصاً اندازِ گفتگو اگرچہ خلافِ ادب تھا۔ چنانچہ بعد میں ان کو سخت ندامت ہوئی اور اس کے کفارہ کے لئے روزے رکھے۔ نفلیں پڑھیں خیرات دی۔ غلام آزاد کئے۔ تاہم سوال و جواب کی اصل بنا اس نکتہ پر تھی کہ رسول اللہ کے کون سے افعال انسانی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور کون سے رسالت کے منصب سے" (الفاروق حصہ

اوّل ص۹۴)

اب سوال یہ ہے کہ اگر حضرت عمر کا یہ کلام گستاخانہ نہ تھا تو پھر کفارے ادا کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اور شبلی نے اعتراف خطا کرتے ہوئے رسولؐ کی حیثیت کا بھونڈا کرنا کیوں ضروری سمجھا۔ یقیناً یہ گفتگو بر بنائے تشکیک نبوت تھی۔ جسکا اعتراف خود حضرت عمر نے بایں الفاظ کیا۔ قال عمر ابن الخطاب واللہ ماشککت منذ اسلمت الایومئذ" حضرت عمر ابن الخطاب نے کہا کہ قسم ہے خدا کی ایسا شکِ نبوت محمدیہ مجھے کبھی نہ ہوا جب سے میں مسلمان ہوا ہوں مگر آج کیدن زیادہ شک ہوا"

(تفسیر ابن جریر جزو سادس والعشرون ص۵۶ زادالمعاد ابن قیم جلد نمبر ۱ ص۳۷۹ تاریخ خمیس جلد نمبر ۲ ص۲۱ وغیرہ) ابن ہشام کی سیرت میں ایسے واقعات کا اندراج نہ ہونا یہ ہرگز دلیل نہیں ہوسکتا ہے کہ واقعہ سرزد ہی نہ ہوا جبکہ کردار کی ایسی شہادتیں پایہ ثبوت تک پہنچی ہوئی ہیں۔ پس ایسے احساسات اظہار بے ثباتی، کم ایمانی اور عدم یقین کی علامات ہیں۔ اگر یہ گفتگو ناقابل اعتراض ہوتی تو نہ ہی حضرت عمر اس کی تلافی میں کفارے ادا کرتے اور نہ ہی شبلی رسولؐ کی زندگی کے دو حصے بنانے پر مجبور ہوتے۔

اعتراض نمبر ۶۲۰۔ کیا آپ کو اس کا علم نہیں کہ جب دستخط ہونے لگے تھے تو حضور علیہ السلام نے بطور شہادت حضرت عمرؓ کا نام بھی لکھوا دیا تھا۔ کیا منکرِ کو بھی کبھی اپنی تائید میں گواہ کے طور پر لیا جاتا ہے۔

جواب نمبر ۶۲۰۔

جب معاہدہ صلح لکھا گیا تو اس پر بہت سے بڑے بڑے صحابہ جن میں حضرت عمر بھی داخل تھے کے دستخط ثبت ہوئے۔ جیسا کہ شبلی نے لکھا ہے۔ لیکن یہ قطعی کسی فضیلت کا باعث نہیں ہوسکتی ہے۔ اور نہ ہی ثبوت ایمان بن سکتا ہے۔ کیونکہ فریق مخالف کے افراد نے بھی دستخط کئے تھے اور معاہدہ دونوں کے مابین اور مساوی حیثیت رکھتا ہے جس طرح دشمن کے دستخط ثبوت ایمان نہیں ہوسکتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کے دستخط دلیل ایمان

قرار نہیں دئے جا سکتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲۱۔ احتجاج طبرسی صفحہ ۲۵ میں ان السکینۃ تنطق علی لسان عمر (یعنی اللہ کی رحمت فاروق اعظم کی زبان پر بولتی ہے) فرمایئے اگر یہ قول مبنی بر صدق ہے تو تمہارے نزدیک وُہ روایت کیوں قابل اعتبار ہے اگر وہ روایت قابل اعتبار ہے تو اس روایت کا کیا جواب ہے۔

جواب نمبر ۲۱۔ جس طرح وُہ روایت سنی کُتب میں موجود ہے اسی طرح یہ روایت بھی سنیوں کی ہے اور علامہ طبرسیؒ نے اس روایت کو بطور احتجاج لکھ کر جرح کی ہے طبرسیؒ نے اس روایت کو صحیح تسلیم نہیں کیا ہے اور اہل سُنت میں بھی یہ روایت موضوع سمجھی گئی ہے اور کُتب شیعہ سے یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ پہلی روایت کے بارے میں خود حضرت عمر کی شہادت اور دونوں مذاہب کی کُتب میں موجودگی اس کو قبول کرنے پر مجبور کرتی ہے جبکہ دوسری روایت کا ذکر شیعہ کتب میں موجود نہیں اور سنی کتب میں یہ روایت قابل اعتبار قرار نہیں دی گئی ہے پس ناقابل قبول ہے۔ کسی روایت کے ناقل کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا ہے کہ وہ اس روایت کو صحیح بھی مانتا ہے۔ طبرسیؒ نے اسے محض نقل کیا ہے اور اس پر احتجاج کیا ہے۔

اعتراض نمبر ۲۲۔ کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ حضور علیہ الصلواۃ والسلام نے فاروق اعظمؓ کے اس قول کے بعد مبغوضانہ نگاہوں سے دیکھا ہو تصریحی عبارت درکار ہے۔

جواب نمبر ۲۲۔ اگر رسُول اکرم حضرت عمر کی اس گفتگو سے ناراض نہ تھے۔ بلکہ راضی تھے تو پھر حضرت عمر نے بقول شبلی کفارے کے روزے کیوں رکھے؟ نفلیں کیوں پڑھیں خیرات کیوں دی؟ غلام کیوں آزاد کیے؟ کیا یہ سب کچھ راضی ہونے کا شکرانہ تھا یا ناراضی کرنے

کا کفارہ؛ اگر رسولؐ ناراض نہ ہوتے اور عمر کے دل میں شک نبوت پیدا نہ ہوا تو پھر حضرت ابوبکر نے جناب عمر سے یہ کیوں کہا کہ۔

یا عمر الزم غرزہ فانی اشہد انہ رسول اللہ۔ — اے عمر تم ان کی رکاب تھامے رہو میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔

(تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۸۰)

نیز حضرت عمر خود فرماتے ہیں کہ ایک مدت گذر چکی ہے کہ میں اس وسوسہ شیطانی اور نفس کے فریب سے جو اس روز میں نے کھایا تھا توبہ استغفار کر رہا ہوں اور اپنے اعمال صالحہ وصدقہ خیرات کو میں نے وسیلہ بنایا ہے تاکہ اس گناہ سے مجھے برأت حاصل ہو سکے۔

(ترجمہ مدارج ج ۲ صفحہ ۳۰۴ مترجمہ شمس صاحب بریلوی)

جب عمل عمرؓ سے بزبان عمر یہ گفتگو خلاف آداب ثابت ہے تو پھر حضورؐ کی گواہی کی کیا ضرورت رہ گئی۔ اس موقعہ پر تو ناراضگی صحابہ کی تھی اور طبری کے مطابق ان کا یہ عالم تھا کہ حضورؐ کے تین مرتبہ حکم دینے کے باوجود کوئی تعمیل کے لیے کھڑا نہ ہوا تھا (طبری جلد ۲ صفحہ ۲۸۳)

حضورؐ تو اس صورت حال سے کبیدہ خاطر ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اُم المومنین حضرت ام سلمہ کے خیمہ میں خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئے۔ بی بی ام سلمہؓ نے پیغمبرؐ کے چہرے پر آثار ملال دیکھے تو وجہ پوچھی آپؐ نے صحابہ کی نافرمانی اور بے اعتنائی کا شکوہ کیا۔ یہ تمام تفصیلات تاریخ طبری کی دوسری جلد میں معاہدہ حدیبیہ کے واقعات کے بیان میں محفوظ ہیں مطالعہ کی جا سکتی ہیں۔

اعتراض نمبر ۲۳۔ لقد رضی اللہ عن المومنین۔ میں فاروق اعظمؓ بھی شامل تھے یا نہ؛ اگر شامل تھے تو یہ روایت قرآن مجید کی نص کے خلاف ہے۔ جواب درکار ہے۔

جواب نمبر ۲۳۔

لقد رضی اللہ عن المومنین میں حضرت عمر کی شمولیت ہمارے نزدیک مسلمہ نہیں ہے پس روایت و آیت کا تناقض جاتا رہا۔

اعتراض نمبر ۲۴۷ - جب اہل سُنّت کی تمام تفسیروں میں یہ بات موجود ہے کہ فاروق اعظمؓ نے یہ ساری کلام تحقیق کے طور پر کی تھی معاذاللہ آپ کو نہ ہی نبوت پر شک تھا اور نہ اخبار غیب پر ورنہ آپ اشہد اللہ رسول اللہ نہ فرماتے تو خوامخواہ آپ لوگ ان کی کلام کو انکار پر کیوں محمول کرتے ہیں ؟

جواب نمبر ۲۴۷ - اہل سُنّت کی تمام تفسیروں میں یہ بات ہرگز مرقوم نہیں ہے کہ حضرت عمر نے یہ ساری گفتگو تحقیق کے طور پر کی تھی ۔ بلکہ تفاسیر کی کثیر تعداد اس موقف کے بر خلاف ہے ۔ یہ ظنی توضیح آج وضع کی جا رہی ہے ۔ لیکن جب خود حضرت عمر کا اقرار دربارۂ شک موجود ہے ۔ اور حضرت ابوبکر کا مشورہ محفوظ ہے کہ رکاب رسولؐ تھامے رکھو اور سب سے بڑھ کر کفارات کی ادائیگی کا عمل شاہد ہے کہ یہ کلام تحقیق کے طور پر نہ تھا بلکہ اشہد ان رسول اللہ کا فرمان ہرگز دلیل ایمان نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ ۔

"اے رسولؐ جب تمہارے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ آپ یقیناً اس کے رسولؐ ہیں ۔ مگر اللہ ظاہر کئے دیتا ہے کہ یہ منافقین ضرور جھوٹے ہیں ۔ ان لوگوں نے اپنے (غلط) ایمان کو سپر بنا رکھا ہے ۔" (المنافقون ۲۰۱)

پس از روئے قرآن زبانی شہادت رسالتؐ بھی کذب و انکار کی گنجائش رد کرنے کے لیے کافی نہیں ہے ۔

اعتراض نمبر ۲۴۸ - شیعی دار الاستفتاء سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کیا فتویٰ عائد ہوتا ہے جبکہ انہوں نے بھی اس قسم کے سوالات بارگاہِ ربوبیت میں کئے تھے خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا تھا یعنی اے ابراہیم علیک السلام کیا آپ ایمان نہیں لائے ؟ تو آپ نے جواب

دیا بلا شبہ ایمان لایا ہوں لیکن یہ ساری تحقیق اطمینان قلب کے لئے کر رہا ہوں۔

جواب نمبر ۷۲۵۔ حضرت ابراہیمؑ کے کلام کا انداز ہی طالبانہ ہے اور طرزِ گفتگو محققانہ ہے جبکہ حضرت عمر کے کلام میں گستاخی و بے ادبی نمایاں ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے خود کہا ہے کہ میں اطمینان قلب کی خاطر علم حاصل کرنا چاہتا ہوں جبکہ حضرت عمر نے اقرار کیا ہے کہ اتنا شک مجھے پہلے کبھی نہیں ہوا ہے۔ چلئے اس بات کو ہم مان لیں گے۔ اگر زبان عمر سے اپنی کسی حدیث کی کتاب (صحاح و ستہ مشکوٰۃ موطا) سے کوئی ایک صحیح الاسناد روایت ثابت کر دیں کہ انہوں نے خود کہا ہو کہ میں نے یہ سوال جواب تحقیق کے لئے کئے تھے۔ میرے بھائی حضرت ابراہیمؑ نے حصول علم کی خاطر پوچھا اللہ نے جواب دیا مشاہدہ کروایا اور حضرت ابراہیمؑ نے اظہار تشکر کیا نہ کہ کفارے ادا کئے جبکہ جناب عمر کو کئی کفارے بڑے بڑے ادا کرنے پڑے اگر یہ طلب علم کی خاطر تھا تو پھر جرمانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تو عمر کے وکلاء کی بھاگ دوڑ ہے کسی نے رسولؐ کی حیات کو دو حصوں میں کو تقسیم کرنے میں دفاع عمر سمجھا ہے۔ کسی نے ندامت دکھا کر راست قدم قرار دیا ہے کسی نے سرے سے واقعہ ہی کا انکار کر دیا ہے۔ اور کسی نے محض خیال و ظن کے تحت تحقیق کا پہلو وضع کر لیا ہے مگر نبد و لبست خدا ایسا ہے کہ ہر راہ بند ہے سوائے تسلیم تشکیک کے اب کوئی اور حیلہ ڈھونڈے۔

اعتراض نمبر ۷۲۶۔ فرمایئے ابراہیم علیہ السلام خدا تعالیٰ کے سامنے برائے تحقیق سوال کریں تو جائز اور فاروق اعظمؓ نبوی دربار میں سوال کریں تو قابل گرفت۔

جواب نمبر ۷۲۶۔ ابراہیمؑ اللہ کے معصوم اولی العزم نبی ہیں اور حضرت عمر تو مسلم غیر معصوم امتی دونوں میں کیا مناسبت بلکہ خلیل اللہ نے برائے تحقیق سوال کیا اور حضرت عمر نے بربنائے تشکیک سوال کیا جتنا فرق ابراہیمؑ اور عمر کی ذاتوں میں ہے اتنا ہی فرق دونوں سوالات

پہنچ ڈالذکر سوال کا جواب پاکر شکرانہ ادا کرنا پڑا۔ مؤخر الذکر کو کفارات کی سزا بھگتنا پڑی۔ حضرت ابراہیمؑ نے بارگاہ ایزدی میں مؤدبانہ سوال کیا۔ اور حضرت عمر نے بارگاہ رسالتؐ میں گستاخانہ استفسار کیے۔

کیا عمر فاروق نے وفات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا

اعتراض نمبر ۲۷۔ سنا ہے کہ فاروق اعظمؓ کے اس قول پر بھی آپ لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ جبکہ فاروق اعظمؓ نے (کہا) حضورؐ نے وفات نہیں پائی گویا کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کا انکار کیا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا کوئی شخص دیدہ دانستہ بھی وفات کا انکار کر سکتا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ فاروق اعظمؓ نے یہ کلمات فرط محبت اور صدمہ جدائی اور انقلاب طبیعت کی وجہ سے کہے تھے۔

جواب نمبر ۲۷۔ سیاسی اغراض کو پانے کی خاطر لوگ ایسا بھی کرنا گوارہ کر لیتے ہیں۔ حضرت عمر کے انکار کو ہم واقعات کے پس منظر اور آئندہ ردعمل کی روشنی میں جب دیکھتے ہیں تو ہمیں افسوس ہے نہ ہی فرط محبت کے جذبات نظر آتے ہیں اور نہ ہی صدمہ وجدائی کے اثرات البتہ انقلابی طبیعت کسی حد تک درست ہے مگر یہ انقلاب سیاسی تھا۔ نہ کہ جذباتی۔

اعتراض نمبر ۲۸۔ بزعم شما شہادت حسینؓ پر اگر سید ہ

زینب نوحہ ماتم واویلا اور گریبان چاک کر سکتی ہیں جن کے متعلق صراحتاً حضور علیہ صلوٰۃ والسلام سے منع ثابت ہے تو اس واقعہ جانکاہ کی وجہ سے فاروق اعظم سے اس قسم کے الفاظ سرزد کیوں نہیں ہو سکتے۔

جواب نمبر ۷۲۸ - بی بی زینب صلوٰۃ اللہ علیہا عرصہ دراز تک سوگوار رہیں۔ اور وہ تمام رسومات ادا کرتی رہیں جو کوئی عزادار کیا کرتا ہے۔ لیکن حضرت عمر کا یہ نام نہاد صدمہ ایک گھنٹہ بھی جاری نہ رہا۔ نہ ہی ان کی آنکھوں سے آنسو بہے اور نہ ہی انہوں نے ماتم کیا نہ ہی حضورؐ کی تدفین میں شرکت کی بلکہ سقیفہ جا کر ایک پہلے سے مرتب کردہ تقریر کرنا چاہی حضرت عمر کی مبینہ صدماتی کیفیت اس قدر عجیب و مختلف ہے کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

اعتراض نمبر ۷۲۹ - فرمایئے حضرت عمرؓ پر یہ کیفیت ہمیشہ تک کے لئے رہی یا وقتی طور پر۔ اگر وقتی طور پر یہ کیفیت رہی تو کیوں قابل اعتراض ہے۔ کیا وقتی طور پر کیفیات کا ظہور فطرت انسانی میں داخل نہیں۔؟

جواب نمبر ۷۲۹ - حضرت عمر کی یہ کیفیت صرف اتنی دیر رہی جب تک ان کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور حضرت ابوبکر کے آتے ہی۔ ان کا صدمہ جاتا رہا۔ اور دفن و کفن کا انتظار کئے بغیر اپنے حصول اقتدار کی کوشش میں مصروف ہو گئے اور سقیفہ کے اکھاڑہ میں دنگل کرنے چلے گئے۔ فطری کیفیات کا ظہور عین ممکن ہے مگر جو کیفیت حضرت عمر پر طاری تھی اُسے فطری کہنا خلاف فطرت ہو گا۔ کیونکہ اس کیفیت کے اثرات اور بعد کے واقعات ثابت کرتے ہیں، کہ یہ ڈھونگ تھی ان سیاسی تدابیر میں سے ایک تھی جو حصول اقتدار کے لئے اختیار کی گئی تھیں۔ ورنہ صدمے اس قدر عارضی نہیں ہوتے ہیں اور نہ ہی صرف

داروں کے تیور ایسے ہوتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۷۰۔ اور اگر ہمیشہ تک فاروق اعظمؓ پر یہ اثر رہا اور وہ اس کے قائل رہے تو کیا یہ قول روایات صحیحہ کے خلاف نہیں۔ جبکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت پڑھی۔ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل تو فاروق اعظمؓ نے فرمایا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت آج نازل ہو رہی ہے۔ فاروق اعظمؓ کے اس قول سے کیا آپ کے شبہات کی تردید نہیں ہوئی۔

جواب نمبر ۷۰۔ اس اثر کی ضرورت صرف آمد ابوبکر تک ہی تھی۔ لہذا اب ہم حضرت ابوبکر کے خطبے پر غور کرتے ہیں اس سے بھی ہمارے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔ اور آپ کے شبہات کی تردید ہوتی ہے۔ کارکنان سقیفہ کا مقصد اوّل حصول اقتدار تھا۔ لہذا انہوں نے تدبیر تفرقہ اختیار کی تاکہ اُمت میں پھوٹ پڑے اور اس میں ایک جماعت ان کی حامی کار بن جائے۔ چنانچہ جونہی حضرت ابوبکر آئے تو حضرت عمر کو اشارہ کیا وہ خاموش ہوئے اور ابوبکر نے خطبہ دیا۔ علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں۔ کہ۔

"حضرت ابوبکر خطبے کے لئے کھڑے ہوتے اور فرمایا اے لوگو تم میں سے جو محمدؐ کی عبادت کرتا تھا۔ اسے جاننا چاہیئے کہ محمد مر گئے اور جو خدا کی عبادت کرتا ہے وہ معلوم کرے کہ خدا زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا۔ اس امر کے لئے ضروری ہے کہ کوئی حاکم مقرر کیا جائے بس آؤ اور اپنی رائیں دو۔ لوگوں نے کہا تم نے یہ درست کہا۔ ہم اس میں مشورہ کرتے ہیں"

(صواعق محرقہ المقدمۃ الثانیہ ص۵)

اب یہ تدبیر بھی بغور دیکھئے کہ حضرت ابوبکر نے اُمت کی تقسیم کر دی ایک طبقہ وہ قرار دیا جو سوگوار تھا اور موت رسولؐ پر رنجیدہ تھا۔ دوسرا وہ جو ان حضرات کے ہمراہ تکمیل مقصد میں شریک کار تھا۔ ماتم داروں سے علیحدہ تھا۔ ان کا انہماک ہی دوسری طرف تھا اور جو طبقہ تخت پہ

نگاہ رکھئے ہوئے تھی حضرت ابو بکر نے ان کو خدا کا عبادت گذار کہا ہے کیونکہ خود سے متعلق تھا۔ دوسرے عزادار گروہ کو محمد کا پرستار قرار دیا تاکہ لوگوں کو ادھر شامل ہونے میں تامل ہو جانے اس میں ایک راز مضمر تھا۔ فطرت انسانی ہے کہ مرنے والے کیساتھ ہمدردی ہوجاتی ہے۔ اور وہ ہمدردی و محبت اس کی اولاد و اقربا کی طرف عود کر جاتی ہے۔ امت میں رحلت رسولؐ نے کہرام بپا کر دیا لوگ محبوب رسولؐ کے احسانات یاد کر کے رو پیٹ رہے تھے بڑا نازک وقت تھا۔ کھٹکا لگا کہ کہیں ایسا نہ ہوجائے کہ متوفی کے اہل بیت کی طرف جذبات محبت و ہمدردی انتقال کر جائیں حضرت ابو بکر نے فوراً محبت رسولؐ کو عبادت سے تعبیر کر کے اسے مکروہ بنانے کی کوشش کی اور اس کی کراہیت میں اضافہ یوں کیا۔ کہ اسے عبادت الٰہی کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا جس سے اتحاد مجروح ہوا۔ اختلاف نے جنم لیا۔ اور اس طرح سوچا سمجھا منصوبہ کامیاب ہوگیا۔ پس یہی اس آیت کی تلاوت کا راز تھا۔ ورنہ آیت عمر کو بھی یاد تھی۔

فضائل سیّدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بحث!

اعتراض نمبر ۱۷۳۔ فرمایئے سیّدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق آپ حضرات کا کیا عقیدہ ہے۔ کیا آپ کے نزدیک وہ صاحب ایمان تھے یا نہ اور وہ دنیا کے اندر صادقین کے گروہ سے تھے یا نہ اگر جواب اثبات میں ہے تو فھو المقصود۔

جواب نمبر ۱۷۳۔ ہر وہ شخص جس نے ثقلین سے تخلف کیا ہمارے نزدیک کامل

الایمان ہرگز نہیں ہے۔ حضرت عثمان بن عفان کے متعلق ام المومنین بی بی عائشہ کا فتویٰ اب تک مسند احمد حنبل میں موجود ہے کہ وہ کہا کرتی تھیں کہ "اس نعثل کو قتل کردو یہ کافر ہو گیا ہے" بہرحال ہمارا جواب اثبات میں نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۷۳۲۔ اگر جواب نفی میں ہے تو فرمایئے فروع کافی کتاب الروضہ ج ۳ ص ۹۹ کی ذیل کی عبارت کا کیا جواب ہے؟

وینادی مناد فی اخر النہار الا ان عثمان وشیعتہ ھم الفائزون۔	اور ندا دینے والا دن کے آخری حصے میں ندا دیتا ہے۔ خبردار حضرت عثمان اور اسکے تابعدار ہی کامیاب ہیں

جواب نمبر ۷۳۲۔ اس عبارت کا جواب ہم نے ذوالفقار الافہام میں پہلے ہی دیدیا ہے کہ یہاں عثمان بن عفان مراد نہیں ہیں۔

اعتراض نمبر ۷۳۳۔ جب امام معصوم نے سیدنا عثمانؓ اور ان کی جماعت کے فائز المرام ہونے کے متعلق فرما دیا اور قرآن مجید میں اصحاب الجنۃ کو فائزین قرار دیا گیا ہے تو (تو) بنص قرآن یہ ثابت نہ ہوا کہ سیدنا عثمان اور ان کا گروہ خالص جنتی ہیں

جواب نمبر ۷۳۳۔ امام معصوم نے ہرگز حضرت عثمان اور ان کی جماعت کے فائز المرام ہونے کے متعلق نہیں فرمایا ہے جب قول بمطابق واقعہ ہی نہیں تو کیسے ثابت ہو گیا کہ عثمان اور ان کا گروہ خالص جنتی ہے ہم آئندہ اعتراض کے جواب میں پوری روایت نقل کر رہے ہیں۔ تاکہ ناظرین پر حقیقت آشکار ہو سکے۔

اعتراض نمبر ۷۳۴۔ فروع کافی کی مذکورہ عبارت میں جہاں

سیدنا علی اور ان کی جماعت کو کامیاب کہا گیا ہے وہاں حضرت عثمانؓ اور ان کی جماعت کو بھی کامیاب کہا گیا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ سیدنا علیؓ اور ان کی پارٹی کی کامیابی کا اعلان ہر صبح کو ہوتا ہے اور سیدنا عثمانؓ اور ان کی پارٹی کی کامیابی کا اعلان دن کے آخری حصے میں تو فرمایئے ایک پارٹی کے ایمان کا اقرار کیوں اور دوسری پارٹی کا کے ایمان کا اقرار (انکار) کیوں۔؟

جواب عدد ۴۷۴ - پہلی گذارش یہ ہے کہ یہ روایت فروع کافی میں موجود نہیں ہے بلکہ کتاب الروضہ میں ہے جو الگ کتاب ہے۔ اور روایت میں یہ الفاظ علامات قیامت کے سلسلے میں لکھے گئے ہیں کہ قریب ظہور امام مہدی علیہ السلام آسمان میں منادی یہ ندا کریگا دن کے پہلے حصہ میں کہ بے شک علی علیہ السلام اور ان کے شیعہ کامران ہیں لیکن دن کے آخری حصہ میں ایک ندا کرنے والا یہ ندا کرے گا۔ عثمان اور اس کے شیعہ کامیاب ہیں۔

اگر اس روایت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ اور ان کے شیعوں کی کامیابی کا اعلان آسمان میں دن کے ابتدائی وقت میں منجانب خدا ہو گا۔ لیکن حضرت عثمان کی پارٹی (بزعم شما) کی کامیابی کا اعلان شام کو ہوگا اور یہ ندا آسمان سے نہ آئے گی روایت کے الفاظ یوں ہیں۔

"محمد بن یحیی عن احمد بن محمد عن ابن فضال عن ابی جمیلۃ عن محمد بن علی الحلبی قال سمعت ابا عبد اللّٰہ علیہ السلام یقول اختلاف بنی العباس من المحتوم وخروج القائم من المحتوم قلت وکیف النداء قال ینادی مناد من السماء اول النہار الا ان علیا علیہ السلام و شیعتہ ھم الفائزون قال وینادی مناد اٰخر النہار الا ان عثمان و شیعتہ ھم الفائزون عدۃ من اصحابنا"

پس معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ اور ان کے شیعوں کی کامیابی کا اعلان آسمان میں خدا کی طرف ہو گا۔ جبکہ حضرت عثمان کا اعلان منجانب خدا نہ ہو گا لہذا کامیاب پارٹی شیعان علیؑ قرار پائے۔

اعتراض نمبر ۴۳۵۔ شیعہ جماعت متبعین اور مطیعین کو کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ متبعین کی تصریح سے متبوع کی امامت اور ان کے مقتدا ہونیکا اعلان ہوتا ہے پس اس روایت سے آپ کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ جس طرح سیدنا علی امام مقتدا رہبر اور پیشوا تھے اسی طرح سیدنا عثمانؓ بھی ہادی مرشد اور رہنما تھے۔

جواب نمبر ۴۳۵۔ اس بات کا جواب یہ ہے کہ احادیثِ رسولؐ سے ثابت ہے کہ علی علیہ السلام متقیوں کے امام مومنوں کے امیر اور مسلمانوں کے سردار ہوں گے جبکہ دوسری طرف حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کے مطیعین وہ لوگ ہوں گے جو دجال کے گروہ سے وابستہ ہوں گے۔ جیسا کہ امام اہلسنت علامہ ذہبی نے اپنی کتاب "میزان الاعتدال" میں حضرت حذیفہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جبکہ دجال خروج کریگا تو اس کے ساتھی حضرت عثمان کے متبعین و مطیعین یعنی شیعیان عثمان ہوں گے۔ "عن حذیفہ قال رسول اللہ صلعم اذا اخرج الدجال تبعہ من کان یحب عثمان" (الآیات ص۱۶۹)

پس شیعہ علیؑ اور شیعہ عثمان کا فرق بقول رسولؐ بشہادت رازدار رسولؐ حضرت حذیفہؓ بذریعہ امام ذہبی واضح ہو گیا کہ علیؑ کا گروہ فائز دین کا ہو گا۔ اور عثمان کا گروہ دجال کا ہو گا۔ فافہم۔

اعتراض نمبر ۴۳۶۔ بعض عالم نما جاہل یہ تاویل کرتے ہیں کہ سیدنا علیؓ اور ان کی جماعت کی کامیابی کا اعلان فرشتہ کرتا ہے۔ اور سیدنا عثمان اور ان کی جماعت کے فائز المرام ہونیکا اعلان شیطان کرتا

ہے پس اگر یہ تاویل مبنی بر صدق ہے تو میرا چیلنج ہے کہ فروع کافی کی اسی روایت میں بقول امام معصوم ثابت کیا جائے اور منہ مانگا انعام لیا جائے۔

جواب نمبر ۴۶۷۔ روایت میں مرقوم الفاظ "من السماء" حضرت علیؑ کی پارٹی کے لئے ہیں۔ اور حضرت عثمان کے متعلق ایسی آواز کا آسمان سے آنا ثابت نہیں ہے لہذا صاف معلوم ہوا کہ یہ آواز شیطانی ہی ہو گی خواہ وہ شیطان بنی آدمؑ سے ہو یا غیر بنی آدمؑ سے پھر "عدۃ من اصحابنا" کے الفاظ سے فیصلہ ہو جاتا ہے کہ "وعدہ (کامرانی) ہمارے اصحاب کے لئے ہے۔"

پس جب وعدۂ فائز المرامی اصحابِ آلِ محمد علیہم السلام سے مخصوص ہے تو ان کے غیر کا اخراج خود بخود ثابت ہو گیا۔ لہذا اسی روایت ہی سے ثابت ہو گیا کہ عثمان کے بارے میں آنے والی نداصدائے شیطانی ہو گی۔ جبکہ بروایت اہل سنۃ بھی یہ ثابت ہے کہ جماعت عثمان کو گروہ دجّال کی حمایت وتائید حاصل ہو گی۔ بس آپکا چیلنج ٹوٹ گیا اور مدعا ثابت ہو گیا اس لئے ہم اپنا انعام آپ سے یہی طلب کرتے ہیں کہ خدارا اس گروہ میں شامل نہ رہیئے جو دجّال کا گروہ ہے اور اپنی عاقبت اندیشی کا خیال کرتے ہوئے شیعان علیؑ میں آکر ٹکٹ حاصل کر لیجئے جو بقول حضرت ابوبکر پروانہ راہداری پل صراط ہے اللہ آپ کو ہدایت بخشے (آمین)

اعتراض نمبر ۴۷۷۔ بر تقدیر تسلیم کیا اس سے یہ ثابت نہ ہوا کہ شیطان بھی سیدنا عثمان اور ان کی پارٹی کی کامیابی کے اعلان پر مجبور ہو گیا اور اسکا ان کے ورغلانے کے متعلق کوئی داؤ نہ چل سکا جیسا کہ جنگ کے موقعہ پر جب شیطان نے ملائکہ کی فوجوں کو آسمان سے اترتا ہوا دیکھا تھا تو فوراً اس امر کا اعلان کر دیا کہ اے میرے متبعین۔

انی اری مالا ترون انی اخاف اللہ واللہ شدید العقاب — بلاشبہ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جسے تم نہیں دیکھ رہے میں خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سخت گیر ہے۔

جواب نمبر ۳۷ جب شیطان کے حسب خواہ اس کے چیلے یہ کام بطریق احسن سرانجام دے رہے ہیں تو پھر اس کو کیا ضرورت کہ ورغلائے بلکہ وہ تو خوش ہے اور کامیابی کے نعرے اپنے گروہ کے متعلق لگا رہا ہے ورغلانے کی ضرورت تب ہوتی جب شیطان کی اپنی جماعت نہ ہوتی۔ البتہ ان نعروں سے دیگر لوگ ورغلائے جائیں گے جو ابھی تک اس جماعت سے لاتعلق ہیں۔

اعتراض نمبر ۳۸ کیا آپ شیطان کے اس اعلان کو مبنی بر صدق سمجھتے ہیں یا مبنی بر کذب اگر یہ اعلان مبنی بر صدق ہے، تو وہ اعلان مبنی بر صدق کیوں نہیں جب کہ حدیث شریف میں سیدنا عثمان کے فائز ہونے پر پورے قرائن موجود ہیں۔

جواب نمبر ۳۸ - جس طرح منافق کی شہادت رسالت محمدؐ یہ مبنی بر صدق ہونے کے باوجود خدا کے نزدیک کذب ہے اسی طرح ہم شیطان کی سچی بات کو بھی مبنی بر صدق نہیں سمجھتے بلکہ یوں جانتے کہ "بغل میں چھری منہ میں رام رام" جب نیت میں فتور ہے تو سچ بھی جھوٹ ہی ہوتا ہے اور سچ کا تعلق سچے دل سے ہے حدیث میں حضرت عثمان کے فائز ہونے پر سوائے نام "عثمان" کے اور کوئی بھی قرینہ نہیں پایا جاتا ہے جبکہ علامات قیامت میں یہ ہے کہ ایک شخص منحوس از اولاد ابوسفیان بن حرب جسکا نام عثمان ہوگا۔ ظہور امام مہدیؑ کے وقت خروج کریگا اور وہ آٹھ ماہ تک برسر اقتدار بھی رہیگا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ منادی اسی ملعون کے بارے میں ہو۔ واللہ اعلم۔

اعتراض نمبر ۳۹ کیا یہ ٹھیک ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی طرف سے وکیل اور ترجمان بنا کر بھیجا تھا یا نہ ؟

جواب نمبر ۳۹۷ ۔ جی ہاں یہ ٹھیک ہے کہ حضورؐ نے حضرت عثمان کو اس کام پر مامور فرمایا مگر یہ حکم اولاً حضرت عمر کے لئے تھا مگر انہوں نے معذوری کا اظہار کر دیا اور سفارش کی کہ حضرت عثمان کو بھیجا جائے کیونکہ حضرت عثمان ان سے زیادہ بااثر تھے ۔ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ اس وقت حضرت عمر نے بارگاہ رسالت میں یوں عرض کیا " مکہ میں میرے قبیلہ بنی عدی کا کوئی ایسا فرد نہیں ہے جو میری حفاظت کا ذمہ لے اور قریش سے میری عداوت اور ان کے خلاف میری سختی و تشدد پسندی ڈھکی چھپی ہوئی نہیں ہے مجھے تو ان سے اپنی جان کا خطرہ ہے آپ عثمان کو بھیج دیجئے وہ مجھ سے زیادہ بااثر ہیں " (تاریخ کامل جلد ۲ ص ۱۳۷) پس عثمان کے تعلقات کی وجہ سے ان کو بھیجا گیا ۔

اعتراض نمبر ۴۰۷ ۔ اگر جواب نفی میں ہے تو اعلام الوریٰ، غزوات حیدری، تفسیر کبیر کی روایات کا کیا جواب ہے ۔ !

جواب نمبر ۴۰۷ ۔ جواب اثبات میں ہے ۔

اعتراض نمبر ۴۱۷ ۔ اور اگر جواب اثبات میں ہے تو فرمایئے حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان کو منتخب کس مصلحت کے پیش نظر فرمایا ۔

جواب نمبر ۴۱۷ ۔ انتخاب نہیں فرمایا عمر کے بدلے قبول فرمایا چونکہ حضرت عثمان اور قریش کے باہمی تعلقات کشیدہ نہ تھے دونوں باہم شیر و شکر تھے ۔ اور عثمان کو خطرہ جان نہ تھا لہذا حضورؐ نے ان کو بھیجا

اعتراض نمبر ۴۲۷ ۔ فرمایئے کہ سیدنا عثمان نے حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیغام کو پوری دیانت داری سے پہنچایا یا مداہنت سے کام لیا ؟!

جواب نمبر ۲۴۷ ۔ حضرت عثمان کے عقب میں آنحضرتؐ نے دس مہاجرین کا ایک اور وفد ارسال فرمایا۔ جب یہ لوگ مکہ میں پہنچے تو حضرت عثمان نے ابوسفیان اور دیگر قریش سرداروں کو آنحضرتؐ کا پیغام دیا مگر قریش نے ایک نہ سُنی اُن سب کو روک لیا حضرت عثمانؓ نے اپنے ایک عزیز ابان ابن سعید کے ہاں پناہ پائی باقی ماندہ اصحاب قریش کے رحم وکرم پر رہ گئے۔

اعتراض نمبر ۲۴۸ ۔ بر سبیل شق ثانی نزوت درکار ہے بر سبیل شق اول آپ کے نزدیک غیر معتمد علیہ کیوں ہیں؟

جواب نمبر ۲۴۸ ۔ شق ثانی کو چھوڑیئے شق اول کے تحت غور کیجئے دس مہاجرین کا حضرت عثمان کے پیچھے روانہ کرنا کس مصلحت کے تحت تھا جبکہ ان افراد کو دراصل موت کے کنویں میں دھکیلنے کے مترادف تھا۔ ہم اس سے زیادہ کچھ کہنا پسند نہیں کرتے ہیں عمل رسولؐ اور دس آدمیوں کی یہ خطرناک مہم اعتراض کے لئے جواب مہیا کرتے ہیں۔ بس ذرا عقیدت کی پٹی اتار کر تحقیق فرمالیجئے۔

اعتراض نمبر ۲۴۹ ۔ بروئے کتب روافض مشرکین مکہ نے کیا جواب دیا اور حضرت عثمان نے کیا کہا؟

جواب نمبر ۲۴۹ ۔ پیغام رسولِ مقبولؐ سنکر قریش نے حضرت عثمان کو کہا کہ اگر تم طواف کعبہ کرنا چاہو تو کر لو لیکن حضرت عثمان نے کہا کہ میں رسول اللہ کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا

اعتراض نمبر ۲۵۰ ۔ کیا یہ سچ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضورؐ علیہ السلام کی عدم موجودگی کے باعث طواف نہ کیا۔

جواب نمبر ۲۵۰ ۔ جی ہاں یہ بات صحیح ہے مگر شاید دس مزید اصحاب کی موجودگی اس کا سبب بنی ورنہ قریشی عثمان کے دشمن نہ تھے۔

اعتراض نمبر ۴۶ ۔ کیا یہ صحیح ہے کہ قتل عثمان کی خبر کی بنا پر حضرت محمد علیہ السلام نے چودہ سو صحابہ کو بیعت کے لئے جمع فرمایا تاکہ قصاص عثمان کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کیلئے تیار ہو جائیں

جواب نمبر ۴۶ ۔ جب حضرت عثمان اور دس دیگر اصحاب مکہ میں روک لئے گئے تو مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان اور دوسرے مہاجر قتل کر دیئے گئے ہیں چونکہ یہ لوگ نبی اکرم کی طرف سے بسلسلہ سفارت بھیجے گئے تھے اور سفیروں کا قتل مسلمہ بین الاقوامی آئین کے خلاف تھا اس لئے اس غیر آئینی قتل پر مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ اور کہنے لگے ہم اس قتل کا بدلہ لئے بغیر مدینہ واپس نہیں ہوں گے حضور نے مسلمانوں کو جنگ پر مصر دیکھا تو اس خیال سے کہ کہیں یہ وقتی و ہنگامی جوش اور ولولہ نہ ہو انہیں ایک ببول کے درخت کے نیچے جمع کیا اور ان سے اس امر پر بیعت لی کہ وہ جنگ چھڑ جانے کی صورت میں میدان سے منہ نہیں موڑیں گے۔ اور پورے ثبات قدم کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ چنانچہ جابرؓ بن عبداللہ کہتے ہیں۔ ہم سے رسول خدا نے اس بات پر بیعت لی کہ ہم فرار اختیار نہیں کریں گے (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۹)۔ پس یہ بیعت ثابت قدمی اور استقامت جہاد کے لئے تھی نہ کہ قصاص عثمان کے لئے۔

اعتراض نمبر ۴۷ ۔ سیدنا علی مرتضٰے نے سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق فرمایا ہے۔

واللہ ما اقول لک ما اعرف شیئاً تجھلہ ولا ادلک علی شیء لا تعرفہ

خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ میں آپ سے کیا کہوں۔ میں نہیں جانتا کوئی ایسی چیز جس کو آپ نہ جانتے ہوں اور نہ ایسی چیز کی راہنمائی کر سکتا ہوں جسکا آپکو علم نہ ہو۔

(بحوالہ نہج البلاغہ جزء ۲ صفحہ ۸۴ مطبوعہ استقامیہ مصریہ)

کیا اس سے مساوات فی العلم والمعرفت ثابت نہیں ہوتی اگر ہمارا یہ استدلال واقع کے مطابق ہے تو سیدنا علی کے اس ارشاد کا جواب دیجیئے یا توان کی تکذیب کیجیئے یا شان عثمان کو تسلیم کیجیے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔

جواب نمبر ۷۸ یہ عبارت ان کلمات میں سے ہے جو عہد فتن میں حضرت عثمان کی وفات سے پہلے حضرت علی علیہ السلام نے سفیر کی حیثیت سے حضرت عثمان سے ارشاد فرمائے۔ ان الفاظ میں جو خلوص جھلکتا ہے اور جو محبت نظر آتی ہے اس کا رنگ ہمیتی وہی سمجھ سکتا ہے جو آداب سفارت سے آشنا ہو اس عبارت میں جناب امیر علیہ السلام نے انتہائی عمدہ طرز بیان میں تمام ہنگاموں اور شورشوں کی ذمہ داری حضرت عثمان کے سر مہذب الفاظ کے ساتھ رکھی ہے اور ان پر واضح کیا ہے کہ مجھے مکمل حالات سے بخوبی آشنائی ہے اور باوجودیکہ آپ پوری واقفیت رکھتے ہیں پھر بھی ان کا تدارک کرنے میں غفلت سے کام لے رہے ہیں۔ لہذا قوم کو فتنوں سے نجات دینے کے لئے عملی اقدام کیجئے کیونکہ آپ یہ کہنے کے مجاز نہیں ہیں۔ کہ حالات آپ کی لاعلمی کی وجہ سے کشیدہ ہوئے ہیں۔ بلکہ جسطرح مجھے صورت حالات سے پوری آگاہی ہے اسی طرح آپ پر بھی ہر چیز عیاں ہے اور عدم واقفیت کا عذر آپ پیش نہیں کر سکتے۔ پس آپ اس کہنہ سالی اور سال خوردگی کے عالم میں مروان کے ہاتھ کٹھ پتلی نہ بن جائیے۔ بلکہ ملکی حالات کو سدھارنے کی کوشش کیجئے اور عوام کا مطالبہ تسلیم کر لیجئے۔

اس عبارت سے نہ ہی حضرت عثمان کی سیادت علمی و عرفی ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی فضیلت بلکہ تنقیص ظاہر ہوتی ہے۔ لہذا صیاد ہنیں شکار ہی دام میں آیا ہے۔

اعتراض نمبر ۷۹ اگر آپ اس کا یہ جواب دیں کہ سیدنا علی کو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے الگ جا کر ایسے علوم (علوم) کی تعلیم دی تھی جس

سے وہ سیدنا عثمان سے سبقت لے گئے تو سوال یہ ہے کہ سیدنا علی مرتضےٰ کے اس ارشاد کا کیا جواب؟

انک لتعلم ما نعلم ما سبقناك الى شيء فنخبرك عنه ولا خلونا بشيء فنبلغكه (نہج البلاغہ ج ۲ ص ۸۴)

بلاشبہ آپ وہی جانتے ہیں جو میں جانتا ہوں ہم سے آپ سے کسی چیز کی طرف سبقت نہیں لے گئے جس کی ہم آپکو خبر دیں اور نہ علیحدگی میں حضور علیہ السلام سے ہم نے کوئی ایسی چیز حاصل کی ہے کہ ہم آپ تک پہنچائیں۔

جواب نمبر ۴۸۴ ۔ اس عبارت کا ترجمہ معترض نے قطعاً غلط کیا ہے ہماری گذارش ہے ہمیں وہ عربی عبارت نشان کروائی جائے جس کا ترجمہ معترض نے یوں کیا ہے "اور نہ علیحدگی میں حضور سے ہم نے کوئی ایسی چیز حاصل کی ہے کہ ہم آپ تک پہنچائیں" عبارت کا صحیح مطلب اس طرح ہے "جو آپ جانتے ہیں بلاشبہ وہی ہم جانتے ہیں کوئی بات ایسی نہیں ہے جسے ہم پہلے سے جانتے ہوں کہ اس سے آپکو باخبر کریں (یعنی آپ صورت حالات سے پوری طرح واقف ہیں) کسی بات میں ہم آپ سے جدا ہوئے کہ اب وہ آپ کو بتادیں (جس طرح ہم نے دیکھا) (وقد رایت کما رأینا کا جملہ معترض نے نہیں لکھا ہے)

پس اس عبارت سے بھی مطلب وہی ہے جو گذشتہ بیان میں عرض کیا کہ مراد درپیش سیاسی صورت حال ہے نہ کہ علم و معرفت۔

اعتراض نمبر ۴۸۵ ۔ اگر یہ ہی کہا جائے کہ سیدنا علی کی نظر اور تھی اور حضرت عثمانؓ کی اور ان دونوں کے درمیان تو زمین و آسمان کا فرق ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ سیدنا علی کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے؟

وقد رایت کما رأینا وسمعت کما سمعنا وصحبت رسول اللہ کما صحبنا۔
(نہج البلاغۃ صفحہ ۹۴)

بے شک آپ نے ویسا دیکھا جیسا کہ ہم نے دیکھا اور ویسا سنا ہے جیسا کہ ہم نے سنا اور حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی ویسی صحبت حاصل کی ہے جیسی کہ ہم نے کی ہے۔

جواب نمبر ۴۹۔ ایک جماعت طلبہ کے تمام طالب علم ایک ہی استاد سے ویسا ہی سنتے ہیں جسطرح سب، ویسا ہی دیکھتے ہیں جیسے تمام ان کی صحبت بھی ایک ہوتی ہے لیکن ہر طالب علم کا ظرف حسب استطاعت ہوتا ہے۔ فراست، لیاقت، ذہانت اور قابلیت میں سب برابر نہیں ہوا کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۵۰۔ کیا اس سے زیادہ فضیلت کی کوئی بات بھی ہو سکتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے سیدنا عثمان کے نکاح میں عنایت فرمائیں۔

جواب نمبر ۵۰۔ اسلام میں رشتہ داری معیار فضیلت نہیں ہو سکتی مگر تقویٰ کے ساتھ۔ جبکہ رشتہ داری فضیلت ہی نہیں تو عثمان افضل کیونکر ہوئے۔ دوم یہ کہ جب بیٹیوں کی فضیلت ثابت نہ ہو تو داماد کی فضیلت کس طرح قائم ہو گی۔

اعتراض نمبر ۵۱۔ اگر آپ اس کے منکر ہیں تو فرمایئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سے زیادہ صاحبزادیوں کے منکر ہیں۔ یا تزویج سیدنا عثمان کے۔

جواب نمبر ۵۱۔ ہم جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کو پیغمبرؐ کی اکلوتی دختر سمجھتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۵۲، اگر بنات اربعہ کا انکار ہے تو قرآن مجید کی اس آیت کا کیا جواب ہے جبکہ اس میں بنات بصیغہ جمع وارد ہے۔

قل لازواجك وبناتك ونساء المومنين یدنین علیھن من جلابیبھن (پ ۲۲)[1] اے محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مومنین کی بیویوں سے فرما دیجئے کہ اپنے دوپٹے اوڑھ لیں۔

جواب نمبر ۵۲، قرآن مجید میں اکثر واحد کے لئے جمع کے صیغے اور جمع کے لیے واحد کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ عربی میں جمع تین سے کم استعمال نہیں ہوتا ہے جبکہ حضرت لوط علیہ السلام کی دو بیٹیوں کے لیے بھی اللہ نے صیغہ جمع مونث استعمال کیا ہے پھر یہ کہ ربیبہ بیٹیاں بھی رواج عرب کے مطابق بنات ہی کہلواتی ہیں

اعتراض نمبر ۵۳، اگر یہ کہا جائے کہ یہاں تو ایمان داروں کی بیویوں پر بنات کا اطلاق کیا گیا ہے۔ ورنہ بنات سے حضور علیہ السلام کی بنات نہیں تو یہ تفسیر بلبسان جلیب کہیں یا اہل سنت یا اہل تشیع کی کسی معتبر کتاب سے ثابت کیجئے اور منہ مانگا انعام حاصل کیجئے۔

جواب نمبر ۵۳، کہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے حضورؐ امت کے روحانی باپ ہیں لہذا ازواج محترمات کے علاوہ تمام عورتیں حضورؐ کی روحانی بیٹیاں ہیں۔ اور یہ وضاحت ہم ذکا الافہام اور چودہ مسئلے میں کر چکے ہیں۔ یہاں ایک اضافی بات یہ کرتے ہیں کہ متفقہ امر ہے۔ کہ آیت سورہ احزاب کی ہے جو مدنی ہے اگر وقت نزول آپ کے زعم کے مطابق حضورؐ کی صاحبزادیاں اتنی تعداد میں تھیں کہ جن پر جمع کے صیغے کا اطلاق ہو جاتا ہے۔ تو آپ تاریخ سے یہ ثابت کر دیجئے جبکہ رقیہ کا انتقال جنگ بدر کے روز ہوا اور جس وقت فتح بدر کی خوشخبری مدینہ پہنچی تو اس وقت بی بی رقیہ کی تدفین ہو رہی تھی۔ (تاریخ الخلفاء) اسی طرح بی بی زینب کا مدینہ آنا ہی ثابت نہیں ہے

---

[1] صحیح الفاظ قرآن یوں ہیں قل لازواجك وبناتك ونساء المومنين يدنين علیھن من جلابیبھن " احزاب ع ۵۹

جیسا کہ ہشام کی روایت ہے کہ ان کا دیور ان کو مدینہ لا رہا تھا کہ راستہ میں ان پر حملہ ہوا اور حمل ساقط ہو گیا لہٰذا واپس مکہ چلی گئیں۔ پس وقت نزول صرف بی بی ام کلثوم اور جناب سیدہ طاہرہ کی موجودگی مدینہ میں ثابت ہوتی ہے جبکہ دو سے جمع کا صیغہ استعمال نہیں ہو سکتا ہے۔

سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان وحی بیان سے ایسی تفسیر یوں ثابت ہوتی ہے کہ مشہور حدیث رسول ہے کہ۔

عن ابی الحمرأن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لعلی اٰتیت ثلٰثالم یؤتہن احد ولا انا اوتیت صہرا مثلی ولم اوت انا مثلی اوتیت زوجۃ صدیقۃ مثل ابنتی ولم اوت مثلھا زوجۃ واوتیت الحسن والحسین من صلبک ولم اوت من صلبی مثلہما ولکن کم منی وانا منکم۔ (اخرجہ ابو سعید فی شرف النبوۃ والدیلمی فی فردوس الاخبار والامام علی الرضا فی مسندہ)

ابوالحمرا سے روایت ہے کہ حضور نے علیؑ سے فرمایا کہ تجھے تین ایسی باتیں دی گئی ہیں کہ کسی ایک کو بھی نہیں دی گئی اور مجھے بھی نہیں دی گئی ہیں۔

۱۔ تجھے مجھ سا خسر دیا گیا ہے اور مجھے مجھ سا خسر نہیں دیا گیا۔

۲۔ تجھے میری بیٹی جیسی صدیقہ زوجہ ملی ہے اور مجھے ویسی زوجہ نہیں ملی۔

۳۔ اور حسنؑ و حسینؑ جیسے بیٹے تجھے دیئے گئے ہیں کہ تیری پشت سے مجھے ویسے نہیں دیئے گئے لیکن تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔ (ارجح المطالب صہ ۵۹۳)

حضورؐ کی فرمودہ حضرت امیرؑ کی اول خصوصیت سے ثابت ہوا کہ آنحضرتؐ سوائے حضرت علی علیہ السلام کے کسی دوسرے کے خسر نہ تھے۔ اب جبکہ کتب سنیہ ہی سے بلسان نبیؐ ایسی تفسیر دستیاب ہو گئی کہ جو ثابت کرتی ہے حضورؐ کی دختر صرف سیدہ طاہرہ ہی تھیں تو معترض سے بصد ادب ہم اس انعام کا مطالبہ کرتے ہیں وہ نصیحت رسولؐ کے مطابق متمسک بالثقلین ہونے کا اعلان فرما دیں۔

اعتراض نمبر ۵۷۔ اگر بزعم شما بنات سے مراد اُمت کی بیویاں تھیں تو نساء المومنین لانے کا فائدہ جب کہ ازدیاد عزت و توقیر جملہ مومنات کے لیئے حضرت کی طرف نسبت سے حاصل ہو چکی تھی۔

جواب نمبر ۵۷۔ اگر آپ کو باب مدینۃ العلم سے کچھ علم کی بھیک مل جائے تو یہ اعتراض نہ کریں۔ پردہ کا حکم صرف بیویوں کے لئے نہیں ہے بلکہ تمام عورتوں کے لئے ہے۔ اسی لئے حضور پر ازواج و بنات کے الفاظ جدا جدا استعمال کئے اور اسی صورت میں چند آیات قبل حضور کو مزید شادی فرمانے سے بھی روک دیا گیا۔ اور آپ کی ازواج کے علاوہ امت کی تمام عورتیں آپ کی روحانی بنات قرار دیں۔ اور ان بنات میں نساء المومنین کو جدا کیا اور باقی عورتیں جو امت کی رشتہ میں مائیں بہنیں بیٹیاں تھیں ان کو شامل کر دیا۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو پردہ صرف بیویوں تک محدود رہ جاتا اور بیٹیوں و بہنوں اور ماؤں کے رشتہ سے منسلک عورتیں خارج ہو جاتیں پس حکم عام کی خاطر یہ انداز کلام استعمال کیا گیا۔

اعتراض نمبر ۵۷۔ حضور علیہ السلام کے فرمان کا کیا جواب ہے کہ آپ نے فرمایا۔

خدیجہؓ را خدا رحمت کند از من طاہر و مطہر بہم رسانید کہ او عبداللہ بود و قاسم را آورد و رقیہ و فاطمہ و زینب و ام کلثوم ازاں بہم رسیدند۔
(حیات القلوب ج ۲ صد ۸۲)

خدیجہؓ پر خدا تعالیٰ رحمت کرے کہ مجھ سے اس نے طاہر و مطہر جنے ہیں کہ وہ عبداللہ و قاسم ہیں اور رقیہ اور فاطمہ اور زینب اور اُم کلثوم اس سے پیدا ہوئیں۔

جواب نمبر ۵۷۔ یہ روایت ضعیف و موضوع ہے اس کے قطعی ثبوت ہونے پر چودہ مسئلے ہیں تحریر کر دیئے ہیں ملاحظہ کر لیں۔

اعتراض نمبر ۵۶۔ خدا را قول خدا اور قول رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا

بالتو اقرار کیجئے اور یا ان کے مقابلے میں آیت اور حدیث صحیح پیش کیجئے۔
اور اگر تزویج عثمان رضی اللہ عنہ کا انکار ہے تو سیدنا علی مرتضےٰ علیہ السلام کے اس اعلان کا کیا مطلب ہے جبکہ جناب امیر نے جناب عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سامنے ان کی فوقیت اور برتری جتلاتے ہوئے یوں مدح سرائی فرمائی۔

انت اقرب الی رسول اللہ وشیجۃ رحم منہما وقد نلت من صھرہ مالم ینالا (نہج البلاغۃ ج۲ ص۸۵)

آپ حضور علیہ السلام کے ساتھ رحمی حیثیت کے پیش نظر ابوبکر و عمر سے زیادہ قریب ہیں۔ آپ کو حضور علیہ السلام کی دامادی کا وہ شرف حاصل ہوا کہ ان دونوں کو نہیں ہوا۔

جواب نمبر ۵۶ ۔ چونکہ رواجِ عرب کے مطابق ربیبہ بیٹیاں بھی بنات ہی ہوا کرتی ہیں لہٰذا اس لحاظ سے حضرت علیؑ نے حضرت عثمان کی اس قرابتداری کا تذکرہ فرمایا ہے۔ کیونکہ دونوں ربیبہ بیٹیاں حضرت عثمان کے نکاح میں آئی ہیں۔ اور یہ اعزاز عتبہ و عتیبہ اور ابوالعاص کو بھی حاصل تھا جن کا ایمانی مرتبہ بقابی نہیں۔

اعتراض نمبر ۵۷ ۔ اگر یہ ہٹ کیا جائے کہ جن دو صاحبزادیوں سے سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح ہوا بقادہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں نہیں تھیں تو نہج البلاغۃ کی مذکورہ عبارت کے حاشیہ ذیل کی تصریح کا جواب دیجئے۔

فلانہ تزوج بنتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رقیۃ وام کلثوم توفیت الاولی فزوجہ النبی بالثانیۃ (حاشیہ نہج البلاغہ ج۲ ص۸۵)

پس اس لئے سیدنا عثمانؓ نے حضور علیہ السلام کی دونوں صاحبزادیوں رقیہ اور ام کلثوم کیساتھ نکاح کیا جب پہلی وفات پاگئی تو حضور علیہ السلام نے ان کے ساتھ

دوسری صاحبزادی کا نکاح کر دیا۔

جواب نمبر ۷۵۔ حاشیہ نہج البلاغہ کی منقولہ بالا عبارت سے مراد و مطلب ہے کہ چونکہ بی بی رقیہ اور بی بی ام کلثوم حضورؐ علیہ السلام کی پروردہ تھیں اور ربیبہ تھیں لہٰذا مروجہ زبان کے مطابق اُن کو بنات الرسول ہی کہا گیا ہے ہم نہ ہی ان نکاحوں سے انکار کرتے ہیں۔ اور نہ ہی ربیبہ بیٹیاں ہونے کا۔

اعتراض نمبر ۷۵۰ اگر سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر اعتبار نہیں ہے تو سیدنا جعفر صادق کے فرمان کو یا تو تسلیم کیجئے اور یا جواب دیجئے۔

بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ از برائے رسول خدا از خدیجہ متولد شدند طاہر و قاسم و فاطمہ و ام کلثوم و رقیہ و زینب

(حیات القلوب ج ۲ صفحہ ۷۱۸ مطبوعہ نو لکشور لکھنؤ)

سند معتبر کے ساتھ امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طاہر و قاسم فاطمہ اور ام کلثوم اور رقیہ و زینب پیدا ہوئیں

جواب نمبر ۷۵۰۔ ہم نے اپنی کتاب "چودہ مسئلے" کے سوال ۱۳ کے جواب میں ثابت کر دیا ہے کہ علامہ مجلسی نے جو حیات القلوب میں بیٹیوں کا ذکر کیا ہے اس کی بنیاد ایک راوی کی روایت پر ہے وہ راوی زبیر بن بکار ہے جو مشہور دشمن اہل بیت ہوا ہے اور اسی روایت کی تردید میں علمائے شیعہ کافی اثبات فراہم کر چکے ہیں۔

اعتراض نمبر ۷۵۰۔ فرمائیے سید مرتضیٰ اور شیخ طوسی کی تصریحات کا کیا جواب ہے۔

و چہار دختر از برائے حضرت آورد زینب و رقیہ وام کلثوم و فاطمہ۔ (بحوالہ

اور چار صاحبزادیاں حضور علیہ السلام کے خدیجہ سے اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائیں

(حیات القلوب ج ۲ ص ۴۸۷) زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ۔

جواب نمبر ۷۵۹: محولہ عبارت ہم حیات القلوب جلد ۲ ص ۴۸۷ یا اس کے قریب ڈھونڈنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ تاہم جناب سید مرتضیٰ طاب ثراہ اور شیخ ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ کا قول صرف اس قدر ہے کہ حضور نے جب خدیجۃ الکبریٰ سے عقد فرمایا تو وہ معظمہ عذرا تھیں جیسا کہ علامہ شہر آشوب نے المناقب میں لکھا ہے۔ روی احمد البلاذری وابو القاسم الکوفی فی کتابیھما والمرتضیٰ فی الشافی وابو جعفر فی التلخیص ان النبی علیہ السلام تزوجھا وکانت عذرا۔

یعنی احمد بلاذری اور ابو القاسم الکوفی نے اپنی اپنی کتابوں میں اور سید مرتضیٰ نے شافی اور ابو جعفر نے تلخیص میں لکھا ہے کہ حضورؐ نے جب جناب خدیجہ سے شادی کی تو وہ عذرا تھیں۔ پس اس کے علاوہ کوئی امر سید مرتضیٰ اور شیخ طوسی کے کلام سے ثابت نہیں ہے لہٰذا پہلے حوالہ صحیح تحریر کیا جاوے پھر جواب طلب کریں۔

اعتراض نمبر ۷۶۰: ابی علی طبرسی کی اس تصریح کا جواب دیجئے۔

اما رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتزوجھا عتبہ ابن ابی لہب فطلقھا قبل ان یدخل بھا ولحقتھا منہ اذی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللھم سلط علی عتبۃ کلبا من کلابک فتناولہ الاسد من اصحابہ وتزوجھا بعدہ بالمدینۃ عثمان ابن عفان فولدت لہ عبداللہ ومات صغیرا واما کلثوم فتزوجھا رقیبہ توفیت عندہ

(اعلام الوریٰ ص ۱۴۶)

بہرحال رقیہ حضور علیہ السلام کی صاحبزادی پس اس کے ساتھ شادی کی عتبہ ابو لہب کے بیٹے نے پس اس نے دخول سے پہلے طلاق دیدی اور عتبہ سے حضرت رقیہ کو کچھ تکلیف بھی پہنچی جس کی بنا پر حضور علیہ السلام نے ان کے حق میں بددعا کی کہ یا اللہ عتبہ پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دے پس اسکو شیر کھا گیا اسکے بعد سیدنا عثمانؓ سے انکا عقد ہوا ان سے عبداللہ پیدا ہوا جو طفولیت کے وقت وفات پا گیا

بہرحال ام کلثوم ان کے ساتھ سیدنا عثمانؓ کا

عقد ہوا جنہوں نے سیدنا عثمان رض کے ہاں وفات پائی۔

جواب نمبر ۷۶۰۔ یہ قول دراصل مشہور سنی مورخ علامہ واقدی کا ہے جسے نقل کیا گیا ہے تاہم اس میں بھی صرف لفظ "بنت" جواب کے قابل ہے اور ہم یہ تکرار کرتے آرہے ہیں کہ رواج عرب کے مطابق ربیبہ "پربنت" کا لفظ بلا جھجک مستعمل ہو سکتا ہے۔ اور کیونکہ یہ بیبیاں آنحضرت کے گھر پلی تھیں لہذا انہیں بنات کہا گیا ہے۔ واضح ہو کہ عثمان کی شادی کے سلسلہ میں روایات میں سنگین اختلافات کتب فریقین میں پائے جاتے ہیں۔ اسی لئے علما کے نزدیک یہ مسئلہ متنازعہ فیہ ہے اور اسے کسی بھی طرف سے حجت قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک اختلافات دور نہ ہو جائیں۔ اس موضوع پر ہم نے تفصیلی بحث اپنی کتاب "چودہ مسئلے" کے تیرھویں سوال میں ہدیہ ناظرین کی ہے مطالعہ فرمایا جاوے۔

اعتراض نمبر ۷۶۱۔ ملا خلیل قزوینی شارح اصول کافی کی عبارت کا جواب دیجئے۔؟

پس زادہ شد برائے او از خدیجہ پیش از رسالت او قاسم ورقیہ و زینب و ام کلثوم و زادہ شد برائے او بعد از رسالت طیب و طاہر و فاطمہ۔	پس دعوئی رسالت سے پہلے حضور علیہ السلام کو سیدہ خدیجہ سے قاسم رقیہ زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئے اور دعوئے رسالت کے بعد طیب طاہر اور فاطمہ پیدا ہوئے۔

(صافی شرح اصول کافی صفحہ ۱۴۹ کتاب الحجۃ جز ۳ حصہ ۲ باب مولد النبی وفاتہ)

جواب نمبر ۷۶۱۔ اس عبارت کی اساس بھی زبیر بن بکار کی موضوع روایت پر ہے جسے ہم غیر معتبر کاذب اور دشمن آل محمد ثابت کر چکے ہیں۔ ملا خلیل نے خود اس روایت کو قبول نہیں کیا ہے ملاحظہ کیجئے (دجال کشی ما

اعتراض نمبر ۷۶۲۔ صحاح اربعہ کی معتبر کتاب تہذیب الاحکام ج ۱

ص۱۵۱ کی عبارت کا جواب دیجئے!

اللھم صل علی القاسم والطاهر ابنی بنیک اللھم صلی علی رقیة بنت بنیک اللھم صلی علی ام کلثوم بنت بنیک۔	اے اللہ قاسم اور طاہر پر رحمت کر جو کہ تیرے نبی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ اپنے نبی کی بیٹی رقیہ اور اپنے نبی کی بیٹی ام کلثوم پر رحمت فرما۔

جواب نمبر ۷۶۲۔ چونکہ مذکورہ بیبیاں پروردہ رسولؐ ہیں۔ لہذا ہماری کتب میں ایسی عبارات موجود ہیں جیسے حسینؑ کو فرزندان رسولؐ کہا جاتا تھا۔ یا زید کو ابن محمد کہا گیا یا حضرت ابراہیم کو فرزند آزر فرمایا گیا۔ اسی طرح بی بی رقیہ اور ام کلثوم کو بنت نبی کہا گیا ہے جس طرح صلبی لحاظ سے حضورؐ حسینؑ کے باپ نہ تھے اور نہ ہی زید کے اور آزر ابراہیم کا باپ نہ تھا۔ اسی طرح موصوفہ بیبیوں کے بھی حضورؐ حقیقی والد نہ تھے۔ بلکہ سرپرست و پالنہار تھے۔

اعتراض نمبر ۷۶۳۔ فرمایئے صاحب اعلام الوریٰ کے محشی علی اکبر غفاری شیعہ نے اعلام الوریٰ کے حاشیہ ص۱۴۷ میں جو تصریح کی ہے آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے۔

زینب اکبر بناته فلما اکرم الله رسوله بنبوته۔ اسلمت خدیجة و بناته۔	سیدہ زینب حضور علیہ السلام کی صاحبزادیوں میں سے بڑی صاحبزادی ہے۔ پس جب حضور علیہ السلام

کو اللہ تعالیٰ نے شرف نبوت سے نوازا تو خدیجہ بھی ایمان لائی اور حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں بھی۔

جواب نمبر ۷۶۳۔ محشی کی تصریح قطعاً تاریخ کے خلاف ہے کیونکہ فریقین اس بات پر متفق ہیں۔ کہ سیدہ خدیجہ کے ساتھ کوئی دوسری بی بی ایمان نہ لائی تھی۔ روایات کے متناقض و متضاد ہونے کے باعث ممکن ہے غفاری نے ازراہ کثرت خلط و قلت ضبط ایسا لکھا ہے

کیونکہ مؤرخین کے اقوال اس باب خاص میں بہت مختلف ہیں اور ناقلین کو اقوال مذکورہ کی نقل میں اکثر اوہام واقع ہوتے ہیں بہر حال یہاں بھی مغالطہ لفظ "بنات" ہی سے پیدا ہوتا ہے جس پر معروضات ہم اُوپر بیان کر چکے ہیں

اعتراض نمبر ۶۴ ۷ نیز یہ بھی بتایئے کہ حضور علیہ السلام دنیا پر تصریح علی اکبر غفاری شیعہ) چالیس برس کی عمر کے بعد شرف نبوت سے نوازے گئے یا حضرت کریم روز اوّل سے نبی تھے؟

جواب نمبر ۷۶۴ - حضورؐ روز اوّل ہی سے نبی تھے جس کی تصریح قرآن و احادیث سے ملتی ہے۔

اعتراض نمبر ۷۶۵ اگر روز اوّل سے نبی تھے اکرم اللہ بنبوتہ کا کیا مطلب ہے۔ ذرا سوچ کر جواب دیجئے۔!

جواب نمبر ۷۶۵ اکرم اللہ بنبوتہ کے معنی ہیں خدا نے اپنی نبوت کو عزت یا قوت بخشی۔ کسکو؟ رسولہ یعنی اپنے رسولؐ کو معلوم ہوا کہ اس سے مراد اظہار نبوت و رسالت ہے۔ ورنہ حضورؐ رسولؐ و نبیؐ اس حکم اظہار سے قبل بھی تھے۔

اعتراض نمبر ۷۶۶ اگر پہلے سے نبی نہیں تھے تو کیا تھے ان کا مقام متعین کر کے دلائل مرحمت فرمایئے؟

جواب نمبر ۷۶۶ - رسولؐ تھے اور ہیں جیسا کہ لکھا ہے فلما اکرم اللہ رسولہ کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو نبوت کا اعزاز بخشا۔ یعنی بعثت کا حکم کیا۔ قرآن مجید میں ہے کہ تمام انبیاء سے رسالت محمدیہ کا میثاق لیا گیا۔ کتب سماویہ میں آنحضرتؐ کی نبوت کے بارہ میں بشارات و پیشگوئیاں کی گئی ہیں اور خود حضورؐ کے ارشادات ہیں کہ آپؐ اس وقت بھی نبی تھے جبکہ آدمؑ پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ بینی آدم ابھی خلق

بھی نہ ہوتے تھے۔

اعتراض نمبر ۶۷۔ سیدہ خدیجہ کے متعلق آپ حضرات کا کیا خیال ہے کہ حضرت علیہ السلام کا جب ان کیساتھ عقد ہوا تو وہ بیوہ تھیں۔ یا کنواری۔ ؟

جواب نمبر ۶۷۔ تاریخی روایات کے مطابق سنی شیعہ مکاتب فکر میں سے اکثر کا یہ خیال ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا جب حضورؐ سے عقد ہوا تو آپ بیوہ تھیں لیکن مجیب کو اس سے اختلاف ہے۔ میری تحقیق کے مطابق بی بی صاحبہ کنواری تھیں

اعتراض نمبر ۶۸۔ اگر کنواری تھیں جیسا کہ آپ کے بعض جہلا کا خیال ہے تو اس پر کوئی صریح دلیل از آئمہ کرام پیش کیجئے ؟

جواب نمبر ۶۸۔ تاریخ کی روشن حقیقت پر بددیانت مورخین نے کچھ اس طرح مجاز کا دبیز پردہ ڈال رکھا ہے جس سے اچھے اچھے سمجھدار بھی فریب میں مبتلا ہو گئے۔ مورخین کی متفقہ یلغار نے صاحبان عقل و شعور کو بھی بے دست و پا کر رکھا ہے اور پوری ملت اسلامیہ نے باور کر لیا کہ محسنہ اسلام خدیجہ طاہرہ حضورؐ کے عقد میں آنے سے پہلے بیوہ تھیں۔ چونکہ تاریخ کی تدوین اور کتب کی تالیف آئمہ کے بعد ہوئی اور زمانہ آئمہ میں اس مسئلہ میں کوئی نمایاں اختلاف نہیں تھا اس لئے کسی ایسے امر پر جس پر نہ ہی عقائد و ارکان کا انحصار ہے اور نہ ہی اس وقت موجود میں اس میں کوئی نزاع تھی آئمہ کا کوئی واضح ارشاد اس سلسلہ میں ملنا مشکل نظر آتا ہے لیکن بدقسمتی سے مسلمان سلاطین اور شاہان زمانہ کے متشددانہ طرز عمل اور زر ریز نوازیوں کی وجہ سے آزادی تحقیق و تبصرہ پر پہرے بٹھا دیئے گئے۔ اس کے نتیجے میں تاریخی کذب و افترا کے پلندوں کو حقائق و معارف کا ذخیرہ سمجھا جانے لگا۔ لیکن

پھر بھی حقیقت چھپ نہیں سکتی تھوڑی محنت اور غور و تامل سے جھوٹ کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ یہ موضوع نہ ہی اصول میں ہے نہ ہی فروعٔ میں لہذا اس کی کوئی سند کی اہمیت نہیں ہے کہ دلیل صریح از آئمہ کرام پیش کی جائے چونکہ تاریخی اختلاف ہے لہذا اس کا جواب تاریخ ہی سے دیا جانا چاہیئے اور تاریخ میں ورقہ بن نوفل کا یہ جملہ بھی محفوظ ہے کہ " اتحبدوث ان نکو بلا بعل " کیا تم یہ پسند کرو گے وہ (خدیجہ) بغیر شوہر کے زندگی بسر کرے یہ فقرہ از خود بتاتا ہے کہ حضرت خدیجہ کی پہلے کوئی شادی نہ ہوئی تھی ورنہ صاحب اولاد دو دفعہ کی بیوہ عورت کے لئے ایسا کلام نہ کیا جاتا۔

اعتراض نمبر ۷۶ نیز اعلام الوری ص ۱۴۶ کی اس عبارت کا بھی جواب عنایت فرمایئے۔

کانت قبله عند عتیق بن	خدیجہ حضور علیہ السلام سے پہلے
عائذ المخزومی فولدت	عتیق بن عائذ مخزومی کے پاس
له جاریة ثم تزوجها	تھیں وہیں سے ان کو لڑکی پیدا
ابوهالة الاسدی فولدت	ہوئی پھر ان کے بعد انکا نکاح
له هند ابن ابی هالة	ابو ہالہ اسدی سے ہوا اس سے
	ہند ابن ہالہ پیدا ہوا۔

جواب نمبر ۷۶۔ شیخ طبرسیؒ نے یہ عبارت اپنی طرف سے نہیں لکھی ہے بلکہ ابن سعد واقدی جو کہ مشہور علماء اہل سنت میں سے ہیں۔ کا قول نقل کیا ہے۔

اعتراض نمبر ۷۷ اور اگر بیوہ تھیں جیسا کہ مطابق تحقیق ہے تو کیا ایسی بیوی سے آپ کے نزدیک ایسی صاحبزادی پیدا ہو سکتی ہے جوابنیاء

کی طرح معصوم ہو یا نہ!

جواب نمبن ۷۷ ہماری تحقیق کے مطابق بی بی خدیجہ بیوہ نہ تھیں۔ باقی معصوم یا معصومہ کے والدین کا پاک ہونا ضروری ہے۔ اور روایات کے مطابق جو کہ حضرت خدیجہ کی شادیاں منسوب کی گئی ہیں اس لحاظ سے سیدہ جیسی معصومہ کی ولادت مجروح ہو گی صرف ہو گی تو کوئی عیب نہیں ہے لیکن روایات کی ستم ظریفیاں اور بھی بہت کچھ چھپائے ہوئے ہیں، جنکا اظہار مناسب نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۱۷۷ اگر پیدا ہو سکتی ہے جیسا کہ سیدہ کا ظہور ان سے ہوا ہے جس کا کوئی فریق بھی انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تو کیوں کیا غیر معصوم سے معصوم ظہور جائز ہے۔

جواب نمبر ۱۷۷۔ غیر معصوم سے معصوم کا ظہور جائز ہے اور اسی طرح معصوم سے غیر معصوم کا ظہور بھی جائز ہے۔ جس طرح والد سید المرسلین جناب عبداللہ معصوم نہ تھے۔ اور ابو طالب علیہ السلام بھی معصوم نہ تھے نیز یہ کہ بی بی زینب و ام کلثوم دختران سیدہ طاہرہؑ بھی معصوم نہ تھیں۔ لیکن ہمارے ہاں شرط ایمان و پاکیزہ ہونے کی ہے نہ کہ عصمت کی۔

اعتراض نمبر ۲۷۷، اگر جائز نہیں تو مسئلہ نسب انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے سلسلے اس قدر تعویق کیوں!

جواب نمبر ۲۷۷۔ دستور اسلامیہ یہ ہے کہ ہر ذمہ داری صاحب ایمان کو سونپی جائے پس حجت خدا کی حفاظت کی ذمہ داری بھی صاحب ایمان ہی ہو گی کیونکہ خدا کی سنت یہی ہے لہذا ہمارا اعتقاد ہے کہ معصوم کے لئے ارحام بھی پاک ہی مقرر کیئے جاتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۳۷۷۔ اور اگر جائز نہیں تو یہ کیوں تسلیم ہے۔

جواب نمبر ۳۷۷، جواب دیا جا چکا ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ معصوم کے والدین بھی معصوم ہی ہوں البتہ پاکیزہ اور صاحب ایمان ہونا ضروری ہے۔

اعتراض نمبر ۴،، پھر تصریح فرمائیے معصوم کے دونوں والدین کا ایمان آپ کے نزدیک ضروری ہے اور ساتھ ساتھ معصومیت بھی یا کسی ایک کا اگر دونوں کا ہے تو یہاں اس شرط کا فقدان ہے۔ جواب درکار ہے؟

جواب نمبر ۴،، معصوم کے (دونوں) والدین کا ایمان ہمارے نزدیک ضروری ہے لیکن عصمت دونوں کے لئے ہی ضروری نہیں ہے۔ اور ہماری شرط پوری ہو جاتی ہے کہ حضورؐ اور امام المومنینؑ کا ایمان بمطابق شرط مطلوب ہے اور عصمت شرط ہی نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۵،، اور اگر دونوں میں سے ایک فرد کا ایمان دار ہونا ضروری ہے۔ تو ترجیح بلا مرجح کیوں؟

جواب نمبر ۵،، دونوں کا ایماندار ہونا ضروری ہے لیکن معصوم ہونا کسی کے لیے بھی ضروری نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۶،، پھر یہ بھی تصریح کیجئے کہ مولود کی معصومیت کیلئے والد کا معصوم ہونا ضروری ہے یا والدہ کا؟

جواب نمبر ۶،، کسی کا معصوم ہونا ضروری نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۷،، اگر والد کا معصوم ہونا ضروری ہے تو ابوطالب کا ایمان از ابتدا نیز معصومیت ثابت کیجئے۔

جواب نمبر ۷،، والد کا معصوم ہونا ضروری نہیں ہے اور ایمان ابوطالبؑ ہمارے ہاں ثابت ہے۔ کفر ابوطالب پر کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۸،، اور اگر والدہ کا معصوم ہونا ضروری ہے تو پھر سید زین العابدین کی والدہ حضرت شہر بانو کا معصوم ہونا نیز ابتدا سے ایماندار ہونا ثابت کیجئے۔

جواب نمبر ۷۷۸ والدہ کا معصوم ہونا بھی ضروری نہیں ہے البتہ بی بی شہر بانو کا ایماندار ہونا متفقہ امر ہے۔ اسلام قبول کرنے سے قبل بھی بی بی صاحبہ مروجہ دین الٰہی پر تھیں۔ اور آپ کا کفر و شرک ثابت نہیں ہے نیز یہ کہ پیدائشی طور پر کسی غیر معصوم کا مومن ہونا شرط بھی نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۷۷۹۔ سیدہ کا معصوم ہونا آپ کے نزدیک لغوی معنی کے ساتھ ہے یا اصطلاحی شرعی کے لحاظ سے؟

جواب نمبر ۷۷۹۔ دونوں معنی کے اعتبار سے ہم سیدہ طاہرہ کو معصوم اعتقاد کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۷۸۰ اگر لغوی طور پر ہے تو دلائل سے فیضیاب فرمایئے

جواب نمبر ۷۸۰ سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوا آپ بتول ہیں۔ اور صدیقہ طاہرہ ہیں۔ جنت کی سب عورتوں کی سردار ہیں۔

اعتراض نمبر ۷۸۱ اور اگر اصطلاحی شرعی لحاظ سے ہے تو پھر بتایئے کہ آپ کے نزدیک معصومین کی تعداد کیا رہے گی اور نیز غیر امام پر تو آپ معصومیت کا لقب استعمال نہیں کر رہے۔

جواب نمبر ۷۸۱ اصطلاحی معنی لینے کی صورت میں معصومین کی تعداد ۱۴ ہی رہی اور غیر امام پر بھی لقب معصومیت استعمال ہو سکتا ہے۔ مثلاً ملائکہ امام نہیں ہیں مگر معصوم ہیں۔ سیدہ طاہرہ امام نہیں مگر معصوم ہیں۔ ۱۴ کی تخصیص بھی اصطلاحی معنوں کے تحت ہے۔ کہ مراد از خاتم الانبیاءؐ تا مہدیؑ مراد ہیں۔ ورنہ حضورؐ سے قبل انبیاءؑ بھی معصوم ہیں۔

اعتراض نمبر ۷۸۲ اگر آپ یہ فکر کریں کہ اگر حضور علیہ السلام کی چار صاحبزادیاں ہوتیں تو مباہلہ کے دن ضرور ان کو ساتھ لاتے تو پھر ذیل کی عبارت کا جواب دیجئے؟

زینب در سال ہفتم ہجرت و بروایتے در سال ہشتم برحمت ایزدی واصل شد و دوم رقیہ در مدینہ برحمت ایزدی واصل شد در ہنگامے کہ جنگ بدر رو داد سوم ام کلثوم کہ در سال ہفتم ہجرت برحمت ایزدی واصل شد

(حیات القلوب ج ۲ ص۵۹۱)

حضرت زینب ہجرت کے ساتویں سال ایک روایت میں ہے۔ آٹھویں سال فوت ہوئیں۔ اور دوسری حضرت رقیہ مدینہ میں جنگ بدر کے موقعہ پر فوت ہوگئیں تیسری ام کلثوم کہ ہجرت کے ساتویں سال فوت ہوئیں۔

کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مباہلہ سے پہلے باقی تین صاحبزادیاں وفات پاچکی تھیں۔؟

جواب نمبر ۷۸۲ - ہماری طرف سے یہ اعتراض نہیں کیا جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ بوقت مباہلہ تینوں بیبیاں وفات پاچکی تھیں۔

اعتراض نمبر ۷۸۳ - کیا غزوات حیدری ترجمہ حملہ حیدری مطبوعہ لکھنؤ میں تصریح موجود نہیں کہ مباہلہ ۱۰ھ میں ہونے لگا تھا۔

جواب نمبر ۷۸۳ - جی ہاں۔ موجود ہے۔

اعتراض نمبر ۷۸۴ اگر یہ مکر کیا جائے کہ بنات رسول مقبولؐ تو سادات میں سے تھیں اور حضرت عثمان اُمت میں سے تھے تو یہ نکاح کیسے ہوسکتا ہے۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا سید القوم قریش میں سیدنا عثمانؓ جب شامل ہیں تو مکر کیا؟

جواب نمبر ۷۸۴ - ہم یہ اعتراض بھی نہیں کرسکتے اس لئے کہ سرچشمہ سیادت

ذاتِ حضورؐ ہے جیسے وہ سید بنادیں ہمیں منظور ہے آپؐ نے حسنؑ و حسینؑ کو سید الشباب اہل الجنۃ فرمایا ہم نے مان لیا۔ اُن کے باپ علیؑ ابن ابی طالب کو اُن سے افضل قرار دیا۔ ہم نے تسلیم کیا۔ سیدہ خاتون جنتؑ کو تمام جنت کی عورتوں کی سردار ارشاد فرمایا ہم نے مان لیا لوگوں نے بڈھے سردار بنانے چاہے ہم نے نہ مانے کہ بڑھاپا نقص و مرض ہے اور پھر جنت میں کوئی بوڑھا جائیگا ہی نہیں۔ پس چونکہ حضورؐ نے نہ ہی عثمان کو اور نہ ہی ان کی ازواج و اولاد کو سید فرمایا ہے لہذا ہم بھی ان کو سید نہیں مانتے خواہ وہ سید القوم القریش ہوں یا اس سے بھی بڑے

اعتراض نمبر ۸۵ ۷ نیز بناتِ رسولؐ نے جب اپنے والد مکرم کا کلمہ پڑھ لیا تو بتایئے آپ کے نزدیک وہ اُمت میں داخل ہوئیں یا نہ۔

جواب نمبر ۸۵ ۷ ۔ اُمت میں داخل ہوئیں۔

اعتراض نمبر ۸۶ ۷ اگر نہیں ہوئیں تو نفی پر دلائل دیجئے۔

جواب نمبر ۸۶ ۷ ۔ جواب اثبات میں ہے۔

اعتراض نمبر ۸۷ ۷ ۔ اگر ہوگئیں تو کیا یہ ٹھیک ہے کہ اُمتی کا نکاح اُمتی سے ہوا۔

جواب نمبر ۸۷ ۷ ۔ جی ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ کیونکہ ربیبہ تھیں۔

اعتراض نمبر ۸۸ ۷ فرمایئے میدان کربلا میں جو مستورات مقدسات بیوہ ہوئی تھیں ان کا نکاح کن حضرات سے ہوا؟

جواب نمبر ۸۸ ۷ اس اعتراض کا جواب بھی ہم نے نکاح الانہام میں دیدیا ہے کہ سیدانیوں کے نکاح سیدوں سے ہی ہوئے۔

اعتراض نمبر ۸۹ ۷ اگر آپ کے پاس حضور علیہ السلام کی کوئی ایسی حدیث ہو جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ آپ کی صاحبزادی ایک تھی تو پیش کیجئے

جواب نمبر ۷۸۹ "رسولخداؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا تجھے تین چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو کسی کو نہیں ملا گیئں اور نہ ہی مجھے دی گئی ہیں۔ (۱) تجھے مجھ جیسا خسر دیا گیا اور مجھے ایسا نہیں دیا گیا (۲) تجھے صدیقہ زوجہ دی گئی میری بیٹی جیسی اور مجھے ویسی زوجہ نہیں دی گئی (۳) تجھے حسن و حسین و بیٹے گئے تیرے صلب سے اور مجھے ان دونوں جیسے میرے صلب سے نہیں دیئے گئے۔ ہاں مگر تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں "

(کتاب اہل سنتہ والجماعت "ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ مصنفہ محب طبری مطبوعہ مصر جلد نمبر ۲ صفحہ ۲۰۲)

فرمان رسولؐ سے ثابت ہوا کہ علیؑ کو تین چیزیں دی گیئں وہ کسی کو بھی نہیں دی گیئں جن میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت علیؑ کو رسولؐ جیسا خسر ملا یعنی سوائے حضرت علیؑ کے رسولؐ مقبول کسی اور کے خسر نہیں لہذا حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے سوا رسولؐ کی کوئی دختر نہ تھی۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ "صدیقہ" حضرت فاطمہؑ ہیں۔

اعتراض نمبر ۷۹۰ ازیں قسم سیدنا علی مرتضےٰ سے تصریح دکھائیے اور منہ مانگا انعام لیجئے۔

جواب نمبر ۷۹۰ ۔ گذشتہ اعتراض کے جواب میں جو حدیث رسولؐ پیش کی گئی۔ اس کے مخاطب جناب امیرالمومنین علی علیہ السلام ہیں۔ صراحت خود بخود ثابت ہے انعام یہی مانگتے ہیں۔ کہ آپ بھی اس فرمانِ رسول کو تسلیم کر لیجئے۔

اعتراض نمبر ۷۹۱ ازیں قسم کوئی ارشاد سیدہ فاطمہ زہراؑ سے ثابت کیجئے ان کا فرمان ہو کہ میں اپنے والد مکرم کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ میری کوئی بہن کوئی نہیں ہے۔

جواب نمبر ۷۹۱ ۔ یہ تنازعہ زمانہ قرن اوّل میں وجود نہ رکھتا تھا۔ بلکہ تیسری صدی ہجری میں اس مسئلہ کو پیدا کیا گیا اور جھوٹی روایات سے یہ افسانہ بنایا گیا۔

جب سیدہؑ کے زمانہ میں ایسا کوئی جھگڑا ہی پیدا نہ ہوا لہٰذا ایسی صراحت کیوں طلب ہو رہی ہے مگر پھر بھی ایسے اثبات مل جاتے ہیں جو سیدہ کو اکلوتی بیٹی ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں، مثلاً جب دعویٰ فدک پیش کیا گیا تو خود حضرت ابوبکر نے سیدہ کو اکلوتی بیٹی قرار دیا جیسا کہ حضرت ابوبکر نے سیدہ طاہرہ سے کہا "پس اگر ہم ان رسول اللہ کا ذکر کریں تو تمام دنیا کی عورتوں میں ان کو صرف آپ کا باپ اور مردوں میں صرف آپ کے شوہر کا بھائی پائیں گے۔" (بلاغات النساء ابن طاہر بغدادی) حضرت ابوبکر کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور جناب سیدہؑ کے علاوہ دنیا کی کسی دوسری عورت کے حقیقی والد نہ تھے لہٰذا حضرت فاطمہؑ اکلوتی بیٹی ہیں۔ یہ کلام براہِ راست بی بیؑ پاک کے ساتھ کی گئی سیدہ نے اعتراض نہ فرمایا جس سے دلیل قائم ہوئی آپ بھی اس کلام کی تائید میں تھیں۔ اگر کوئی اور نسبی بہن ہوتی تو سیدہؑ طاہرہ فوراً حضرت ابوبکر کو ٹوک دیتیں کہ میرے علاوہ فلاں بی بی ایسی ہیں جن کا باپ میرا باپ ہے۔ اسی گفتگو میں حضرت ابوبکر نے کہا ہے کہ " اے سب عورتوں میں سے بہترین مخدرہ! اور نبیوں میں سے بہترین نبی کی لخت جگر تم اپنے قول میں سچی اور اپنی زیادتی عقل میں سب سے آگے ہو۔ تم نہ حق سے روکی جاؤ گی اور نہ سچ بولنے سے باز رکھی جاؤ گی۔" پس اگر بات جھوٹی ہوتی تو سیدہؑ فوراً تردید کر دیتیں۔

اعتراض نمبر ۷۹۲ اگر آپ اس قسم کی تصریحات سے عاجز ہیں تو اپنی کتب معتبرہ میں سے کسی امام کی تصریح اپنے حق میں دکھا دیجئے۔

جواب نمبر ۷۹۲۔ ہم نے حضورؐ جناب امیرؑ اور سیدہؑ کی تصریحات دکھا دی ہیں۔ اب آپ مسند امام رضا علیہ السلام میں امام کی تصریح بھی اسی حدیث میں دیکھ لیجئے جو ہم نے اعتراض نمبر ۷۵۲ کے جواب میں نقل کی ہے۔

جواب نمبر ۷۹۳ کیا ہمارا یہ اندازہ صحیح نہیں کہ آپ محض حضرت عثمان کے سلسلے میں بنات النبی کا انکار کر رہے ہیں۔

جواب نمبر ۹۳، آپ کا یہ اندازہ بالکل غلط ہے بلکہ خاص تعصب اور گہری چال کی عکاسی کرتا ہے ہمیں کسی سے عداوت کے سلسلے میں اس کے تعلقات ورشتہ داری تبدیل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم رشتہ داری کو معیار فضیلت ہی قرار نہیں دیتے ہیں بلکہ ہمارے ہاں فضل کا انحصار نص اور تقویٰ پر ہوتا ہے اگر ہم انکار بربنائے عداوت کرنے کی راہ غیر معقول اختیار کرتے تو پھر سب سے پہلے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے خسران ہونے کا انکار کرتے۔ ابوسفیان کو کبھی نہ کہتے۔ معاویہ کو سالا نہ کہتے۔ محمد بن ابوبکر کو فرزند ابوبکر ہونے کی وجہ سے واجب الاحترام نہ سمجھتے یزید کے بیٹے معاویہ ثانی کو قدر کی نگاہ سے نہ دیکھتے اور زبیر بن عوام پر تنقید نہ کرتے ہمیں کسی کی رشتہ داری سے کوئی عداوت نہیں ہے بلکہ ہماری عداوت و محبت کا مرکز مودت اہل بیت ہے۔

اعتراض نمبر ۹۴، کیا آپ میں یہ جرأت ہے کہ آپ شیعی کتب سے سیدہ خدیجہ الکبریٰ کا یہ قول ثابت کر دیں کہ یہ دونوں میری بیٹیاں حضور علیہ السلام سے نہیں ہیں بلکہ حضور علیہ السلام سے پہلے خاوندوں سے ہوئی ہیں۔

جواب نمبر ۹۴، ہم عرض کر چکے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی سالوں میں یہ جھگڑا ہی پیدا نہ ہوا تھا۔ لہذا جب نزاع وقوع پذیر نہ ہو تو ایسی تصریحات کا مطالبہ خلاف دستور ہے۔ باقی بی بی خدیجہ تو بیوہ ہی نہ تھیں لہذا بیٹیوں کا ذکر کیسا!

اعتراض نمبر ۹۵، آخر وجہ کیا ہے کہ موجودہ دور کے اہل تشیع تعدد بنات کے انکار پر مصر ہیں اور سابق شیعی مجتہدین محققین و موثقین اقرار پہ کما لا یخفی علی ارباب البصیرۃ التامۃ

جواب نمبر ۹۵، یہ تاریخی تحقیق ہے جس میں رائے کا اختلاف کسی جانتے تاہم جدید تحقیق کے مطابق علمائے اہل تشیع کا اتفاق ہے۔ کہ مزعومہ بیٹیاں دراصل

ربیبہ بیٹیاں تھیں۔ شیعہ تو رہے ایک طرف خود سنی علماء بھی اسی تحقیق کے دعویدار ہیں جیسا کہ ابن ہشام نے سیرۃ میں، ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں، محمد طاہر فتنی نے بحار میں اور حسین دیار بکری نے تاریخ خمیس میں ان بیبیوں کو ربیبہ بیٹیاں تسلیم کیا ہے۔

اعتراض نمبر ۷۹۶، کیا یہ صحیح ہے کہ سیّدنا عثمان جب محصور تھے تو دروازے پر تبصریح حاشیہ نہج البلاغۃ پہرہ سیّدنا حسن اور سیّدنا حسینؓ نے دیا تھا۔

جواب نمبر ۷۹۶۔ جی ہاں یہ صحیح ہے۔

اعتراض نمبر ۷۹۷، اگر یہ بات مطابق واقع ہے تو فرمایئے حسنین مکرمین پہرہ داری کے لئے خود بخود گئے تھے یا اپنے والد مکرمؓ کے امر سے۔

جواب نمبر ۷۹۷۔ اپنے والد کے حکم سے۔

اعتراض نمبر ۷۹۸، اگر خود بخود تشریف لے گئے تو امر الحسن والحسین ان یزیا الناس منہ کا کیا جواب ہے؟

جواب نمبر ۷۹۸۔ حضرت علی علیہ السلام کے حکم ہی سے حسنینؑ نے عثمان کی حفاظت کے لئے پہرہ دیا۔

اعتراض نمبر ۷۹۹۔ سیّدنا علی مرتضیٰ کا ان کو اتنا بڑی قربانی کے لئے بھیجنا کیا اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ سیدنا عثمان کا وجود ان کو اپنی اس اولاد سے بھی زیادہ تھا جو باتفاق مسلمین حضرت علیہ السلام

کے بعد جسمانی طور پر شبیہ رسولؐ مقبول تھے۔

جواب نمبر ۷۹۹۔ حضرت علی علیہ السلام کو حضرت عثمان سے اصولی اختلافات ضرور تھے لیکن وہ قطعاً اس رائے کے حق میں نہ تھے کہ عثمان کو بے دردی سے قتل کر دیا جائے لہذا انہوں نے وہ تمام طریقے استعمال کئے کہ مخالفین اور حضرت عثمان میں سمجھوتہ ہو جائے لیکن حضرت عثمان اپنی بات پر اڑے رہے۔ جب ان کا محاصرہ ہوا تو خود حضرت عثمان نے جناب امیر علیہ السلام کو امداد و مشکل کشائی کے لئے پکارا۔ پس امداد مانگنے پر جناب امیر علیہ السلام نے بسلسلہ پیاس حضرت عثمان کی امداد فرمائی اور حسنینؑ کو ان کی حفاظت پر مامور فرما دیا۔ یہ اس گھر کی خاص نشانی ہے کہ دشمن کی بھی مدد کرتے ہیں۔ معاویہ کے لشکر کو پانی پینے کی اجازت دی حُرؑ کے پورے دستے کو سیراب فرمایا۔ حتیٰ کہ خود اپنے قاتل عبدالرحمٰن کو آب شیریں پلانے کا بندوبست کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اختلافیات اپنی جگہ پر ہیں لیکن اصولی اختلافات اپنی جگہ پر قاتل کو شربت پلانے پر اگر کوئی یہ کہہ دے کہ حضرت علیؑ ابن ملجم پر خوش تھے اور حسنینؑ بھی راضی تھے کہ انہوں نے شربت پلا کر اس کی پیاس بجھائی تو یہ دلیل مبنی بر جہل ہوگی۔ اسی طرح جناب امیرؑ کا مصیبت میں حضرت عثمان کی مدد کرنا یہ دلیل نہیں ہے کہ حضرت عثمان کی پالیسیوں سے اتفاق تھا یا وہ اُن کو برسرِ حق سمجھتے تھے۔

اعتراض نمبر ۸۰۰۔ کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ سیدنا حسنؑ اور سیدنا حسینؑ اپنے والد سمیت دین کے بقا و احیاء کے لئے اپنے نورانی وجودوں سے سیدنا عثمانؓ کا وجود ضروری سمجھتے تھے۔

جواب نمبر ۸۰۰۔ جی نہیں ایسا سوچنا محض خوش عقیدگی ہوگا۔ دراصل اس واقعہ سے اسلامی تعلیمات اجاگر ہوتی ہیں۔ اگر مخالف بھی عالم بے کسی میں امداد کے لیے پکارے تو اس کی مدد کرنا چاہیئے۔ اور انسان کا خون قیمتی ہے۔ اس کو فضول نہیں بہانا چاہیئے۔ یہی عملِ رسولؐ تھا۔ کہ جانی دشمنوں تک سے اخلاق سے پیش آتے تھے۔

اعتراض نمبر ۸۰۱۔ اگر از نکاب معصیت ہے تو معصومیت نہ رہی۔

معصومیت کے فقدان سے امامت کا فقدان لازم آئے گا۔ اور یہ سراسر
آپ کے مسلمات کے خلاف ہے سوچ کر جواب دیجئے۔

جواب نمبر ۸۰۱ ۔ کوئی بھی عقلمند شخص اس فعل کو گناہ نہیں کہہ سکتا ہے۔
لہٰذا فقدان عصمت و امامت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

اعتراض نمبر ۸۰۲ اور اگر یہ فعل حسن ہے تو حسن لعینہ ہے یا لغیرہ؟
ہر دو شقوں کو مفصل بیان فرما کر دلائل سے بہرہ ور فرمائیے۔

جواب نمبر ۸۰۲ ڈوبتے ہوئے کو بچانا" یا کسی کی جان بچانے میں کوشش کرنا فعل
حسن لنفسہ ہے خواہ وہ دشمن ہو یا دوست۔ حضرت عثمان کچھ بھی تھے لیکن انسان تھے اُن
کے حقوق انسانیہ کا لحاظ کرتے ہوئے طلب امداد پر جناب امیرؑ نے ان کی جان بچانے کی
کوشش فرمائی۔

اعتراض نمبر ۸۰۳ ۔ سُنا ہے کہ آپ حضرت سیدنا عثمانؓ کے جنازہ
کے متعلق بھی طرح طرح کی بہتان تراشیاں کرتے ہیں کہ ان کا جنازہ
نہ پڑھا گیا۔ کیا اہل سُنت کی معتبر مشہور تاریخوں میں یہ سطور نہیں کہ ان کا
جنازہ عبداللہ ابن زبیرؓ نے پڑھایا؛ جیسا کہ تاریخ اسلام" مصنفہ
معین الدین ندوی میں موجود ہے۔

جواب نمبر ۸۰۳ ۔ معین الدین ندوی کی تاریخ اسلام کا شمار اہل سُنت کی معتبر و
مشہور کتابوں میں ہرگز نہیں ہوتا ہے کسی پرانی تاریخ سے بروایت صحیحہ ثابت کیا
جائے۔ یا پھر سند معتبر اور توثیق مؤرخ سے آگاہ کیا جائے نیز یہ کہ سینکڑوں اصحاب
رسولؐ کی موجودگی کے باوجود آخر عبداللہ ابن زبیر نے یہ کام کیوں کیا اور اکابر اصحاب نبیؐ
سعادت سے کیوں محروم رہ گئے۔ عبداللہ ابن زبیر صحابی بھی نہ تھے اور نہ ہی ان کا اقتدار
اس وقت مسلّمہ ہے پھر بھی ہم مان لیں گے مگر تاریخ سے صحیح ثبوت دیا جائے۔ معین

الدین ندوی کی تاریخ ایک عام کتاب ہے اس سے استدلال لینا قلت دلیل کی دلیل ہے کسی ماخذ تاریخ کا نام لیجئے اور واقعہ کی صحت بھی ثابت کیجیے

اعتراض نمبر ۴:۔ فرمایئے انسان کا بس اپنی زندگی تک چلتا ہے یا موت کے بعد بھی اگر موت کے بعد کی ذمہ داری بھی اٹھانی پڑتی ہے تو کیا معاذاللہ کسی ایماندار کی زبان سیدنا حسینؓ کے متعلق کچھ کہہ سکتی ہے کہ شہادت کے بعد ان کے اور ان کے عزیزوں کیساتھ ظالموں نے کیا کیا اور سر مبارک کو کہاں کہاں تک لے جایا گیا۔؟

جواب نمبر ۴:۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واقعہ اور حضرت عثمان کے واقعہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے حضرت امامؑ کی شہادت وطن سے دور عالم غربت میں جنگ کے میدان میں فوج سرکار کے ہاتھوں ہوئی اور شہادت کے بعد کوئی والی وارث موجود نہ رہا اور لواحقین کو قیدی بنایا گیا۔ مگر حضرت عثمان کا قتل بحیثیت بادشاہ وقت حالِ اقتدار و قوت ہوا اور یہ واقعہ عین مدینہ میں پیش آیا جبکہ تمام قریش اکارب و احباب موجود تھے حسینؑ کا کوئی دوست نہ تھا جبکہ عثمان کے حامی و دوستوں کی تعداد بہت کثیر تھی۔ یا تو ان سب صحابہ کو مخالف عثمانؓ مان لیجیے جو موجود تھے یا پھر تسلیم کیجئے۔ کہ انہوں نے جان بوجھ کر جنازہ میں شرکت کی۔ اگر حسینؑ سے مثال دیں گے تو جس طرح سارے موجود افراد دشمن تھے اسی طرح ماننا پڑیگا کہ سارے موجود اصحاب دشمن ابن عفان تھے جو آپ قبول نہ کریں گے۔

اعتراض نمبر ۵:۔ اگر کہہ سکتی ہے تو کیا ایمان کے تقاضے کے مطابق ہے۔؟

جواب نمبر ۵:۔ پس جس طرح ہم سمجھتے ہیں کہ مخالفین حسینؑ نے تدفین نہ کر کے بے دینی کی آپ بھی مان جایئے کہ اصحاب نے اپنے مانے ہوئے امام سے بے وفائی کی ہے۔

اعتراض نمبر ۸۰۶ اور اگر نہیں کہہ سکتی تو پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جنازہ اور ان کے وجود کے حصص کے متعلق بے جا کلمات کا استعمال کیوں؟

جواب نمبر ۸۰۶ اس لیئے کہ حسینؑ کی نعش مبارک کا حشر باوجود میدان جنگ و نرغہ اعداء کے ویسا نہ ہوا جیسا کہ تاریخ میں حضرت عثمان کی لاش کا منظر وادی مدینہ میں نظر آتا ہے۔ تاریخی حقائق ہیں ہم اپنی طرف سے کوئی بے جا کلمہ نہیں کہتے ہیں۔ سوائے حامیان کے کردار پر تنقید کرنے کے۔

مروان کو کیوں بلایا؟

اعتراض نمبر ۸۰۷ فرمایئے مدینہ سے اخراج کا حکم حضور علیہ السلام نے مروان کے لئے کیا تھا یا حکم کے لیئے جو کہ مروان کا باپ تھا؟

جواب نمبر ۸۰۷ اخراج کا حکم تو حکم ہی کے لئے تھا مگر مروان اللہ کی لعنت میں اپنے باپ کیساتھ برابر کا حصہ دار تھا۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے امام نسائی کی ایک حدیث بی بی عائشہ سے نقل کی ہے "بلکہ رسول اللہ علیہ وسلم نے مروان کے باپ پر اس حالت میں لعنت فرمائی جبکہ مروان باپ کے صلب میں تھا پس مروان اللہ کی لعنت میں حصہ دار ہے۔" (تفسیر ابن کثیر)

اعتراض نمبر ۸۰۸ اگر مروان کے لیے حکم اخراج فرمایا تھا تو بتایئے مروان سے کون سا جرم سرزد ہوا تھا اور مروان کی عمر اس وقت کیا تھی۔؟

جواب نمبر ۸۰۸ دجال پر جو کتب احادیث میں لعنت و مذمت کی احادیث

میں بتایئے۔ اس نے بوقت ارشاد کیا جرم کیا تھا۔ جو جواب ہوگا۔ وہی مروان دجال کے بارے میں دھرایا جائے۔ مروان ملعون کی عمر عہد نبوی میں تقریباً پانچ سال تھی۔ بعض لوگوں نے اُسے صحابی مانا ہے اور بعض نے تابعی۔ مروان کے متعلق شاہ عبدالعزیز دہلوی لکھتے ہیں کہ "اہلبیت کی محبت فرائض ایمان سے ہے نہ کہ لوازم سُنت سے ہے۔ کہ مروان کو لعنت کرنا چاہیئے۔ اور اس سے دل سے بے زار رہنا چاہیئے۔ علی الخصوص اس نے نہایت بدسلوکی کی حضرت امام حسینؑ اور ان کے اہلبیت کیساتھ اور کامل عداوت ان حضرات سے رکھتا تھا اس خیال سے اس شیطان سے نہایت بیزار رہنا چاہیئے۔"
(فتاوی عزیزی صد ۲۲۵)

اعتراض نمبر ۸۰۹۔ اہل السُنتہ والجماعت کی کس معتبر کتاب میں یہ لکھا ہے کہ مروان کو صدیقؓ و فاروقؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں پہلے سے کئی میل آگے دھکیل دیا تھا۔

جواب نمبر ۸۰۹۔ یہ بات مروان کے باپ حکم کے بیٹے لکھی گئی ہے۔ اور عموماً واعظین اسے بیان کرتے ہیں گویا کہ کسی پُرانی تاریخ سے یہ بات نہیں ملتی ہے۔ کہ شیخین نے مروان کو آگے دھکیل دیا لیکن ہند و پاکستان کی غیر معتبر کتابوں میں یہ بات مرقوم ہے" تاہم مجھے خود ذاتی طور پر اس بات سے اتفاق نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر نے حکم و مروان کے لئے ایسے احکام جاری کیے ہوں۔ البتہ یہ بات مسلم ہے کہ حضورؐ نے باپ و بیٹے کو طائف کی طرف جلاوطن کیا۔ ملعون قرار دیا۔ حتیٰ کہ عثمان نے واپس بلایا۔ اور ایک لاکھ روپیہ بھی ادا کیا۔ اور مروان کو مشیر خاص و وزیر مقرر کیا۔

اعتراض نمبر ۸۱۰۔ اہل السنتہ کی اس معتبر کتاب کی نشاندہی فرمایئے جس میں بالفاظ سبیل التصریح حضور کا فرمان مسطور ہو کہ مروان کو مدینہ میں قدم رکھنے نہ دیا جاتے۔

جواب نمبر ۱۰۸۰ امام ذہبی لکھتے ہیں کہ اس سال مروان کا والد حاکم بن ابی العاص فوت ہوا۔ وہ فتح مکہ کے روز مسلمان ہوا تھا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے راز فاش کر دیا کرتا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آنحضور کی رفتار مبارک کی نقلیں اتارتا تھا۔ پس آپ نے اسے طائف میں جلا وطن کر دیا۔ اور اس پر لعنت بھیجی۔ وہ جلاوطن ہی رہا حتیٰ کہ حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو اسے مدینہ میں داخل کیا اور ایک لاکھ کا عطیہ اسے دیا (العبر فی خبر من غبر جز اول ص۳۲)

جب جلا وطنی کا حکم ثابت ہے تو جب تک حضورؐ سے معافی ثابت نہ ہو جائے اور واپسی کا حکم بزبان رسولؐ صادر نہ ہو جلاوطن کو مدینہ میں قدم رکھنے کی اجازت نہ ہو گی۔ بصورت دیگر حکم رسولؐ کی خلاف ورزی ہو گی۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ حکم مروان کے باپ کے لئے تھا تو اسکا جواب یہ ہے کہ حضورؐ نے لعنت میں اور جلا وطنی میں دونوں باپ بیٹوں کو شریک کیا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ نے کہا ہے کہ: ولکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن ابا مروان و مروان فی صلبہ فمروان فضض من لعنۃ اللہ (تاریخ الخلفا سیوطی) اسی طرح حضورؐ نے فرمایا۔ وزغ ابن وزغ وملعون ابن ملعون (چھپکلی کی اولاد چھپکلی اور ملعون باپ کا ملعون بیٹا)

(ابن ماجہ ترمذی۔ نسائی۔ ناھیہ عن دم معاویہ)

پس جب تک حضورؐ اپنا حکم واپس نہ لیں اخراج و لعنت برقرار رہے گی۔ لہذا عدم معافی کی بنا پر بصراحت یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسولؐ کا حکم مروان اور اس کے باپ کے لئے یہی تھا کہ وہ مدینہ نہ آنے پائیں اور ملعون رہیں۔

اعتراض نمبر ۱۱۰۸ جب سید عثمان نے مروان کو بلایا تو صحابہ کرامؓ اور عترت رسول مقبول میں سے کس کس نے انکار و اعتراض کیا؟

جواب نمبر ۱۱۰۸ ۔ حضرت عثمان کا حاکم اسلام بن جانا تاریخ اسلامی کا وہ حیرت ناک واقعہ ہے جس کی کوئی معقول توجیہ آج تک کوئی نہ موافق کر سکا انہوں نے

تمام عہدوں پر اپنے خاندان کے افراد کو فائز کیا اور جی بھر کر کنبہ پروری کی معمولی تنقید پر مقتدر اور جلیل القدر صحابہ کرام کو اذیت ناک سزائیں دیں۔ مروان کو بلانے پر عبداللہ ابن مسعود، عمار یاسر اور ابوذر غفاری وغیرہ نے شدید مخالفت کی مگر ان کا کوئی زور نہ چلا۔ مسعودی کے مطابق طلحہ زبیر اور عبدالرحمان بن عوف وسعد وغیرہ بھی اس رائے کے مخالف تھے۔ مولوی کرم الدین دبیر نے خود ساختہ توضیح گھڑی ہے کہ جب صحابہ نے اعتراض کیا کہ مروان اور اس کے باپ کو کیوں واپس بلا یا گیا ہے تو حضرت عثمان نے ان سے کہا کہ میں نے حیات رسولؐ میں ان کو حضورؐ سے معافی دلوا دی تھی۔ جس کا علم ابوبکر وعمر کو بھی نہ تھا۔ کچھ لوگوں نے عثمان کی اس بات پر اعتبار کر لیا۔ مگر اکثر صحابہ اس بات پر خفا سے بنی ہاشم جن کو امور سلطنت سے بہت دور رکھا جاتا تھا اس حرکت کے خلاف تھے اس موضوع پر مفصل بحث مولانا مودودی نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں بھی کی ہے۔

اعتراض نمبر ۸۱۲ کیا یہ صحیح ہے کہ مروان نے آتے ہی سیدنا علی کے ہاتھ پر بیعت ارشاد کر لی تھی۔؟

جواب نمبر ۸۱۲۔ جی نہیں یہ غلط ہے۔

اعتراض نمبر ۸۱۳۔ اگر مطابق واقعہ ہے تو بیعت کی وجہ سے آگاہ فرمایئے کہ آپ نے ایسے شخص کو اپنے حلقہ ارادت میں کیوں داخل فرمایا جو حضور کی نگاہ میں مطعون تھا۔؟

جواب نمبر ۸۱۳۔ یہ بات بالکل واقعہ کے خلاف ہے۔

اعتراض نمبر ۸۱۴ اور اگر سیدنا علی علیہ السلام نے مروان کو اپنے سلسلہ طریقت میں داخل نہیں فرمایا تو نہج البلاغہ کی عبارت ذیل کا کیا جواب ہے۔؟

جواب نمبر ۸۱۴ پہلے عبارت سے مطلع کیجئے پھر جواب طلب فرمایئے۔

اعتراض نمبر ۸۱۵ مروان جنگ جمل کے بعد جب سیدہ عائشہ کے لشکر سے گرفتار ہو کر سیدنا علی مرتضیٰ کے پاس لایا گیا تو مروان نے رہائی کے لئے سیدنا حسن اور سیدنا حسین کی سفارش کے پیچھے کن توقعات کی بنا پر عرض کیا تھا۔؟

جواب نمبر ۸۱۵ جنگ جمل میں جب مروان بن حکم گرفتار ہوا تو اس نے حضرات حسنین علیہما السلام کو امیرالمومنین کے پاس سفارشی بنا کر بھیجا چنانچہ ان دونوں نے اس کی سفارش کی اور اسے امیر علیہ السلام نے مان لیا اور اسے رہا کر دیا۔ پھر دونوں شہزادوں نے عرض کیا کہ یہ آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہے۔ مگر حضرت امیرؑ نے اسے نامنظور کر دیا خاندان نبوت وارث رحمت ہے۔ ان کا کردار یہ ہے کہ ان کو کسی سے کوئی ذاتی عداوت نہیں ہے بلکہ ان کی دشمنی اسلام کی دشمنی پر ہے۔ ان کی مخالفت محض اصول کی بنا پر ہوتی ہے لہٰذا دستور شریعت ہے۔ کہ جب کوئی تائب ہو تو اس کو معاف کر دیا جائے جس طرح حضورؐ نے ابو سفیان جیسے دشمن کو معاف کر دیا تھا۔ اسی طرح جب مروان نے بظاہر معافی مانگ لی تو امامین نے اس کی سفارش کی۔ یہ عمل شرعاً جائز و مباح تھا۔ اس میں کوئی خطا نہ کی گئی۔ نہ ہی اس میں کوئی خصوصی تعلقات کارفرما تھے۔ بلکہ ایک شکست خوردہ دشمن نے راہ راست پر آنے کا وعدہ کرتے ہوئے معافی طلب کی تھی۔ اگر اس وقت اس کی یہ پیشکش ٹھکرا دی جاتی تو یقیناً غلطی ہوتی۔ کیونکہ رسولؐ نے عمرؓ بن خطاب اور ہندہ جیسے افراد کو معاف کر دیا تھا۔

اعتراض نمبر ۸۱۶۔ تعلقات کی تفصیل کے بعد یہ بھی واضح فرمایئے کہ حسنین مکرمین نے ایسے مطعون شخص کی سفارش اپنے والد

بزرگوار کے دربار میں کیوں فرمائی؟

جواب نمبر ۸۱۶:- حُجت خدا فطری طور پر حریص ہوتے ہیں اور ان کا یہ منشا ہوتا ہے کہ ہر کوئی ہدایت پا جائے چنانچہ اسی بات پر اللہ نے قرآن میں حضور اکرمؐ کو حریص فرمایا ہے۔ لہٰذا ایک گمراہ کو ہدایت کی راہ پر لانے کی خاطر امامین نے ایسا کیا کیونکہ امام کی بنیادی ڈیوٹی یہی ہوتی ہے۔ اسی لئے خود سُنی کتب میں ابوجہل جیسے مطعون شخص کیلئے حضورؐ کا بارگاہِ الٰہی میں یہ سفارش و دُعا فرمانا، مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے مسلمان بنا دے۔ جب مروان نے راہ راست پر آنے کا وعدہ کر لیا تو پھر ایسی سفارش قابلِ اعتراض کیونکر ہو سکتی ہے؟

اعتراض نمبر ۸۱۷ اگر وہ مطعون اور قابل سزا تھا تو سفارش کنندگان کی معصومیت کے متعلق کیا رائے ہے۔

جواب نمبر ۸۱۷ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے جب نادم اعترافِ گناہ کرے اور آئندہ خطا ہونے کا عہد کرے تو اس کو معاف کرنا ہرگز معصومیت کے خلاف نہیں ہے ورنہ شرعی فتویٰ پیش فرمایئے۔

اعتراض نمبر ۸۱۸ اگر آپ کو ان باتوں سے انکار ہے تو نہج البلاغۃ ج ا صفحہ ۱۲۰ الاستقامہ مصریہ کی عبارت ذیل کا کیا جواب ہے؟

قالوا اخذ مروان ابن الحکم	معتبر راویوں نے کہا ہے کہ جمل کے
اسیر یوم الجمل فاستشفع	دن مروان ابن الحکم گرفتار کر کے
الحسن والحسین (علیہما السلام)	سیدنا علی کے سامنے لایا گیا تو مروان
الی امیر المومنین (علیہ السلام)	نے حسنین کو رہائی کے لیے سفارش

فکلماہ فیہ فخلی سبیلہ فقالا — پر آمادہ کیا کہ وہ اپنے باپ کو یہ
لہ یبایعک یا امیر المومنین فقال — کہہ کر اس کو چھڑا لیں۔ پس انہوں
علی (علیہ السلام) اولم یبایعنی قبل — نے سفارش کی اور حضرت علیؓ نے
قتل عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) — مروان کو چھوڑ دیا پس حسنینؓ نے
حضرت علیؓ کی خدمت میں عرض
کیا کہ اے امیر المومنین آپ کے ہاتھ پر مروان بیعت کریگا تو آپ نے
فرمایا کیا اس نے قتل عثمان سے پہلے میری بیعت نہ کی تھی۔

جواب نمبر ۱۸ اگر کوئی شخص مندرجہ بالا عبارت نہج البلاغہ میں بایں الفاظ دکھا دے تو ہم اس کو منہ مانگا انعام دیں گے ہمیں سخت افسوس ہے کہ قریشی صاحب نے حسب عادت یہاں بھی خیانت سے کام لیا ہے اور ایک غلط و محرف عبارت کو امام کے نام سے منسوب کرکے اپنا الو سیدھا کرنے کی کوشش کی ہے اصل عبارت مع ترجمہ درج ذیل ہے

قالوا اخذ مروان ابن الحکم اسیرا — کہا گیا ہے کہ جب مروان بن حکم گرفتار ہوا
یوم الجمل فاستشفع الحسن والحسین — تو اس نے حضرات حسنینؑ کو امیر المومنینؑ
(علیہما السلام) الی امیر المومنین — کے پاس شفیع بنا کر بھیجا چنانچہ ان
(علیہ السلام) فکلماہ فیہ فخلی — دونوں نے اس کی سفارش فرمائی آپؑ
سبیلہ فقالا لہ یبایعک یا امیر — نے اس سفارش کو مان لیا۔ اور اسے
المومنین فقال (علیہ السلام) و — رہا کر دیا پھر دونوں (حسنینؑ) نے امیر المومنینؑ
لم یبایعنی بعد قتل عثمان؟ لا — سے عرض کی یہ مروان آپؑ کی بیعت

حاجة لی فی بیعتہ انہا کف یھودیة لو بایعنی بیدہٖ لغدر بسبتہٖ ان لہ امرۃ کلعقة الکلب انفہ وھو ابو الاکبش الاربعة وستلقی الامتہ منہ ومن ولدہ یوماً احمر۔

(نہج البلاغہ ارشاد م/۲۷)

کرنا چاہتا ہے اس پر جناب علیؑ نے فرمایا کیا اس نے قتل عثمان کے بعد میری بیعت نہیں کی تھی۔ اب نہیں اب مجھے اس کی بیعت کی ضرورت نہیں ہے یہ اس کا بہت بڑے عہد شکن کا ہاتھ ہے اگر آج یہ بیعت کریگا تو کل اسے توڑ بھی دیگا۔

خبردار! یہ حکومت حاصل تو کرے گا مگر اتنی ہی دیر کے لیے جتنی دیر کتا اپنی ناک کو چاٹتا ہے۔ یہ چار سرداروں کا باپ ہے اور وہ دن بہت جلد آنے والا ہے جب مروان اور اس کے فرزندوں سے مسلمانوں کو روز سرخ دیکھنا پڑے گا۔

اب آپ خود اندازہ لگالیں کہ اصل معاملہ کیا ہے؛ اور کس طرح قریشی صاحب نے بعد قتل عثمان کو قبل قتل عثمان میں تبدیل کیا ہے۔

صا: حضور شفیع المذنبین ہیں۔ اگر شفاعت گنہگاران خلاف عصمت ہے تو آنحضرتؐ کے بارے میں کیا رائے ہوگی! صا عربی مثال کف یہودیہ۔ الی غادرة ماکرة یعنی یہودی ہتھیلی بدعہدی میں مشہور ہے۔

فضائل سیدنا معاویہؓ

اعتراض نمبر ۸۱۹ آپ کے نزدیک حضرت معاویہؓ صحابہ رسول مقبولؐ میں داخل ہیں یا نہ؟

جواب نمبر ۸۱۹ ہمارے نزدیک معاویہ اصحاب میں داخل ہے

اعتراض نمبر ۸۲۰ اگر داخل نہیں تو کیوں؟ کیا انہوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں کفر سے توبہ اور ایمان کا اظہار نہیں کیا؟

جواب نمبر ۸۲۰ معاویہ اصحاب میں ضرور داخل ہے اور بنا بر اس نے حضورؐ کی خدمت میں کفر چھوڑ کر مسلمان ہونے کا اظہار کیا ہے۔ توبہ اور ایمان ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۸۲۱ اگر آپ یہ کہیں کہ نہیں کیا تو سراسر خلاف واقع ہے کیونکہ سیدنا علی علیہ السلام نے ان سے مطالبہ بیعت ایماندار سمجھ کر ہی تو کیا تھا سیدنا حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عالم اسلام کی پوری باگ ڈور ایماندار جان کر ہی تو سپرد کی تھی۔

جواب نمبر ۸۲۱ حضرت علیؑ نے اس سے مطالبہ بیعت ایماندار سمجھ کر ہرگز نہیں کیا ہے اور نہ ہی امام حسنؑ نے اسے کبھی کامل الایمان فرمایا ہے۔ ورنہ دونوں اماموں کی زبان سے بصراحت معاویہ کا کامل الایمان ہونا ثابت کیا جائے۔

اعتراض نمبر ۸۲۲ اور اگر آپ کو اقرار ہے تو ان کے سالم الایمان ہونے پر بھی ایمان ہے یا نہ؟

جواب نمبر ۸۲۲ ہم ہرگز معاویہ کو سالم الایمان نہیں سمجھتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۸۲۳ اگر نہیں ہے تو اعتراض سابق پورے کا پورا عائد ہوگا سوچ سمجھ کر جواب دیجئے۔

جواب نمبر ۸۲۳ بیعت کا مطالبہ منجانب امام عادل برائے اطاعت ہوتا ہے اس میں مومن وغیر مومن یا مسلم وغیر مسلم کی شرط کا لحاظ نہیں رکھا جاتا ہے اسی لئے ذمیوں سے بھی عہد وفا لیا جاتا ہے اور امام عادل کی موجودگی میں بے ایمان کا بادشاہ بن جانا ممکن ہے ایسی صورت میں نہ ہی بادشاہ صاحب ایمان مانا جاتا ہے اور نہ ہی خلیفہ برحق کے استحقاق کو ضعف آجاتا ہے جیسا کہ فرعون بادشاہ تھا اور موسیٰ خلیفہ خدا تھے یا نمرود حاکم وقت تھا اور جناب خلیل امام برحق تھے پس حکومت، دولت، وتاج دلیل ایمان نہیں ہو سکتی۔ حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ معاویہ مجبوراً (کرہاً) اسلام میں داخل ہوا تھا۔ لیکن اپنی خوشی سے اسلام سے نکل گیا۔ کیا کل ایمان کی یہ شہادت معاویہ کی بے ایمانی کے لئے کافی نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۸۲۴ اور اگر اقرار ہے تو وجوہ اعتراض کیا ہیں۔ حوالہ کے لئے اہل السنت کی معتبر کتابیں تسلیم ہوں گی۔

جواب نمبر ۸۲۴ ہمیں سب سے بڑا بلکہ صرف ایک اعتراض ہے کہ معاویہ متمسک بالثقلین نہ تھا۔ متفق بین الفریقین احادیث ہیں کہ جس نے علیؑ پر سب کیا اس نے رسولؐ پر سب کیا علیؑ سے لڑائی رسولؐ سے لڑائی ہے چونکہ معاویہ نے ساری عمر اہلبیتؑ رسولؐ سے تخلف کیا لہذا وہ ہرگز مومن نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ ہمارے نزدیک اہل بیتؑ کی دشمنی ایمان کو کھا جاتی ہے۔ یہ ایسی مسلمہ بات ہے کہ کسی حوالہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۸۲۵ کیا یہ حقیقت نہیں کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت

علیؑ کی طرح کاتب وحی تھے۔؟

جواب نمبر ۸۲۵ جی نہیں یہ بالکل جھوٹ ہے اور علمائے سنیہ نے اس روایت
کو تسلیم نہیں کیا ہے سوائے نواصب کے، چنانچہ مولوی شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے
مدارج النبوت میں صاف اقرار کیا ہے کہ معاویہ کا کاتب وحی ثابت نہیں ہے صحاح
ستہ میں کوئی ایک بھی مرفوع حدیث جس کے راوی ثقہ ہوں نہیں ملتی ہے جو معاویہ کو
کاتب الوحی ثابت کر سکے

اعتراض نمبر ۸۲۶ اگر حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم
کے نزدیک معاذاللہ کامل الایمان نہیں تھے تو آپ نے قرآن مجید کے
لکھنے والوں کی صف میں انہیں بیٹھنے کا موقعہ کیوں دیا۔ اور معاذاللہ
نص قرآن لایمسہ الا المطہرون کیخلاف کیوں فرمایا۔؟

جواب نمبر ۸۲۶ ۔ اولاً معاویہ بن ابو سفیان کا کاتب الوحی ہونا ہی ثابت
نہیں ہے۔ دوم قرآن مجید کی کتابت ایمان کی دلیل نہیں بن سکتا ہے کیونکہ کتابت
کی ذمہ داری ایسے افراد پر بھی ڈالی گئی جو ناقص الایمان تھے مثلاً حکم بن العاص اور عبداللہ
ابن ابی سراح۔ ابو مروان حکم طرید رسول قرار پایا اور ابن ابی سراح مرتد ہو گیا جیسا کہ
علامہ حافظ جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر درمنثور میں بصراحت لکھا ہے لایمسہ الا
المطہرون سے یہ مراد نہیں ہے کہ ناپاک قرآن کو چھو نہیں سکتا ہے کیونکہ یہ بات خلاف
واقع ہے لاکھوں کی تعداد میں غیر مسلم کفار قرآن کو چھاپ رہے ہیں۔ پڑھ رہے ہیں اور
چھو رہے ہیں لمس سے مراد ہے کہ مفاہیم و مضامین کی حقیقت سے آشنائی حاصل کرنا اور
یہ شرف سوائے محمد و آل محمد علیہم السلام اور ان کے متمسکین کے کسی مسلمان کو بھی حاصل
نہیں ہو سکتا خواہ وہ لاکھ مرتبہ قرآن کو پڑھ لے بلکہ حفظ کیا کرے تب بھی کورا ہی رہے
گا۔ نولکشور کے چھاپہ خانے میں ہندو کاتب بھی قرآن کی کتابت کیا کرتے تھے۔ اور

آجکل دیگر غیر مسلم بھی پریسوں وغیرہ میں قرآن کی طباعت واشاعت میں کام کرتے ہیں۔ پس محض قرآن لکھ دینا کسی کے ایماندار ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا ہے۔

اعتراض نمبر ۸۲۷ اگر خاکم بدہن بر تقدیر مذہب شما تسلیم کر لیا جائے کہ حضور علیہ السلام نے قرآن مجید برائے کتابت ایک ایسے شخص کے سپرد کیا جو کامل الایمان نہیں تھا اور قرآنی نفس کے خلاف کیا تو کیا اس سے حضور علیہ السلام کے مقام پر حرف نہیں آتا۔؟

جواب نمبر ۸۲۷ جب کتابت قرآن کے لئے صاحب الایمان ہونے کی شرط ہی منصوص نہیں ہوئی ہے تو پھر حضورؐ پر حرف کس طرح آ سکتا ہے قرآن ایک تبلیغی کتاب ہے جب آپ اس پر ایسی پابندی لگادیں گے کہ اسے کوئی غیر مسلم چھوئے ہی نہیں تو پھر ہدایت کس طرح ہو سکتی ہے حضورؐ تو کفار کے نوٹس بورڈ پر آیات چیلنج کے طور پر تحریر کروا دیا کرتے تھے جس کے مطالعہ کے بعد ان کو اعتراف کرنا پڑتا تھا کہ یہ کلام انسانی نہیں ہے۔ فرمایئے جب سورۂ کوثر کے آگے "وماھذا کلام البشر" کفار نے لکھا تھا تو سورۃ سے مس ہوئے تھے یا نہیں کیا کسی صحابی نے اعتراض کیا تھا کہ یا رسول اللہ قرآن کو تو غیر مطہر چھو نہیں سکتا اس نے قرآن کے آگے اپنی عبارت کیوں کر لکھ دی چونکہ کتابت قرآن کے لئے ایسا کوئی حکم ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ غیر مومن اس کو پڑھ یا لکھ سکے لہٰذا حضورؐ نے ایسا کوئی فعل نہ کیا جو خلاف قرآن ہو۔ شریعت کا حکم ظاہر پر ہوتا ہے تو جب کوئی شخص زبانی مسلمان ہونے کا دعویٰ کریگا تو اسے اسلام میں دیگر مسلمانوں جیسے تمام مراعات حاصل ہوں گے تاوقتیکہ اس کا نفاق عیاں نہ ہو جائے حجت خدا اپنے علم خاص کا استعمال بلا مصلحت وضرورت نہیں کیا کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۸۲۸ جب تاریخ الخلفاء میں مصرح ہے کہ حضرت معاویہؓ حضورؐ علیہ السلام کے کاتب تھے تو کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کو کامل الایمان ہونے کے علاوہ حضور علیہ السلام دیانتدار

اور منشی سمجھتے تھے ورنہ آپ نے غیر ذمہ دار انسان کو قرآن پاک کی کتابت کیوں سپرد فرمائی؟

جواب نمبر ۸۲۸ اگر کوئی شخص تاریخ الخلفاء علامہ جلال الدین سیوطی ہیں سیوطی کی عبارت سے یہ ثابت کر دے کہ معاویہ کاتب الوحی تھا یا حضورؐ نے اُس سے قرآن مجید کی کتابت کروائی تو میں اُسے منہ مانگا انعام دوں گا۔ علامہ سیوطی نے بلا سند صرف یہ کلمہ لکھا ہے " **وکان احد الکتاب الی رسول اللّٰہ** " گو کہ مترجمین نے یعنی سرخی "کتابت وحی کی خدمت" جاری ہے لیکن متن میں اصل عبارت سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے معاویہ ایک میر منشی رہا تھا۔ چنانچہ شمس بریلوی مترجم تاریخ الخلفاء ص۲۸۷ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں "حضرت علامہ سیوطی کے الفاظ یہ ہیں۔ " **وکان احد الکتاب الرسول اللّٰہ** " عام طور پر آپ کو کاتب وحی کہا جاتا ہے علامہ سیوطی نے اس امر کی کوئی صراحت نہیں فرمائی صرف " **احد الکتاب** " تحریر فرمایا ہے اسی کا میں نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں یا محرروں میں سے تھے (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خطوط و فرامین کو تحریر کیا کرتے تھے جو حسب ضرورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارسال فرمایا کرتے تھے۔ (شمسی)

علامہ سیوطی اسی جگہ لکھتے ہیں کہ آپ (معاویہ) کی فضیلت میں بہت سی احادیث وارد ہیں لیکن ان میں سے پایہ ثبوت کو پہنچنے والی بہت کم ہیں۔ امام ترمذی نے ایک حدیث حسن عبدالرحمان ابن ابی عمر کے حوالہ سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر معاویہؓ کے بارے میں دعا فرمائی کہ الٰہی معاویہ کو ہدایت یافتہ اور ہدایت کرنے والا بنا دیجئے نیز امام احمدؒ نے اپنی مسند میں عرباض بن ساریہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ الٰہی! تو معاویہ کو حساب کتاب سکھا دے اور اس کو عذاب سے محفوظ رکھ (تاریخ الخلفاء ص۲۸۷) ان من گھڑت روایات سے ثابت ہوا کہ معاویہ حساب کتاب کا کام کیا کرتا تھا نہ کہ کاتب الوحی تھا۔ اور جس طرح حضورؐ نے ابوجہل کے لئے ہدایت پانے کی دعا کی تھی اسی

طرح معاویہ کے لئے کی۔ اگر معاویہ دیانتدار اور متقی ہوتا تو حضورؐ اس کے ہدایت یاب ہونے کی دعا نہ کرتے (بزعم شما) اور حساب کتاب سکھانے کی استدعا بارگاہ الٰہی میں نہ کرتے (بقول شما)

حضرت مالک ابن نویرہ رضی اللہ عنہ کو خود رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقات کی وصولی پر عامل مقرر فرمایا تھا مگر حضرت ابوبکر نے انہیں مرتد قرار دیکر قتل کروا دیا۔ کیا حضورؐ نے غیر ذمہ دار منافق کو اتنی بڑی ذمہ داری سونپی تھی یا تو حضرت ابوبکر کو ایک متقی دیانت دار صحابی رسولؐ کا قاتل و ظالم تسلیم کر لیجئے۔ یا پھر مان جلیئے کہ زمانہ رسولؐ میں حضورؐ کی عطا کردہ ذمہ داری دلیل ایمان نہیں ہو سکتی جبکہ آنحضرتؐ کا حسن سلوک سب کلمہ گو مسلمانوں کے لیئے مساوی ہوتا تھا اور تمام مراعات ان لوگوں کے ظاہری اسلام کے مطابق یکساں حاصل ہوتے تھے۔

پس اولاً تو معاویہ کا کاتب الوحی ہونا ہی بصراحت ثابت نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو بات اس کے ایمان کامل کی دلیل نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بعد از رسولؐ اس نے وہ احداث کئے جن پر تاریخ اسلام شرماجاتی ہے۔

اعتراض نمبر ۸۲۹ جب قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری پروردگار عالم نے لے لی ہے تو بتایئے بر تقدیر نا اہلیت خدا تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی وساطت سے امر کتابت سیدنا معاویہؓ کے سپرد کیوں ہونے دیا کیا یہ خلاف حفاظت نہیں ؟

جواب نمبر ۸۲۹ - پہلی بات تو یہ ہے کہ حضورؐ نے امر کتابت معاویہ کے سپرد ہی نہ فرمایا۔ پھر یہ کہ حفاظت اور کتابت کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے قرآن کی حفاظت آج بھی خدا کر رہا ہے۔ لیکن کتابت آپ کسی بھی عربی محرر سے کروا سکتے ہیں اور غیر مسلم ممالک میں جہاں قرآن چھپتے ہیں۔ عموماً سارا عملہ غیر مومنین ہی کا ہوتا ہے پہلے آپ وہ توضیحات بتایئں جن کی بنا پر کتابت غیر مومن مانع حفاظت خداوندی ہوتی ہے۔ خدا کی حفاظت کی شان تو تب ہی بلند ہو سکتی ہے کہ مخالفین اپنی کوششوں کے باوجود ان حفاظتی

اقدامات کو نقصان نہ پہنچا سکیں اور اگر مخالفین اُدھر نگاہ ہی نہ اُٹھائیں تو پھر حفاظت کا مزا کیا رہ گیا بلکہ اہمیت ہی جاتی رہی۔

اعتراض نمبر ۸۳۰ اگر آپ لوگوں کا زیادہ اعتراض اس پر ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے سیدنا علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کیوں نہ کی تو فرمایئے یہ مسئلہ سیدنا حسن کے سامنے بھی واضح تھا یا نہ؟

جواب نمبر ۸۳۰ - مجھے معاویہ کی ہر حرکت بلکہ اس کے وجود پر ہی اعتراض ہے صرف بیعت نہ کرنا اعتراضوں میں سے ایک اعتراض ہے مگر میں اسے بنیادی مسئلہ نزاع نہیں سمجھتا کیونکہ دوسرے بھی کئی لوگ تھے انہوں نے بیعت نہ کی یا پھر بیعت کرکے توڑ ڈالی۔ امام حسنؑ اس امر سے خوب واقف تھے اور یہ مسئلہ اُن کے سامنے پوری طرح واضح تھا۔

اعتراض نمبر ۸۳۱ اگر نہیں تھا تو معاذ اللہ امامت اپنے پورے معنی میں سیدنا حسن پر صادق نہ آئی جبکہ شیعی مسلمات سے ہے کہ امام عالم ماکان وما یکون ہوتا ہے۔

جواب نمبر ۸۳۱
امام حسن علیہ السلام حقیقت سے بخوبی عالم تھے۔

اعتراض نمبر ۸۳۲ اور اگر واضح تھا تو آپ نے سیدنا علیؓ کی وفات کے بعد عالم اسلام کی تفویض فرما کر سیدنا معاویہؓ کے ساتھ مصالحت اور بیعت کیوں فرمائی؟ دیکھئے رجال کشی ص۲؎ مطبوعہ بمبئی۔

جواب نمبر ۸۳۲ معاہدہ جنگ بندی سے امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کو خلافت سپرد نہیں کی اور نہ ہی اس کی خلافت کو تسلیم کیا جیسا کہ امام حسنؑ کے خط سے جو انہوں نے معاویہ کو لکھا ہے ظاہر ہے آپؑ نے اس خط میں واشگاف الفاظ میں تحریر فرمایا ہے۔

"اے معاویہ خلافت میرا اور میرے اہل بیت کا حق ہے تجھ پر اور تیرے اہل بیت پر حرام ہے جیسا کہ میں نے اپنے جدّ پاکؐ سے سنا ہے" (تاریخ حسن مجتبیٰ)
اب مقام غور یہ ہے کہ جس چیز کو امامؑ پاک حرام سمجھتے ہیں اور بقول رسولؐ حرام سمجھتے تھے وہ اُسے کس طرح تسلیم کر سکتے تھے۔ شیعہ تو رہے ایک طرف سُنی نکتۂ نگاہ سے بھی معاویہ خلیفہ نہ تھا۔ جیسا کہ مستند احادیث سُنیہ سے معلوم ہوتا ہے اور جن کے متعلق ابوالکلام آزاد نے اپنے مقالہ مسئلہ خلافت میں لکھا ہے کہ "اس بارے میں جو احادیث موجود ہیں وہ کثرت طرق شہرت متن قبول طبقات کی بنا پر حد تواتر تک پہنچ چکی ہیں" (مسئلہ خلافت صفحہ ۱۰) علامہ سیوطی نے واضح لکھا ہے کہ معاویہ نے حضرت علیؑ پر خروج کیا اور اسی طرح امام حسنؑ پر خروج کیا نیز سیوطی نے یہ بھی اقرار کیا ہے کہ معاویہ خلیفہ نہیں بلکہ بادشاہ تھا (تاریخ الخلفا صفحہ ۲۹۴)

امام حسنؑ نے حکومت چھوڑ کر معاویہ کے ایمان کی ہرگز گواہی نہیں دی ہے

امامؑ نے مجبور و مضطر ہو کر حکومت چھوڑی ہے تاکہ مسلمانوں میں خونریزی نہ برقرار رہے دو بظاہر نقصانوں میں سے ایک آسان نقصان کو پسند کیا۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ معاویہ جنگ کرنے اور خون بہانے پر مصر ہے اور اس سے باز نہیں آئے گا۔ پس امامؑ نے حکومت ظاہری چھوڑ کر اُمت کو مزید خون کی ہولی سے بچا لیا اور اپنے نانا کا یہ قول سچ کر دکھایا کہ "میرا یہ بیٹا سردار ہے جو مسلمانوں کے دو گروہ عظیم میں صلح کا موجب ہوگا۔" پس حسنؑ بلاشبہ اس صلح میں داخل ثواب ہیں اور اس فعل میں درستی اور نیکی پر ہیں اور معاویہ اس معاملہ میں خطا کار اور مستحق عذاب ہے اور اس معاملہ میں کوئی بزرگی اور کرامت نہیں (نصائح کافیہ صفحہ ۱۵۲)

امام حسن علیہ السلام نے اپنی صلح سے حضورؐ کی اس حدیث کی تصدیق فرمائی تھی۔ کہ "میرا یہ فرزند مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کا موجب ہوگا" اس حدیث میں لفظ "مسلمین" خصوصی توجہ کا حامل ہے اور یہ لفظ تواتر کیساتھ کتب احادیث و تواریخ میں درج ہے مثلاً صحیح بخاری ۱، صحیح مسلم ۱، استیعاب جلد ۱ صفحہ ۱۲۹، تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۱

تاریخ ابوالفدا ص۱۹۳، تاریخ خمیس ص۳۲۳ وغیرہ

لفظ "مسلم" کا اطلاق زمانہ رسول میں مومن ومنافق دونوں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا پس اس حدیث سے گروہ بنی امیہ کے لئے جو بظاہر اسلام کا چولا پہنے ہوتے تھے مگر حقیقت میں سچے مسلمان اور مومن کامل نہ تھے کوئی بزرگی اور فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور معاویہ اور اس کے ہوا خواہوں کے برسر حق ہونے اور سچے مسلمان کہلانے کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اور نہ ہی اس کی اطاعت کا اقرار فرمایا اور نہ ہی بیعت کی۔ بلکہ محض خونریزی روکنے کے خاطر یہ دیکھتے ہوئے کہ معاویہ کی سازشیں کارفرما ہیں اور مسلمان نصرت حق سے منہ موڑ رہے ہیں مجبوراً آپ نے اپنی بیعت کو ان کی گردنوں سے نکال لیا اور حکومت سے علیحدگی اختیار فرمائی۔ علامہ عقیلی مشہور سنی عالم اس صلح کے متعلق لکھتے ہیں

"رسول اللہ نے روز حدیبیہ کفار سے اس امر پر صلح فرمائی کہ حضرت مع اپنے اصحاب کے مدینہ کو لوٹ جائیں۔ اور نہ حج کریں نہ عمرہ اور کفار قریش میں سے جو مسلمان ہو گئے ہیں وہ اہل مکہ کو واپس دے دیئے جائیں اور آئندہ سال بھی مکہ میں داخل نہ ہوں مگر صرف تین دن کے لئے اور وہ بھی صرف مسافروں کی طرح اور پھر باوجود ان سب باتوں کو قبول فرما لینے کے کفار مکہ صلحنامہ میں لفظ محمد رسول اللہ لکھے جانے پر راضی نہ ہوئے اور حضرتؐ نے خود اس لفظ کو اپنے دست مبارک سے مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھوایا کیا یہ صلح رسولؐ کی طرف سے حق اور کفار کی جانب سے باطل نہ تھی۔ اور ایسا ہی رسول اللہؐ نے عینیہ اور اقرع ابن حابس کے دو قبیلوں سے اس امر پر صلح فرمائی کہ باغات مدینہ کے پھلوں کا ایک ثلث حصہ (⅓) ان کو دیا جائیگا۔ اور اگر وہ مع اپنے ساتھیوں کے ابوسفیان اور اس کے گروہ کی امداد سے ہٹ جائیں۔ سعد نے اشارۃً عرض کیا۔ اگر وحی اس کے خلاف نہ ہو تو اس کو ہرگز نہ چھوڑنا چاہیئے۔ حضرت نے اس رائے کو پسند کیا اور اس تجویز کو نہ چھوڑا۔ پس کیا یہ صلح اور یہ تجویز رسول اللہ کی برحق نہ تھی۔ فریق دوم کی طرف سے کذب و بطلان پس اسی طرح امام حسن علیہ السلام کی صلح ان کی طرف سے حق ہے اور معاویہ کی جانب

سے باطل ہے بے شک معاویہ زبردستی غلبہ کرنے والا۔ اور گنہگار تھا۔ اس نے باوجود سینہ زوری سے حکومت لینے کے جو عہد کیا تھا اس کو توڑ دیا کسی ایک شرط پر وفا نہ کی اس قضیہ صلح کا یہ سب حال فتح الباری شرح صحیح بخاری اور ابوجعفر طبری کی تاریخ طبری اور کامل ابن اثیر وغیرہ سے لکھا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ امام حسن اس صلح کے لئے کس قدر مجبور ہو گئے تھے اور معاویہ نے اپنے عہدوں کو کس طرح توڑا۔" (النصائح کافیہ ص ۲۵۲)

پس جس طرح حضورؐ کا کفار سے مصالحت کر لینا بیعت نہیں بلکہ معاہدہ امن ہے۔ اسی طرح امام حسنؑ نے بڑے عمدہ شرائط کے ساتھ معاویہ سے پیمان امن فرمایا جس طرح حضورؐ نے خیبر و فدک وغیرہ کی اراضیات کے متصرف و مالک و فاتح و حاکم ہونے کے باوجود کچھ شرائط کے تحت وہ علاقے یہودیوں کے قبضے میں دیدیئے اسی طرح امام حسنؑ نے مطلوبہ شرائط کا پابند بنا کر معاویہ کو امور سلطنت دیدیے امام حسنؑ کا یہ عمل عین مطابق سنت رسولؐ ہے اور اگر امام پر اس فعل کی وجہ سے اعتراض ہو گا۔ تو یہ اعتراض حضورؐ پر بھی ہو گا۔ اور جو جواب حضورؐ کے لئے ہوگا۔ وہی نواسہ رسولؐ کے لئے بھی ہو گا۔

اعتراض نمبر ۸۴۳ اور اگر آپ کو بیعت سے انکار ہے تو ذیل کی عبارت کا جواب خوش ہو کر دیجیے۔

قال سمعت ابا عبداللہ ان معاویہ کتب الی الحسن بن علی ان اقدم انت والحسین واصحاب علی فخرج معھم قیس بن سعد بن عبادۃ الانصاری فقدموا الشام فاذن لھم معاویہ واعد لھم الخطبا فقال یا حسن قم فبایع فقام فبایع

راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام سے سنا ہے فرمایا کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت حسنؓ کو خط لکھا کہ آپ مع حسینؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھیوں کے تشریف لائیے پس ان کے ساتھ قیس بن سعد بھی چلے گئے اور

ملک شام میں پہنچ گئے پس حضرت
معاویہؓ نے ان کو آنے کی اجازت
دی اور ان کے تعارف نیز مداح
و توصیف کے لئے خطیب مقرر
فرمائے پس امیر معاویہ نے فرمایا اٹھئے اے حسنؑ بیعت کیجئے پس اُٹھے
اور بیعت کی اسی طرح حسینؑ نے بھی بیعت کی۔

جواب نمبر ۸۲۲ اس روایت میں جو لفظ بیعت استعمال ہوا ہے اس سے یہ معنی مراد نہیں کہ خلیفہ یا پیشوائے دین سے اقرار وفاداری کیونکہ نہ تو وہ خلیفہ تھا اور نہ ہی دین کا امام کیونکہ جب کسی امام کی بیعت کی جاتی ہے تو اس کی اطاعت پر بیعت ہوتی ہے، نہ کہ اس کو اپنی شرائط کا پابند بنا کر بیعت، کی جاتی ہے اور اسے کٹھ پتلی حاکم بنانے کی کوشش کی جاتی ہے چونکہ یہ مصالحت ایک عہد نامہ کے تحت ہوئی تھی لہذا یہاں بیعت کے اصلی معنی یعنی "عہد و پیمان و معاہدہ" لئے جائیں گے۔ امامؑ نے تو یہاں تک شرط باندھ دی تھی کہ معاویہ خود کو امیر المومنین نہیں کہلوا سکتا۔ نیز یہ کہ گواہ اس کے دربار میں گواہ نہ دیں گے (تاریخ حسن مجتبیٰ) واضح ہو کہ منقولہ عربی عبارت میں امام حسینؑ کے بیعت کرنے کا ذکر موجود نہیں ہے معترض نے ترجمہ میں اضافہ کیا ہے۔

اعتراض نمبر ۸۳ اگر اس عبارت اور کتاب کے ثبوت پر اعتراض ہے تو اس کی تردید اسی کتاب یا اس سے معتبر کتابوں میں دکھلائیے۔ اور جواب مرحمت فرمائیے۔

جواب نمبر ۸۳ اس عبارت کا ترجمہ صحیح کر دیجئے تو خود بخود تردید ثابت ہو جائے گی۔ باقی ثقۃ الاسلام محمد یعقوب کلینیؒ کی روایت کے یہ الفاظ اس کی تردید کے لئے کافی ہیں۔ ان الحسن اشترط علی معاویۃ ان لا یسمیہ امیر المومنین یعنی امام حسن

علیہ السلام نے بلاشبہ یہ شرط عائد فرمائی تھی کہ معاویہ اپنے آپ کو امیر المومنین نہ کہلائے کیا یہ شرط اس کی امارت کی تکذیب کے لئے کافی نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۸۳۵ نیز سیدنا حسین مکرمین نے امیر معاویہ کے اس حکم کی تعمیل فرمائی جبکہ ان کے لئے بحیثیت امامت ایسے حکم کا ماننا ضروری نہ تھا۔

جواب نمبر ۸۳۵ پہلے ہمیں اس حکم سے مطلع فرمایئے جو معاویہ نے دیا۔ روایت میں کوئی حکم موجود نہیں ہے بلکہ تحریراً درخواست کی گئی ہے کہ امامین تشریف لائیں۔ ان کا شاہانہ استقبال کیا جاتا لکھا ہے اور عہدنامہ پیش کرنے کی التماس کی گئی ہے اگر معاہدہ کے شرائط کو پیش کرنا حکم کی تعمیل سمجھا جائے تو یہ جلی جہالت و ضلالت ہو گی۔

اعتراض نمبر ۸۳۶ اگر تشریف لے بھی گئے تو وہاں جائز انکار کیوں نہ کر دیا تاکہ حق و باطل واضح ہو جاتا اور لوگ قیامت تک اس مغالطے سے بچ جاتے؟

جواب نمبر ۸۳۶ ہر ایک شرط جو امام پاک نے رکھی معاویہ کی امارت کو ناجائز ثابت کرتی ہے اور امام برحق نے حق و باطل کا واضح فیصلہ فرما دیا ہے تمام شرائط کو معاویہ کا قبول کر لینا یہ دلیل ہے کہ وہ پہلے ان باتوں پر کاربند نہ تھا۔ مگر افسوس کہ اس نے ایک بھی وعدہ پورا نہ کیا۔ میں نے اپنی کتاب "صرف ایک راستہ" کے باب سیاسیات میں وضاحت کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔ اور معاویہ کے چہرے پر پڑے اجتہادی نقاب کے چیتھڑے اڑائے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

اعتراض نمبر ۸۳۷ اگر ان کے ایمان میں اس لیے آپ حضرات کو شبہ ہے کہ انہوں نے سیدنا علیؓ سے جنگ کی تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ پہلا حملہ سیدنا علیؓ نے امیر معاویہؓ پر کیا یا سیدنا معاویہؓ نے سیدنا علیؓ پر؟

جواب نمبر ۸۴۷ اوّلاً تو معاویہ امام عادلہ کا باغی تھا اور ایک سرکش گورنر تھا لہٰذا خلیفہ برحق کا فرض منصبی یہ ہے کہ بغاوت کو کچل کر باغی کو کیفر کردار تک پہنچا دے اس لئے معاویہ اور امیرالمومنین کو ایک سطح پر رکھ کر حملہ میں تقدم کا سوال کرنا خلیفہ راشد کی خلافت سے منکر ہو جانے کی دلیل ہے جو کہ عقیدہ سنیہ کیخلاف ہے چنانچہ اہل سنت کے آئمہ اربعہ ہیں کے امام اعظم جناب ابوحنیفہ کے نزدیک معاویہ ایسا باغی تھا جس سے قتال واجب تھا۔ امام ابوحنیفہ نے لوگوں سے سوال کیا کہ جانتے ہو کہ اہل شام ہمیں کیوں دشمن رکھتے ہیں۔ لوگوں نے نفی میں جواب دیا تو اس پر انہوں نے فرمایا اس وجہ سے کہ ہمارا یقین واعتماد ہے کہ ہم لوگ اگر حضرت علیؑ کے لشکر میں ہوتے تو معاویہ کے خلاف حضرت علیؑ کی مدد کرتے اور علیؑ کی وجہ سے ان سے جنگ کرتے اسی وجہ سے شام والے ہمیں محبوب نہیں رکھتے (النصائح الکافیہ۔ کتاب التمہید فی بیان التوحید) لیکن بہرحال جنگ کی پہل معاویہ نے کی اور فرات پر پانی بند کر دیا۔ بعد میں لشکر علیؑ نے گھاٹ پر قبضہ کیا۔ اگر حضرت علیؑ علیہ السلام نے معاویہ کے خلاف جنگ میں پہل بھی کی ہوتی تب بھی انہوں نے اپنا فرض پورا کیا ہے۔

اعتراض نمبر ۸۴۸ اگر سیدنا معاویہؓ نے آ کر کوفہ پر چڑھائی کر دی تو یقیناً زیادتی حضرت معاویہؓ سے منصور ہو گی مگر اس کا ثبوت آپ پر ہو گا۔؟

جواب نمبر ۸۴۸ معاویہ نے کوفہ پر چڑھائی کر دی یا وہ شام میں امام عادل کیخلاف لڑا۔ دونوں صورتوں میں قصوروار ہے کیونکہ خلیفہ برحق کا باغی تھا۔ خلیفہ راشد نے اس کو معزول کرنے کے احکام صادر فرما دیئے تھے اور اس نے نامزد گورنر سہل ابن حنیف کی بے عزتی کی اور گفت و شنید اور افہام و تفہیم کی تمام راہیں بند کر دیں۔ شام پہ غاصبانہ قبضہ جما لیا مرکز کے خلاف شورش برپا کر دی۔ قصاص عثمان کو حیلہ بنا کر اہل شام کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ اور جنگی ساز و سامان کی تکمیل کی گئی اور یلغار کرنے کے لئے اُٹھ کھڑے

ہوئے۔ جب امیرالمومنین کو شام کے باغیوں کے اس اقدام کا علم ہوا تو آپ نے اس پیش قدمی کو روکنے کے لئے شام کی جانب لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ اور خطبہ دیا کہ اے لوگو قرآن و سنت کے دشمنوں کیطرف چل دو۔ مہاجرین و انصار کے قاتلوں کی طرف نکل کھڑے ہو ان درشت خو اور کمینہ فطرت لوگوں کی طرف جنہوں نے ڈر کے مارے بادل ناخواستہ اسلام قبول کیا تھا اور جنہیں محض دلجوئی کے لئے مسلمانوں کی صف میں شامل کیا گیا تھا۔ اٹھ کھڑے ہو تاکہ وہ مسلمانوں کی ہلاکت و بربادی سے باز آئیں" (اخبار الطوال ص۱۹۲)

امیرالمومنین کی فوج وادی نخیلہ میں اکٹھی ہو رہی تھی۔ کہ ایک شخص کے ذریعہ اطلاع موصول ہوئی کہ شامی فوجوں نے عراقی سرحدوں کی طرف پیش قدمی شروع کر دی ہے حضرت علیؑ نے آٹھ ہزار کا ایک ہراول دستہ زیاد ابن نضر حارثی کی زیر کمانڈ اور چار ہزار کا ایک دستہ شریح ابن حارث کی زیر قیادت سرحدوں کی حفاظت اور فوج مخالف کی قوت و طاقت کا اندازہ لگانے کے لیئے روانہ کیا اور انہیں ہدایت فرمائی کہ جب تک میرا حکم نہ پہنچے یا دشمن ابتدا نہ کرے تم جنگ نہ کرنا (سیرت امیرالمومنین ص۵۴۳)

پس ثابت ہوا کہ پہل قدمی شامی فوجوں نے کی اور اس کی سرکوبی کے لئے امیر علیہ السلام نے اپنا لشکر روانہ کیا۔

اس لحاظ سے بھی معاویہ باغی، مفسد، دشمن قرآن و سنت، قاتل مہاجرین و انصار درشت خو کمینہ فطرت اور منافق ثابت ہے۔

اعتراض نمبر ۸۳۹ اور اگر سیدنا علیؓ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر چڑھائی فرمائی تو کیا یہ صحیح ہے کہ وہ ان کو کامل الایمان نہیں سمجھتے تھے۔؟

جواب نمبر ۸۳۹ جی ہاں یہ صحیح ہے کہ حضرت علیؑ معاویہ کو قرآن و سنت کا

دشمن، مہاجرین و انصار کا قاتل، درشت خو اور کینہ فطرت اور منافق سمجھتے تھے حوالہ بالائی جواب میں دیکھ لیجئے۔

اعتراض نمبر ۸ اگر یہی بات آپ کے نزدیک واقع کے مطابق ہے تو ذیل کے خطبے کا جواب دیجئے۔

وکان بدء امرنا انا التقینا والقوم من اهل الشام والظاهر ان ربنا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدة ولا نستزیدهم فی الایمان باللہ والتصدیق برسوله ولا یستزیدوننا۔

بلا شبہ ہماری جنگ ہوئی اور مقابلے میں قوم شامی تھی اور ظاہر یہ ہے کہ ہمارا رب ایک ہے ہمارا نبی ایک ہے اور اسلام کی طرف دعوت بھی ایک ہے ہم ایمان باللہ اور تصدیق بالرسول میں ان سے زیادہ نہیں اور وہ ہم سے زیادہ نہیں،

کیا اس سے سیدنا علی علیہ السلام اور ان کی فوج سیدنا معاویہ اور ان کی فوج کے ایمان میں برابری معلوم نہیں ہوتی؟

جواب نمبر ۸ منقولہ بالا ارشاد امیرؑ میں لفظ "الظاہر" قابل غور ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ بظاہر شامی قوم اور علوی لشکر میں اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ کہ وہ بھی دعویدار اسلام ہیں اور خدا و رسولؐ کو ماننے کا اعلان کرتے ہیں۔ دیگر باطن میں فرق ہے اس ظاہری نمائش و اظہار اسلام سے ایمان کا کمال ہرگز ثابت نہیں ہوتا ہے موجودہ دور ہی کی مثال لے لیجئے۔ کہ فرقہ احمدیہ یعنی مرزائیوں کا بظاہر خدا ایک، رسولؐ ایک، دین اسلام ایک۔ کلمہ ایک ہے لیکن باطنی اعتبار سے، حقیقت وہ کافر ہیں ہیں

ایک خدا کی توحید کا ظاہری اقرار اور ایک رسولؐ کی رسالت کا نمائشی اعلان بظاہر مسلمان کہلوانے کے لئے تو کافی ہو سکتا ہے لیکن ایمان کے لیئے کافی نہیں ہے۔ اسی لئے جناب امیرؑ نے اسی کلام کو مندرجہ ذیل الفاظ پر ختم کر کے شامیوں کے گروہ کو ناقص الایمان اور بدترین انجام پانے والے قرار دیا ہے۔

فهو الذی انقذه الله من الهلكة ومن لج وتمادی فهو الراکس الذی ران الله علی قلبه وصارت دائرة السوء علی رأسه۔

یعنی اب ان میں سے جو لوگ اپنے عہد میں پورے اتریں گے خدا انہیں ہلاکت سے بچا لے گا۔ اور جو لوگ ضلالت میں دھنسے چلے جائیں گے وہ عہد شکن قرار پائیں گے۔ خدا ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیگا۔ اور انہیں بدترین انجام سے دو چار ہونا پڑے گا۔

پس ثابت ہوا اگر دونوں گروہوں کا ایمانی پلہ برابر ہوتا ہے تو ہرگز حضرتؑ یہ کلمات ارشاد فرما کر ان کی ہلاکت، ضلالت عہد شکنی۔ دلوں کے پردہ اور بدترین انجام کا تذکرہ نہ فرماتے

اعتراض نمبر ۸ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ معاذ اللہ سیدنا علی رضی اللہ تعالٰے عنہ نے یہ بیان تقیۃً دیا تھا تو فرمایئے اظہار حق کے طور پر جو بیان دیا ہے اس کی نشان دہی کیجئے۔

جواب نمبر ۸ شبہ کی یہاں گنجائش ہی نہیں اور نہ ہی تقیہ کی ضرورت ہے لفظاً ظاہر ہے مولا نے ظاہر کر دیا ہے کہ اہل معاویہ ظاہری مسلمان ہیں ورنہ ایمان وہدایت کے قریب بھی نہیں پھٹکتے ہیں۔ اسی طرح جنگ صفین کے موقع پر مولا نے ارشاد فرمایا ہے کہ "خبردار! معاویہ گمراہوں اور نادانوں کی ایک جماعت میدان کارزار میں گھسیٹ لایا ہے اور حقیقت امر کو اس سے پنہاں رکھتا ہے تاآنکہ (اس جماعت نے) اپنے حلقوم و گلو کو ہدف مرگ قرار دیدیا ہے (نہج البلاغۃ خطبہ ۵۱)

مولائے کائنات پھر ارشاد فرماتے ہیں "اور مجھے توبہ تامل اس لئے زیادہ پسند ہے کہ ان کی راہ کر معاویہ کی گمراہی و ضلالت کی حالت میں مجھے جنگ آزما ہونا پڑا ہے۔ اور انہیں قتل کر دوں اگرچہ یہ بہرحال اپنے گناہوں ہی سے (میرے ہاتھوں قتل ہونے کے بعد) لپٹے ہوں گے۔" خطبہ ۵۵)

مولا علیؑ اعلان فرماتے ہیں۔ "خدا کی راہ میں جان دینے سے خوش ہو اور سکون کے ساتھ موت کی طرف قدم بڑھاؤ۔ تمہارے لیئے ضروری ہے کہ اس انبوہ (لشکر معاویہ) اور طنابوں والے سراپردے (خیمہ معاویہ) اور رواق (سراپردہ) پر حملہ کرو۔ کیونکہ شیطان اسی کے گوشہ میں پنہاں ہے اور اس نے جست کرنے کے لئے ایک ہاتھ آگے۔ اور (جلد بھاگ جانے کے لئے) ایک پاؤں پیچھے کر رکھا ہے۔ پس ثبات قدم اور استقامت کو ہاتھ سے نہ جانے دو تاکہ حق کا منارہ تم پر ظاہر ہو جائے۔ تم برتر و بالا ہو خدا تمہارے ساتھ ہے وہ ہرگز تمہارے اعمال کی جزا دینے میں کمی روا نہ رکھے گا۔" خطبہ ۶۵۔

جناب امیر علیہ السلام متنبہ فرماتے ہیں کہ "واقترب بقوم من الجھل باللہ قائدھم معاویہ ومؤدبھم ابن النابغۃ" اس قوم میں خدا سے ناآشنا لوگوں میں سب سے قریب ان کا رہنما معاویہ اور ان کا مشیر ابن نابغہ (عمرو بن العاص) ہے پس حضرت امیر المومنینؑ نے حتمی فیصلہ دیدیا ہے کہ معاویہ اور اسکا دست راست ابن العاص دونوں ذات خدا سے جاہل تھے یعنی کافر و غیر مومن تھے۔ اب اس سے زیادہ اور اظہار حق کس طرح ہو سکتا ہے۔

اعتراض نمبر ۲۴۸ اگر تقیہ تسلیم کر لیا جائے تو کیا ایسے صاحب کے متعلق بھی تقیہ کا شبہ برحق ہے جس کے ہاتھ میں پورے اسلامی ممالک کی باگ ڈور ہو اور منبر امامت پر فائز ہو۔؟

جواب نمبر ۲۴۸ یہاں تقیہ تسلیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے باقی ہر جگہ بوقت ضرورت تقیہ کیا جاسکتا ہے کہ امر جائز ہے۔ امام علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے

متعدد مرتبہ معاویہ کو ناقص الایمان فرمایا ہے لہٰذا اس قدر اعلان عام کی موجودگی میں توضیح تقیہ کی کیا ضرورت ہے۔ امامؑ نے معاویہ کو لکھا کہ "تم (معاویہ) ان لوگوں میں سے تھے جو دین میں طمع یا خوف سے داخل ہوئے تھے" (مکتوب ۱۷) اسی طرح مولا تحریر فرماتے ہیں کہ "ہم ایمان لائے تھے مگر تم نے کفر اختیار کیا تھا۔ آج بھی ہم حق پر استوار ہیں اور تم فتنے کی راہ پر دوڑے چلے جا رہے ہو" (مکتوب ۶۴)

اعتراض نمبر ۸۴۳ کیا آپ کے علم میں نہیں ہے کہ اسی خطبے کی ابتدا میں مسطور ہے۔

کتبہ الی اہل الامصار یقص فیہ ما جری بینہ و بین اہل صفین۔

(نہج البلاغہ صفحہ ۱۲۵ ج ۲)

سیدنا علیؓ نے متعدد شہریوں کی طرف یہ خط لکھ کر بھیجا تھا کہ اور اس خطبے میں وہ حالات بیان فرمائے جو ان کے اور حضرت معاویہؓ کے درمیان واقع ہوئے تھے۔

جواب نمبر ۸۴۳ جی نہیں یہ بات ہمارے علم میں نہیں جو نسخہ ہمارے پاس ہے اس میں یہ تحریر ایک عام خط کے عنوان سے ہے، اور یہ مضمون کسی خطبہ میں نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۸۴۴ اگر آپ حضرات کی بات کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے رفع فساد اور ازالہ غیض متصور ہوگا یا اخفا فساد۔

جواب نمبر ۸۴۴ رفع فساد اور ازالہ غیض متصور ہوگا۔ کیونکہ ہم شجرہ ملعونہ کی فتنہ پرور جڑ ہی پر کاری ضربات لگا کر اس کا ستیاناس کر دیں گے۔ اور پھر اسے ایسی آسان راہ پیدا کر دیں گے کہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

اعتراض نمبر ۸۴ اور اگر اہل السنت والجماعت کے مسلک کو تسلیم کر لیا جائے تو فرمایئے اس میں کیا حرج ہے رحماء بینھم کے بھی خلاف نہ ہو اور بات بھی اپنے موقع پر ٹھیک بیٹھ جائے؟

جواب نمبر ۸۴ اہل سنت کے مسلک کو تسلیم کر لینے سے اول اخفاء فساد ہو گا اور فساد پہ پردہ پوشی کرنا گھناؤنا جرم ہے دوم عقلاً اور نقلاً یہ ثابت کرنا محال ہو گا۔ کہ معاویہ اور علیؑ کی محاذ آرائی رحماء بینھم کے مطابق تھی۔ اسے صرف ظن تک محمول کیا جا سکتا ہے سوم بات بھی ٹھیک نہ بیٹھے گی کہ ظالم و مظلوم، باغی و امام عادل، حق و باطل، مومن و منافق، کل ایمان اور تمام کفر سب کے سب برابر نظر آئیں گے۔ جو عدل و انصاف کے صریحاً خلاف ہے۔

اور سب سے سنگین جرم مسلک سنیہ مان لینے میں یہ ہے کہ ثقل دوم کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے جو کہ سفینہ نوح کی مانند ہے اور اس سے تخلف یقینی ہلاکت کا سبب ہے۔ معاویہ کے چھوڑ دینے سے کفر لازم نہیں آتا اور نہ ہی رتی بھر گناہ ہوتا ہے جبکہ اہل بیت کو چھوڑ دینے سے ایمان ہی سلامت نہیں رہ سکتا۔ اور دو کشتیوں میں پیر رکھنا دینے دانشمندانہ فعل نہیں بلکہ ناعاقبت اندیشی کا ثبوت ہے۔

اعتراض نمبر ۸۵ سیدنا علیؓ کے اسی خطبے سے اس کا کیا جواب ہے؟

الامر واحد الا ما اختلفنا فی دم عثمان ونحن منه براء
(نہج البلاغہ صہ ۱۲۶)

معاملہ ایک ہی ہے صرف فرق سیدنا عثمانؓ کے قصاص کے متعلق تھا اور ہم اس سے بری ہیں۔!

کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اختلاف محض سیدنا عثمانؓ کے قصاص کے جلدی لینے اور تاخیر کے سلسلے میں تھا جس پر آپ نے قتل سے برأت

کا اظہار فرما دیا ہے۔

جواب نمبر ۸۴۶ اس بات سے بھی اہل معاویہ کی گمراہی ثابت ہے۔ کہ اس نے ایک امام عادل پر قتل عثمان کا الزام عائد کیا اور صدیق اکبر اور ولی برحق کی برائت کی کے باوجود فتنہ برپا کیا۔ حالانکہ وارثان عثمان کی موجودگی میں نہ ہی معاویہ کے قصاص کا مطالبہ جائز تھا اور نہ ہی یہ مقدمہ بقا بدہ خلیفہ وقت کے سامنے پیش کیا بلکہ محض شورش و ہنگامہ آرائی کی خاطر اس واقعہ کو سیاسی چال بنا لیا گیا۔ حالانکہ خود معاویہ نے اپنے زمانہ حکومت میں اس کے بارے میں قطعی کوئی قدم نہ اٹھایا۔ جو شخص حکم قرآن کے خلاف مباہلہ میں شامل صادق ہستی کی تکذیب کرے فرمان رسولؐ کے اس فرمان کو جھٹلا دے کہ "علی حق کے ساتھ ہے" اور خلیفہ راشد کیخلاف علانیہ بغاوت کرے اور مرکز بیت کو کمزور کرنے کی ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو اور ہر جائز و ناجائز طریقہ پر اقتدار پر قبضہ کرلینا چاہے۔ ہم اُسے صاحب ایمان نہیں مان سکتے ہیں جبکہ تاریخ نے مکمل طور پر ثابت ہے کہ معاویہ کی ابتدا ہی سے نگاہ تخت پر لگی تھی۔ اور ایسی کوششیں اُس نے دور عثمان میں شروع کر رکھی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ طویل محاصرہ عثمان کے باوجود اس بے مروت و حریص دوست نے حضرت عثمان کی کوئی مدد نہ کی۔

اعتراض نمبر ۸۴۷ اگر خدانخواستہ آپ حضرات کو اس پر اعتبار نہیں ہے تو اہل السنت کی کسی معتبر کتاب سے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تصریحی بیان ثابت کیجئے کہ قتل میں ان کا ہاتھ تھا۔!

جواب نمبر ۸۴۷ ہم تو یہ بات کرتے ہی نہیں ہیں کہ حضرت کا قتل عثمان میں ہاتھ تھا پھر ثبوت کس بات کا دیں۔

اعتراض نمبر ۸۴۸ فرمائیے سیدنا علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا حسنؑ نے سیدنا معاویہؓ کے ساتھ بیعت کیوں

کی اور مملکت اسلامیہ کو ان کے سپرد کیوں فرمایا؟

جواب نمبر ۸۴۸ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے معاویہ کی بیعت ہرگز نہ کی البتہ صرف مسلمانوں میں امن وامان کی بحالی کے لئے مندرجہ ذیل شرائط پر صلح کا معاہدہ کر لیا اور مملکت کا انتظام عارضی طور پر بلکہ ٹھیکے پر اسے دیدیا۔

۱۔ معاویہ کتاب، سنت اور خلفاء برحق کے طریقہ پر عمل کرے گا۔

۲۔ معاویہ کو اپنے بعد کسی کو امیر نامزد کرنے کا حق نہ ہو گا۔

۳۔ شام و عراق و حجاز و یمن سب جگہ کے لوگوں کی امان ہو گی۔

۴۔ شیعان علیؑ جہاں بھی رہیں ان کے جان و مال و ناموس محفوظ ہوں گے۔

۵۔ معاویہ حسنؑ بن علیؑ اور حسینؑ بن علیؑ اور خاندانِ رسولؐ میں سے کسی کو نقصان پہنچانے یا ہلاک کرنے کی کوشش نہیں کرے گا، نہ خفیہ اور نہ علانیہ۔

۶۔ علیؑ و آلِ علیؑ پر سب وشتم نہیں ہو گا۔

۷۔ معاویہ خود کو امیر المومنین نہیں کہلائے گا۔

۸۔ کوئی گواہ معاویہ کے حضور گواہی نہ دے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔

امام حسن علیہ السلام کے ظاہری حالات سے صلح کے مندرجہ ذیل اسباب نظر آتے ہیں۔ ۱۔ قلت انصار معاویہ نے خفیہ پروپیگنڈہ اور غلط افواہوں سے اہل عراق میں پھوٹ ڈلوا دی۔ اور امام کی نصرت کے لئے بیس افراد سے زائد لوگ تیار نہ ہوتے۔ لہٰذا مجبوراً آپ کو صلح کرنا پڑی اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے جد پاکؐ کے پاس جب انصار کی کمی تھی، تو انہوں نے خاموشی سے مکہ کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح میرے والد بزرگوار نے اور میں نے خاموشی اختیار کی جبکہ لوگوں نے اغیار کی بیعت کر کے ہمیں چھوڑ دیا۔

۲۔ امام حسنؑ علیہ السلام کی فوج میں معاویہ کے مقرر کردہ اور ضمیر فروش منافق بھی آملے تھے کچھ خوارج بھی شامل تھے۔ ان کے علاوہ امارت و دولت کے حریص بھی تھے جن کے عزائم مذموم تھے اور امامؑ کی خیانتی و دشمنی لوگوں کے دلوں میں یہاں تک تھی کہ آپ نماز کے لئے بھی زرہ پہن کر تشریف لائے تھے۔ ایسے حالات میں معاویہ سے جنگ

جاری رکھنا ہوتا سوائے قتل گری و اسیری کے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوتا۔ اگر امام صلح نہ فرماتے تو بہت خسارات جان و مال لینے پڑتے اور نتیجۃً مخلصوں کی مختصر جماعت بھی ختم ہو جاتی

۳۔ صلح نہ کرنے کی صورت میں معاویہ کے رویہ استبداد میں اور اضافہ ہو جاتا اس کی غلط کاریوں پر کسی کو اعتراض کرنے کا حوصلہ ہی نہ ہوتا۔

۴۔ امام حسنؑ کو خود ہی قتل کروا کر مشہور کر دیا جاتا کہ امامؑ کو ان کے شیعوں نے قتل کر دیا اور صورت حالات ایسی خطرناک تھی کہ قیامت تک اس کا فیصلہ مشکل تھا ایسی صورت میں واقعہ قتل پر پردے پڑ جاتے اور حق و باطل میں تمیز نہ رہتی۔

۵۔ اس صورت میں شیعوں کا قتل عام ہوتا اور بہانہ قصاص قتل امام بنا لیا جاتا لہذا دنیا سے گروہ موالی کا خاتمہ ہو جاتا۔

۶۔ امام حسن علیہ السلام کو اس صلح میں امت اسلامیہ کی فلاح و بہبود ملحوظ تھی چنانچہ خود امام فرماتے ہیں!

"گو معاویہ مجھ سے حق چھیننا چاہتا ہے مگر میں نے امت کی اصلاح اور فتنہ و فساد کی بیخ کنی کے لئے صلح ہی کو مناسب سمجھا اور میں نے امن عامہ کو خونریزی پر ترجیح دی ہے"

حضرت سلیمان بن صرد خزاعی رضی اللہ عنہ نے جب اس صلح کے اسباب دریافت کئے تو اس کے جواب میں امامؑ نے فرمایا اگر میری کوششیں دنیاوی اغراض، ذاتی خواہشات اور سلطنت ظاہری کے لئے ہوتیں تو یہ معاویہ نہ مجھ سے زیادہ دانا ہے اور نہ زیادہ چالاک ہے بلکہ جو مصالح و مفاسد میرے پیش نظر ہیں ان کو تم نہیں دیکھتے۔ میں نے امت اسلامیہ کو خونریزی سے بچانے کے لئے یہ اقدام کیا ہے چنانچہ امن عامہ کی بحالی کو بھی شرائط صلح میں داخل کر دیا ہے۔ (تاریخ حبیب مجتبیٰ)

صلح کی پیشکش معاویہ کی طرف سے تھی لہذا بظاہر اس نے دوستی و امن کا ہاتھ بڑھا دیا تھا تو امامؑ اگر اسکو ٹھکرا دیتے تو یہ تاریخی غلطی ہوتا۔ اس لئے امام نے مضبوط شرائط کا پابند بنا کر اس حریص اقتدار کو حکومت کا اختیار عطا کر دیا اور تاریخ الخلفا علامہ سیوطی کے مطابق امام نے یہ بھی عہد لیا کہ معاویہ کے مرنے کے بعد حکومت انہیں واپس

کر دی جائے گی۔ پس صلح کر کے جنگ بندی کرنا اور سلطنت معاویہ کو دیدینا امام علیہ السلام کا درست اقدام ہے جس کی بشارت رسول اللہ عہدِ رسالت میں فرما چکے تھے اور پھر معاہدہ صلح میں شرائط پر پابندی کا عہد لینا ثابت کرتا ہے۔ کہ معاویہ کا عمل ان امور کیخلاف تھا جو مرقوم ہوئے ورنہ معاویہ دستخط کرنے سے قبل اعتراض کر دیتا کہ میں تو یہ سب باتیں پہلے ہی کرتا ہوں لہذا معاہدہ کیسا اور شرائط کیسے! یہ صلح اور صلح حدیبیہ بالکل ایک ہی طرح کے ہیں۔ تفصیل صرف ایک راستہ میں ملاحظہ کریں۔

اعتراض نمبر ۹۴۸ اگر انکار ہے تو حسب ذیل عبارت کا جواب دیجئے۔

لما صالح الحسن ابن علی ابن ابی طالب ابن ابی سفیان دخل علیہ الناس فلامہ بعضہم علی بیعتہ فقال ویحکم ما تدرون ما عملت خیر لشیعتی مما طلعت علیہ الشمس۔

جب سیدنا حسنؓ نے سیدنا معاویہ سے صلح کی لوگ ان کے پاس آئے اور بعض نے ان کو بیعت معاویہؓ پر ملامت کی تو آپ نے فرمایا تم پر مجھے سخت افسوس ہے تمہیں خبر ہی نہیں جو کچھ میں نے کیا ہے۔!

(احتجاج طبرسی ص۱۴۳)

جواب نمبر ۹۴۸ ہم نے پہلے عرض کر دیا ہے بیعت سے مراد عہد نامہ و پیمان ہے نہ کہ معاویہ کی امامت و اطاعت کی قبولیت کیونکہ بیعت کے اصلی معنی معاہدہ کے ہیں۔ اور پھر جب یہ ذکر ہوا تو اس وقت صلح پر آمادگی کا اظہار ہوا تھا ابھی شرائط صلح مرتب نہ ہوئے تھے اور نہ ہی نام نہاد بیعت وجود میں آئی تھی۔ لوگوں نے محض افواہ کی بنا پر امام پر الزام لگایا اور معاہدہ صلح کو بیعت سمجھ لیا اسی لئے امام نے جواباً فرمایا ہے کہ تم لوگوں کو حقیقت کی خبر نہیں ہے جو کچھ میں نے کیا ہے۔ اور جملہ نام نہاد بیعت

کی تردید کرتا ہے۔ اور قول امامؑ سے ثابت ہے جو لوگ سمجھ رہے ہیں کہ میں نے بیعت کرلی ہے وہ امر واقعی و حقیقی سے بے خبر و جاہل ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ میں نے کیا کیا ہے یعنی میں نے بیعت نہیں کی ہے بلکہ ایک معاہدہ صلح کیا ہے

اعتراض نمبر ۹۸ ؎ اگر سیدنا حسن کی مصالحت اور اسلامی مملکت کی تفویض نیز بیعت بقول شما خلافِ عقل و نقل ہے تو یا اس کی وجہ بیان کیجئے جو کہ مستند الی السند الصحیح ہو اور کسی امام کے قول سے ثابت ہو اور یا امام معصوم کی تغلیط و تکذیب کر کے اپنے مسلک کو خیر باد کہہ دیجئے۔

جواب نمبر ۹۸ امام حسنؑ کی مصالحت اور مملکت اسلامیہ کی تفویض نہ ہی خلافِ عقل ہے اور نہ ہی خلافِ نقل البتہ بیعت عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی برعکس ہے عقل کے خلاف اسطرح ہے کہ کسی خلیفہ کی بیعت اس کی اطاعت کرنے کے لئے کی جاتی ہے نہ کہ اس سے اطاعت کروانے کے لئے جبکہ امام حسنؑ نے شرائط صلح میں معاویہ کو اپنی اطاعت پر مجبور و پابند بنایا ہے نقل کے خلاف اس لئے ہے کہ معاویہ کو کسی بھی مسلک نے خلیفہ برحق یا خلیفہ راشد تسلیم نہیں کیا ہے اور سب اسے بادشاہ مانتے ہیں۔ پس جب وہ خلیفہ ہی نہیں تو بیعت کیسی؟

علاوہ ازیں خود امام حسن علیہ السلام نے حکومت معاویہ کے حوالے کرنے کے بعد اس کی خلافت کی نفی کی ہے امامؑ نے کوفہ میں اہل شام و اہل کوفہ کے اجتماع میں تقریر فرمائی:۔

"معاویہ کا خیال ہے کہ میں نے انہیں خلافت کا اہل اور اپنے آپ کو نااہل سمجھا معاویہ جھوٹا ہے ہم تمام لوگوں سے زیادہ سزاوار و اولیٰ ہیں یہ مرتبہ ہمیں کتاب خدا و کلام رسول اللہ سے حاصل ہے" (تاریخ حسن مجتبیٰ)

؎ اعتراض نمبر دوبارہ لکھا گیا ہے۔

دوسری تقریر میں امام نے ارشاد فرمایا (معاویہ) خلیفہ نہیں ہے جو ظلم کے ساتھ حکومت کرتا ہے اور سنتوں کو معطل بناتا ہے، دنیا کو اپنا ماں اور باپ قرار دیتا ہے یہ شخص بادشاہ ہے جس نے ملک چھینا اور اس سے بہرہ اندوز ہوا"
(المحاسن والمساوی بیہقی جلد نمبر ۲ ص ۶۳)

پس خود جناب سرکار امام حسن مجتبیٰ علیہا الصلاۃ والسلام ہی کے ارشادات سے معاویہ کی خلافت وبیعت کی نفی ثابت ہوگئی۔ لہذا امام کی نہ ہی کوئی تغلیط ہوئی اور نہ ہی تکذیب لہٰذا ہمارا مسلک مقتدر قرار پایا اور زندہ باد ٹھہرا جس طرح ہمارے امام نے جو ریحان رسول کریم ہیں معاویہ کو جھوٹا۔ ظالم۔ بدبخت۔ دنیا پرست اور غاصب بادشاہ فرمایا ہے ہم بھی اس کو ایسا ہی سمجھتے ہیں اور سنت رسول کے مطابق بدعا کرتے ہیں کہ "اللہ اس کا پیٹ کبھی نہ بھرے"۔

اعتراض نمبر ۵۰: اگر شہادت حسینؑ کے سلسلے میں آپ کا یہ کہنا بجا ہے کہ اگر یزید تخت پر نہ بیٹھتا تو شہادت حسینؑ معرض وجود میں نہ آتی اسی طرح اگر معاویہؓ ان کو تخت پر نہ بٹھاتے تو یزید حاکم نہ بنتا تو کیا یہ کہنا بھی بجا ہے یا نہ کہ اگر سیدنا حسنؓ حضرت معاویہؓ کو مملکت اسلامیہ سپرد نہ فرماتے تو یہ نہ ہوتا اگر علی رضی اللہ عنہ حضرت حسن کو تفویض نہ فرماتے تو حضرت حسنؓ سپرد نہ کرتے ایجابی اور سلبی میں جو بھی اختیار کیا جائے اسے مدلل اور مبرہن بیان کیا جائے۔

جواب نمبر ۵۰: شہادت امام حسینؑ کے سلسلے میں ہمارا یہ کہنا کہ اگر معاویہ یزید کو حاکم نہ بناتا تو یہ شہادت معرض وجود میں نہ آتی اس لئے بجا ہے کہ معاویہ نے معاہدہ صلح کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے یزید کو نامزد کیا اور عہد شکنی شریعت میں

سنگین جرم ہے۔ جبکہ امام حسنؑ نے معاویہ کو حکومت سپرد کر کے کسی عہد کو نہیں توڑا ہے۔
اور نہ ہی حضرت علیؑ نے امام حسنؑ کو حکومت تفویض فرما کر کوئی وعدہ خلافی فرمائی ہے۔ پس
یہ معاہدہ کی عہد شکنی نقض جو اسباب شہادت حسینؑ میں سبب قرار پائی اور یہ ایسی برہان و دلیل
ہے جسے رد کرنا ممکن نہیں ہے۔ حالانکہ ایک بالغ نظر ہاشمی نے کہا تھا کہ حسینؑ روز سقیفہ شہید ہو گئے!

اعتراض نمبر ۱۵۰ احتجاج طبرسی ص۱۶۳ میں ہے۔

عن زید بن وهب الجهنی قال لما طعن الحسن بالمدائن اتیته وهو متوجع فقلت ما ترى يا ابن رسول الله فان الناس متحیرون فقال اری والله ان معٰویہ خیر لی من هؤلاء یزعمون انهم لی شیعة۔

زید بن وہب سے روایت ہے فرمایا کہ جب حضرت حسنؓ کو مدائن میں نیزہ مارا گیا تو میں آپ کے پاس ایسے وقت میں آیا کہ آپ درد رسیدہ تھے میں نے عرض کیا اے بیٹے رسولؐ کے لوگ حیران ہیں جو کہ آپ نے کیا ہے پس فرمایا مجھے خبر ہے خدا کی قسم بلا شبہ حضرت معاویہؓ میرے لئے ان لوگوں سے بہتر ہے جو کہ میرے شیعہ ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔

فرمائیے یہ روایت آپ کے نزدیک قابل قبول ہے یا نہ؟

جواب نمبر ۱۵۱۔ نقل روایت صحیح ہے۔

اعتراض نمبر ۱۵۲ اگر قابل قبول نہیں تو عدم قبولیت پر دلائل پیش کیجئے۔؟

جواب نمبر ۸۵۲ مجھے اس روایت کو قبول کر لینے میں کوئی عذر نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۸۵۳ اگر قابل قبولیت نہیں تو احتجاج طبرسی کے مقدمہ صہ۲ میں صاحب احتجاج کی اس عبارت کا کیا جواب ہے؟

اما لوجود الاجماع علیہ او موافقۃ لما دلت العقول الیہ اولا شتہارہ فی السیر

یعنی صاحب احتجاج نے یہ تصریح کی ہے کہ میں نے اس کتاب میں وہ روایتیں پیش کی ہیں جن پر اجماع ہے عقول دانوں کے موافق ہیں۔ اور کتب سیر میں مشہور ہیں۔

جواب نمبر ۸۵۳ روایت کو تو ہم نے قبول کر لیا ہے مگر مقدمہ علامہ طبرسی کے مندرجہ بالا اقتباس کے بارے میں یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ احتجاج میں شیعہ و سنی دونوں طرح کی روایات مشہورہ درج ہیں اور علامہ نے سب کو درست تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ نقلاً اور احتجاجاً تحریر فرمایا ہے۔ اس عبارت سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ احتجاج کی تمام باتیں مسلمہ ہیں۔

اعتراض نمبر ۸۵۴ اگر قابل قبول ہے تو فرمایئے سیدنا حسنؑ کو نیزے مارنے والے کون تھے؟ ان کی نشاندہی کیجیے۔

جواب نمبر ۸۵۴ حضرت امام حسنؑ پر مدائن میں حملہ کرنے والا خارجی تھا اور اس نے حملہ کے وقت یہ کافرانہ جملہ کہا تھا۔ "یا حسن اشرک ابوک و اشرکت انت" اے حسنؑ (معاذ اللہ) تیرا باپ مشرک تھا پھر تو بھی مشرک ہے۔ اس ملعون کا نام جراح بن سنان اسدی لعین تھا۔ جو آج بھی اشد عذاب میں مبتلا ہے۔

اعتراض نمبر ۸۵۵ زید بن وہب کا کیا مذہب تھا اور صلح پر کیا کرنے کے لئے فی الواقع آیا تھا یا ملمع سازی کے طور پر۔

جواب نمبر ۸۵۵ زید بن وہب بھی معاویہ کا جاسوس تھا اور ملمع سازی کے طور پر آیا تھا۔

اعتراض نمبر ۸۵۶۔ فرمائیے وہ حیران ہونے والے لوگ کون تھے

جواب نمبر ۸۵۶ حقیقت یہ ہے کہ امام حسنؑ کے ساتھیوں میں کافی تعداد منافقین و خوارج کی تھی اور لوگوں کی کثیر تعداد کو افواہوں اور حرص لالچ کی وجہ سے بدظن کیا جا چکا تھا جو مخلص ساتھی تھے وہ بھی اس صلح کی حکمت عملی کی تہ تک پہنچ نہ سکے تھے اور جس طرح صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضرت عمر اور دیگر اصحاب قلت علم کے سبب شرائط صلح کی مصلحت سمجھنے سے قاصر رہے تھے اسی طرح امام حسنؑ کے ساتھی بھی اس پالیسی کے مقاصد سے ناآشنا تھے لہذا ان کی ذاتی رائے اس کے خلاف تھی اور لوگ اس بات پر حیران تھے کہ امامؑ نے معاویہ سے صلح کیوں کر لی۔ اور ان حیران لوگوں میں تقریباً مخلص وغیر مخلص سب قسم کے افراد تھے مگر جو کامل الایمان لوگ تھے انہوں نے امامؑ کی مصلحت کو قبول کر لیا لیکن ناقص الایمان افراد نے مخالفت کی۔

اعتراض نمبر ۸۵۷ سیدنا حسنؓ نے جواب میں سیدنا معاویہؓ کے ساتھ مصالحت اور بیعت کی تحسین تقیۃً کی یا اظہار حقیقت کے طور پر؟

جواب نمبر ۸۵۷ عبارت زیر بحث کی روشنی میں یہ بات صاف نظر آتی ہے۔ کہ اس میں مصالحت اور بیعت کی تحسین کا ذکر نہیں جبکہ بلاشبہ امام حسنؑ کا یہ اقدام قابل تحسین تھا۔ اس عبارت میں معاویہ کا جو ذکر کیا گیا ہے اس سے معاویہ کی نہ ہی کوئی تعریف نظر آتی ہے اور نہ ہی کوئی تحسین کا پہلو دکھائی دیتا ہے روزمرہ کی گفتگو میں لوگوں کا طرز تکیہ کلام ہوتا ہے اور محاورتاً ایسی تشبیہات مستعمل رہتی ہیں جن سے تنقیص کرنا مقصود ہوتا ہے مثلاً لوگ کہتے ہیں کہ بے وقوف دوست سے عاقل دشمن اچھا ہوتا ہے حالانکہ یہاں دشمن کی تعریف کرنا مقصود نہیں ہوتا ہے بلکہ دوست کی بے وقوفی پر طعن کیا جاتا ہے اسی طرح اظہار ناراضگی کے لئے لوگ اپنے دوستوں کو عموماً یہ طعنہ دیتے ہیں کہ اپنے

سے تو غیر اچھا ہے جبکہ حقیقت میں اپنا اپنا اور غیر غیر ہی ہوتا ہے اسی طرح امام حسن
نے اپنے مخالفین کو جو بظاہر خود کو دوست ظاہر کیئے ہوئے تھے فرمایا ہے کہ ان لوگوں
سے جو میرے دوست بنے پھرتے ہیں میرے لئے معاویہ ہی اچھا ہے۔ ایسے موقعہ پہ
معاویہ کی مثال دینا بالصراحت ثابت کرتا ہے کہ "معاویہ" حقیقت میں امام علیہ
السلام کا دوست نہ تھا بلکہ دشمن تھا اور چونکہ معاویہ کی دشمنی ظاہر و علانیہ تھی اور مشار
الیہ لوگوں کی دوستی منافقانہ تھی لہذا اُسے بہتر کہا گیا۔ "من ھؤلاء یزعمون انھم
لی شیعہ" کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے مراد حضرتؑ کی مخصوص افراد تھے جو اپنے
زعم میں شیعہ بنے ہوئے تھے اور اندر سے نیک نیت نہ تھے یعنی منافق تھے۔ اور جس
طرح منافق مشرک و کافر سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے اسی لئے ان سے معاویہ کو بہتر کہا
گیا کہ وہ ظاہر دشمن ہے اور یہ آستین کے سانپ ہیں۔ حقیقت میں سانپ دونوں ہی
ہیں لیکن معاویہ چونکہ اس وقت مار آستین نہیں ہے اس لئے سانپ ضرور ہے مگر
مار آستین سے بہتر ہے اور میرے لئے کم خطرناک ہے امام کا یہ ارشاد بلاشبہ اظہار
حقیقت پہ مبنی تھا۔

اعتراض نمبر ۵۸ اگر اظہار حقیقت کے طور پہ کی تو آپ اپنی رائے سے مطلع فرمایئے اور نیز یہ بھی فرمایئے کہ تم لوگوں کو عظمت سیدنا معاویہ سے انکار کیوں ہے؟!

جواب نمبر ۵۸ جس حقیقت کا اظہار امامؑ نے فرمایا ہم اس سے متفق
ہیں اور اس سے معاویہ کی کوئی عظمت ثابت نہیں ہوتی ہے بلکہ ظاہری دشمن اور مخالف
امام حسنؑ ہونا معلوم ہوتا ہے کسی دشمن فرزند رسولؐ کی ہمارے نزدیک کوئی عظمت نہیں
ہے جبکہ معاویہ نے سازش کرکے امام حسنؑ کو زہر دلوایا اور آپ کی شہادت پر خوشیاں
مناتے ہوئے کہا کہ معاذ اللہ ایک انگارہ تھا جسے خدا نے بجھا دیا۔ ریحان رسولؐ کو انگارہ
کہنے والا بدبخت حقیقی کبھی قابل عظمت نہیں ہوسکتا ہے دستی ابو داؤد

اعتراض نمبر ۸۵۹ اور اگر تقیہ کی تو آپ کی قسم کس مقصد پر محمول ہے!

جواب نمبر ۸۵۹ یہاں کوئی تقیہ کی بات نہیں حضرت نے بالکل کھلے الفاظ میں معاویہ کو اپنا دشمن قرار دیا ہے، اور چھپے دشمنوں کے مقابل اس کا نام لا کر دشمنی پر مہر ثبت کر دی ہے کہ یہ میرا کھلا ہوا دشمن ہے اور میرے پوشیدہ دشمنوں سے بہتر ہے امامؑ کی اس عبارت سے معاویہ کی شان ثابت کرنا بالکل ویسا ہی ہے جس طرح ابلیس کے انکار سجدہ آدم کو دلیل بنا کر توحید ثابت کر دی جائے۔

اعتراض نمبر ۸۶۰ جب مملکت اسلامیہ نیز ممبر اور مصلے بھی حضرت حسنؑ نے حضرت معاویہؓ کے سپرد کر دیا تو جو نمازیں لوگوں نے حضرت معاویہ کے پیچھے ادا کیں یا کرتے رہے نزد شما وہ نمازیں صحیح رہیں یا ناجائز۔

جواب نمبر ۸۶۰ جب معاویہ نے تحریراً پابند کتاب و سنت بقول شما سیرۃ خلفاء (حق رہنے) کا عہد سند دیدیا تو امام نے اسے سلطنت سونپ دی (یعنی توحید رسالت و امامت کا اقرار لے لیا گیا) اگر اس نے اپنے عہد کو پورا کیا تو اس کے پیچھے پڑھی گئی نماز درست ہوگی، مگر افسوس کہ وہ مرتد ہو گیا۔ پس عہد شکنی کے علم کے ساتھ جس کسی نے اُسے امام بنا کر اس کی اقتداء کی نیت سے نماز پڑھی وہ نماز ناقابل قبول ہو گی۔ اپنی نیت فرادی اور بغیر اقتدا کے اس کے پیچھے پڑھ لی گئی نماز صحیح رہی۔ معاویہ کے نماز پڑھنے کا عالم یہ تھا کہ اس نے نماز جمعہ بدھ وار کو پڑھا دی (تاریخ الخلفاء عربی صفحہ ۱ تذکرۃ الخواص سبط ابن جوزی)

امام حسن علیہ السلام نے جب امارت معاویہ کے ہاتھ تفویض فرمائی تو اس نے جو عہد کیا وہ سابقہ اعمال سے بمنزلہ توبہ کے تھا اور معاویہ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ شرائط کی پابندی کریگا۔ یہ اقراری و تحریری وعدہ معاویہ کی پچھلی زندگی و جد وجہد کو سر غلط ثابت کرتا ہے اور آئندہ کی وعدہ خلافی اُسے قصور وار ٹھہراتی ہے اور مشہور مقولہ ہی کے لائق ہے کہ "معاویہ اس پر راضی نہیں ہوا کہ نجات پا جائے۔"

اعتراض ۸۶۱ : اگر صحیح ہیں تو کیوں اور کیسے ؟

جواب ۸۶۱ :- اگر معاویہ اپنے وعدوں کی پابندی کرتا تو نمازیں بھی صحیح ہوتیں مگر معاملہ اس کے برعکس ہے ۔

اعتراض ۸۶۲ :- اور اگر ناجائز رہیں تو ان کا سبب کون ٹھہرا ۔ سوچ کر جواب دیجیے؟

جواب ۸۶۲ :- یہ وہم کی راہ ہے کہ معاویہ کے پیچھے پڑھی گئی ۔ ناجائز نمازوں کا سبب امام حسنؑ کو ٹھہرا لیا جائے کیوں کہ سلطنت کی تفویض ایسے شخص کے ہاتھ میں کرنے سے جو پیشتر باغی ہو اور پھر تائب ہو کر کتاب و سنت اور سیرت آئمہ کے اتباع کا عہد کرتا ہو کوئی جواز اعتراض نہیں ہو سکتا ہے

مثلاً یہ کہ ایک گاؤں کے مالک نے غلہ کا انبار مساکین پر خیرات کرنے کے لیے جمع کیا ہو ۔ ایک رہزنوں کا سردار اُسے غارت کرنا چاہے ۔ مالک اُس کی حفاظت کے لئے اس سے جنگ کرے پھر ایک مدت کے بعد مالک انتقال کر جائے ۔ اور اُس کا بیٹا اُس کی حفاظت کرے مگر وہی رہزنوں کا سردار اس نئے مالک کو صلح کی پیشکش کر دے اور یہ بیٹا اُس ڈاکو سے یہ عہد لے کہ ہم تم سے صلح کرتے ہیں بشرطیکہ تم اعتراف غلطی کر کے آئندہ کے لئے یہ عہد کر لو کہ امن دیہات کو نقصان نہ پہنچاؤ گے ۔ یہ مال تو ہے دیہاتیوں کا ہم یہ تمہاری سپردگی میں اس شرط پہ کرتے ہیں کہ تم مساکین پہ صرف کیا کرو ۔ اس میں خیانت نہ کرو ۔ اس تفویض سے فتنہ فساد فرد ہو جائے گا ۔ اور آئے دن کی مار دھاڑ اور لوٹ مار و خونریزی مٹ جائے ۔ اس پر وہ رہزن آمادہ ہو جائے اور توبہ کرلے اور آئندہ محتاط رہنے کا عہد کرے تو اس سے اس غلہ کے حقیقی مالک و نگران کی نسبت جو اس غارت گر سے حفاظت جان و مال کے لئے جنگ کرتا تھا ۔ کوئی اعتراض وارد نہ ہو گا ۔ اور نہ ہی اس مالک کے بیٹے پر جس نے یہ عہد لے کر غلہ اُس رہزن کی سپردگی میں دے دیا ۔ اُس نے غلہ کی حفاظت سے نہ ہی اپنا پیچھا چھڑایا ہے بلکہ اس خلق خدا کو ناحق کشت و خون سے بچا یا ہے اور یہ بھی کہ

رہزنوں کا افسر جس زمانہ تک کہ غلہ اس کی تفویض نہیں ہوا تھا وہ اس میں بے جا تصرف کرنا چاہتا تھا اعتراض سے بچ سکتا ہے البتہ اگر اس عہد کی قبولیت کے بعد وہ اپنے قول و فعل میں صادق نکلے اور غلہ کو عہد کے موافق مساکین پر صرف کرتا رہے تو یہ خیال کیا جائے گا۔ کہ اس نے اپنے اعمال سابقہ سے توبہ حقیقی کر لی تھی اور اب اُس کو غلہ میں تصرف کرنا جائز ہو گیا ہے مگر جب وہ رہزن یا اُس کا جانشین عہد سے انحراف کر کے شرائط کو پورا نہ کرے پھر عاصی متصور ہو گا۔ اور تمام جائز و ناجائز کا ذمہ دار اسی کو ٹھہرایا جائے گا پس اسی مثال کی روشنی میں کہتے ہیں امام حسنؑ نے جائز شرائط پر اُسے سلطنت کا انتظام سونپا تھا۔ مگر وہ بد عہد قرار پایا۔ اس لئے تمام ذمہ داری اُس پر بدستور عائد ہو گی۔

اعتراض ۸۶۳: امارت معاویہؓ کے دور میں جو فتوحات ہوئیں اُن کو آپ کے نزدیک اسلامی فتوحات سے تعبیر کرنا جائز ہے یا نہ؟

جواب ۸۶۳: فتوحات معاویہ غیر اسلامی ہیں۔

اعتراض ۸۶۴: اگر جائز ہے تو فساد نہ رہا؟

جواب ۸۶۴: بالکل ناجائز ہیں۔

اعتراض ۸۶۵: اور اگر اسلامی فتوحات سے تعبیر کرنا ناجائز ہے تو معصومیت امام صاحب مقام کے متعلق اظہار خیال فرمائیے؟

جواب ۸۶۵: شریعت اسلامیہ ارضی فتوحات کی اجازت ہی نہیں دیتی۔ صرف دفاعی جہاد مشروط طور پر فرض ہے۔ چونکہ امام ؑ نے پابندی شریعت کے عہد پر مصالحت فرما کر سلطنت کی زمام معاویہ کے ہاتھ دی تھی اور اُس نے معاہدہ سے انحراف کر کے غاصبانہ قبضہ جما لیا تھا لہٰذا امام کی معصومیت قائم رہی اور معاویہ کی معصیت میں اضافہ ہوا۔

عقیدۂ تحریف قرآن پر نظر ثانی تحریکی دعوت

اعتراض ۸۶۶: کیا یہ سچ ہے کہ مذہب کا ثبوت قرآن و حدیث سے ہوتا ہے اور دلائل میں سے پہلا درجہ قرآن مجید کا ہے اگر قرآن مجید پر ایمان نہ ہو تو انسان ایماندار کہلانے کا حقدار نہیں رہتا۔؟

جواب ۸۶۶: جی ہاں! یہ سچ ہے۔

اعتراض ۸۶۷: اگر جواب اثبات میں ہے تو فرمایئے جو لوگ تحریف قرآن کے قائل ہیں وہ آپ کے نزدیک مسلمان ہیں یا نہ؟

جواب ۸۶۷: جو شخص قرآن مجید کو محرف جانے مسلمان نہیں ہے۔ مگر یہ شیعہ عقیدہ ہے۔ مسلک سنیہ یہ دعوی ثابت نہیں کر سکتا ہے۔

نوٹ: لفظ تحریف مصدر ہے باب تفعیل سے جو حرف سے ماخوذ ہے اور حرف سے حد اور طرف مراد ہے تفسیر کبیر میں امام رازی نے لکھا ہے کہ تحریف در اصل حق سے کسی چیز کا امالہ ہونا ہے تحریف قلم اور محرف قلم سے قلم کو قط دیا جانا مراد ہوتا ہے۔ تحریف کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ کسی عبارت کے تغیر و تحویل اور کسی کلمہ کی تقلیب و تبدیل کو تحریف کہتے ہیں۔ خواہ لفظ میں یہ تغیر و تحریف واقع ہو۔ جیسے سِراط کو صراط بنا دیا جائے۔ یا معنی میں واقع ہو جیسے ولیکم اللہ میں خلاف قرینہ ولی کو دوست و مددگار کے معنی میں تبدیل کر دیا جائے۔ خواہ لفظی و معنوی دونوں قسم کی تحریف اور تبدیلی کی جائے۔ مثلاً صراط علیؑ کو صراطٌ علیٌّ سے بدل دیا جائے۔ یہ تحریف بالاعراب کہلاتی ہے۔ خواہ زیادتی کر دی جائے۔ جیسے وَالضالین کے ساتھ آمین کر دیا جائے۔ یہ سب اقسام تحریف کے ہیں۔

اعتراض ۸۶۸: اگر مسلمان ہیں تو کیوں؟ مدلل جواب درکار ہے۔

جواب ۸۶۸: شیعہ عقیدہ کے مطابق تحریف قرآن کا معتقد مومن و مسلمان نہیں ہے

مگر مذہب سُنیہ میں یہ شرط موجود نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کو پُورا و مکمل کہنا ممنوع ہے۔ جیساکہ مذہب اہل سُنتہ کے اساسی رہنما جناب عبداللہ بن عمر بن خطاب نے نصیحت کی۔

"لایقولن احدکم قد اخذت القرآن کلہ ومایدریہ ما کلہ قد ذھب منہ قرآن کثیر ولکن لیقل قد اخذت منہ ما ظھر" (ابن عمر نے کہا) تم میں سے ہرگز کوئی یہ نہ کہے کہ میں نے پورا قرآن لے لیا۔ اُسے کس نے بتایا کہ پورا قرآن کتنا تھا۔ درآنحالیکہ بہت سا قرآن جاتا رہا ہے اور لیکن اُسے یہ کہنا چاہیے کہ میں نے اتنا لیا ہے جتنا قرآن میں ظاہر ہوا ہے۔" (اتقان جلد ۲ صفحہ ۲۵)

پس جس طرح عبداللہ بن عمر اور اُن کے مخاطبین قرآن کو نامکمل اعتقاد کرتے ہوئے اور اس کے اذہاب کی تشہیر و نصیحت کرتے ہوئے مسلمان تھے اسی طرح دوسرے مسلمانوں جو اپنے ثقہ راوی و تابعی و صحابی کی نصیحت پر عامل ہیں وہ بھی مسلمان ہیں۔

اعتراض نمبر ۸۶۹:۔ اور اگر مسلمان نہیں تو آپ کی معتبر کتابوں میں ایسی روایتیں موجود کیوں ہیں ؟

جواب نمبر ۸۶۹:۔ جو قرآن حکیم رسول کریم ؐ کے قلب پر نازل ہوا ہے اُس کے بارے میں ہماری کسی کتاب میں ایک بھی ایسی روائت موجود نہیں ہے۔ بلکہ اس کی محافظت وغیر محرّف ہونے کے بارے میں واضح احادیث موجود ہیں البتہ نقلی قرآنوں کے بارے میں ایسی روایات ضرور موجود ہیں کہ جن میں اغلاط کمی و بیشی کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ایسی روایات کتب اہل سُنت میں کثیر تعداد سے موجود ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً ازراہ مثال نقل ہوں گی۔ ہماری کتب کی روایات کا تعلق مصاحف صحابہ سے ہے اور وہ قرآن الحکیم سے متعلق نہیں ہیں جب کہ سُنی روایات براہ راست قرآن کے متعلق ہیں۔ پس وضاحت اُن کو کرنا چاہیے کہ وہ ان کی موجودگی میں مسلمان کہلوانے کے حقدار کیسے ہیں؟

تفسیر صافی مصنفہ اخوند فیض کے صنا میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے سامنے ترتیب نزولی والا قرآن پیش کیا تو لوگوں نے قبول نہ کیا تو آپ نے فرمایا۔

اما واللہ ما ترونہ بعد یومکم هذا ابدا ۔ خدا کی قسم اس کو قیامت تک آج کے بعد ہمیشہ تک تم نہ دیکھو گے۔!

پس جس پر آپ کا ایمان ہے وہ دنیا میں ناپید ہو گیا اور جو موجود ہے اس پر آپ کا ایمان نہیں۔ جواب مطلوب ہے؟

جواب :۔ حضرت امیر ؑ نے اُن لوگوں کو یہ جملہ فرمایا جس کے معنی ہیں "خدا کی قسم اسکو تم آج کے بعد کبھی نہ دیکھو گے عربی میں الی القیامت کے الفاظ نہیں ہیں۔ مخاطب صرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کو قبول نہ کیا (قرآن کو رد کر کے بھی مسلمانوں کے امام رہے) چونکہ ارشاد رسول ص کے خلاف اُن لوگوں نے قرآن کے اصلی ساتھیوں سے تخلف کیا جو کبھی قرآن سے جدا نہیں ہو سکتے۔ جب تک بارگاہ رسول ص میں حوض تک وارد نہ ہو جائیں۔ لہذا اُن کی شومئی قسمت یہی ٹھہری نہ ہی اُن کو دیدار قرآن نصیب ہوا۔ اور نہ ہی حصول ناطق قرآن کا شرف حاصل ہوا۔ ایک تعلق کو خود چھوڑ دیا۔ دوسرا خود بخود چھٹ گیا۔ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے۔

پس ہمارا ایمان اُس قرآن پر ہے جس کے متعلق صاحب قرآن نے فرمایا کہ علی قرآن کے ساتھ ہے۔" اور ارشاد کیا۔" قرآن علی ؑ کے ساتھ ہے۔" نہ قرآن علی ؑ سے جدا اور نہ علی ؑ قرآن سے علیحدہ ہو سکتے ہیں مگر آپ کے بزرگوں نے نہ ہی علی ؑ کو مانا اور نہ ہی اُن کے ساتھی قرآن کو۔ یہی راہ آپ کی اختیار کردہ ہے کہ علی ؑ کے قرآن کو فرضی اور ناپید کہتے ہیں اور خود اپنے لکھے ہوئے کو خدا کا لکھا کہہ کر اتراتے ہو۔ اب خود فیصلہ کر لو خدا کے قرآن پر ہمارا ایمان ہے یا تمہارا۔

کسی شئے کا آنکھوں سے اوجھل ہونا اُس کے ناپید ہونے کی دلیل

نہیں ہو سکتا۔ ہمارا اس قرآن پر ایمان ہے جو اپنے ساتھی کے ساتھ اس دنیا میں موجود ہے جسے غیر مطہر بن چھو تک نہیں کر سکتا جبکہ تمہارا اس قرآن پر ایمان ہے جسے ہر ناپاک چھو سکتا ہے۔ اور وہ اکیلا بے یار و مددگار ہے۔ جب ہمارا قرآن امام طاہر کا دائمی ساتھی ہے۔ تمہارے قرآن کا کثیر حصہ اذہاب ہو چکا ہے یعنی ضائع ہو چکا ہے اور جسے پورا کہنے پر بھی تمہارے مذہب میں پابندی ہے جب کہ ہمارے اعتقاد کردہ قرآن میں ہر خشک و تر موجود ہے اور وہ مکمل و جامع ہے اور اپنے مفسر و وارث کی حفاظت میں ہے۔ ایمان کا تعلق ہمیشہ اصل سے ہوا کرتا ہے نقل پر نہیں۔ پس ہمارا اصلی ہے اور تمہارا نقلی۔ آپ کے بزرگ اس اصل قرآن کو ٹھکرا چکے ہیں اور قبول کرنے سے انکار کر چکے ہیں۔ اور ان ہی کی سنت پر آپ کاربند ہیں۔ لہٰذا آپ کا ایمان بالقرآن ناقص ہے اور آپ کا ایمان اس قرآن پر ہے جس کا بیشتر حصہ رفت و گذشت ہو چکا ہے۔ پس جب تک عبداللہ ابن عمر کی نصیحت موجود ہے آپ کا قرآن پر ایمان ویسا ہی ہے جس طرح یہود و نصاریٰ کا ایمان توریت اور انجیل پر ہے جو کہ محرف ہیں۔ لیکن ہمارا ایمان قرآن صامت اور قرآن ناطق دونوں پر ہے اور ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن میں کسی قسم کی کوئی تحریف نہ ہو سکی کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خدا نے اپنے ذمہ لیا ہے اور یہ قرآن کسی بھی حالت میں اہلبیت سے جدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ضمانت خود صاحب قرآن کی موجود رہے۔ ملاحظہ کیجیے حدیث ثقلین۔

اعتراض ۸۷؎: امام محمد باقر کا فرمان ہے (معاذ اللہ)

وفی تفسیر العیاشی عن ابی جعفر قال لولا انہ زید فی کتاب اللہ ونقص ما خفی حقنا۔ (تفسیر صافی ص ۱۰)	تفسیر عیاشی میں ہے کہ امام محمد باقر نے فرمایا اگر قرآن مجید میں کمی و بیشی نہ کی جاتی تو عقل والوں پر ہمارا حق مخفی نہ ہوتا

جواب ۵۷۱:-

مذہب حنفیہ کے چوٹی کے امام عکرمہ سے مروی ہے کہ جب ابو بکر سے بیعت ہو چکی تو علیؑ بن ابی طالب گوشہ نشین ہو گئے۔ حضرت ابو بکر سے کہا گیا کہ علیؑ نے آپ کی بیعت سے کراہت کی ہے بس ابو بکر نے کسی کو بھیج کر انہیں بلوایا اور کہا کہ آپؑ نے میری بیعت سے کراہت فرمائی ہے۔ انہوں نے جواباً کہا۔ قسم بخدا نہیں۔ ابو بکر نے کہا۔ پھر آپ مجھ سے مخفی کیوں ہوئے؟ فرمایا میں نے دیکھا کہ قرآن میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ پس میرے دل نے کہا۔ میں نماز کے سوا اپنی ردا نہ پہنوں گا میں قرآن جمع کر لوں۔ حضرت ابو بکر کہا آپ نے بہت اچھا کیا " (اتقان جلد ۱ صہ ۹۵)

پس اس معتبر روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ نے قرآن میں اضافہ کی کوشش کی جس کی تصدیق آپ کے صدیق اکبر نے کی اور گواہی حضرت حیدر کرارؑ نے دی جو جواب آپ کا اس روایت کے بارے میں ہو گا۔ وہی جواب ہماری طرف سے دہرا لیا جائے جب کبھی ہماری طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضرت عثمان نے قرآن کیوں جلوا دیئے۔ تو آپ لوگ عموماً یہی جواب دیتے ہیں کہ ان مصاحف میں کمی و بیشی تھی۔ لہٰذا اتحاد و مرکزیت برقرار رکھنے کی خاطر حضرت غنی صاحب نے ایسا گوارہ کیا۔ جب آپ کے خلیفہ راشد نے قرآن میں کمی و بیشی کا اعتراف کیا ہے۔ تو پھر آپ کسی اور پر اعتراض کرنے کی جرارت کس طرح کرتے ہیں۔ پس قرآن میں کمی و بیشی کا اعتراف آپ کے تین خلفائے راشدین ہی سے حاصل ہو گیا۔

لہٰذا اگر امام محمد باقرؑ نے ایسا فرمایا تو ایک تاریخی حقیقت بیان فرمائی۔ اور آپ سے پہلے یہی بات خود حضرت علیؑ، حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان کہہ چکے تھے

اعتراض ۵۷۲: کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ آپ لوگوں کے نزدیک موجودہ قرآن مجید مشکوک ہے کیونکہ یہ کمی بیشی سے پاک نہیں ہے۔ اسی تفسیر صافی مذا میں ہے۔ امام صاحب نے فرمایا۔

ان القرآن قد طرح منہ ای کثیرہ بلا شبہ قرآن مجید سے بہت سی آیتیں ڈال دی گئی ہیں جب آپ لوگ نقص قرآن کے قائل ہوئے تو آپ کا ایمان موجودہ قرآن پر کیسے رہا ؟

جواب ۸۶۲ :-

جو کچھ قرآن مجید میں موجود ہے۔ وہ ہرگز ہمارے نزدیک مشکوک نہیں ہے اور قرآن میں کمی وبیشی تسلیم نہ کرنا خلافِ قرآن ہے۔ کیونکہ جو آیات منسوخ ہو گئیں وہ بھی منزل من اللہ تھیں۔ اور قرآن کا حصہ تھیں۔ اسی طرح قرآن سات حروف میں نازل ہوا تھا جب کہ اب صرف ایک حرف میں ہے۔ جن آیات کی طرح کا ذکر قول امام میں ہے وہ آیاتِ منسوخہ بھی سمجھی جا سکتی ہیں۔ ہمارا ایمان پوری وحی پر ہے جبکہ سُنی صرف ظاہر پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس صرف موجودہ قرآن پر ایمان رکھنا اور اس کے علاوہ کلامِ خدا کی تکذیب کرنا ناقص الایمانی کی دلیل ہے۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ جو متنِ قرآن اس وقت موجود ہے خدا کا کلام ہے اور اس کا منسوخ شدہ حصہ اور احادیثِ قدسیہ بھی اللہ کا کلام ہے۔ پس ہمارا ایمان پورے قرآن پر ہے اور آپ کا ایمان صرف ظاہر قرآن پر ہے۔ اور جو کلام آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہے آپ اس کے منکر ہیں۔ ہم ظاہر و غیب دونوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ آپ کے مذہب کے مطابق قرآن کو مکمل کہنا ممنوع ہے۔ جبکہ ہم پورے و سارے قرآن پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔

اعتراض ۸۶۳ :- تفسیر صافی صفحہ ۱ میں ہے

ان فی القرآن ما مضی وما یحدث وما هو کائن کانت فیه اسماء الرجال فالقیت	بلا شبہ قرآن میں ہے جو کچھ گذر چکا اور جو کچھ پیدا ہوا اور جو کچھ ہونے والا ہے اور اسی قرآن میں لوگوں کے نام تھے پس ان کو گرا دیا گیا۔

جب آپ کے مسلک میں موجودہ قرآن ناقص ٹھہرا کیوں کہ اِس میں لوگوں کے نام نہیں ہیں تو کیا اس کے باوجود آپ کا ایمان موجودہ قرآن کے ساتھ وابستہ رہا۔ کیا آپ لوگ سالمیت قرآن کے منکر نہ ٹھہرے۔ ؟

جواب ۵۷۳ :- علامہ سیوطی تحریر کرتے ہیں کہ ان میں سے بعض نے نزولی ترتیب پر قرآن مرتب کیا وہ مصحف علیؑ ہے (اتقان جلد ۱ صہ ۶۳)

تاریخ الخلفا رصہ ۹۹ میں ہے کہ ابنِ سیرین کہتے تھے کاش کہ حضرت علیؑ کا جمع کیا ہوا قرآن مل جاتا تو وہ علوم کا بہت اچھا ذخیرہ ہوتا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ سُنیوں کے نزدیک موجودہ قرآن علوم کا ذخیرہ نہیں ہے حالانکہ اسی قرآن کا دعوےٰ ہے لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین پس ہمارا اعتقاد اُس قرآن پر ہے جس میں ہر خشک وتر کا ذکر ہے۔ اور ہم سالم قرآن پر ایمان رکھتے ہیں جب آپ قرآن کے کثیر حصہّ کا اِنکار کرتے ہیں۔

تفسیر دُرِ منثور جلد ۳ صہ ۲۰۸ مطبوعہ مصر میں ہے کہ اخراج کیا ابنِ ابی شیبہ طبرانی، حاکم اور ابن مردویہ نے حضرت حذیفہ سے کہا کہ یعنی جس سورہ کو تم توبہ کے نام سے یاد کرتے ہو وہ درحقیقت سورہ عذاب ہے خدا کی قسم ہم صحابہ میں سے ایک بھی ایسا نہیں چھوٹا جس کے متعلق کوئی نہ کوئی عذاب کی آیت نہ آئی ہو۔ اور تم (اب) اس سورہ توبہ میں (ان آیات کو) نہیں پڑھتے ہو جو کچھ کہ ہم پڑھا کرتے تھے مگر اِس کا چوتھائی حصّہ۔ اسی کتاب کے صہ ۲۰۸ ہی پر علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے کہا کہ سورہ برأت نازل ہوئی تو ہم نے گمان کیا کہ ہم صحابہ میں سے کوئی بھی ایسا صحابی باقی نہ رہے گا جس کے متعلق کوئی نہ کوئی فضیحت نہ نازل ہو۔ اور اسی لیئے اس سورہ کا نام فاضحہ ہے۔

اَب فرمایئے آپ کے مذہب کے مطابق حسب نقل سیوطی وتخریج محدثین بقول عمر وحذیفہ قرآن ناقص وغیر سالم ثابت ہوا یا نہ ہوا۔ اور نام غیب ہوگئے کہ نہیں ہمارا ایمان یہ ہے کہ ہم اِس قرآن موجود کو بھی کلام خدا اعتقاد کرتے ہیں اور جو غیب

ہوا یا جن کا نسخ ہوا اِسے بھی اللہ کا کلام مانتے ہیں جب کہ تم صرف موجود کو مانتے حاضر کو تسلیم کرتے ہو۔ اور غیب کے منکر بنتے ہو۔ قرآن تمہارا سالم ہوا یا ہمارا۔؟

اعتراض ۸۴۷؛ تفسیر صافی صنہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ کیا اصلی قرآن کے ظہور کا وقت بھی معلوم ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔

نعم اذا قام القائم من ولدی یظہرہٗ
(تفسیر صافی صنہ سطر ۳۴)

ہاں جب میری اولاد میں سے امام مہدی اٹھیں گے تو اُس قرآن کو ظاہر کریں گے۔

معلوم ہوا کہ حضرت مہدی والا قرآن اور ہے اور موجودہ قرآن اور ہے بس جس پر تمہارا ایمان ہے وہ موجود نہیں اور جو موجود ہے اس پر آپ حضرات کا ایمان نہیں تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

جواب ۸۴۷؛ بلاشبہ جو نسخہ قرآن امام مہدی علیہ السلام کے پاس ہے وہ پورا ہے اس میں تمام منسوخ آیات اور موجودہ آیات اُسی ترتیب سے موجود ہیں جس طرح وحی کی گئیں اور تمام تفسیری نوٹ اور وضاحتیں اُس نسخہ میں ہیں اس میں حضور ص کی بیان کردہ مکمل تشریح موجود ہے اس میں ماضی حال اور مستقبل کی تمام باتیں موجود ہیں۔ اور وہ جامع نسخہ ہے کہ جس میں ہر خشک و تر کا بیان جمع ہوا ہے۔ اور آپ حضرات کا اِس مطابق ترتیب نزولی قرآن پر ایمان نہیں ہے بلکہ صرف اِس قرآن موجود پر ایمان ہے جس کا آپ ہی کے بقول کثیر حصہ جاتا رہا ہے یعنی آپ کا ایمان غیر سالم قرآن پر ہے اور ہمارا مکمل و سالم قرآن پر ایمان ہے جو اہلبیتؑ سے جُدا نہیں ہوا۔ اِسی لئے زمانہ عدلیہ میں یہ قرآن ظاہر ہو گا۔ اور باطل کو مٹائے گا۔ اور خدا کی ضمانت کو ثابت کرے گا کہ اِس میں ہر خشک و تر کا بیان ہے اور اسے کوئی غیر طاہر مَس بھی نہیں کر سکتا ہے مگر صرف مطہرین اسے چھو سکتے ہیں۔ جب امام اِس قرآن کو ظاہر کریں گے تو دُنیا سے باطل بھاگ اُٹھے گا۔ اور حق کا غلبہ آجائے گا۔ قرآن مجید جو اِس وقت

موجود ہے وہ اُسی قرآن کی آیات ہیں مگر اِس کی ترتیب نزولی نہیں ہے اور اِس میں حضور ص کی تعلیم کردہ تفسیر و تشریحات نہیں ہیں۔ جب ہم موجودہ قرآن مجید کو خُدا کا کلام تسلیم کرتے ہیں تو پھر ہمارے ایمان کے بارے میں شبہ کیوں ؟ ایمان کا نقص تو آپ کے مذہب میں پایا جاتا ہے جو صرف موجودہ کتاب کو ہی کافی سمجھتے ہیں۔ اور اس کے اُس حصہ پہ ایمان نہیں رکھتے ہیں جو ظاہر نہ ہوا۔ حالانکہ اقرار کرتے ہیں کہ اس کا بیشتر حصہ جاتا رہا ہے گر اِس جانے والے حصہ کو خُدا کا کلام تسلیم نہیں کرتے بلکہ تکذیب کر کے غیر سالم قرآن پہ ایمان رکھتے ہیں۔ ہمارا ایمان تو ظاہر پہ بھی ہے اور غائب پہ بھی۔ لہذا ہم سالم الایمان ہیں۔ جب آپ ظاہر پہ ایمان رکھتے ہیں اور غیب کے مُنکر ہیں۔ اِسی لئے آپ ناقص الایمان ہیں جب آپ یہ دعوے کرتے ہیں کہ آپ کا پورے قرآن پہ ایمان ہے تو اِس سے مراد موجودہ قرآن ہوتا ہے۔ جب کہ دعوائے قرآن ہے کہ اِس میں ہر خشک و تر کا بیان موجود ہے جب کہ آپ کے اعتقاد کردہ مکمل قرآن میں وجود پاکستان کا ذکر نہیں مِل پاتا مگر ہم جس پورے قرآن پہ ایمان رکھتے ہیں اُس میں جو کچھ گذر چکا اور جو کچھ گذرنے والا ہے ہر امر کا بیان موجود ہے۔ اور وہ مکمل قرآن اِس دنیا میں محافظ کی حفاظت میں موجود ہے جسے کہ غیر طاہر لوگ مس نہیں کر سکتے یہ قرآنی فیصلہ ہے آپ کے قرآن کی حفاظت کا یہ حال ہے اُسے ہر پاک و ناپاک جس حالت میں چاہے چھُو سکتا ہے اُس کے نسخوں میں اغلاط و سہویات کا امکان ہے۔ اِس میں آپ موجودہ مملکت خُداداد پاکستان تک کا ذکر نہیں دکھلا سکتے ہیں جب کہ ہمارا دعوٰے ہے جو قرآن مجید کا نسخہ ہمارے امام کی حفاظت میں محفوظ ہے اُس میں ہر وہ بات موجود ہے جو ہو چکی یا ہونے والی ہے۔ پس ہمارا ایمان مکمل ہے اور آپ کا ناقص ہے کیونکہ آپ جزوی کلام کو مانتے ہیں اور بقیہ کلام کا انکار کرتے ہیں جبکہ ہم جزوی و کُلی کلام کے معتقد ہیں۔

اعتراض نمبر ۷۵ :- الصافی صدا میں ہے

انھم اثبتوا فی الکتاب انہوں نے قرآن مجید میں وہ چیز

مالم يقله الله ليلبسوا علي الخليقة — ثابت کر دیں جو کہ خدا تعالے نے نہیں کہی ہیں تا کہ مخلوقات پر کلام الٰہی کو رلا ملا دیں !

پس جب موجودہ قرآن کلام خالق اور کلام مخلوق کا مجموعہ ہوا تو اس پر آپ کا ایمان کیسے رہا ۔ ؟

جواب ۵۷۵ :- اس عبارت منقولہ بالا سے مُراد ہے کہ انہوں نے خود ساختہ تاویلیں بنا کر کتاب خدا میں لکھ دی ہیں اور اُن تاویلات کو منشا خُدا کے مطابق سمجھا جاتا ہے اور یہ ایسی حقیقت ہے جس کا انکار خلاف واقع ہے " اثبتوا في الكتاب " اسی لئے کہا گیا ہے کہ کتاب میں ثابت کی ہیں یعنی متن وحی میں لفظی تغیر کی بجائے اپنی اپنی تاویلیں گھڑی ہیں ۔ اور مخلوق میں اختلافات کا بیج بو دیا ہے ۔ ایک ہی آیت کے مختلف مطالب کی تاویلیں اور اُن پر اپنے اثبات و دلائل قائم کر کے انسانی رائے کو مقصود خدا کہا جاتا ہے ۔ ایک ہی کتاب میں جو الفاظ خدا نے نازل کئے ہیں اُن کے ساتھ اپنی من گھڑت تفاسیری دلیلیں ثبت کر کے خالق و مخلوق کے کلام کو خلط ملط کرنے کی کوشش کی ہے جیسے " والضالین " کے ساتھ " آمین " اپنی طرف سے بڑھا لیا ہے پس ہمارا ایمان صرف قرآن کے وحی کردہ کلمات پر ہے کہ وہ بے شک اللہ کا کلام ہیں جب کہ آپ کی توضیحات کو ہم کلام خدا نہیں سمجھتے ۔ پس اس عبارت میں مخلوقات کی بنائی ہوئی تاویلیں مُراد ہیں جو خالق کے کلام کے ساتھ ثبت کی جاتی ہیں تاکہ لوگ گمراہ ہو جائیں ۔ اور چونکہ یہ تاویلات اللہ نے نازل نہیں کی ہیں بلکہ انسانوں نے قیاس کر کے بنائی ہیں لہٰذا ہم اُن کو غیر خدا کا کلام سمجھتے ہوئے وحی ہی تسلیم نہیں کرتے ہیں ۔

اعتراض ۵۷۶ :- الصافی ص ۱۱ میں ہے

اثبتوه من تلقائهم في الكتاب بما في ذالك من — انہوں نے اپنی طرف سے قرآن میں ایسی عبارتیں داخل کر دیں

تقویہ اھل التعطیل والکفر والملل المنحرفۃ عن قبلتنا ۔

جن سے معطلہ اور کافروں اور قبلے سے منحرف شدہ لوگوں کو تقویت ہوتی ہے ۔!

تو کیا واقعی ایسی عبارتیں موجودہ قرآن مجید میں موجود ہیں جن سے کفر کو تقویت پہنچتی ہے۔ اگر آپ کا عقیدہ یہی ہے تو پھر آپ کو منکر قرآن کیوں نہ کہا جائے۔

جواب ۸۷۶ ۔ اس سے مراد وہی تاویلی عبارات اور تفاسیر بالرائے مراد ہیں۔ جن سے مخالفین کو قرآن مجید پہ تنقید کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اور خوب دل کھول کر قرآن کے خلاف لکھتے ہیں جس کا جواب آپ سے بن نہیں پڑتا ہے۔ اور آپ کی جمائی ہوئی گرد پھر شیعہ بے چاروں کو جھاڑنا پڑتی ہے۔ جب ہندوستان میں ایک سابق سُنی المذہب پادری عماد الدین نے ایک کتاب "ہدایۃ المسلمین" لکھی اور قرآن پر اعتراضات کیئے تو سُنی شتری کی طرح سوئے رہے اور ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہے مگر ایک حیدری ملنگ نے نعرہ حیدری بلند کیا اور "تنزیہ الفرقان" جیسی شاہکار کتاب پیش کر کے عیسائیت کو عبرتناک ضرب لگائی اور جناب السید محمد صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ نے عماد الدین کے تابوت میں آخری کیل لگا دی۔ چونکہ ہمارا ایمان قرآن مجید پہ پختہ تھا۔ لہٰذا نصاریٰ کو منہ کی کھانا پڑی۔ اور سُنیوں کا ایمان ادھورا تھا۔ لہٰذا روپوش ہو گئے اور کھسیانوں کی طرح بعد میں ہدیۂ تبریک پیش کرنے لگے۔

اگر تاویلات و اختلافی تفاسیر کے انکار پر کسی کو منکر قرآن کہا جا سکتا ہے تو پھر شاید ہی کوئی مسلمان ایسا ہو گا جو اس انکار سے محفوظ ہو۔ چونکہ ہم قرآن کی اُن عبارتوں سے پر مکمل اعتماد رکھتے ہیں۔ جو متن وحی ہیں اور اُن عبارتوں کی انسانی توضیحات سے اختلاف رکھتے ہیں لہٰذا ہمیں منکر قرآن کہنے والا خود منکر قرآن ہے کیونکہ وہ غیر قرآن کو قرآن سمجھتا ہے۔ یہ بات تو تھی تاویلات کی مگر اہل سُنۃ والجماعۃ علیٰ متن قرآن موجودہ میں بھی کمی اور زیادتی کے معتقد ہیں مثلاً علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ

سورۂ اعراف پ۸ ع۸ کا شروع جو اس وقت آلمّص سے ہوتا ہے دراصل صرف آلمٓ تین حروف تھے اس میں ایک حرف "ص" اس لئے بڑھایا گیا ہے کہ اس میں انبیاء کے قصص ہیں (تفسیر اتقان مطبوعہ احمدی ص۶۴) اب غیرت مند کے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ جس کے گھر کا یہ حال ہو وہ کسی کامل الایمان مذہب پر تحریف کا بہتان کیسے باندھ سکتا ہے۔

اعتراض ۱۵۶ ؎۱

؎۱ اعتراض کا نمبر دوبارہ لکھا گیا ہے

ثم دعھم الاضطرار بورود المسائل علیھم عما لا یعلمون تاویلہ الی جمعہ وتالیفہ وتضمینہ من تلقائھم ما یقیمون بہ دعائم کفرھم فصرخ منادیھم من کان عندہ شیٔ من القرآن فلیاتنا بہ ووکلوا تالیف ونظمہ الی بعض من وافقھم الی معاداۃ اولیاء اللہ فالفہ علی اختیارھم وترکوا منہ ما قدروا وزادوا فیہ ما ظھر تناکرہ وتنافرہ الذی بدر فی الکتاب من الازراء علی النبی فریۃ الملحدین۔

(تفسیر صافی ص۱۱)

اس کے بعد جب ان سے ایسے مسائل پوچھے گئے جن کی تاویل نہ جانتے تھے تو قرآن کے جمع کرنے، تالیف کرنے اور انہی طرف سے اس میں ایسے کلمات ملانے پر مجبور ہو گئے جن سے انہوں نے اپنے کفر کے ستون کھڑے کئے پس ان کے منادی نے آواز دی جس کے پاس قرآن سے کچھ ہو تو ہمارے پاس لے آئے اور قرآن کا بنانا۔ انہوں نے ایسوں کے سپرد کیا جو ان کے اولیاء اللہ کی دشمنی میں موافق تھے پس انہوں نے اپنے اختیار پر قرآن کی تالیف کی اور جس قدر ان کی قدرت ہوئی چھوڑ دیا۔ اور ایسی چیزیں زائد کر دیں جن کا تناکر اور تنافر ظاہر

تھا۔ اور جو کچھ قرآن میں سے
حضور ص کی بے عزتی ظاہر ہوتی
ہے یہ ملحدین کا افترا ہے۔

فرمائیے یہ روایت تفسیر صافی میں موجود ہے یا نہ۔ ؟

جواب ۸۷۶: تاویل سازی کے سلسلے میں یہ عبارت تفسیر صافی میں مرقوم ہے۔

اعتراض ۸۷۷: اگر نہیں ہے تو خلافِ واقع ہے اور اگر موجود ہے تو آپ کے نزدیک یہ روایت صحیح یا غلط ؟

جواب ۸۷۷: مجیب کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے۔

اعتراض ۸۷۸: اگر غلط ہے تو وجہ تغلیط بیان کیجیے اور آئمہ کے اقوال سے اِس کی تردید نقل کیجیے۔

جواب ۸۷۸: روایت ٹھیک ہے لہٰذا تغلیط بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ مطالب و مفہوم کا فرق ہے۔

اعتراض ۸۷۹: اور اگر صحیح ہے تو فرمائیے کیا آپ کے نزدیک موجودہ قرآن مجید کلام الٰہی کا مجموعہ نہیں بلکہ لوگوں کے من گھڑت افسانوں کا مرقع ہے (العیاذ باللہ)

جواب ۸۷۹: روایت میں متن کلام الٰہی کی بات نہیں ہے بلکہ تاویل کا بیان ہے اور تمام مذاہب اسلامیہ اس بات پر متفق ہیں تاویلات کا شمار متن قرآن مجید میں نہیں ہوتا ہے۔ اِن تاویلات کی بدولت دین میں تفرقہ بازی ہوئی۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا متن کلام الٰہی ہے مگر اس کی تاویلات خود ساختہ ہیں اور اُن ہی سے تناکر و تنافر آج تک ظاہر ہے اور اُمت کی مرکزیت قائم نہیں ہو سکتی ہے۔ اللہ کے کلام کے ساتھ ساتھ اپنی تشریحات ظنی و تفاسیر قیاسی کو لکھ کر کلام الٰہی کو نشانہ تنقید بنا دیا گیا

پس ہم آیاتِ قرآنی کو کلام الٰہی تسلیم کرتے ہیں مگر اُن کی تاویلات مزعومہ

کو مَن گھڑت افسانوں کا مُرقع قرار دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے امام اوّل نے تاویل قرآن پر جہاد کیا۔ اور رسول صلی اللہ کی یہ پیشین گوئی کہ میں نے تنزیل قرآن پر جہاد کیا۔ اور علی تاویل قرآن پر جہاد کرے گا۔ ارشادِ پیغمبر سے ثابت ہے کہ صحابہ نے غلط تاویلات وضع کر کے دین میں رخنہ اندازی اور فساد کا بیج بو دیا۔

اعتراض ۵۸۰ :۔ جب آپ نے تصریح کر دی کہ اِس قرآن میں ایسی روایتیں بھی موجود ہیں جن سے کفر کے ستون کھڑے ہوتے ہیں تو بتایئے آپ کا اس پر ایمان کیسے رہا ؟

جواب ۵۸۰ :۔ یہ ایسی ہے جس پر اعتراض کرنا درحقیقت قرآن الحکیم پر معترض ہونا ہے اور اِس کو تسلیم نہ کرنا قرآن کی تکذیب کرنا ہے۔ آپ کا اِس بات کو قبول نہ کرنا ہی آپ کے عدم ایمان قرآن کی ناقابلِ تردید دلیل ہے کیونکہ خود ارشادِ ربّانی ہے کہ :۔

"یضل بہ کثیراً ویھدی بہ کثیراً"۔ یعنی اُس قرآن ہی سے خدا بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور اسی سے بہتوں کو ہدایت کرتا ہے گمراہ تو اُن کو کرتا ہے جو مفسد ہوتے ہیں۔ اور خدا کے احکام کی اطاعت نہیں کرتے۔

پس اَب خود ہی فیصلہ کر لو کہ تمہارا قرآن پر مکمل ایمان ہے یا ناقص۔ باقی اسی بات پر فیصلہ ہو گیا کہ آپ کے مذہب کے ستون بھی ایسے ہی ہیں کہ اقرار ایمان کر کے بھی تکفیر قرآن کرتے ہیں۔ بتایئے آپ کا ایمان کیسے قرآن پر قائم رہا اور ہمارا ایمان کیونکر مشکوک ہوا ؟

اعتراض ۵۸۱ :۔ بقول شما کیا واقعی اِس قرآن کے جمع کرنے والے اولیاء اللہ کے دُشمن تھے۔ اگر ایسا تھا تو یقیناً انہوں نے قرآن میں تصرف کیا ہو گا۔ (معاذ اللہ)

جواب ۵۸۱ :۔ اوّلاً گذارش یہ ہے کہ جمع قرآن اور اس کی حفاظت اللہ کے ذمہ ہے۔ اور یہ ذمہ داری خدا نے حضور صلعم پر ڈالی اور حکم دیا کہ جو کچھ اُس نے اپنے رسول صلعم پر نازل کیا ہے وہ پہنچا دے۔ پس حضور صلعم نے اپنا فرضِ منصبی پورا

کیا۔ اور اُمت کو مکمل کلامِ خدا پہنچایا۔ جمع قرآن بعد از رسولؐ جو کیا گیا۔ اصولاً غلط ہے اور اِس سے توہین رسولؐ لازم آتی ہے پس ایسے لوگ جنہوں نے رسولؐ کے جمع فرمودہ اور حوالہ کردہ قرآن کو قبول نہ کیا۔ وہ کبھی بھی اولیاء اللہ کے دوست نہیں ہو سکتے۔ اور نسخہ قرآن مرتبہ سرکارِ دو عالمؐ کو ٹھکرا دینا اِس بات کی قوی دلیل ہے کہ اِن کی نیتیں خراب تھیں اور کلامِ خدا میں تصرف کرنے کی کوششوں کا ذِکر ہم بزبان علیؑ تا بیعتِ ابوبکر علامہ سیوطی کے حوالہ سے اُوپر سپردِ قلم کر چکے ہیں۔ اگر یہ سعیٔ تصرف نہ ہوتی تو جناب امیرؑ عام ہر گز ردا نہ پہننے کی قسم نہ کھاتے۔ یہ تو اعجازِ خدا ہے کہ اِس نے اپنے کلام کی حفاظت کی اور حق و باطل میں فرق نمایاں رکھا ورنہ یاروں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا۔ ایسی کوشش کی معمولی سی جھلکی آپ کو اپنی ہی کتابوں کے آئینہ میں دکھاتے ہیں۔

فجلس الی ابی الدرداء فقال لہ ابو الدرداء من انت قال من اھل الکوفۃ قال کیف سمعت عبد اللہ یقرأ والیل اذا یغشٰی قال علقمہ والذکر والانثٰی فقال ابو الدرداء اشھد انی سمعت رسول اللہ صلعم یقرأ ھکذا و ھولاء یریدونی علی ان اقرء ھا خلق الذکر و الانثٰی واللہ لا اتابعھم (تفسیر در منثور جلد ٦ صفحہ ٣٥٨ مطبوعہ مصر، امام جلال الدین سیوطی نے سعید بن منصور، احمد، عبد بن حمید، بخاری

یعنی علقمہ ایک مرتبہ شام میں آیا اور ابو الدرداء کے پاس بیٹھا اُنہوں نے پوچھا کہ تم کن لوگوں میں سے ہو۔ علقمہ نے کہا میں اہل کوفہ میں سے ہوں پس ابو درداء نے کہا تم نے عبد اللہ کو سورہ والیل اذا یغشٰی کس طرح پڑھتے سُنا ہے۔ علقمہ نے کہا میں نے بجائے وَمَا خلق الذکر والانثٰی کے والذکر والانثٰی پڑھتے سُنا ہے پس ابودرداء نے کہا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسول صلعم کو بھی یہی پڑھتے سُنا ہے لیکن یہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں وما خلق الذکر و الانثٰی پڑھوں بخدا میں ہرگز اِن کی متابعت نہ کروں گا۔

مسلم، ترمذی، نسائی، ابنِ جریر
ابن المنذر اور ابنِ مردویہ سے روایت
کی ہے۔

پس اس آئینہ میں اپنا چہرہ تحریف دیکھتے رہیئے اور خود انصاف کیجیے کہ تصرف کیا یا نہ کیا۔ آئینہ ہم نے مہیا کر دیا شکل اپنی دیکھیے۔

اعتراض ۸۸۲:۔ مذکورہ بالا عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام کا جتنا بس چل سکتا تھا اتنا قرآن سے کم کر دیا۔ فرمایئے! ایسے عقیدہ رکھنے والے پر آپ کا کیا فتوٰے ہے؟

جواب ۸۸۲:۔ روایت زیر بحث میں یہ بات مرقوم نہیں ہے اور نہ قرآن سے جو کچھ کم یا زیادہ کرنا انسان کے بس میں ہے کیونکہ اس کا محافظ اللہ تعالےٰ خود ہے روایت میں ترک کی بات ہے کہ جتنا اُن کو میسر آیا جمع کر لیا۔ باقی جو نہ ملا چھوڑ گئے۔ لیکن یہ بات آپ کے مذہب سے ثابت ہے کہ صحابہ نے قرآن کم کر دیا۔ چونکہ یہ آپ کا عقیدہ ہے۔ لہٰذا فتوٰے اپنے ہاں تلاش کیجئے۔ ثبوت میں دیئے دیتا ہوں۔

عن عائشۃ قالت سورۃ الاحزاب تقرء فی زمان النبی صلعم مائتی آیۃ فلما کتب عثمان المصاحف لم تقدر منہا الا علی ما ھو الان	یعنی حضرت عائشہ نے کہا کہ سورہ احزاب زمانہ پیغمبرؐ میں ۲ سو آیتیں تلاوت کیں جاتی تھیں لیکن عثمان نے لکھتے وقت صرف اسی قدر (۷۳) آیات سورہ احزاب میں لکھی ہیں جو اس وقت قرآن میں موجود ہیں۔
(اتقان صفحہ ۲۱۶)	(در منثور ج ۵ صفحہ ۱۸۰)

ملاحظہ فرما لیا آپ نے۔ اب بتایئے صحابہ نے آپ کے مذہب کے مطابق قرآن کو کم کیا نہ کیا۔ تحریف کے قائل ہم ہیں یا آپ۔ بی بی عائشہ کے قول سے ثابت ہوا کہ زمانہ رسولؐ میں سورہ احزاب میں نہ صرف تنسیخ واقع ہوئی نہ تحریف بلکہ حضورؐ کی حیات میں یہ سورت دو سو آیات پر مشتمل تھی۔ اگر حضورؐ کے زمانہ میں تنسیخ ہوتی تو ناسخ آیات نازل ہوتیں۔ وہ سب کو معلوم ہو جاتیں۔ مگر پرسی اس

طرح چاک ہوتا ہے کہ بی بی صاحبہ کہہ رہی ہیں کہ حضرت عثمان نے قرآن لکھتے وقت سورۂ احزاب میں بجائے دوسو آیتوں کے صرف تہتر آیات لکھیں۔ اب فتوے لگانے سے پہلے ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیجئے گا کہ اس کی زد میں آپ کے تیسرے خلیفہ راشد نہ آجائیں۔

اعتراض ۸۸۳:- کیا موجودہ قرآن آپ کے نزدیک غیر فصیح نہ ہوا۔ جب کہ کلام اللہ کی بہت سی آیتیں آپ کے نزدیک متناکر الحروف اور متنافر الحروف ٹھہریں!؟

جواب ۸۸۳:- ہمارے نزدیک قرآن کی فصاحت مسلمہ ہے۔ روایت میں متناکر و متنافر الحروف کی جو بات مرقوم ہے اس کا تعلق تاویلات سے ہے یہ پلید بھی آپ ہی کے مذہب کا ہے کہ آپ کا قرآن غیر فصیح ہے جیسا کہ ابو عبیدہ نے فضائل القرآن میں کہا ہے کہ ہم سے ابو معاویہ نے ہشام بن عروہ کی حدیث بیان کی۔ عروہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت عائشہ سے قرآنی غلطیوں کے متعلق سوال کیا یعنی قولِ خدا تعالےٰ میں المقیمین کیوں ہے (بلکہ المقیمون ہونا چاہیے!) اور دوسرے قول میں اِن ھذان کیوں ہے (بلکہ ان ھذین ہونا چاہیئے) اور تیسرے قول باری تعالےٰ میں الصابئون کیوں ہے (بلکہ الصابئین ہوتا) حضرت عائشہ نے فرمایا! اے میرے بھانجے یہ عمل کاتبوں کا ہے جنہوں نے لکھنے میں غلطی کی۔ (اتقان جلد ۱ صہ ۱۸۳)

نوٹ:- اس روایت کے بارے میں علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق اس کے اسناد صحیح ہیں۔

پس آپ کے مذہب سے قرآن موجود میں اغلاط ثابت کرنے اور اس کے متناکر الحروف اور متنافر الحروف قرار دینے کے لئے صرف یہی ایک حدیث کافی ہے جس کا جواب آج تک آپ نہ دے سکے اور نہ ہی تاقیامت آپ سے اس کا جواب بن سکتا ہے۔

اعتراض ۸۸۴:- براہِ کرم اُن آیات کی نشاندھی کیجئے جن

کو صحابہ کرام نے اپنی طرف سے داخل کیا ہے۔

جواب ۸۸۴:۔ ہماری روایت میں ایسی کوئی بات نہیں کہی گئی ہے جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ صحابہ نے قرآن میں اپنی طرف سے کوئی آیات داخل کی ہیں بلکہ ہم اُن تاویلات پر معترض ہیں جو قرآن کے ساتھ لکھی جاتی ہیں جب کہ وحی سے اُن کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

یہ عقیدہ بھی آپ ہی کے مذہب میں ہے کہ قرآن میں آیات داخل کی گئیں جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطی نے اتقان صد۴۶ میں اس طرح لکھا ہے کہ سورۂ رعد (پ۱۳) کا شروع جو موجودہ قرآن میں آلمٓمٓرٓ سے شروع ہوتا ہے یہ بھی دراصل آلمٓ نازل ہوا تھا۔ اس میں ایک حرف زیادہ کر دیا۔ کیونکہ اس سورت میں رعد اور برق کا ذکر ہے۔ اسی طرح علامہ سیوطی نے احمد، بزاز، طبرانی اور ابن مردویہ سے ابن مسعود اور ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ ابن مسعود نے معوذتین (یعنی سورۂ الناس اور سورۂ الفلق) کو اپنے قرآن سے کاٹ دیا تھا اور کہتے تھے کہ قرآن میں غیر قرآن کو خلط ملط نہ کرو۔ یہ دونوں سورتیں کتابِ خدا میں شامل نہیں ہیں۔

(تفسیر در منثور جلد ۶ صد ۴۱۶)

اسی طرح امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ ابن مسعود سورت الفاتحہ اور معوذتین کو داخلِ قرآن ہونے سے انکار کیا کرتے تھے۔ (یعنی قرآن نہ سمجھتے تھے) (تفسیر کبیر۔ جلد ۱ صد ۱۶۹ مطبوعہ مصر)

اب ناظرین غور فرمائیں کہ اتقان، در منثور اور تفسیر کبیر سنیوں کی معتبر کتب سے یہ ثابت ہوا نہ تو سورت فاتحہ قرآن ہے اور نہ ہی سورۂ فلق اور سورۃ الناس۔ حالانکہ موجودہ قرآن میں یہ تینوں سورتیں موجود ہیں۔ فرمایئے سنیوں کے مذکورہ بالا حوالہ جات کے مطابق قرآن میں زیادتی ثابت ہوئی یا نہیں اب معترض کس بل بوتے پر ہم سے غیر قرآنی آیات کی نشاندہی طلب فرماتے ہیں۔

جب کہ خود اُن کے نزدیک ابتداء قرآن بھی غیر قرآنی آیات سے ہے اور انتہاء کلام بھی غیر کلام الٰہی ہے۔ حالانکہ ہمارا یہ عقیدہ ہرگز نہیں ہے۔

اعتراض ۸۸۵:- مذکورہ بالا عبارت کے مطابق وہ کون سی آیتیں ہیں جن میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی گئی ہے۔

جواب ۸۸۵:- مذکورہ بالا عبارت سے ہرگز یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ قرآن میں کوئی ایسی آیات موجود ہیں جن میں معاذ اللہ حضورؐ کی توہین ظاہر ہو۔ مگر موضوع تاویلات اور معنوی تحریفات کی روشنی میں ایسی رکیک باتیں لوگوں نے قرآن سے منسوب کر دی ہیں جن سے توہین رسولؐ ہوتی ہے مثلاً "اُمی" کی تاویل کر کے ان پڑھ معنی اخذ کر کے علم رسولؐ کا انکار کرنا اور انہیں معاذ اللہ جاہل ثابت کرنا یا لفظ "بشر" کی معنوی تحریف کر کے رسولؐ کو اپنے جیسا سمجھنا لفظ "ذنب" کی موضوع تاویلیں قیاس کر کے حضورؐ کو گنہگار و خاطی اعتقاد کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح قرآن سے اپنی موضوع تاویلات کی روشنی میں حضورؐ کاتبوں کی تعریف کرنا، بیان کرنا آپؐ کی توہین کے مترادف ہے۔

اعتراض ۸۸۶:- تفسیر صافی ص ۱۲ میں ہے کہ ان دو آیتوں کے درمیان تیسرے حصے قرآن سے زیادہ گرا دیا گیا ہے۔ کیا اس روایت کے پیش نظر موجودہ قرآن ناقص و النقص نہ ٹھہرا۔ ایسے عقیدے والے پر آپ کا کیا فتویٰ ہے؟

جواب ۸۸۶:- یہ تو دو آیتوں میں سے ایک تیسری آیت کے گرانے کا ذکر ہے۔ مگر آپ کے ہاں تو متعدد آیات کا ضائع ہونا مسلمہ ہے۔ مثلاً ہم نے ادھر ذکر کیا سورہ احزاب کی ۲۰۰ آیات میں سے صرف ۲، باقی ہیں اسی طرح سورہ توبہ کا صرف ۱/۴ باقی بچا اور ۳/۴ جاتا رہا۔ آیتوں کی تحریف کو تو جانے دیجیے سینکڑوں مثالیں نقل کر سکتا ہوں۔ آپ کے ہاں تو یہ بھی مرقوم ہے کہ قرآن کے سورے گرا دیے گئے۔ جیسا کہ امام سیوطی نے اتقان میں اور حسین بن

مناوی نے کتاب "ناسخ و المنسوخ" میں کہا ہے کہ:

"ومما رفع رسمه من القرآن ولم یرفع من القلوب حفظه سورتا القنوت فی الوتر وتسمی سورتی الخلع والحفد۔" یعنی منجملہ اِن سورتوں اور آیتوں کے جن کے نقوش قرآن سے اُٹھا لئے گئے ہیں مگر اِن کی یاد دِلوں سے نہیں گئی وہ دو سورے ہیں جو قنوت میں پڑھے جاتے ہیں اور سورہ الخلع اور سورہ الحفد کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ مگر اس وقت حضرت عثمان کے جمع کردہ قرآن میں اِن کا نشان نہیں پایا جاتا۔

اسی طرح مُلا مرزا محسن کشمیری نے دبستان المذاہب کے صد ۲۲۰ پہ لکھا ہے کہ ایک سُورہ "نورین" کے نام سے مشہور تھا جو اَب قرآن میں موجود نہیں ہے مولوی موصوف نے اِس پُورے سُورہ کی نقل بھی کی ہے اَب جب کہ آپ کے علماء و مشائخ نے اقرار کیا ہے کہ موجُودہ قرآن مکمل نہیں ناقص و انقص ہے تو یہ آپ کے گھر کی بات ہے خود ہی فتوے قائم کرتے رہیئے، ہمارے ٹانگ کیوں پکڑتے ہیں۔ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے ہی نہیں۔ کیوں کہ ہمارا ایمان مکمل و جامع قرآن مجید پہ ہے اور اِس کا جو حصہ اِس وقت ظاہر ہے بلاشبہ کلام خدا ہے اور جو حصہ ظاہر نہیں ہے وہ بھی کلام الٰہی ہے۔

اعتراض ۸۸۷: تفسیر صافی صد ۱۲ میں ہے کہ۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں:۔

ولو شرحت لک۔

کل ما اسقط وحرف	مجھے تقیہ مانع ہے ورنہ میں بتا
وبدل مما یجری	دیتا کہ قرآن مجید جو کچھ
هذا المجری لطال	قرآن سے ساقط کیا گیا
وظهر ما تحظره التقیه	اور تحریف و تبدیل کی گئی
الظاهره	ہے۔۔۔۔۔!

ذرّہ برابر بھی خفا نہ رہا۔ اس مسئلے میں کہ آپ حضرات تقیہ کی وجہ سے اپنے مسلک تحریف سے ہمیں آگاہ نہیں فرماتے ورنہ آپ قرآنی آیات کے اسقاط کے قائل بھی ہیں۔ اور تحریف کے بھی اور تبدیل کے بھی پس ایک آیت کے قائم مقام جب دوسری عبارت رکھ دی گئی تو قرآن پہ اعتبار نہ رہا۔ صحیح جواب عنایت فرمایئے ۔

جواب ۸۸۷:۔ مجیب عرض گذار ہے کہ مُراد حضرت امیرؑ کی اس عبارت سے ناسخ و منسوخ کلام بھی ہے آپ کو معلوم تھا کہ کون سی آیت منسوخ ہوئی اور اُس کی جگہ کون سی ناسخہ آئی۔ اور پھر یہ کہ کس ترتیب سے وحی کا نزول ہُوا اور تفسیر کلام کیا ہے کہ انہوں نے تقیہ کی خاطر ایسا نہ کیا کیونکہ حکومت نے ان کے پیش کردہ نسخہ قرآن کو لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور درپیش حالات کی موجودگی میں حضرت کا اپنے پیش کردہ نُسخہ پہ اصرار قبولیت کرنا یقیناً باعث افتراق، سبب انتشار اور وجہ ضعف مرکزیت و اتحاد تھا۔ لہٰذا سُنّت الہیہ کے مطابق سکوت اختیار کر لیا۔ جس پر خُدا نے اپنی پہلی کُتب کی قطع و برید پر خاموشی کو مصلحت سمجھا۔

چلیئے کم سے کم آپ نے اتنا تو تسلیم کر لیا کہ ہم تقیتہً مسلک تحریف کے قائل نہیں یہ بھی ہماری فوقیت ہے کہ بقول آپ کے ہم حرف و بدل کو مصلحتاً قبول نہیں کرتے۔ مگر آپ کی بے شرمی کا یہ حال ہے کہ مسلسل تحریف کے قائل بھی ہیں۔ اور انکار بھی کرتے ہیں پھر یہ کہ اُلٹا چور ہوتے ہوئے کوتوال کو ڈانٹتے ہیں ۔

ہمارا ایمان بالقرآن یہ ہے کہ اس میں تحریف کا ہونا محال امر ہے کیونکہ ناپاک ہاتھ اس تک رسائی ہی نہیں پا سکتے لیکن آپ کے چند علماء اقبال کرتے ہیں کہ آپ کا قرآن محرف ہے مثلاً" آیت صلوٰۃ ہے "حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ وقوموا للّٰہ قانتین سے" پ۲۔ یعنی تمام

نمازوں کا عموماً" اور درمیانی نماز کا خصوصاً تحفظ کرو۔ اور نماز میں اللہ کے آگے قنوت میں کھڑے رہو۔ (شیعوں کا نماز میں قنوت کھڑا ہو کر پڑھنا اِس آیت سے ثابت ہے)

اب مستند روایات اہلِ سُنّۃ والجماعۃ سے اِس آیت کی تحریف ملاحظہ فرما لیجئے۔

"تفسیر درمنثور مطبوعہ مصر جلد اول صـ۳۰۲ میں امام سیوطی تحریر کرتے ہیں کہ تخریج کیا ہے۔ مالک ابو عبیدہ، عبد بن حمید، ابو یعلےٰ، ابن جریر، ابن الانباری نے المصاحف میں اور بیہقی نے سنن میں عمرو بن رافع سے کہ عمرو بن رافع نے کہا کہ حفصہ زوجہ پیغمبر صلعم کے لئے میں قرآن میں لکھ رہا تھا کہ حفصہ نے کہا جب حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطیٰ تک پہنچو تو مجھ سے پوچھ لینا۔ عمرو کہتا ہے کہ میں جب اس آیت پر پہنچا تو میں نے حفصہ سے حکم پوچھا۔ بی بی نے یہ آیت مجھے اس طرح املا کرائی حافظو علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطیٰ والصلوٰۃ العصر وقوموا للہ قانتین۔ اور فرمایا میں شہادت دیتی ہوں کہ میں نے اِس آیۃ کو اسی طرح رسولؐ سے سُنا ہے۔ سیوطی نے بالکل ایسی ہی روایت اِسی جگہ پہ ابی یونس سے نقل کی ہے جو بی بی عائشہ کا کاتب تھا۔ اِس روایت کو مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، مالک، احمد، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی داؤد ابن الانباری اور بیہقی نے اپنی کتب میں بی بی عائشہ سے تخریج کیا ہے۔"

اب بتایئے اِس میں ہمارا کیا قصور ہے مسلمانوں کی دو مائیں گواہ ہیں کہ "والصلوٰۃ والعصر" کا جملہ بمطابق قولِ سنیہ آیت میں سے گرا دیا ہے۔

آیتِ تبلیغ:۔ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس ۵ (پ۶) اِس وقت قرآن میں موجود ہے یعنی اے رسول صلعم جو حکم، تم پر تمہارے خدا کی جانب

سے نازل ہوا ہے (بلا کم و کاست لوگوں کو) پہنچادو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو سمجھا جائے گا کہ تم نے رسالت کا کوئی کام ہی نہیں کیا۔ اور اللہ تم کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔" اب ذرا سُنیوں کا اقبالِ جرم تحریف ملاحظہ فرمایئے کہ اس آیت کی قائم مقام آیت کون سی ہے۔ علامہ سیوطی رقمطراز ہیں کہ اخراج کیا ابنِ مردویہ نے ابنِ مسعود سے کہ حضورؐ کے زمانہ میں ہم صحابہ اس آیت تبلیغ کو اس طرح پڑھتے تھے۔

یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولی المومنین فان لم تفعل فما بلغت رسالته والله یعصمک من الناس " مگر اس وقت ان علیا مولی المومنین کا جملہ قرآن میں موجود نہیں ہے۔

فرمایئے جب عہدِ نبویؐ میں "ان علیا مولی المومنین" بمطابق روایت سُنیہ مذکورہ قرات ہوتا رہا۔ تو پھر اس کے اخراج و تحریف کا کسی کو کیا حق تھا۔ مگر یہ جملہ آیت سے نکال لیا گیا۔ جب سُنیوں کے نزدیک ابنِ مسعود راوی ثقہ سیوطی سُنیوں کا مُسلّم امام در منثور معتبر و مشہور تفسیر اس پر بھی اگر تم علیؑ کا نام قرآن سے نکال دینے کے بعد مسئلہ تحریف قرآن میں خود کو پاک دامن بناؤ تو یہ اُلو بنانے کے سوا اور کوئی کھیل نہ ہوگا۔ چلئے بقول شما ہم نے پھر بھی تقیہ کا پردہ اوڑھ لیا۔ مگر آپ تو بالکل برہنہ نظر آتے ہیں۔ قرآنی آیات کے اسقاط کے لئے علانیہ مقر بھی ہیں اور تحریف کے قائل بھی۔ ترمیم کے بھی اقبالی ہیں اور اضافہ کے معترف ہیں۔ آیت کے مقابلہ میں دوسری آیت بھی رکھتے ہیں۔ جب یہ سب کچھ کرنے کے باوجود آپ اپنے ایمان کو معتبر خیال کئے ہوئے ہیں۔ تو پھر ہماری علانیہ تحریف سے لاتعلقی کے باوجود آپ ہمارے ایمانوں پر کس طاقت کے سہارے اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم صدیوں سے اعلان کر رہے ہیں کہ ہم قرآن مجید کو کلامِ الٰہی مانتے ہیں۔ اس میں تحریف کے قائل نہیں ہیں۔ ایسی تمام روایات ہمارے نزدیک ناقابلِ قبول ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ خدا کے کلام میں کوئی مخلوق رد و بدل نہ کر

سکا۔ وہ ہر ترمیم سے پاک اور محفوظ ہے۔ لیکن خدا کی قسم آپ کا تو قرآن کی ایک آیت پر بھی ایمان ثابت نہیں ہے کیونکہ آپ کے مذہب میں ابھی تک حقیقت و ماہیت قرآن کا فیصلہ بھی نہیں ہو سکا ہے۔ اور آپ عبارت متنِ قرآن کو قرآن ہی تسلیم نہیں کرتے جیساکہ آپ کا قول ہے کہ "صرف معانی کا نام قرآن ہے۔" جبریل صرف معنی لائے پھر رسول نے عربی میں اِسکی تعبیر کر دی۔"

(اتقان جلد ۱ صہ ۴۲)

اعتراض ۸۰۸۔ تفسیر صافی صہ ۱۲ میں ہے

المستفاد من مجموع هذه الاخبار وغيرها من الروايات من طرق اهل البيت ان القرآن الذي بين اظهرنا ليس بتمامه كما انزل على محمد بل منه ما هو خلاف ما انزل الله ومنه ما هو مغير محرف وانه قد حذف عنه اشياء كثيرة۔

اِن حدیثوں اور اُن کے علاوہ اہل بیت کی روایات سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ قرآن پورا وہی نہیں ہے جو کہ حضرت محمدؐ پر نازل ہوا تھا۔ بلکہ بعض تو اصلی نازل شدہ قرآن کے خلاف ہے اور بعض متغیر ہے اور اِس سے بہت سی چیزیں حذف کر دی گئی ہیں۔!

کیا اِس سے ثابت نہ ہوا کہ موجودہ قرآن محرف بھی ہے مبدل بھی ہے اور کلام الٰہی کے خلاف ہے کیا اَب بھی ایسے اعتقاد رکھنے والے کے متعلق ہم ایمان بالقرآن کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

جواب ۸۰۸۔ صاحبِ تفسیر صافی نے ازالہ شبہ اور رفع شک کی خاطر مفروضاً یہ عبارت عقیدہ تحریف کے خلاف قلم بند کی ہے اور بحث کر کے ثابت کیا ہے کہ اِن روایات کا تعلق متن قرآن مجید سے نہیں ہے بلکہ تاویلی توضیحات

سے ہے لیکن چونکہ معترض کی بنیاد ایمانی ہی تحریف پر قائم ہے اس لئے انہوں نے علمی خیانت کرتے ہوئے اس مفروضہ عبارت کو نقل کر کے اعتراض وارد کیا ہے حالانکہ مفسر نے خود ہی اس پوری عبارت کی تردید کر دی ہے جو آئندہ نقل کی جائے گی۔ دراصل صاحبِ تفسیر نے یہ مفروضہ قائم کر کے بڑی عمدہ بحث کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ہم تحریف کے قائل نہیں ہیں۔ اس کے برعکس سُنی مذہب کے مطابق قرآن محرف بھی ہے اور مبدل بھی نیز کلام خدا کے خلاف بھی ہے۔ بلکہ اُن کے مذہب میں قرآن سے مراد کوئی لفظی کتاب ہے ہی نہیں۔ بلکہ وہ صرف معانی اور مطالب کو قرآن سمجھتے ہیں۔ پس میں کہتا ہوں کہ جب اِن کا ایمان و عقیدہ یہ ہے کہ لفظی قرآن، قرآن ہی نہیں بلکہ صرف معنوی قرآن قرآن ہے تو پھر اُن کا ایمان کلام خدا پر نہ رہا۔ بلکہ صرف فہم قرآن پر ہوا۔ اندریں صورت معترض کو منکر کلام الٰہی ہوتے ہوئے یہ حق ہی نہیں ہے کہ کتاب خدا کے ایمان پر گفتگو کریں۔ کلام کی تحریف پر وہ آدمی بولے جو کلام پر ایمان لائے جب کہ سُنی معنی و مفہوم کو مانتے ہیں کلام کو منزل ہی اعتقاد نہیں کرتے۔ یعنی پورے قرآن کی عبارت سے انکار کرتے ہیں۔ جبکہ ہم کلام و کلیم دونوں پر اعتقاد کرتے ہیں۔ تحریف کے قائل نہیں ہیں۔ پس ہمارا دعوٰے ایمان سچا و پختہ ہے اور آپ کا تو ایمان ہی نہیں ہے اور کچھ نہیں تو عدم وجود سے نقصِ وجود بہتر مان لو۔

اعتراض ۔ ۴۸۹ ۔ جب اس میں تصریح کر دی گئی ہے کہ اہل بیت کی روایات سے قرآنی تحریف مستفاد ہوتی ہے۔ پس محبت اہل بیت کے مدعیان کیا اس کا انکار کر سکتے ہیں۔؟

جواب ۔ ۴۸۹ ۔ جب خدا نے قرآن میں یہ تصریح کر دی ہے کہ یہ اکثر کو گمراہ کرتا ہے اور آیات متشابہات کی تاویلیں بھٹکا دیتی ہیں تو کیا توحید کے پرستار اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ خدا کی کتاب گمراہی کا سبب بھی ہو سکتی ہے۔ جو جواب قرآن صامت کیلئے نام نہاد توحید پرستوں کا ہوگا وہی جواب محبین اہل بیت کی جانب سے سمجھ لیجئے۔ کہ اہل بیت بھی قرآن ناطق ہیں اور صامت

قرآن سے جدا نہیں ہیں۔ ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔ لیکن صاحب صافی نے یہ بات تحریر نہیں کی ہے کہ اہلِ بیتؑ کی روایات سے قرآنی تحریف مستفاد ہوتی ہے۔ بلکہ یہ محض فرضاً و تمثیلاً افہام و تفہیم کی خاطر لکھا گیا ہے جس کی تردید عبارت کے خاتمہ پر کر دی گئی ہے۔

اعتراض نمبر ۸۹۰: اگر یہ فکر کیا جائے کہ اس پوری کی پوری عبارت کو نقل کر کے صاحب تفسیر نے اس کی تردید کر دی ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے۔

ان صحت هذا الاخبار	اگر حدیثیں صحیح ثابت ہو جائیں
فلعل التغيير انما وقع	تو شاید تغیر واقع ہوئی ہے تو
فما لا اخل بالمقصود	اس میں سے جن سے مقصود
كثيرا۔	میں زیادہ خلل واقع نہ ہو۔

فرمایئے اس عبارت میں صاحب تفسیر نے تغیر کا انکار کیا ہے یا اقرار۔

جواب نمبر ۸۹۰: خدا کا شکر ہے کہ اس نے سچی بات مخالف ہی کے منہ سے اگلوا دی اور اس نے قبول کر لیا کہ صاحب تفسیر نے اپنی پوری عبارت کی تردید کر دی ہے لہٰذا مجھے ثبوت پیش کرنے کی زحمت سے چھٹکارا مل گیا۔ اب جواب طلب امر کی جانب آیئے کہ اصول عدالت یہ ہے کہ شہادت یقینی ہونی چاہیئے نہ کہ شکی۔ آپ نے جو عبارت نقل فرمائی وہ حتمی نہیں فرضی ہے اور گواہی کے درمیان اگر و بالفرض کی قید ممنوع ہوتی ہے اس عبارت سے بھی ہمارے مطلب کو تقویت ملتی ہے کہ اگر بالفرض ان روایات کو صحیح مان لیا جائے جن سے تحریف کا شبہ گزرتا ہے تو بھی تغیر و تبدل و خلل اصلِ مقصود (قرآن مجید) پر واقع نہ ہوگا بلکہ تاویلات و توضیحات سے متعلقہ ہوگا۔ اس عبارت میں صاحب صافی نے بالوضاحت تغیر کلام الٰہی کا انکار کیا ہے اور تاویلات میں ردوبدل کا اقرار کیا ہے۔

اعتراض ۸۹۱: صاحب تفسیر صافی کا غدر کب مسموع ہو سکتا ہے جب کہ مُلا باقر مجلسی نے مرأۃ العقول شرح الفروع والاصول صد ۱۷۱ جلد ۱ میں تصریح کر دی ہے۔

والاخبار من طریق الخاصہ والعامۃ فی النقص والتغییر متواترۃ	قرآن مجید کے نقص اور تغیر کے سلسلہ میں حدیثیں متواتر ہیں۔

فرمائیے کیسی ہے طبعیت؟

جواب ۸۹۱:

علامہ مجلسیؒ کے اس جگہ کا یہ مطلب ہرگز خلاف واقع ہے جو معترض نے ترجمہ کر کے اخذ کیا ہے اوّل" تو لفظ حدیث کا وجود ہی نہیں بلکہ "اخبار" ہے حدیث اور اخبار میں اتنا فرق ہے جتنا معصوم اور غیر معصوم میں ہوتا ہے۔ اور پھر یہاں متواتر سے مراد حدیث متواتر نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ حدیث متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں جو زمانہ پیغمبرؐ میں بھی مشہور ہو۔ جب کہ کوئی ایک بھی شخص اس کا قائل نہیں ہے کہ حضورؐ کے دور میں تحریف ہوئی۔ اور پھر ہر طبقہ میں آگے تواتر ہونا چاہیئے۔ دراصل علامہ مجلسی کی مراد یہ ہے کہ نقص و تغیّر کی اخبار جو ہر خاص و عام طریقے سے (یعنی شیعہ سُنی روایات) ملی ہیں مسلسل ہیں۔ اور ان اخبار کا تعلق یقیناً" کلام خدا سے نہیں ہے بلکہ موضوع تاویلات سے ہے کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن مجید میں ایک حرف بلکہ ایک نقطہ تک مبدل و محرف نہیں ہو سکتا ہے۔ جب کہ آپ کا اعتقاد قرآن مجید کے بارے میں اس روایت سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

ابو عبیدہ نے فرمایا! ہم سے حجاج نے ہارون بن موسیٰ کی حدیث بیان فرمائی وہ کہتے تھے کہ مجھ سے زبیر بن حریث نے عکرمہ کی زبانی خبر بیان کی اُس نے کہا جبکہ مصاحف (قرآن) مکتوب ہونے کے بعد حضرت عثمان کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے ان مصاحف میں کچھ غلطیاں پائیں تو فرمایا انہیں بدلنا مت کہ

عرب اِن کو ٹھیک کر لیں گے۔" (اتقان جلد ۱ صہ ۱۸۴)

غلطیوں کا ہونا محرف ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ جب خود جامع القرآن اغلاط کا معترف ہو تو پھر اور کسی گواہی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اب سنائیے حال کیسا ہے جناب کا۔ جواب دیجئے سوال کا۔!

اعتراض ۸۹۲:- فرمائیے کیا فصل الخطاب میں تصریح نہیں کی گئی۔

ان الاصحاب قد اطبقوا علی صحۃ الاخبار المستفیضۃ!	بلاشبہ علماء کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ تحریف قرآن کے سلسلے میں حدیثیں صحیح ہیں اور کثیر ہیں۔

جواب ۸۹۲:- جی نہیں آپ نے اُلٹا مطلب نکالنا چاہا ہے۔ مُراد اس سے یہ ہے کہ لوگوں میں بہت کم افراد نے ایسی اخبار کو صحیح تسلیم کیا ہے۔

اعتراض ۸۹۳:- کیا مرأۃ العقول صہ ۵۳۶ میں یہ عبارت موجود نہیں ہے۔

ولا یخفی ان ھذا الخبر وکثیر من الاخبار الصحیحۃ دالۃ علی التغییر۔!	مخفی نہ رہے یہ بات کہ یہ حدیث اور بہت سی حدیثیں بتاتی جاتی ہیں کہ قرآن میں تبدل و تغییر واقع ہوچکا ہے۔!

جواب ۸۹۳:- یہاں بھی لفظِ حدیث استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ اخبار ہے اور اِس تغییر سے مراد تاویلات موضوعہ ہیں نیز اس عبارت روایت میں لفظ قرآن بھی نہیں ہے۔ اور گفتگو تاویلات ہی سے متعلق ہے۔

اعتراض ۸۹۴ :- کیا مرأۃ العقول ص۱۷ میں یہ تصریح نہیں ہے ۔ ؟

ذھب الکلینی والشیخ المفید وجماعتہ الی ان جمیع القرآن عند الائمۃ!

محمد بن یعقوب کلینی مصنف اصول کافی اور شیخ مفید اور شیعوں کی بڑی جماعت اس طرف ہے کہ پورا قرآن اماموں کے پاس ہے ۔

اب جو غیر قرآن غیر آئمہ کے پاس ہے وہ ناقص ثابت ہوا یا نہ ؟ اور جو قرآن آئمہ کے پاس تھا اُسے اُنہوں نے چھپایا نہ ؟ -

جواب ۸۹۴ :- یہ درست ہے کہ قرآن کا وہ نسخہ جسے حضورؐ نے املا کروایا تھا۔ اور اس میں تمام حواشی و تفاسیر آنحضرتؐ نے قلمبند کروائے۔ جسے حضرت علیؑ نے اکٹھا کر کے حکومت کو پیش کیا۔ جسے برسرِ اقتدار طبقے نے لینے سے انکار کر دیا اماموں کے پاس ہے اب جو قرآن غیر آئمہ کے پاس ہے وہ آئمہ کے نسخہ قرآن کے مقابلہ میں تھوڑا ہے ۔ اور نقل بمطابق اصل نہیں ہے اس لئے علماء سُنیہ نے اس میں غلطیاں تسلیم کی ہیں۔ جیسا کہ ابن الانباری نے بطریق ابو بشر سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ تلاوت کرتے تھے والمقیمین الصلوٰۃ اور کہتے تھے یہ بات کہ قرآن میں کاتبوں سے یہ غلطی ہوئی ہے ۔ (اتقان جلد ۱ ص ۱۸۴)

پس چونکہ نقل بمطابق اصل نہیں ہے از روئے مسلک اہل سنۃ والجماعۃ ان کا قرآن جو غیر آئمہ کے پاس ہے ناقص ٹھہرا۔ کیونکہ نقل کی غلطی اصل کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے اصل نسخہ قرآن جو آئمہ کے پاس ہے تمام نقائص و اغلاط سے پاک و منزا ہے۔ بروئے قرآن مجید غیر آئمہ قرآن کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔ لہٰذا غیر آئمہ کے قرآن کو اصلی کہنا اصلاً خلاف نص اصول

ہے۔ اور جس طرح خدا نے لوحِ محفوظ میں قرآن مجید کو چھپایا ہے۔ اُسی طرح آئمہ نے بحکم خدا اُسے پوشیدہ کیا ہے اور ضرورت کے وقت اُسے ظاہر کیا جائے گا۔

اعتراض ع۸۹۵ :۔ کیا مراٰۃ العقول ص۱۷۱ میں فیصلے کے طور پر اِس مسئلے کو بیان نہیں کیا گیا۔

والعقل یحکم بانہ — **عقل حکم کرتا ہے کہ جب قرآن**
اذا کان متفرقاً منتشراً — **لوگوں کے پاس متفرق و منتشر**
عند الناس الخ — **تھا۔ الخ**

کہ صحیح عقل کا یہ فیصلہ ہے کہ جب قرآنی آیات منتشر ہوئے، متفرق ہوں، غیر معصوم لوگوں کے پاس ہوں۔ جمع کرنے والے بھی غیر معصوم تو لامحالہ غلطی کا وقوع یقینی ہے۔

جواب ع۸۹۵ :۔ علامہ مجلسیؒ کی اِس رائے کے خلاف کہنا بالکل ایسا ہوگا جس طرح چڑھا سورج دیکھ کر روزِ روشن کا انکار کر دیا جائے۔ اور کہا جائے کہ ابھی رات ہے نقلِ قرآن میں اغلاط سہوی کا رہنا بالکل ممکن ہے اور عملاً ایسی مثالیں موجود ہیں کہ آج بھی قرآنی نسخوں میں اغلاط ہوتی رہتی ہیں۔ اور حکومت پاکستان نے مجبوراً نیا قانون وضع کیا ہے کہ نقلِ قرآن میں احتیاط کی جائے۔ اور غلطی کی صورت میں تعزیر کا حکم دیا گیا ہے۔ عقل کا یہ فیصلہ اپنی جگہ اٹل ہے لیکن یہ بات نقل سے مکمل طور پر ثابت ہے کہ اہلِ سُنّت کے بقول خود جامع القرآن حضرت عثمانؓ نے غلطیوں کی موجودگی اور وقوع کا اعتراف کیا ہے۔ کتب سُنّیہ سے ایسی مثالیں کثیر تعداد میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً علامہ جلال الدین سیوطی کی اتقان کی دوسری جلد کے ص۲۵ پر ہے کہ"

" علامہ ابو عبیدہ نے فرمایا کہ ہم سے حجاج نے ابنِ جریح کی روایت بیان کی۔ اُس نے کہا کہ مجھے ابنِ ابی حمید نے حمیدہ بنتِ ابو یونس نے خبر دی۔ حمیدہ نے کہا میرے سامنے حضرت ابی بن کعب نے درآنحالانکہ وہ اسّی برس کے تھے مصحف عائشہ

ہیں یہ آیت پڑھی ۔

ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلو علیہ وسلموا تسلیما وعلی الذین یصلون الصفوف الاول ۔

حمیدہ نے کہا عثمان کے تغیر" مصاحف سے پہلے کا یہ واقع ہے۔" (یہ روایت صحیح ہے کہ سنیوں نے اس پر کوئی جرح وقدح نہیں کی۔)

اب جب حکم عقل ونقل سے آپ کے مذہب کے مطابق جامع القرآن مجرم تحریف قرار پاتے ہیں۔ اور آپ کے مسلک کی رو سے آپ کا قرآن محرف وناقص ثابت ہوتا ہے۔ تو پھر آپ شیعوں سے بحث کرکے اپنا بھرم کیوں گنواتے ہیں پہلے اپنے علماء کے ایمان کی حفاظت کرو پھر ہمارے ساتھ بات کرو ۔ ہم تو غیر معصوم اور قرآن کے باہمی انسلاک کے قائل ہی نہیں الحمد للہ ہمارا قرآن محفوظ ہے۔

اعتراض ۸۹۶:- علامہ باقر مجلسی اصفہانی گیارہویں صدی کے مجتہد کے اس فیصلے سے آپ کو اتفاق ہے یا اختلاف اگر اتفاق ہے تو فہو المقصود اور اگر اختلاف ہے تو وجوہ اختلاف پر روشنی ڈالیے۔؟

جواب ۸۹۶:- علامہ مجلسیؒ کے مرقوم بالا قول سے مجھے اتفاق ہے اور سنی" علماء بھی اس سے متفق ہیں زمانہ عثمان میں مدینہ کی جماعت صحابہ نے ان اصحاب کو تحریر کیا جو مصر میں رہائش پذیر تھے کہ" خدا کی کتاب میں تبدیلی کی گئی ہے ۔

(الامامت والسیاست ج ۱ ص ۵۹)

جب اہل مدینہ صحابہ کی ایک جماعت نے اس تبدیلی کا ذکر کیا اور احتجاج کیا تو علامہ مجلسیؒ کے محض عقلی استدلال پر آپ سیخ پا کیوں ہو رہے ہیں حالانکہ علامہ موصوف کی مراد امکان غلطی بسبب عدم معصومیت کو استحکام دینا ہے اور عقیدہ عصمت وطہارت کو تقویت پہنچانا ہے۔

اعتراض ۸۹۷ :۔ تفسیر صافی صد ۱۳ میں مشائخ اہل تشیع کا قول ملاحظہ فرما کر تائید فرمائیے یا اظہار برأت

اما اعتقاد مشائخنا فی ذالک فالظاہر من ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب الکلینی طاب ثراہ انہ کان یعتقد التحریف والنقصان۔!	ہمارے مشائخ کا عقیدہ تحریف قرآن کے سلسلے میں پس ظاہر ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی سے یہ ہے کہ وہ تحریف و نقصان قرآن کا عقیدہ رکھتا ہے۔

جواب ۸۹۷ :۔ ہم اس قول کی تائید کرتے ہیں کہ ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کلینیؒ تحریف کے متعقد ہیں لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے بلکہ آنجناب صرف تاویلات و تشریحات و تفسیری حاشیوں کی تحریف ورد و بدل کے قائل تھے۔ قرآن سے مراد اُن کی مصحف علیؑ تھا جو حضورؐ نے املاء کرایا تھا۔ اور اُس میں تمام توضیحات و علوم مشرح تحریر تھے۔ صاحب تفسیر صافی نے بھی آگے جاکر اسی غلط فہمی کو دُور کیا ہے کہ جو ظاہراً ایسا دکھائی دیتا ہے کہ کلینی تحریف کے قائل تھے وہ تحریف دراصل قرآن مجید کی نہیں ہے بلکہ مُراد وہ تشریحات ہیں جو بطور نٹ نوٹ حضورؐ نے قلمبند کرائے تھے جن کو گرا دیا گیا اور اپنی من پسند تاویلات جما دی گئیں۔

اعتراض ۸۹۸ :۔ یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ وہ تحریف کا قائل ہے۔ جب آپ نے محمد بن یعقوب کو مشائخ میں سے تسلیم کر لیا۔ نیز ثقۃ الاسلام بھی کہہ دیا تو کیا ہم حق بجانب نہیں کہ ہم آپ کو بھی انہی قائلین تحریف کی صف میں شمار کریں۔

جواب ۸۹۸ :۔ اولاً حضرت ثقۃ الاسلام جناب کلینیؒ اس تحریف کے قائل نہیں ہیں لیکن اگر بالفرض محال ہوں بھی تو وہ مشائخ و ثقۃ الاسلام کہلوانے

کے حق سے محروم نہیں کیئے جا سکتے۔ کیونکہ حضرت ابو بکر سے لے کر دورِ حاضر کے جید علماء اہلِ سُنت نے اقرارِ تحریف کیا ہے۔ ہم نے گذشتہ صفحات مسلکِ سُنیہ کے مطابق حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابو درداء، حضرت ابو کعب، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ اور حضرت علی علیہ السلام وغیرہ کے اقوال سے تحریف ثابت کی ہے۔ جب یہ صحابہ و صحابیات بھی اِسی قطار میں کھڑے نظر آتے ہیں پھر کلینیؒ کی اور ہماری لائن الگ کیوں بناتے ہیں۔ پہلے اپنی صف کو دیکھو پھر ادھر نظر کرو۔ ہم پر تو محض تفسیری نوٹوں کی تحریف کے الزام میں اِس طرح اودھم مچا رکھا ہے جیسے کسی نامرد نے بچہ جنا ہو۔ مگر کچھ اپنی بھی خبر لو کہ تمہارے قرآن کا ایک حرف بمطابق مسلک شُما قابلِ اعتبار نہیں۔ کیونکہ یہ نص آپ کے مذہب کے مطابق حدیثِ متواتر سے قائم ہے کہ قرآن حرف سبعہ میں نازل ہوا۔ علامہ سیوطی نے اکیس صحابہ سے یہ حدیث نقل کی ہے جن میں عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان جیسے سُنی راشد خلیفے بھی شامل ہیں۔ لیکن اِس بات پر سخت تعجب ہے کہ سیوطی لکھتے ہیں " اختلاف کیا گیا ہے آیا مصاحف عثمانیہ مشتمل ہیں کل حرف سبعہ پر۔ پس فقہا اور قاریوں اور متکلمین کی جماعتوں کا اِس کے خلاف مذہب ہے۔ اُنہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے۔ اِس بات پر کہ قرآن میں کسی حرف کی نقل چھوڑ دینا ہرگز صحابہ کو جائز نہ تھا۔

(بقول سیوطی) حالانکہ صحابہ نے اتفاق کیا تھا اِس بات پر کہ صحف عثمانیہ نقل کئے جائیں اِن صحیفوں سے جو ابو بکر نے لکھتے تھے اُن کے ماسوا کو چھوڑ دینے پر صحابہ نے اتفاق کر لیا۔" (اتقان جلد ۱ ص ۵۱)

الحاصل فقہائے اہلِ سُنت اور سُنی قاریوں اور متکلمین کے اقوال ناقابل انکار سے آپ کے جرم تحریف کی پردہ پوشی نہیں ہو سکتی اور آپ کو قائلین تحریف کی صف سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

اعتراض ۵۹۹ :۔ اگر یہ فکر کریں کہ تفسیر صافی کے صد ۱۲

سطر ۲۵ میں مندرج ہے۔

اِنّ القرآن علی عهد الرسول الله صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کان مجموعاً مؤلفاً علی ما ھو الآن	بلاشبہ قرآن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں مجموعہ مولف اسی طرح تھا جیسا کہ آج ہے۔

تو ذرا سطر ۲۲ پر نظر ڈال کر بتلایئے کہ کیا اس میں آپ کے نظریے کی نقاب کشائی نہیں کی گئی۔

واما کونه مجموعاً فی عهد النبی علی ما ھو علیہ الآن فلم یثبت۔!	بہرحال قرآن کا حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جمع ہونا جیسا کہ آج ہے یہ ثابت نہیں۔

جواب ۸۹۹:۔ اس میں رتی بھر بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پورا و مکمل و مشرح نسخہ قرآن املا کروایا۔ اور اُمت کو کتاب اللہ و عترت کے حوالہ کیا۔ اور موجودہ قرآن کا نسخہ نقل بمطابق اصل نسخہ نہیں ہے بلکہ نُسخہ رسول صؐ میں تحریر شدہ وہ اضافی عبارتیں جن میں علوم کے سمندر تھے اور گمراہی سے نجات کے طریقے تھے۔ قدسی احادیث تھیں اس حالیہ مجموعہ میں موجود نہیں ہیں ان کی جگہ خود ساختہ تشریحات لکھ دی گئیں ہیں۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ قرآن کا اصلی نُسخہ زمانہ حضور صؐ میں موجود تھا اور جس طرح وہ تھا اب بھی ویسا ہی موجود ہے مگر جو نقل بنائی گئی وہ ایسی مکمل و مشرح نہ بنائی گئی جس طرح نسخہ اصل ہے۔ گو کہ کلام الٰہی میں تغیر ممکن نہ ہو سکا مگر تشریح و تاویل کا خشر کر دیا گیا۔

اعتراض ۹۰۰:۔ صاحب تفسیر صافی صؔ ۱۲ میں تصریح کی ہے کہ۔

قد حذف عنہ اشیاء کثیرۃ منھا اسم علی	بے شک قرآن سے بہت سی چیزیں حذف کی گئی ہیں۔

فی کثیر من المواضع ومنها لفظ آل محمد غیر مرۃ و منها الفاظ المنافقین فے مواضعها وغیر ذالک!

حضرت علیؑ کا نام بہت سے مقامات سے اسی طرح لفظ آل محمد بہت مرتبہ اور بعض جگہ منافقین کے نام تھے وہ بھی گرا دیے گئے ہیں

جواب ۹۰۰:- اس مبینہ حذف سے مراد وہی چیزیں ہیں جو بطور تشریح وتفسیر حضور ص نے لکھوا دی تھیں۔ ہم کلام الٰہی کے رد وبدل کے معترف نہیں ہیں۔ جب کہ آپ کے ہاں آیات تک کا اخراج بھی شامل ہے جیسا کہ مسلمہ بن مخلد انصاری نے کہا کہ مجھے قرآن کی وہ دو آیتیں بتاؤ جو مصحف میں مکتوب نہیں ہیں ـــ پس کسی نے ان کو یہ نہ بتائیں۔ پس ابوالکنود سعد بن مالک ان کے پاس بیٹھا تھا مسلمہ نے دونوں آیتیں تلاوت کیں۔" (انقان ص ۳۱۷)

اعتراض ۹۰۱:- قرآن مجید کی موجودہ ترتیب آپ کے نزدیک قابلِ قبول ہے یا نہ؟

جواب ۹۰۱:- موجودہ ترتیب ہم قبول کرتے ہیں مگر ہم اس ترتیب کو نزولی تسلیم نہیں کرتے۔

اعتراض ۹۰۲:- اگر قابلِ قبول نہیں ہے تو کیا آیات کی ترتیب یا سورتوں کی یعنی ایسی ترتیب جس سے دین کے اثبات پر حرف آتا ہو .... اگر قابلِ قبول ہے تو ذیل کی عبارت کا کیا جواب ہے ـــ؟

لیس ھو علی الترتیب المرضی عند اللہ وعند رسولہ (تفسیر صافی ص ۱۳)

قرآن کی ترتیب خدا کی رضا کے مطابق نہیں ہے اور نہ رسولؐ کی رضا کے موافق ہے۔!

جواب ۹۰۲:- الوہیں یہ ترتیب نزول نہ ہوتی اور یہ اعتقاد کرتے کہ اس ترتیب سے اثبات دین پر حرف آتا ہے تو ہم قرآن ہی دوسرا بنا لیتے۔ ہمارا نظریہ حرف

یہ ہے کہ یہ ترتیب بمطابق نزول نہیں ہے۔ یہی بات صاحب تفسیر صافی نے لکھی ہے
کہ یہ ترتیب اس ترتیب کے موافق نہیں ہے جو خدا نے رسول پر نازل کی ہے اور مرضی"
سے مطلب موافقت ہے نہ کہ رضامندی۔ مذہب سنیہ کے نزدیک بھی موجودہ ترتیب
بمطابق نزول نہیں بلکہ غیر توفیقی ہے۔ جیسا کہ لکھا۔ ہاں! ترتیب آیات کے توفیقی ہونے
پر اس حدیث سے اشکال وارد ہوگا جس کو ابن ابوداؤد نے المصاحف میں محمد بن اسحاق
کے طریقہ سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے یحیی بن عباد بن عبداللہ سے اس نے اپنے والد زبیر سے
روایت کی ہے زبیر نے کہا حارث بن خزیمہ آخر سورہ برات کی یہ دو آیتیں لائے اور
بولے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ دونوں آیتیں رسول اللہ سے سماعت کر کے یاد
رکھی ہیں۔ عمر بن خطاب نے کہا واللہ میں بھی شاہد ہوں کہ میں نے ان دونوں کو سنا
ہے۔ کاش کہ یہ تین آیتیں ہوتیں تو میں ان کا جداگانہ سورہ بنا دیتا۔ خیر اب تم قرآن مجید کا
آخری سورہ دیکھو اور ان دونوں کو اس میں لگا دو۔" (اتقان جلد نمبر ۱ صفحہ ٦٣)

اس سے ظاہر ہوا کہ اصلاً قرآن کے آخر میں سورہ برات تھی اور اب قرآن مجید میں
یہ سورہ نواں ہے۔ پس اگر جناب عمر والا قرآن جس پر وہ ایمان رکھتے تھے بمطابق
تعلیم رسول تھا۔ تو یہ قرآن جو موجود ہے اور جس کے آخر میں حسب حکم عمر یہ سورہ برات
نہیں ہے۔ سنی مذہب اور عمر کی نظروں کے مطابق غلط و محرف ہے۔ اور معترض کے مطابق
غلط و محرف قرآن پر ایمان ممکن ہے۔ لہذا معترض بقول خود مومن بالقرآن نہیں ہیں
اور نہ ہو سکتے ہیں۔ اور اگر موجودہ قرآن صحیح ہے تو حضرت عمر والا قرآن غلط ہوگا۔
اور اگر موجودہ قرآن صحیح ہے تو خلیفہ جی کا ایمان جاتا رہے گا۔ اب ہم پر ترتیب کے
اعتراض کو تو گولی مار دیجئے اور اپنے فاروق اعظم کے ایمان کو بچائیے۔ واضح ہو کہ
اس حدیث کو موضوع بھی کہہ کر جان نہیں چھڑائی جا سکتی۔ کیونکہ علامہ سیوطی نے
اسے غلط نہیں سمجھا ہے۔ اور اس پر کوئی نقد و جرح نہیں کی ہے پس اسی روایت
سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ کے قرآن کے مطابق اس قرآن کی ترتیب نہیں ہے۔ ختم

اعتراض نمبر ۹۰۳: اگر آپ قائل تحریف نہیں ہیں تو ذیل کی عبارت
کا جواب دیجئے جبکہ یہ عبارت موجودہ قرآن میں نہیں ہے۔

و اما ما کان خلاف ما انزل اللہ	بہر حال جو کلام الٰہی کے خلاف ہے
فهو قوله تعالیٰ کنتم خیر امة	وہ کنتم خیر امۃ ہے الی قولہ
اخرجت للناس فقال ابو عبداللہ	راوی نے عرض کیا اے بیٹے
لقاری هذا الایة خیر امة یقتلون	رسول اللہ!
امیر المؤمنین والحسین بن علی فقیل	کیسے نازل ہوئی خیر امۃ
له کیف نزلت یا ابن رسول	اخرجت للناس نازل ہوئی

اللہ فقال انما نزلت

خیر ائمة اخرجت للناس۔

(تفسیر صافی صلا)

جواب ۹۰۳:۔ یہ قرأت کی غلطی ہے اور ہو کتابت بھی ہو سکتا ہے۔ اسے تحریف میں شمار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ امت کی دونوں شکلیں ایک سی ہیں اعراب کا فرق ہے جو بعد میں لگائے گئے۔ لیکن کتب اہل سنۃ کا یہ حال ہے کہ وہ وہاں لفظوں کی ردوبدل ہے۔ جیسا کہ لکھا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب "صراط الذین انعمت علیهم" کو "صراط من انعمت علیهم" قرأت کرتے تھے اور "ولا الضالین" کو "وغیر الضالین" پڑھا کرتے تھے۔

(تفسیر در منثور جلد ۱ صہ ۱۵ مطبوعہ مصر)

اسی طرح عبداللہ ابن زبیر بھی "من انعمت علیهم" اور "غیر الضالین" پڑھا کرتے تھے۔

(حوالہ مذکورہ بالا)

فرمایئے جب کہ مذکورہ الفاظ موجودہ قرآن میں موجود نہیں ہیں کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سنی فاروق اور ابن زبیر تحریف کرتے تھے اور اہل سنۃ والجماعۃ تحریف کے قائل ہیں حالانکہ لفظی اشکال میں بھی واضح فرق نمایاں ہے۔ جو جواب ہوگا وہی ہمارا ہوگا۔

اعتراض ۹۰۴:۔ اگر آپ تحریف کا عقیدہ نہیں رکھتے تو ذیل کی عبارت کا جواب دیجئے جبکہ من المتقین موجودہ قرآن میں نہیں ہے۔

فقیل له ابن رسول الله کیف نزلت فقال انما نزلت واجعل لنا من المتقین اماما

(تفسیر صافی ص۲۱)

پس کہا گیا اے ابنِ رسول اللہ کیسے نازل ہوئی ہے۔ فرمایا۔ واجعل لنا من المتقین اماما نازل ہوئی ہے!

جواب ۹۰۴:۔ ہم آپ کے اعتراض کا جواب اِس روایت سے دیتے ہیں کہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ:۔

وما اخرجه ابن اشتة وابن ابی حاتم من طریق عطا عن ابن عباس فی قوله تعالےٰ مثل نوره کمشکوٰة قال هی خطاء من الکاتب هو اعظم من ان یکون نوره مثل نور المشکوٰة انما هی مثل نور المومن کمشکوٰة

یعنی وہ حدیث جسے ابن اشتة اور ابن ابی حاتم نے بطریق عطا ابن عباس سے قول باری مثل کمشکوٰة کے بارے میں نقل کیا ہے یہ ہے کہ ابنِ عباس نے فرمایا یہ کاتب کی غلطی ہے خدا اس سے بزرگ ہے کہ اِس کے نور کی مثل مشکوٰة سے ہو بلکہ آیت یوں ہے۔ "ومثل نور المومن کمشکوٰة"

(اتقان جلد ۱ ص ۱۸۶)

لفظ "المومن" موجودہ قرآن شریف میں نہیں ہے بتایئے آپ کا عقیدہ تحریف ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ وکیل اہلِ سنت ابنِ اشتة ایسی روایات کا جواب دیتے ہیں کہ جامعین قرآن نے انتخاب حرف میں خطا کی ہے اور حروف سبعہ میں سے لوگوں کے اتفاق کے لئے ادنیٰ حرف کے منتخب کرنے میں غلطی کی ہے۔ اور ایسی روایات میں جو کچھ لکھا گیا ہے یہ غلط ہے قرآن سے خارج ہے حالانکہ ایسی روایات کو ابنِ اشتة نے قبول کیا ہے اور راویوں پر کوئی جرح یا شبہ کا اظہار کیا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک ابنِ اشتة کی ایسی روایات رکیک ہیں۔ تاہم جب آپ کی چادر پر ایسے داغ نمایاں ہیں تو پھر آپ ہم پر اعتراض کیسے کر سکتے ہیں۔ جو بھی جواب آپ اس روایت کا دیں گے وہی ہمارے اعتراض کے جواب میں دھر لیجئے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ "من المتقین" وضاحت کے طور

پر لکھا گیا ہے۔ اِس سے مطالب پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جب کہ آپ کی روایت کے مطابق تشبیہ ہی غلط ثابت ہوتی ہے اور مفہوم میں خطا ظاہر ہوتی ہے۔ یہ رکیک غلطی ہے۔

اعتراض نمبر ۹۰۵:۔ ذیل کی عبارت کا مطلب ضرور سمجھائیے اگر آپ خدانخواستہ قابلِ تحریف نہیں ہیں جب کہ موجودہ قرآن میں من خلفہ ورقیب۔ کا لفظ نہیں ہے۔

فقال انما انزلت لہ معقبات من خلفہ ورقیب من بین یدیہ یحفظونہ بامر اللہ (تفسیر صافی صہ ۱۲)

فرمایا آیت یوں نازل ہوئی ہے لہ معقبات من خلفہ ورقیب من بین یدیہ یحفظونہ بامر اللہ۔

جواب نمبر ۹۰۵:۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ (آدمی کسی بھی حالت میں ہو کر) اِس کے لئے اِس کے آگے پیچھے دائیں بائیں اِس کے نگہبان مقرر ہیں کہ اِس کی بحکم خدا سے حفاظت کرتے ہیں۔ "مِن خلفہ ورقیب" کے الفاظ تشریحی ہیں مفہوم وضاحت کرتے ہیں معنی میں کوئی "تغیر" و تبدیلی پیدا نہیں کرتے ہیں۔ مخلوقات و بلیات سے روکتے ہیں۔ اِن سے نہ ہی معنوی تحریف کا خدشہ ہے اور نہ ہی لفظی تحریف کا یہ الفاظ خطوطِ وحدانی کے ہیں۔ راوی کی غلطی سے حصہ متن دکھائی دیتے ہیں۔ مگر آپ سے گذارش ہے کہ مندرجہ ذیل عبارت کا مطلب بافکر ہمیں سمجھا دیں کہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن الانباری، ابنِ حبان، حاکم، ابنِ مردویہ اور بیہقی نے ابن مسعود سے روایت کی ہے۔ قال اقرءنی رسول اللہ صلعم انی انا الرزاق ذوا لقوۃ المتین. یعنی ابنِ مسعود نے کہا پیغمبر صلعم نے مجھے پڑھایا "انی انا الرزاق" اِس وقت موجودہ قرآن میں ہے۔ "ان اللہ ھو الرزاق ذوالقوۃ المتین" یعنی اِس آیت میں "انی انا" کو "ان اللہ ھو" کے ساتھ تبدیل کر دیا۔ اَب فرمائیے اور تفسیر دُرِ منثور جلد ۶ صہ ۱۱۶ مطبوعہ

مصر کا مطالعہ فرما کر فیصلہ کیجیئے کہ آپ کے مذہب کے مطابق قرآن میں لفظی تحریف واقع ہوئی یا نہیں جب اِس تغیّر سے لفظی تبدّل کے ساتھ معنوی تغیر بھی پیدا ہوتا ہے۔ آیت ۲۷ ویں پارے کے تیسرے رکوع کی ہے۔ تلاوت فرمائیے اور گریبان میں جھانکیئے کہ جب آپ کا مذہب بقول علمائِ شما قائل تحریف قرآن ہے۔ تو آپ کو ہم پر یہ اِلزام لگاتے وقت کچھ تو شرم کرنا چاھیئے۔ ہماری تو ہر بات کو تقیہ سمجھتے ہیں۔ مگر خود کی خبر ہی نہیں۔ ہم جب بار بار کہتے ہیں کہ ہم تحریف کے قائل نہیں تو آپ جھٹ سے کہہ دیتے ہیں کہ شیعہ تقیہ کر رہے ہیں۔ اور ہماری غلط سلط روایات جن کو صدیوں سے ہمارے علماء ناقابلِ اعتبار قرار دیتے آ رہے ہیں لیکر بات کا تبنگڑ بناتے چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ وہی باتیں آپ کے ہاں بھی پائی جاتی ہیں۔ لیکن اُن کا کوئی جواب نہیں دیا جاتا۔ اور خوامخواہ مکابرۃً اپنا جرم ہمارے سر تھوپے چلے جا رہے ہیں۔

اعتراض ۹۰۶:۔ تفسیر قمی صہ ۱۲۱ میں ہے فان تنازعتم فی شیء فارجعوہ الی اللہ والی الرسول والی اولی الامر منکم۔ فرمایئے آپ کا اِس عبارت پر ایمان ہے یا قرآن مجید کی اصلی آیت پر۔ اگر موجودہ قرآن مجید کی اصلی آیت پر ایمان ہے تو مہربانی فرما کر اِس سے مطلع فرمایئے اور صاحب تفسیر قمی پر جناب کا کیا فتوےٰ ہے جب کہ اِس نے پوری آیت کو بدل ڈالا ہے۔

جواب ۹۰۶:۔ اگر آپ کسی شیعہ ادارہ کا شائع کردہ قرآن مجید (شروع سے آج تک) ہمیں دکھا دیں جس کے متن میں یہ عبارت مرقوم ہو تو پھر ہم سرکار قمی رح کے بارے میں فتویٰ تلاش کریں گے لیکن اگر یہ تفسیری نوٹ ہے اور تشریحی عبارت ہے تو پھر اُن پر فتوےٰ دینے سے قبل ہم آپ پر کذب کا خدائی فتوےٰ صادر کریں گے کہ جھوٹوں پر خدا کی بے شمار لعنت اور آپ کے لئے دُعا کریں گے اللہ میاں آپ کا حشر آپ کے اُن بزرگوں کے ساتھ کرے جنہیں تخلف

اہل بیتؑ کی سزا مل رہی ہے۔ ہمارا قرآن کی صرف لفظی عبارت پر ہی ایمان نہیں بلکہ ہم مفاہیم و مصادیق کے بھی معتقد ہیں اور یہ تشریحی عبارت موجودہ آیت کی وضاحت کرتی ہے۔ لہٰذا ہم لفظی آیت پر بھی ایمان لائے ہوئے ہیں۔ اور معنوی مفہوم پر بھی۔ لیکن براہِ نوازش ذرا مندرجہ ذیل عبارت مطالعہ فرما کر تو فتوے صادر فرمائیے۔ علامہ سیوطی، امام مالک، امام بخاری، امام مسلم اور ابن خزیس کی ابن عباس سے روایت لکھتے ہیں کہ۔

"عمرؓ بن خطاب ایک روز خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے پس حمد و ثنائے الٰہی کے بعد کہا کہ اے لوگو! خدا نے محمد صلعم کو حق کے ساتھ بھیجا اور اپنی کتاب ان پر نازل کی پس جو کچھ ان پر نازل کیا۔ اس میں آیتِ رجم بھی تھی جس کو ہم نے خود پڑھا اور سنا تھا اور وہ یہ آیت تھی۔ الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموھما البتة اور رسول صلعم نے رجم کیا تھا اور ان کے بعد ہم کرتے تھے۔"

اب فرمائیے حضرت عمرؓ نے آیت رجم کا خدا کی طرف سے نازل ہونا۔ حضورؐ سے سننا اور خود پڑھنا۔ حضورؐ کا عمل کرنا اور پھر ان کے بعد خود راوی کا عمل کرنا جب ثابت ہے تو پھر یہ آیت موجودہ قرآن سے کہاں چلی گئی تھی تو اپنے فاروق کو جھوٹا کہئے یا پھر تحریف کا اقرار کر لیجئے۔ اور دونوں صورتوں میں فتویٰ سنا دیجئے۔ ہم پر جو اعتراض ہے وہاں نہ ہی آیت بدلی اور نہ ہی نکلی بلکہ صرف حاشیہ میں تفسیری الفاظ لکھے گئے مگر یہاں تو پوری آیت غائب ہے اور منسوخ کہی نہیں جا سکتی کہ حضرت عمرؓ نے اعتراف کیا ہے کہ بعد از رسولؐ ہم نے اس پر عمل کیا۔ بہر حال جو بھی بن پڑے جواب بنائیے۔

اعتراض نمبر ۱۹۰۔ الصافی شرح اصول کافی مصنفہ ملا خلیل قزوینی صد ۹۷ ج ۳ حصہ ۲ ترجمہ مقبول صد ۵۲ ج ۳ میں آیت کو یوں درج کیا گیا ہے ومن یطع اللہ ورسولہ فی ولایۃ علی من بعدہ فقد فاز فوزاً عظیماً۔

آپ کا اگر آیت کے اِن الفاظ پر ایمان ہے تو موجودہ قرآن مجید کی آیت آپ کے نزدیک ناقص ٹھہری فرمایئے کیا جواب ہے؟

جواب ۹۰۷:۔ یہ عبارت بھی کسی قرآن کے نسخہ میں متن کی عبارت میں نہیں دکھائی جاسکتی۔ بلکہ تفسیری نوٹ ہے اور حاشیہ میں تشریحاً لکھا گیا ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ عبارت بھی محرف نقل کی گئی ہے حالانکہ اصل الفاظ یوں ہیں کہ "ومن یطع اللہ ورسولہ فی ولایۃ علی و الائمۃ من بعدہ فقد فاز فوزاً عظیماً" اور ترجمہ مقبول ص ۵۱۲ میں بالصراحت اس سے قبل یہ جملہ لکھا گیا ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے۔" جب یہ عبارت تفسیری حاشیہ میں درج کی گئی ہے تو کسی صورت میں بھی اسے تحریف میں شمار نہیں کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس سے آیت کو کوئی نقص پہنچتا ہے۔ حالانکہ آپ کے ہاں آیت درود اس طرح لکھی گئی ہے کہ "ابوداؤد نے المصاحف میں حمیدہ سے یہ روایت کی ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ کے نسخہ میں آیت یوں مرقوم ہے ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی والذین یصلون الصفوف الاول" اب آپ بتایئے کہ آیت موصوفہ پارہ ۲۲ رکوع ۴ میں ہے مگر وہاں والذین یصلون الصفوف الاول کے الفاظ موجود نہیں ہیں اور اتقان نوع ۴۷، ص ۳۱۶ میں علامہ سیوطی نے جو روایت لکھی ہے اس میں صاف اقرار کیا ہے کہ قرآن میں حضرت عثمان کے تغیر کرنے سے پہلے یہ الفاظ آیتہ میں موجود تھے۔ یعنی عثمان نے تحریف کی تھی۔ کیا اندریں صورت آیت مرقومہ آپ کے مذہب کے مطابق ناقص ٹھہرتی ہے یا نہیں۔ تفسیر در منثور جلد ۵ ص ۲۲۰ مطبوعہ مصر اور اتقان حوالہ مذکورہ مطالعہ فرما کر فیصلہ کیجیے۔

اعتراض ۹۰۸:۔ ترجمہ مقبول ص ۴۰۴ کے حاشیہ پر والمومنون کی تردید کی گئی ہے۔ المامونون کو صحیح بتایا گیا ہے کیا اس طریقہ

سے موجودہ قرآن مجید غلط نہ ٹھہرا۔

جواب ۹۰۸:- اِس اعتراض کا جواب ہم نے ذکا الافہام کے اعتراض ۸۰۷ کے جواب میں لکھ دیا ہے اور ثبوت میں حوالہ مذکورہ کے بارے میں عکسی نقل بھی پیش کی ہے کہ ترجمہ مقبول میں لفظ "مومنون" کی تاکید کی گئی ہے نہ کہ "مامونون" کی۔ ناظرین دیکھ سکتے ہیں۔

مگر معترض سے پوچھتے ہیں کہ حافظ سیوطی نے جو یہ لکھا ہے کہ شافعی عبدالرزاق فریابی، سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن الانباری اور بیہقی نے ابن عمر بن خطاب سے روایت کی ہے کہ قال ماسمعت عمر یقرؤ ھا قط الا فامضوا الی ذکر اللہ انتھی بلفظہ" یعنی ابن عمر نے کہا کہ میں نے حضرت عمر کو سورہ جمعہ میں یہ آیت فاسعوا الی ذکر اللہ کو ہمیشہ فامضوا الی ذکر اللہ پڑھتے سنا ہے اور پھر سیوطی تحریر کرتے ہیں کہ حضرت عمر وقت موت تک "فامضو" بجائے "فاسعوا" کے تلاوت کرتے رہے اور یہ کہ ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور ابن زبیر بھی یہی پڑھتے رہے۔ (تفسیر در منثور جلد ۶ صہ ۲۱۹ مطبوعہ مصر)

اب جواب دیجیے کیا حضرت عمر ابن الخطاب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عباس اور ابن زبیر غلط قرآن پڑھتے تھے۔ یا موجودہ آیت غلط ہے۔ (معاذ اللہ) حالانکہ یہ سورہ جمعہ کی آیت ہے جس میں ناسخ ومنسوخ کا سوال بھی پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ اب تو ان تمام قاری حضرات کو خطاوار قرار دیجیے۔ یا فامضوا کا فاسعوا سے بدل جانا قبول کر کے تحریف کا اقرار کر لیجیے۔ آپ کے مذہب کی گردن کی اب یہ حالت ہے کہ دونوں پھندے پڑ رہے ہیں۔ دیکھتے ہیں کس کو گلے کا ہار بناتے ہیں۔ اور کس سے گلو خلاصی پاتے ہیں ادھر عدالت صحابہ ہے ادھر صحت قرآن جدھر جائیں گے ادھر ہی یا علی مدد کہنے والا ہی غالب

آئے گا۔

اعتراض ۹۰۹: الصافی صہ۹۳ میں بئسما اشتروا بہ انفسھم ان یکفروا کی جس قدر تغلیط کی گئی ہے آپ اس کے حق میں ہیں یا نہ اگر حق میں ہیں تو آپ کیا منکر قرآن نہ ٹھہرے

جواب ۹۰۹: الصافی صہ۹۳ میں مذکورہ آیت کی کوئی تغلیط نہیں کی گئی ہے یہ انتزار ہے کہ ثبوت دیا جائے پھر اعتراض کا جواب طلب کیا جائے۔ اگر تشریحی و تفسیری بحث کو تغلیط کہہ دیا جائے تو پھر کوئی آیت نہ رہیگی جس کے بارے میں یہ گمان نہ کیا جائے۔ جب تغلیط ثابت ہی نہیں تو تائید و تردید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی کسی کو منکر یا مومن قرار دینے کا جواز۔

اعتراض ۹۱۰: اور اگر اس کے حق میں نہیں ہیں تو ملا خلیل پہ فتوے اصادر فرمایئے۔۔۔۔ دیدہ باید۔

جواب ۹۱۰: علامہ قزوینی رح پر ہم وہی فتوے اصادر کرنے کی سفارش کرتے ہیں جو قدرت نے آپ کے قلم سے نقطوں کی صورت میں ظاہر کروایا ہے کہ علامہ اعلی اللہ مقامہ پہنچتے ہیں۔ دیدہ باید۔ نقطے شمار کر لیجئے۔ پورے پانچ ہیں اور یہ اس لئے کہ ہم اُس کے حق میں ہیں۔ انہوں نے کوئی تغلیط نہیں فرمائی ہے۔ محض تفسیر بیان کی ہے

اعتراض ۹۱۱: الصافی صہ۹۳ میں ہے ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فی علی فرمایئے "فی علی" کی زیادتی آپ کے نزدیک آیت میں داخل ہے یا تفسیر ہیں۔

جواب ۹۱۱: تفسیر ہیں۔ اگر ہم آیت میں داخل کرتے ہیں تو آپ کوئی قرآن کا نسخہ ثبوت میں لائیے۔ جہاں حتمی آیت میں یہ الفاظ قرآنی عبارت کی شکل میں مسطور ہوں۔

اعتراض ۹۱۲: اگر آیت میں داخل ہے تو موجودہ قرآن ناقص رہا۔ اور اگر داخل نہیں بلکہ تفسیری کلمہ ہے تو کس

امام کے قولِ مستند الی السند الصحیح سے ثابت کیجیئے۔

جواب ۹۱۲:۔ قرآن مجید میں آیت کے ساتھ اِس کلمہ کا مرقوم نہ ہونا کیا یہ کافی ثبوت نہیں ہے کہ آئمہ کے نزدیک یہ کلمہ معنوی و مفہومی لحاظ سے مُراد لیا گیا ہے اگر وہ ایسا حُکم دیتے کہ اِس کو آیت میں لکھا جائے تو پھر شیعہ حُکم امام کی اطاعت میں ضرور آیت کے آگے بڑھا لیتے۔ یہ تو محض تفسیری کلمہ کی بات ہے آپ ذرا درج ذیل عبارت پر تو غور فرمایئے کہ امام جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ عبد الرزاق ابنِ منذر، حاکم اور ابنِ مردویہ نے ابنِ عمرؓ سے روایت کی ہے ان رسول اللہ صلعم قرء فطلقو هن فی قبل عدتهن یعنی سورۂ طلاق پ ۲۸ رکوع ۱۶ میں اِس وقت تطلقو هن لعدتهن حالانکہ پیغمبر صلعم فطلقو هن فی قبل عدتهن آیت میں پڑھا کرتے تھے۔ یعنی اِس میں بھی قبل عدتهن کو لعدتهن سے تبدیل و تحریف کر دیا گیا۔ اِس تغیر کو تفسیری نوٹ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اور نہ ہی نسخ کی بحث کی جا سکتی ہے کیونکہ دونوں میں معنوں کا متضادی فرق ہے۔ بہر تفسیر دُر منثور جلد ۶ صہ ۲۲۹ مطبوعہ مصر میں پوری عبارت کا مطالعہ کیجیئے اور پھر بتایئے کہ کیا آپ کے مذہب کے مطابق آپ کے نزدیک موجودہ قرآن ناقص و محرف قرار پاتا ہے یا نہ بصورت دیگر کسی حدیث متواترہ سے اپنا موقف ثابت کر دیجیئے۔

اعتراض ۹۱۳:۔ حاشیہ ترجمہ مقبول صہ ۲۰۷ میں التائبون العابدون الحامدون کے قائمقام التائبین العابدین لکھا گیا ہے آپ کی اِس سلسلہ میں کیا رائے ہے۔ موجودہ قرآن کا انکار ہے یا زائد کلمات کی تشریح۔ تفصیلی جواب درکار ہے۔

جواب ۹۱۳:۔ اِس اعتراض کا جواب بھی ہم نے تفصیل و تشریح کے ساتھ ذکار الافہام کے جواب ۸۸ میں لکھ دیا ہے ملاحظہ فرما لیجیئے گا۔ یہاں صرف اِتنی گذارش کروں گا کہ یہ تشریح بربنائے انتخاب حرف ہیں سے

کیونکہ سات حرفوں میں جو ایک لیا گیا ہے اس سے یہ لفظی فرق ہو جاتا ہے ورنہ معنی و مفہوم میں مفاہمت ہے۔ نہ کلام بذا زائد کلمات ہیں اور نہ یہ انحو بدلا گیا ہے۔ حرفی و نقلی سہو ہے جس کی مثال ہم نے بی بی عائشہ کی روایتہ میں اوپر بیان کردی ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھیئے "سو سنار کی ایک لوہار کی"

اعتراض ۹۱۴:۔ ترجمہ مقبول ص۵۷۹ کے حاشیہ میں ولا یزید الظالمین آل محمد الا خسارا" لکھا گیا ہے آپ شیعی مسلک سے آگاہ فرمایئے۔

جواب ۹۱۴:۔ ترجمہ مقبول ص۵۷۹ کے حاشیہ میں یہ بات لکھی ہوئی ہمیں نہیں ملی یہ آیت ص۳۴۷ میں ہے مگر حاشیہ میں ایسی کوئی عبارت مرقوم نہیں ہے اور نہ ہی ضمیمہ میں ہے۔ تاہم اگر حاشیہ میں ایسا لکھا ہوا بھی ہو تو بھی قابل اعتراض نہیں کیونکہ حاشیہ کی عبارت جزو متن نہیں ہوا کرتی۔ البتہ یہ تشریح حقیقت پر مبنی ہے کہ ظالم آل محمدؐ کے نقصان میں زیادتی ہوتی ہے۔ مگر مندرجہ ذیل روایت کی روشنی میں آپ ہمیں سنی مسلک سے باخبر فرما دیجیئے۔ عبد بن صالح نے ہشام بن سعید اور اس نے زید بن اسلم اور اس نے عطا بن یسار سے اور اس نے واقد لیثی سے روایت کی ہے۔ قال کان رسول اللہ صلعم اذا اوحی الیہ اتیناہ فعلمنا مما اوحی الیہ قال فجئت ذات یوم فقال ان اللہ یقول انا انزلنا المال واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ ولو ان لابن آدم وادیا من ذھب لاحب ان یکون الیھا الثالث ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب۔ انتھی بلفظہ

خلاصہ یہ ہے کہ ابی واقد لیثی نے کہا کہ جب رسول اللہ صلعم پر وحی نازل ہوتی تو ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے پس حضور صلعم وہ وحی ہمیں

تعلیم دیا کرتے۔ لیثی نے کہا کہ حسب معمول ایک روز جب پیغمبر صلعم کی خدمت میں گیا تو یہ خط کشیدہ آیت پیغمبرؐ نے پڑھ کر سنائی اور فرمایا کہ خدا تعالےٰ ایسا فرماتا ہے۔

(تفسیر اتقان نوع ۴۷ صد ۲۱۶)

مگر اس آیت مال کو ہم موجودہ قرآن مجید میں نہیں پاتے ہیں کیا اس سے صاف ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ سنیوں کے مذہب کے مطابق قرآن میں تحریف کی گئی ہے قابل خصوصی توجہ بات یہ ہے کہ یہ آیت مال سنیوں کے ہاں ناسخ ومنسوخ میں کہیں موجود نہیں ہے۔ اب کہیے تحریف کے قائل سنی ہیں یا شیعہ اس روایت پر اپنے تبصرہ سے آگاہ کر کے مطلع کیجیے کہ آپ کا مسلک کیا ہے۔؟

اعتراض ۹۱۵:۔ ترجمہ مقبول صد ۲۱۲ کے حاشیہ میں لقد جاء نا رسول من انفسنا عزیز علیہ ما عنتنا حریص علینا حالانکہ موجودہ قرآن مجید میں یہ اس طرح ہے لقد جاءکم ۔۔۔۔ من انفسکم ۔۔۔ من انفسکم ۔۔۔ ما عنتم ۔۔۔ حریص علیکم ۔۔۔

فرمایئے آپ آیت مذکورہ کے کن الفاظ کی تائید میں ہیں۔

جواب ۹۱۵:۔ اس اعتراض کا مکمل جواب مع فوٹو اتقال "تمت ذکار الافہام" کے جواب ۸۹ میں دیا ہے مطالعہ فرمالیا جائے۔ مختصراً یہ کہ ترجمہ مقبول کے حاشیہ میں قراءت کا تذکرہ ہے اور وہاں صرف "انفسکم" کا مفتوح الف ہونا بیان کیا گیا ہے باقی کوئی بات نہیں۔ اگر ہم آیت کو اس قدر غلط سمجھتے ہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ ہم نے اس کو قرآن سے نکال کر اس کی جگہ صحیح آیت کیوں نہ لگالی ۔۔۔ جب کہ آپ نے خواہ مخواہ اور مفت میں بدنام تو کر ہی رکھا ہے۔ کیا ہمارے ایمان بالقرآن کے ثبوت میں صرف یہی ایک بات کافی نہیں ہے کہ صدیوں سے جھوٹے پروپیگنڈے کے باوجود کوئی

شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا ہے کہ ہم کوئی مختلف قرآن بنا لیا ہو۔ اگر ہم محرف ہوتے تو یقیناً یہ کوشش کر لیتے کیونکہ الزام تو بلا ارتکاب ہی ہم پہ عائد کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن یہ ہماری پختہ ایمانی کی برہان تامہ ہے کہ جب کبھی بھی قرآن کے خلاف غیر مذہب والے کوئی گستاخی کرتے ہیں۔ تو دفاع ہمارا ہی کوئی ملنگ کرتا ہے اور دشمن کے دانت کھٹے کر کے رکھ دیتا ہے۔ جب کہ آپ حجروں میں بغلیں بجاتے رہتے ہیں ہم بدنامی و رسوائی کے باوجود قرآن کی معنوی و لفظی لحاظ سے حفاظت کرتے ہیں اور اسے ثقلِ رسولؐ مانتے ہیں۔ اس سے متمسک ہیں اس کے ابدی ساتھی عترت کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں۔

اعتراض نمبر ۹۱۵[1]: تفسیر صافی صہ ۱۲ میں ہے اما ما ھو محذوف عنہ فھو قولہ لکن اللّٰہ یشھد بما انزل الیک فی علی۔ اس سے صاحب کتاب نے ثابت کیا ہے کہ فی علی کا لفظ صحابہ نے گرا دیا ہے اب یہ آیت کامل نہیں ہے۔ جواب دیجئے؟

جواب نمبر ۹۱۵: صاحب تفسیر کی مراد تشریحی الفاظ کا گرانا ہے جو حضورؐ نے املا کروائے تھے۔ بہرحال اس کا تفصیلی جواب اگلے اعتراض کے جواب میں دے رہے ہیں۔

اعتراض نمبر ۹۱۶: اسی طرح یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک فی علیؑ کے متعلق بھی تفسیر صافی صہ ۱۲ میں منقول ہے کہ فی علی کو اس آیت میں گرا دیا گیا ہے۔

جواب نمبر ۹۱۶: صاحب تفسیر صافی کا مدعا در اصل یہ ہے کہ آیت تبلیغ در اصل شانِ علیؑ میں نازل ہوئی۔ اور حضورؐ نے بصراحت جناب امیرؑ کا نام زبانِ وحی بیان سے تشریحاً ارشاد فرمایا ہے اور جو نسخہ شرح آنحضرتؐ نے املا کروایا۔ وہاں اس قسم کی تمام تفسیری و تاویلی عبارات موجود

---

[1] اعتراض کا نمبر دوبارہ لکھا گیا ہے۔

تھیں لیکن اس مسودہ کو قبول نہ کیا گیا لہٰذا اس آیت کو بلا تشریح جمع کیا گیا۔
لیکن خود سُنی علماء اقرار کرتے ہیں کہ اس آیت میں ان کے مذہب کے مطابق تحریف ہوئی ہے۔ جیسا کہ علامہ سیوطی رحمۃ طراز ہیں کہ "ابن مسعود نے کہا کہ پیغمبر صلعم کے زمانے میں ہم صحابہ اس آیت تبلیغ کو اس طرح پڑھا کرتے تھے۔

یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولی المومنین فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس

(تفسیر در منثور۔ صفحہ ۲۹۸ جلد ۲)

لیکن اس وقت قرآن مجید میں ان علیا مولی المومنین کا کلمہ موجود نہیں ہے زمانہ رسول ص کے مشہور قاری عبداللہ ابن مسعود کی گواہی مشہور مفسر امام جلال الدین سیوطی کی تائید جیسے شواہد پر کیا یہ ثابت نہیں ہے کہ سُنی مذہب کے مطابق آیت میں تحریف کر دی گئی جب کہ یہ آیت سورہ مائدہ کی ہے جس میں مسلک سُنیہ کے مطابق زیادہ سے زیادہ نو آیات میں تنسیخ واقع ہوئی ہے۔ اور ان میں آیت زیر بحث کو شمار نہیں کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے افادۃ الشیوخ فی الناسخ والمنسوخ صفحہ ۳۰ مطبوعہ لاہور ۔

اب جب اس قسم کی روایات آپ کے مذہب میں موجود ہیں تو پھر کیوں نہ آپ کو تحریف کا قائل سمجھا جائے۔ مجھے معترض پر تعجب ہے کہ اپنی مذہبی پوٹلی پر نظر کئے بغیر خواہ مخواہ ہم پر طعن کر کے اپنے مذہب کی رہی سہی ساکھ ختم کر رہے ہیں اور ذلت اٹھا رہے ہیں۔

اعتراض ۹۱: تفسیر صافی صفحہ ۱۲ میں وسیعلم الذین ظلموا آل محمد حقہم ای منقلب ینقلبون لکھا ہے حالانکہ موجودہ قرآن میں آل محمد حقہم موجود نہیں ہے۔

جواب ۹۱۷:۔ یہ بھی تفسیری الفاظ ہیں۔ لیکن اگر ہم بالفرض آیت کہہ دیں تب بھی ہم پر آپ کے مذہب کے مطابق کوئی حرف نہیں آسکتا کیونکہ قرآن سے کسی آیت کا کم کر دینا آپ کے مذہب میں قابل مذمت نہیں ہے ثبوت کے لیے روایت پیش کرتا ہوں ۔

ابن ابی داؤد نے حسن کے طریقہ سے روایت کی ہے۔ حضرت عمر نے قرآن کی ایک آیت کے متعلق سوال کیا کسی نے جواب دیا۔ فلاں (صحابی) کے ساتھ تھی۔ (یعنی اُسے زبانی یاد تھی) جو جنگ یمامہ میں مارا گیا آپ (عمر) نے فرمایا انا للہ اور جمع قرآن کا حکم صادر فرمادیا۔ (یعنی آیت کو تلاش کرنے کی کوشش نہ کی۔)
(اتقان جلد ۱ صـ ۵۹)

اَب جب کہ آپ کے مذہب میں جمع قرآن کا ایسا نقشہ دکھائی دیتا ہے تو پھر آپ ایسی غیر احتیاطی صورت میں اپنے مذہب کے مطابق قرآن مجید کو کس طرح پورا (مکمل) غیر محرف ثابت کر سکتے ہیں ہماری تفسیری عبارتیں آپ کو گراں گذرتی ہیں اور اپنی فاش کارروائی بھی اوجھل نظر آتی ہے۔

اعتراض ۹۱۸:۔ تفسیر صافی صـ ۱۲ میں وسیعلم الذین ظلموا آل محمد حقهم ای منقلب ینقلبون لکھا ہے حالانکہ موجودہ قرآن اس زیادتی سے پاک ہے فرمایئے آپ کے نزدیک موجودہ قرآن ناقص رہا کہ نہ ؟

جواب ۹۱۸:۔ یہ بھی تفسیری عبارت ہے مگر میں آپ کے محرف چہرہ سے نقاب کھینچ کر ثابت کرتا ہوں کہ خود اُن صاحب نے جنہوں نے قرآن کو جمع کروایا۔ اقرار کیا ہے اس میں غلطیاں ہیں اور جس میں غلطی ہوگی وہ خود بخود ناقص ہوا۔ ملاحظہ فرمایئں جناب عثمان پکارتے ہیں کہ ۔۔

حضرت عثمان نے ان تینوں قرشیوں سے فرمایا جب تم اور زید بن ثابت قرآن کی کسی بات میں اختلاف کرو۔ تو اُسے قریش کی زبان میں

لکھ دینا کہ قرآن انہی قریش کی زبان میں نازل ہوا۔ پس ان لوگوں نے بطابق حکم عمل کیا (یعنی اختلاف کو قریشی زبان میں اپنے الفاظ میں لکھ دیا)

(اتقان جلد ۱ صفحہ ۶۱)

اب میں پوچھتا ہوں کہ قرآن کا لوح محفوظ سے سات حرفوں میں اترنا متواتر حدیثوں سے ثابت ہے پھر حضرت عثمان کا باقی چھ زبانوں کو چھوڑ کر صرف قریش کی زبان لکھنے کا حکم صادر کرنا کلام خدا میں انسانی کلام ملانے کا حکم دینے کے برابر ہے جو منافقت کا بین ثبوت ہے۔

اعتراض نمبر ۹۱۹: ۔ تفسیر صافی صفحہ ۱۲ میں وسترى الذين ظلموا آل محمد حقهم في غمرات الموت مسطور ہے حالانکہ موجودہ قرآن میں اس زیادتی کا کہیں نام و نشان تک نہیں ہے۔

جواب نمبر ۹۱۹: یہ عبارت بھی تفسیر ہی میں مرقوم ہوئی ہے مگر ذرا بتانے کی زحمت گوارہ کیجئے کہ ابن الانباری بطریق عکرمہ ابن عباس ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ ابن عباس نے پڑھا تھا "افلم يتبين الذين امنوا ان لو يشاء الله يهدى الناس جميعا" کسی نے ابن عباس سے کہا کہ یہ آیت مصحف عثمان میں اس طرح نہیں ہے بلکہ افلم ييأس الخ ہے فرمایا میرا گمان ہے کہ کاتب کو اس وقت اونگھ آگئی ہوگی جب اس نے یہ آیت لکھی (اتقان صفحہ ۱۸۶ جلد ۱) کیا موجودہ قرآن میں بھی یہ آیت اس طرح نقل ہوتی ہے۔ حالانکہ عکرمہ بہت بڑا امام مانا جاتا ہے اور ابن عباس کو بحر العلوم کہا جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۹۲۰: ۔ اگر آپ یہ فکر کریں کہ ہم تحریف کے قائل نہیں ہیں تو براہ کرم ذیل کی عبارت کا جواب دیجئے۔

ثواب الاعمال میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ سورہ

احزاب سورۂ بقر سے زیادہ طویل تھی مگر چونکہ اِس میں عرب کے مردوں اور عورتوں کی عموماً اور قریش کی خصوصاً بداعمالیاں ظاہر کی گئی تھیں اِس لئے اِسے کم کر دیا گیا اور اِس میں تحریف کر دی گئی۔
(ترجمہ مقبول صد ۸۵۲)

جواب ۹۲۰:۔ یقیناً ہم تحریف کے قائل نہیں ہے اور جس عبارت کی بنیاد پر آپ نے ہم پر ایسا ناجائز شبہ کیا ہے وہی بات آپ کے ہاں سے بھی لکھی جاتی ہے۔ جیسا کہ امام اہلِ سنّتہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ زر بن حبیش نے کہا کہ ابی بن کعب نے مجھ سے کہا کہ سورۂ احزاب کی تم کتنی آیتیں شمار کرتے ہو۔ میں نے کہا ۷۲ یا ۷۳ آیات۔ ابی کعب نے کہا کہ اگر یہ سورت پوری رہنے دی جاتی تو سورہ بقر کے برابر ہوتی
(اتقان صد ۳۱۶)

پھر اسی جگہ حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ عہدِ رسالت میں یہ سورت دو سو آیات سے تلاوت کی جاتی تھی لیکن حضرت عثمان نے لکھتے وقت بس اتنی آیات لکھی ہیں جتنی اِس وقت موجود ہیں۔ اگر سوا سو سے زیادہ آیات کی تحریف با اعترافِ صدیقہ اہلِ سنّتہ آپ کو قائل تحریف ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے تو پھر ہم غریبوں پر طعن کس وجہ سے کیا جاتا ہے جو جواب آپ اپنی روایت کا وضع کرتے ہیں۔ آخر اِس کا فائدہ ہمیں کیوں نہیں پہنچ سکتا ہے۔

اعتراض ۹۲۱:۔ حاشیہ ترجمہ مقبول صف ۸۴۰ میں ہے آیت
"ترجی من تشاء منھن الخ یا یھا النبی قل لازواجک الخ"
کے ساتھ مگر قرآن مجید جمع کرنے کے وقت پیچھے ڈال دی گئی۔
فرمائیے آپ اس تقدیم تاخیر فی القرآن کے قائل ہیں یا نہ اور اس کا کیا جواب ہے جبکہ یہ روایت امام جعفر صادق نقل کیا گیا ہے۔

جواب ۹۲۱: ہمیں قرآن موجود کی ترتیب پر اتفاق نہیں کیونکہ یہ نزولی ترتیب نہیں ہے ایسی صورت میں مؤخر و مقدم کا ہونا ممکن امر ہے لیکن آپ (بزعم شما) ترتیب موجود ہی کو اصلی ترتیب سمجھتے ہیں۔ اور بظاہر تقدیم وتاخیر فی القرآن کے قائل نہیں ہیں حالانکہ آپ کی کتب معتبرہ سے ثابت ہوتا ہے آپ تقدیم وتاخیر فی القرآن کے متعقد و معترف ہیں مثلاً علامہ سیوطی نے روایت لکھی ہے کہ سعید بن منصور وغیرہ نے بطریق عمرو بن دینار عکرمہ سے نقل کیا ہے کہ ابن عباس پڑھتے تھے ولقد آتینا موسیٰ وھارون الفرقان ضیاء اور کہتے تھے اس واؤ کو نو اور اسے یہاں یعنی آیۂ الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعو الکم الخ سے پہلے لکھ دو۔ اتقان جلد ۱

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آیۂ ولقد آتینا میں سے ابن عباس نے واؤ کو اٹھوا کر آیۂ الذین قال لھم الناس ، سے پہلے رکھوایا تھا۔ جس سے ثابت ہوا کہ آپ بھی تقدیم وتاخیر کے قائل ہیں۔

اعتراض ۹۲۲: حاشیہ ترجمہ ص۱۰۵/۵ میں ہے تفسیر قمی میں وارد ہے کہ یہ آیت اس طرح تھی "ان اللہ اصطفیٰ ادم وال ابراھیم وال عمران وال محمد علی العلمین" تو لوگوں نے اصل کتاب سے لفظ آلِ محمد کو گرا دیا۔ بتائیے اب بھی آپ کا ایمان قرآن پر رہا؟

جواب ۹۲۲: آل عمران سے مراد آل محمدؐ ظاہر کی گئی ہے جو حضورؐ نے ارشاد فرمائی یعنی تفسیری ہدایت یا قوسی عبارت تھی جو حضورؐ نے تحریر کروائی اور نسخۂ علویہ میں مرقوم تھی مگر لوگوں نے اسے گرا دیا۔ اگر ایسی تفسیر بیان کر دینے سے قرآن پر ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے تو جواب مطلوب ہے کہ لفظی ردّ و بدل تحریف کیوں نہیں ہے جیسا کہ سیوطی نے لکھا ہے "اور وہ روایت جس کا اخراج سعید بن منصور

نے بطریق سعید بن جبیر ابن عباس سے کیا ہے یہ ہے کہ ابن عباس نے قول باری تعالیٰ وقضی ربك کے بارے میں فرمایا کہ اصل میں یہ آیت ووصی ربك تھی کہ ص سے "و" مل گیا۔ ابن اشتہ نے اس روایت کو مزید مضبوط کیا ہے اور لکھا ہے کہ کاتب نے بہت سی روشنائی قلم میں لی تھی کہ واؤ صاد سے مل گیا (مگر افسوس ہے کہ درستی پھر بھی نہ ہوئی) (اتقان جلد ۱ صفحہ ۱۸۶)

انتہائی حیرت کا مقام ہے کہ معترض اپنی فاش اغلاط کو تسلیم کرتے ہوئے بھی اپنے چہرہ تحریف کو چھپا رہے ہیں مگر ہماری قومی ضمیمی عبارتوں کو بھی تحریف کہہ کر علمی خیانتوں کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

اعتراض ۹۲۳: ایک اور روایت میں ہے کہ اصل آیت یوں تھی آل ابراہیم وآل محمد بجائے محمد کے عمران بنادیا۔ جواب دیجئے اور مذکورہ دو روایتوں میں ایک روایت بایں الفاظ کو ترجیح دیجئے۔

جواب ۹۲۳: پہلے اس روایت کا مکمل حوالہ درکار ہے پھر جواب دیا جائیگا

اعتراض ۹۲۴: جب آپ کے نزدیک موجودہ قرآن محرّف، مبدّل، متغیّر، متناکر الحروف، مدخل فیہ، محذوف الآیات، محذوف الکلمات، محذوف السور ناقص قرار پایا اور اصلی قرآن آپ حضرات کے نزدیک وہی ہے جو حضرت امام مہدی صاحب کے پاس غار سرمن رائے میں موجود ہے تو کیا آپ اس مسئلے پر روشنی ڈال سکتے ہیں کہ اس اصلی قرآن کا تعارف کیا ہے؟

جواب ۹۲۴: ہمارے نزدیک قرآن ان تمام عیوب سے منزّا ہے اور یہ ساری باتیں آپ کے مذہب سے قرآن کے لئے ثابت ہوتی ہیں جیسا کہ ہم نے

متعدد روایات سے اپنا دعویٰ پایۂ ثبوت کو پہنچایا ہے۔ ہمارا چیلنج یہ ہے کہ آپ اپنے مذہب کے مطابق نہ ہی قرآن کو الہامی ثابت کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کا متواتر ہونا کسی حدیث سے بتا سکتے ہیں بلکہ ہم نے اوپر درج کیا ہے کہ آپ کے مذہب میں قرآن کلام نہیں بلکہ مفہوم ہے پس جو مذہب اپنی کتاب کو الہامی ہی ثابت نہ کر سکے اسے حق نہیں ہے کہ دوسروں پر اعتراض کرے۔ آپ کا ایمان بالقرآن اس لحاظ سے بھی ناقابل اعتبار ہے کہ آپ اصل کا انکار کرتے ہیں اور نقل کی تائید کرتے ہیں درحالیکہ دستور عدالت رائج ہے کہ گواہی و ثبوت کے لئے اصل کی پیشکش ضروری ہوتی ہے اور عدالت کا حاکم صرف نقل کو کافی و ٹھوس ثبوت شمار نہیں کرتا ہے آپ کے اعتقاد اور ہمارے ایمان میں یہی فیصلہ کن فرق ہے کہ آپ صرف نقلی ثبوت پر اکڑ رہے ہیں جبکہ ہم اصل و نقل دونوں سے متمسک ہیں۔ ظاہر ہے کہ قرآن قلب رسولؐ پر نازل ہوا۔ آپ نے اسے اُمت کو پہنچانے کا اہتمام کامل فرمایا۔ پس وہ قرآن جو امام مہدیؑ کی تحویل میں ہے اس کا تعارف یہ ہے کہ وہ لوح محفوظہ سے نازل شدہ آیات کا ایسا مجموعہ ہے کہ جس کو موافق تنزیل حضورؐ نے خود تدوین فرمایا اور اس کی مکمل شرح و بسط لکھوائی تاکہ تمام گمراہیوں کا علاج ہو جائے۔ ہر مسئلہ کا حل بن جائے۔

اس قرآن کے مسودہ کو آنحضرتؐ نے اہل بیتؑ کے سپرد فرمایا اور ضمانت دی کہ قرآن اور اہل بیتؑ میں جدائی نہ ہوگی۔ اُمت کو ان دونوں کے سپرد کیا۔ کتاب اور معلم کتاب کو فرائض ہدایات تفویض فرمائے پس یہی وجہ ہے وہ قرآن اصل اہل بیتؑ کا دائمی ساتھی قرار پاگیا۔ اب اس کا تعارف یہ ہے کہ اس میں تمام خشک و تر کے حالات مکمل تفسیر شرح و تاویلات حقیقی کے ساتھ مندرج ہیں۔ حکم خدا کے مطابق اس قرآن کو کسی بھی حالت میں کوئی نجس ہاتھ نہیں چھو سکتا ہے اور یہی اس کی سب سے بڑی پہچان ہے کہ موجودہ قرآن نقلی ہے اس کو ہر پاک و ناپاک مس کر سکتا ہے۔ مشرک و نجس افراد تک اٹھائے پھرتے ہیں جبکہ قرآن کا حکم ہے کہ مطہرین کے سوا اس کو کوئی نہیں چھو سکتا ہے پس یہ قرآن اصل جس تک ناپاک ہاتھ کی رسائی ممکن نہیں ہے وہ امام مہدیؑ کے پاس محفوظ ہے۔

اعتراض ۹۲۵:۔ کیا اس قرآن اور موجودہ قرآن میں عینیت ہے یا غیریت اگر عینیت ہے تو چھپانے کا کیا مطلب۔ وہ تو ظاہر ہو چکا ہے۔

جواب ۹۲۵:۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اصل و نقل میں غیریت تسلیم کی جائے نقل خواہ بمطابق اصل ہی کیوں نہ ہو پھر بھی اس کا اپنا وجود غیر ہی ہوتا ہے۔ عین نہیں ہو سکتا ہے کہ امر محال ہے۔

اعتراض ۹۲۶:۔ اگر غیریت ہے تو من کل الوجوہ یا من بعض الوجوہ

جواب ۹۲۶:۔ میرے خیال کے مطابق جو قرآن آپ کے ہاتھ میں ہے اس میں من کل الوجوہ غیریت ہے (بمطابق مذہب شما)

اعتراض ۹۲۷:۔ اگر من کل الوجوہ غیریت ہے تو فرمائیے آئمہ کرام کا عمل زمانہ ماضی میں کس درجہ کا رہا۔ مقبول یا غیر مقبول۔

جواب ۹۲۷:۔ اگر آپ نے آئمہ کے عمل کو مقبول اعتقاد کیا ہوتا تو پھر ان سے تخلف کر کے اکیلی کتاب کو کافی کیوں سمجھتے آپ کے مذہب کے مطابق آئمہ کا عمل غیر مقبول ہے جبکہ رسولؐ کی حدیث کے مطابق اور شیعہ عقیدہ کی رُو سے آئمہ بذاتِ خود بولتا قرآن ہیں ان کی ہر حرکت قرآن تھی وہ مجسّم قرآن تھے۔ قرآن میں اور ہمارے آئمہ میں افتراق نہیں ہو سکتا اور دونوں میں کسی کو کسی پر فوقیت نہیں ہے

اعتراض ۹۲۸:۔ اگر مقبول رہا تو کیسے۔ کیا غیر قرآن پر عمل بھی مستوجب جنت بن سکتا ہے۔

جواب ۹۲۸:۔ غیر قرآن پر عمل مستوجب جنت نہیں بن سکتا ہے جبکہ آئمہ کا ہر عمل تفسیر قرآن ہے کیونکہ وہ خود قرآنِ ناطق ہیں۔

اعتراض ۹۲۹:۔ اگر غیر مقبول رہا تو معصومیت کے بقا کا ابھی سے انتظام فرما لیجئے۔

جواب ۹۲۹: آپ کے مسلک کی رو سے آئمہ کا عمل غیر مقبول تھا اسی لئے آپ ان کی عصمت کے بھی قائل نہیں ہیں جبکہ ہمارا عقیدہ عصمت پر اساس رکھتا ہے جو بغیر موافقت قرآن کے ممکن ہی نہیں ہے۔

اعتراض ۹۳۰: فرمائیے جامعہ جس کا ذکر اصول کافی میں وارد ہے اس سے مراد قرآن ہے یا کچھ اور

جواب ۹۳۰: جامعہ ایک جدا کتاب ہے جو قرآن کی تشریح و تفسیر ہی سے متعلقہ ہے

اعتراض ۹۳۱: اگر کچھ اور ہے تو اس کا ثبوت چاہیئے اور اگر عین قرآن ہے تو اس عبارت کا جواب مرحمت فرمائیے:

فیھا کل حلال وحرام وکل شیء "اس میں سب حلال اور حرام

یحتاج الناس الیہ ہے اور ہر وہ چیز ہے جس کی طرف

لوگ محتاج ہوں (اصول کافی ص۱۵ ایرانی)

کیا یہی عبارت ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین کا ترجمہ نہیں!

جواب ۹۳۱: صحیفہ جامعہ عین قرآن تو نہیں مگر قرآن الحکیم کی طرف ایک آیت کی تفسیر ہے کہ اس میں خشک و تر کا مفصل بیان ہے اس کا ثبوت اسی روایت میں موجود ہے کہ یہ کتاب قرآن مجید کی اضافی و مشرح ہے جیسا کہ امام پاک نے فرمایا" اے ابو محمد (کنیت ابو بصیر) رسولؐ خدا نے علیؑ کو ہزار باب علم کے تعلیم کئے اور ان ہر باب سے ہزار باب اور ظاہر ہوئے میں نے کہا واللہ علم اس کا نام ہے پس حضرت کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا اے ابو محمد! ہمارے پاس جامعہ ہے۔ لوگ کیا جانیں جامعہ کیا ہے میں نے کہا میں قربان

(وان عندنا الجامعہ وما یدریھم ما الجامعہ قال قلت فداک وما الجامعہ) آپ بتائیں؟ فرمایا وہ ایک صحیفہ ہے ستر ہاتھ (گز)

لمبا رسول اللہؐ نے اپنے دہن مبارک سے بیان فرمایا اور حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھ سے اس کو لکھا اس میں تمام حلال و حرام کا ذکر ہے اور ہر اس شے کا جس کی احتیاج لوگوں کو ہوتی ہے۔ (قال صحیفۃ طولها سبعون ذراعا بذراع رسول اللہ واملائہ من فلق فیہ وخط علی علی بیمینہ فیها کل حلال وحرام وکل شئی یحتاج الناس الیہ)

قرآن شریف کو ہر مسلمان جانتا ہے امامؑ کا ابوبصیرؒ سے یہ فرمانا کہ لوگ کیا جانیں جامعہ کیا ہے، اور پھر ابوبصیر کا اظہار ناواقفیت کرکے دریافت کرنا اس بات کا ثبوت ہے یہ قرآن نہ تھا اگر قرآن ہوتا تو ابوبصیر لاعلمی کا اقرار نہ کرتے پھر اس کا ستر ہاتھ لمبا ہونا اور حضورؐ کا املا کروانا بھی ظاہر کرتا ہے کہ یہ کتاب قرآنی تفسیر تو ہو سکتی ہے مگر بعینہٖ قرآن نہ تھا نہ ہی روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ قرآن مخزن ہے مگر طب کی مشہور کتاب کا نام بھی مخزن حکمت ہے کیا ہم اس کتاب پر اعتراض کردیں کہ یہ قرآن ہے کیونکہ قرآن کی صفت کا دعویٰ ظاہر ہے کوئی صاحب علم و حکمت ایسی بیہودگی نہیں کرے گا۔

اعتراض ۹۳۲:۔ اور اگر اس سے مراد قرآن ہے تو کیا آپ کا قرآن ستر گز کا ہے اگر اقرار ہے تو فہو المقصود اور اگر انکار ہے تو ذیل کی عبارت کا جواب عنایت فرمائیے؛

ما الجامعۃ قال صحیفۃ طولها کیا ہے جامعہ قرآن ہے جس کی سبعون ذراعا۔! لمبائی ستر گز ہے

(اصول کافی ایرانی ص۱۴۳)

جواب ۹۳۲:۔ اگر آپ اس جملے کا ترجمہ بایں الفاظ صحیح ثابت کردیں اور عبارت میں یا اس کے سیاق و سباق میں "قرآن" کا لفظ متن میں دکھادیں تو میں سنی مذہب اختیار کرلوں گا۔ پچھلے اعتراض کے جواب میں ہم نے یہ جملہ مع

عربی لکھ دیا ہے ناظرین خود فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ جامعہ سے مراد قرآن نہیں ہے بلکہ الگ صحیفہ تفسیری ہے۔ ستر گز کی طوالت کو بھی ہمارے مخالفین نے طعن بنا رکھا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ پرانے زمانہ میں کاغذ ایجاد نہ ہوا تھا لہٰذا لوگ چمڑے اور پتوں وغیرہ پر لکھتے تھے اور اُن کو جوڑ کر لمبا کر لیتے تھے۔ کتابوں کی موجودہ شکل سے واقف نہ تھے۔ لہٰذا وہ مختلف چیزیں ایک دوسرے سے مل جب جڑتی تھیں تو اتنی لمبائی کوئی زیادہ نہ تھی۔ حالانکہ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے کہ اگر میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر کروں تو ستر اونٹوں کا بوجھ بن جائے۔ اسی طرح دوسری جگہ مولاؑ نے فرمایا ہے کہ سارا علم ایک نقطہ میں ہے۔ یہ ہمارے آئمہ برحقؑ کی علمی فضیلت ہے کہ انہیں فصاحت و بلاغت پر مکمل عبور ہے۔

اعتراض نمبر ۹۳۳ :۔ فرمایئے سیدہ فاطمہؑ کے مصحف پر آپ کا ایمان ہے یا نہ۔ اگر جواب نفی میں ہے تو بلا دلیل ہے اور اگر اثبات میں ہے تو کیا یہ سچ ہے کہ مصحف فاطمہ میں موجودہ قرآن مجید کا ایک لفظ بھی نہیں تھا

جواب نمبر ۹۳۳ :۔ ہمارا مصحفِ فاطمہؑ پر یقیناً ایمان ہے لیکن یہ بالکل سفید جھوٹ ہے کہ اس مصحف میں موجودہ قرآن مجید کا ایک لفظ بھی نہیں تھا۔ یہ بات ہمارے ہاں قطعاً مرقوم نہیں ہے۔ سراسر افتراء اور بے بنیاد الزام ہے۔

اعتراض نمبر ۹۳۴ :۔ اگر جوابِ اثبات میں ہے تو فہو المقصود کہ آپ موجودہ قرآن کے منکر قرار پائے اور اگر جواب نفی میں ہے تو ذیل کی عبارت کا جواب دیجئے:

وان عندنا لمصحف وما یدریہم	بلاشبہ ہمارے پاس سیدہ فاطمہؑ
ما مصحف فاطمہ قال قلت وما	والا قرآن ہے اور ان کو کیا خبر
مصحف فاطمہ قال مصحف	کہ مصحف فاطمہؑ کیا ہے مصحف
فیہ مثل قرآنکم ثلاث مرات	سیدہ فاطمہؑ کا تمہارے قرآن

والله ما فیہ من قرآنکم حرف واحد — سے سہ گنا زیادہ ہے خدا کی قسم اس میں تمہارے قرآن میں سے ایک حرف بھی نہیں ہے

(اصول کافی ایرانی ص۱۱۵)

جواب ۹۳۴ :۔ قریشی صاحب! میں بڑے دکھ کے ساتھ یہ عرض کرتا ہوں کہ جن لوگوں کے بارے میں قرآن میں ہے کہ قرآن بہتوں کو گمراہ کرتا ہے یقیناً" آپ بھی ان ہی افراد میں سے ہیں کہ آپ کو دروازۂ علم وحکمت سے کوئی خیرات نہیں ملی ہے یہی وجہ ہے کہ آپ بہکی بہکی باتیں بناتے ہیں آپ کے اس اعتراض کا جواب بھی بندۂ ناچیز اپنی کتاب ذکار الافہام کے اعتراض ۲۹ کے جواب میں دے چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مصحف اور قرآن ایک چیز نہیں ہیں مصحف کئی ہیں، مثلاً" مصحفِ عائشہ، مصحفِ حفصہ، مصحف عبداللہ ابن مسعود اور مصحف عثمان وغیرہم جبکہ قرآن مجید صرف ایک کتاب ہے۔ لہٰذا جب مصحفِ فاطمہؑ صرف قرآن نہیں بلکہ اس میں قرآن کی تشریح وتفسیر بھی موجود ہے تو پھر آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ہم قرآن کو نہیں مانتے اسی عبارت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ قرآن اور کتاب ہے جبکہ مصحفِ فاطمہؑ قرآن سے سہ گنا بڑی ہے کہ اس میں تفصیلات وتشریحات کے تفسیری نوٹ مرقوم ہیں اس مصحف کو علم جعفر کی ایک کتاب کہا گیا ہے جیسا کہ میں نے اپنی کتاب "صرف ایک راستہ" میں "علم جعفر واسرار الحروف" کے باب میں اس کی مفصل وضاحت کی ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنی عادت کے مطابق اس عبارت کے ترجمہ میں بھی معنوی تحریف کی ہے مصحف کا ترجمہ قرآن کیا ہے۔ عبارت کا صحیح ترجمہ اس طرح ہے کہ امام اس عبارت سے قبل علم جعفر کی حقیقت ارشاد کرتے ہیں اور اس کے بعد خاموش ہو جاتے ہیں پھر فرماتے ہیں" ہمارے پاس مصحفِ فاطمہؑ ہے۔ لوگ کیا جانیں مصحف فاطمہؑ کیا ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کیا ہے (سائل کا تعارف پوچھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مصحف قرآن کے علاوہ کتاب ہے) فرمایا تمہارے اس قرآن سے (بلحاظ تفصیل وتوضیح احکام) وہ مصحف تین گنا ہے۔ واللہ تمہارے اس قرآن میں ایک حرف ہے یعنی اجمال ہے

معترض نے بالکل غلط ترجمہ کیا ہے کہ اس میں سے تمہارے قرآن سے ایک حرف بھی نہیں ہے"
جب یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ قرآن سات حروف میں ہے اور موجودہ قرآن
صرف ایک حرف میں ہے تو پھر حدیث میں کونسی ایسی بات ظاہر ہوتی ہے کہ جس
سے قرآن کی تکذیب ہو۔ ہم ناظرین سے گزارش کریں گے وہ اصول کافی جلد ۱
کتاب الحجت باب ۳۹ کی پہلی حدیث ص ۲۷۱ پر ضرور ملاحظہ فرمائیں اور خود فیصلہ کریں

اعتراض ۹۳۵ :۔ جب آپ کے قرآن کی حقیقت معلوم ہو چکی
کہ اس قرآن میں موجودہ قرآن کے حروف ہجا میں سے ایک حرف
بھی نہیں ہے تو براہِ کرم آگاہ فرمائیے کہ آخر وہ کون سے حروف ہیں
جن سے ان آیات کا ترکیب ہے؟

جواب ۹۳۵ :۔ جب ہم نے آپ کی خیانت ثابت کر دی کہ ہم مصحف فاطمہؑ
کو قرآن مجید کی تفسیری کتاب مانتے ہیں اور یہ آپ نے جھوٹا الزام لگایا ہے کہ اس مصحف
میں موجودہ قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے تو پھر اعتراض خود بخود باطل قرار پاجاتا
ہے باقی مصحف فاطمہؑ کے بارے میں خود اسی حدیث میں یہ مرقوم ہے کہ اس میں قرآن
کے احکام کی تفصیل و توضیح بیان ہوئی ہے اور وہ ضخامت کے اعتبار سے اس قرآن
سے سہ گنا ہے۔ راوی حدیث نے آگے بیان کیا ہے کہ امام جعفر صادقؑ کو فرماتے سنا
کہ ۱۲۸ ہجری میں منکر فلاسفہ ظاہر ہوں گے میں نے یہ مصحف فاطمہؑ میں دیکھا ہے میں
نے پوچھا مصحف فاطمہؑ کیا ہے فرمایا جب رسول اللہؐ کا انتقال ہو گیا تو سیدہ فاطمہؑ پر
بجوم غم و اندوہ ہوا ایسا کہ جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا خدا نے ان کے پاس اس
غم میں تسلی دینے کے لئے ایک فرشتہ بھیجا جس نے ان سے کلام کیا حضرت سیدہ طاہرہ
نے یہ واقعہ امیرالمومنینؑ سے بیان فرمایا۔ حضرت علیؑ نے ارشاد کیا اب جب فرشتہ آئے
اور تم اس کی آواز سنو تو مجھے بتانا چنانچہ جب پھر فرشتہ آیا تو حضرت فاطمہؑ نے آگاہ فرمایا
امیرالمومنینؑ فرشتے کی تمام باتوں کو لکھتے جاتے تھے یہاں تک کہ وہ باتیں اس مصحف

میں لکھی گئیں۔ پھر امامؑ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں حرام و حلال کا ذکر نہیں بلکہ آئندہ ہونے والے واقعات کا ذکر ہے"

اب ظاہر ہو گیا کہ قرآن زمانہ رسولؐ میں نازل ہو چکا تھا اور یہ مصحف بعد از رسولؐ سیدہ طاہرہؑ کی تشفی کی خاطر فرشتے نے بتایا جسے جناب امیرؑ نے محفوظ کیا۔ پس قرآن مجید اور ہے اور مصحف فاطمہؑ دیگر چیز ہے جس میں معصومہ کو آئندہ کے واقعات سے باخبر کیا گیا ہے۔

اعتراض ۹۳۶:- اصول کافی ص۱۱۶ مطبوعہ ایران میں ہے کہ وہ قرآن اونٹ کی ران جتنا موٹا ہے۔ کیا آپ اس کی تشریح آسان لفظوں میں فرما سکتے ہیں جس سے قلب مطمئن ہو جائے۔

جواب ۹۳۶:- قریشی صاحب! اگر آپ کا ایمان ہے کہ روز قیامت حساب دینا ہو گا تو آپ کو خوف خدا کرنا چاہیئے اور دین کے معاملہ میں کذب و افترا سے اجتناب فرمانا چاہیئے۔ اصول کافی میرے سامنے موجود ہے مجھے تو یہ کہیں بھی لکھا نہیں ملا ہے کہ قرآن اونٹ کی ران جتنا موٹا ہے اگر آپ اصل عبارت میں یہ الفاظ ثابت کر دیں تو میں آپ کو منہ مانگا انعام دوں نیز تاحیات آپ کی غلامی قبول کر لوں گا یہ بات کتاب "جامعہ" کے بارے میں اصول کافی میں اس طرح لکھی گئی ہے کہ اصحاب نے پوچھا کہ جفر کیا ہے امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا وہ بیل کی کھال ہے جو مسائل علمیہ سے بھری ہوئی ہے پوچھا جامعہ کیا ہے فرمایا وہ ایک صحیفہ ہے جس کا طول ستر ہاتھ (گز) ہے اور جو لپیٹے جانے کے بعد اونٹ کی ران کے برابر ہو جاتا ہے۔ اس میں وہ تمام باتیں ہیں جن کی لوگوں کو احتیاج ہوتی ہے کوئی فیصلہ ایسا نہیں جو اس میں نہ ہو یہاں تک کہ ہلکے سے زخم کی دیت کا بھی ذکر ہے۔

(فقال له فالجامعه قال تلك صحيفه طولها سبعون ذراعاً فی عرض الادیم مثل فخذ الفالج فیها کل ما یحتاج الناس الیه ولیس من قضیة الا وهی فیها حتی ارش الخدش)

پس معلوم ہوا کہ یہ بات کتاب الجامعہ کے بارے میں ہے اگر خدا نے آپ کے دل پر جہالت کا قفل نہیں لگایا ہے تو اس آسان تشریح سے آپ کا اطمینان قلب ہو جانا چاہیے کہ پُرانے زمانے میں کتابوں کی موجودہ شکل نہ تھی لوگ کھالوں اور پتوں وغیرہ پر لکھتے تھے۔ لہٰذا جس چیز پر کتاب الجامعہ لکھی گئی تھی اگر اس کا جوڑ کر رول بنا دیا جاتا تو وہ یقیناً" اونٹ کی ران کے برابر بن جاتا۔ یہ کوئی خاص خلاف عقل یا مخالفِ تجربہ و مشاہدہ بات نہیں ہے۔ ستر ہاتھ کا محاورہ زیادتی کے لئے استعمال ہوا ہے اور آج بھی اگر ستر گز کپڑے کو تھان کی شکل میں لپیٹ لیا جائے تو اس کی موٹائی تقریباً" اونٹ کی ران کے برابر ہو جائے گی۔ یہ بات افہام و تفہیم کے لئے کہی گئی ہے جس سے مراد لوگوں کو ضخامت کا تعارف کروانا ہوتی ہے۔

اعتراض ۹۳۷: اگر آپ یہ مکر کریں کہ قرآن مجید میں " انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون " وارد ہے معلوم ہوا کہ قرآن محفوظ ہے لہٰذا سب روایتیں مردود ہیں تو سوال یہ ہے کہ ملا خلیل قزوینی کی عبارت مندرجہ الصافی شرح اصول کافی ص ۷۶ سطر ۲ باب النوادر جز ششم کا کیا جواب ہے جب اس نے کھلے لفظوں میں اعلان کر دیا ہے

" ایں آیت دلالت نمے کند بر محفوظ بودن جمیع القرآن " یہ آیت دلالت نہیں کرتی کہ جمیع القرآن محفوظ ہے کیونکہ اس کے نسخ پر اور آیتیں نازل ہو چکی ہیں یا یہ مراد ہے کہ صرف ایک نسخہ امام مہدی کے پاس محفوظ ہے۔

جواب ۹۳۷: مجھے ایسے مکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں تو سیدھا

سا آدمی ہوں ۔ متمسک بالثقلین ہونے کے علاوہ اور کسی خوبی کا دعویدار نہیں ہوں۔
جاہل ضرور ہوں مگر گدائے باب مدینۃ العلمؑ ہوں ۔ لہٰذا اس دروازے کے مخالفین
پر محض تمسک کی برکت سے غالب آجاتا ہوں ۔ محترم قریشی صاحب میری صاف رائے
یہ ہے کہ اس آیت کا دراصل موجودہ قرآن سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے اگر کوئی شیعہ عالم
بھی ایسا کہتا ہے کہ قرآن موجود کی حفاظت کی دلیل ہے تو مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے
اس لئے کہ یہ خلاف واقعہ ہے ۔ کیونکہ یہ بات صرف عقیدہ کے تحت تو کہی جاسکتی ہے
مگر غیر مسلم اسے صرف خوش فہمی سمجھیں گے ۔ جب کتب سُنیہ سے مکمل طور پر ثابت ہوتا
ہے کہ قرآن موجود میں بہت سی آیات موجود نہیں ۔ کئی سورے چھوٹ گئے ہیں ۔ کئی
الفاظ سہوِ کتابت سے غلط لکھے گئے ہیں ۔ ترتیب میں تاخیر و تقدیم ہے ۔ لفظی و معنوی
تغیر پایا جاتا ہے تو خدا کا وعدہ کہاں پورا ہوا ہے اور کس طرح قرآن محفوظ رہا ۔ اگر
خدا نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا تو پھر قرآن نذر آتش کیوں ہو گئے ؟ آج بھی
لوگ کتابت قرآن میں غلطیاں کر جاتے ہیں اور چھپ جاتے ہیں ۔ عدالتوں میں لوگ
پیسے لے کر جھوٹے قرآن اٹھا کر گواہیاں دے دیتے ہیں ۔ ایک ہی آیت کے مختلف
مطالب وضع کئے جاتے ہیں اور نزاع پیدا ہوتے ہیں تفرقہ بازی جنم لیتی ہے ۔ پس ان
حقائق کی موجودگی میں خدا کا وعدۂ حفاظت قرآن موجود معاذ اللہ صحیح ثابت نہیں ہو
پاتا ہے اور یہی بات اس امر کی دلیل ہے کہ "الذکر" جس کی حفاظت کا ذمہ خداوند تعالیٰ
نے لیا ہے وہ ذات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے چنانچہ قرآن مجید سرکار دو عالم
ہی کو ذکر کے نام سے یاد کیا گیا ہے ۔ "قد انزل اللہ الیکم ذکراً ہ رسولاً یتلوا
علیکم آیات اللہ مبینت (طلاق پ۲۸)" یعنی (تم کو) آگاہ کرنے کے لئے پیغمبر (محمدؐ)
کو تمہاری طرف بھیج دیا ہے جو تم کو خدا کی کھلی کھلی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں ۔

(ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد سنی المذہب)

اسی لئے احادیث میں اہل الذکر سے مراد اہل الرسول لی گئی ہے ۔ پس جب میں اس
آیت کو حفاظتِ قرآن موجود کی دلیل ہی تسلیم نہیں کرتا تو پھر اعتراض کے جواب دینے

کی ذمہ داری سے بری ہوں ۔ علامہ قزوینی نے بھی اس آیت کو حفاظت قرآن کی دلیل تسلیم نہیں کیا ہے۔ میرے نزدیک قرآن کی حفاظت کے سلسلے میں حدیث ثقلین سے بڑی اور کوئی دلیل نہیں ہے اور خود قرآنی شہادت ہے" بل ھو قرآن ٌ فی لوح محفوظ؟ بروج" اور امام ؑ کا ارشاد ہے کہ لوح محفوظ ہم اہل بیت ہیں ۔ پس جب تک اہل بیت ؑ محفوظ ہیں قرآن بھی محفوظ ہے کیونکہ دونوں میں جدائی ناممکن ہے ۔ اہل بیت ؑ کے بغیر "قرآن" قرآن ہی نہیں ہے ۔ بلکہ اس کا درجہ محض عربی زبان کی ایک نثر کی کتاب کا ہے ۔ اگر قرآن اہل ؑ بیت کے ساتھ ہے تو کتاب المبین ہے ۔ شفاء امراض ہے ۔ ہر مسئلہ حیات و ممات پر حاوی ہے ۔ اکیلا کافی نہیں ہے ۔ پس دعویٰ عام ہے کہ کروڑ قرآن کے نسخے اکٹھے کر لو اور ارب مرتبہ ان سب کی تلاوت کر لو ۔ ذرہ برابر بھی ثواب نہ ہوگا اگر اہل بیت ؑ کی محبت دل میں نہ ہوگی ۔ لیکن اگر صدق ایمان سے محمد و آل محمد علیہم السلام کی مؤدت و عقیدت کے ساتھ قرآن کا ایک حرف "الف" کہہ دو گے تو بیڑا پار ہو جائے گا ۔ " الف کا راز " میری کتاب " صرف ایک راستہ " میں دیکھئے ۔

اعتراض ۹۳۸ :۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ صاحب تفسیر صافی نے یہ تصریح کی ہے کہ " بل ھو القرآن مجید ٌ فی لوح محفوظ ٍ " تو سوال یہ ہے کہ کیا آپ نے مذکورہ بالا عبارتوں سے صاحب تفسیر صافی کا عقیدہ معلوم نہیں کر لیا ۔ کیا اب بھی اس کی تفسیری عبارت سے استدلال درست ہو سکتا ہے؟

جواب ۹۳۸ :۔ تفسیر صافی کی تمام عبارات کا جواب دے دیا گیا ہے اور ثابت کیا ہے صاحب تفسیر کا عقیدہ تحریف قرآن کے خلاف ہے اور یہی تمام شیعوں کا ہے نیز اس حقیقت کا بھی انکشاف کر دیا گیا ہے اہل سنۃ والجماعت اپنے چہرۂ تحریف کو چھپانے کے لئے یہ داغدار چادر ہمارے اوپر ڈالنے کی کوشش

کرتے ہیں۔ تفسیر صافی کی منقولہ عبارتوں کی روشنی میں صاحب تفسیر کی مذکورہ تصریح متعارض قرار نہیں پا سکتی ہے اس لئے استدلال درست ٹھہرتا ہے۔

اعتراض ۹۳۹:۔ جب آئمہ معصومین (عندکم) کا عقیدہ مطابق تصریحات مذکورہ اس تفسیر کے خلاف ہے تو پھر استدلال کیا؟

جواب ۹۳۹:۔ آئمہ معصومین کا عقیدہ تحریف قطعاً ثابت نہیں ہو سکا ہے بلکہ آئمہ نے بذات خود حفاظت قرآن کرکے اس تفسیر کی تقویت کے لئے دلیل مہیا کردی ہے۔ اگر آئمہ مخالف قرآن ہوتے تو پھر حفاظت کیوں کرتے اور شیعوں کو کتاب اللہ کی پیروی و تمسک کا حکم کیوں دیتے؟

اعتراض ۹۴۰:۔ کیا آپ کے مذہب میں امام کے قول پر کسی غیر امام کے قول کو ترجیح دی جا سکتی ہے اگر جواب ثبوت (اثبات) میں ہے تو دلائل پیش کیجئے ورنہ مکھ واپس لیجئے۔

جواب ۹۴۰:۔ جب تک قول امام پیش نہ کیا جائے اعتراض کی کوئی بنیاد قائم نہیں ہو سکتی کیونکہ کسی امام نے "قرآن الحکیم" میں تحریف کے عقیدہ کی تعلیم نہیں دی ہے ورنہ ثابت کیجئے اور منہ مانگا انعام لیجئے۔ پس جب قول ثابت نہیں تو ترجیح کا تقابل کیسے ہو سکتا ہے۔

اعتراض ۹۴۱:۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ صفین میں حضرت علیؓ کا امیر معاویہؓ کے سامنے موجودہ قرآن پیش کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ شیعہ کا اس قرآن پر ایمان ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ تب مقصود ہوتا جب اہل سنت حضرت علیؓ کی عظمت و منزلت کے منکر ہوتے اور ان کو اہل السنت والجماعت میں تسلیم نہ کرتے پس جب ایسا نہیں تو مکر قابل تسلیم کرے

جواب ۹۴۱ :۔ اولاً یہ بات تاریخ کے خلاف ہے کہ حضرت علیؑ نے معاویہ کے سامنے قرآن پیش کیا۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ لشکر معاویہ نے شکست سے بچنے کی خاطر یہ مکاری کی۔ دوم یہ کہ ہم ذات علیؑ کو قرآن ناطق سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ایسی دلیل ہمارے نزدیک کوئی وزن ہی نہیں رکھتی۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اگر بزعم شما ہم قرآن پر اعتبار نہیں کرتے ہیں تو پھر وہ قرآن جو ہم پڑھتے ہیں اور جو موجودہ قرآن سے مختلف ہے آج یا کسی ماضی کے زمانہ میں ثبوت کے طور پر پیش کر دو تاکہ یہ جھگڑا ختم ہو جائے۔ جب آپ الزام لگاتے ہیں تو اخلاقی اور قانونی تقاضا کو پورا کیجیے اور نسخہ ڈھونڈ کر لائیے جو آپ کے زعم میں ہمارا قرآن ہے یا کبھی تھا۔

اعتراض ۹۴۲ :۔ اگر یہ کہا جائے کہ قرآن مجید اور بھی کہیں نہ ہو لیکن لوح محفوظ میں تو ہم محفوظ ہونے کے قائل ہیں تو سوال یہ ہے کہ پھر قرآن اور توریت و انجیل میں کیا فرق رہا جبکہ وہ کتابیں بھی لوح محفوظ میں ہیں اگرچہ دنیا میں محرف ہو چکی ہیں۔

جواب ۹۴۲ :۔ ہم کہتے ہیں کہ لوح محفوظ اہل بیت کے سینے ہیں اور اہل بیت میں کا آخری محافظ قرآن اس دنیا میں موجود ہے جس کے پاس قرآن بھی توریت بھی اور انجیل و زبور و صحائف متفرقہ بھی ہیں۔ خدا کی آیات تک عام انسانی ہاتھ کی رسائی نہیں ہے۔ خداتعالیٰ نے عظمت قرآن کے بارے میں ارشاد کیا ہے کہ اگر قرآن پہاڑ پر اتارا جاتا تو ریزہ ریزہ ہو جاتے جس سے صاف ظاہر ہے عام انسانی ظرف متحمل قرآن ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ اسی لئے خدا نے صرف مخصوص ہستیوں ہی کو وراثت وحفاظت قرآن کے لئے منتخب کیا ہے۔ یہ قرآن کی بڑی بے قدری ہو گی اگر ہما تما سب قرآن کے محافظ و وارث قرار پا جائیں۔ ہمیں تو صرف اتنا ہی علم قرآن حاصل ہے جتنا ہماری استطاعت کے ظرف سے منطبق ہو سکتا ہے۔ اگر ہم یہ کہنا شروع کر دیں کہ ہمارے

پاس پورا قرآن اسی طرح ہے جس طرح قلب رسولؐ پر نازل ہوا تو میں دنیا کے سب مسلمانوں کو کہوں گا کہ اس دعویٰ کا ثبوت پیش کریں۔ قرآن سے پہاڑوں کو چلایا جا سکتا ہے۔ کوئی فردِ مسلمان جو بہت بڑا حافظ و قاری مانا گیا ہو ذرا مجھے ایک ریت کا ٹیلہ ہی تلاوت قرآن سے متحرک کر کے دکھا دے۔ جب وارثِ قرآن نے سورج کو انگلی کے اشارے سے پلٹا کر کائنات کی کایہ پلٹ دی۔ اس کے استاد نے انگلی سے قمر میں شگاف پیدا کر دیا اور چاند کے دونوں ٹکڑے اپنے دائیں بائیں گزار کر دکھا دیئے۔ جب آپ کے پاس قرآن کی تاثیر ہی مفقود ہے تو پھر آپ کے مذہب کے مطابق دعویٰ حفاظت قرآن ایسا ہی ہے کہ بے جان و مردہ جسم کو کسی لیبارٹری میں محفوظ کر لیا جائے۔ دیگر کتب سماویہ اور قرآن میں فرق یہ ہے کہ ان کتابوں کی عبارتیں مفہوم اور اشکال سب محرف ہو چکی ہیں۔ وہ کتابیں ناپید ہیں اور موجودہ محرف کتابوں کا تضاد مضامین ثابت کرتا ہے کہ یہ کتب اصل کتب کی نقل نہیں ہیں۔ جبکہ قرآن مجید کی عبارتیں اور مفہوم میں نہ ہی تضاد ہے نہ اختلاف۔ جس قدر موجودہ زمانہ کی ہدایات کے لئے تعلیمات کافی ہو سکتی ہیں وہ اس میں ظاہر کر دی گئی ہیں اور اگر محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی ہدایات کی روشنی میں اس سے رہنمائی حاصل کی جائے تو یہ ہدایت ہے ورنہ گمراہی کا سبب ہے۔ دیگر نام نہاد اسلامی کتب میں آئے دن تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے جبکہ قرآن میں کوئی ردّ و بدل نہ کیا جا سکا۔ اگر کوئی تغیر ہوا ہے تو ترتیب میں، جس سے ہدایت پر کوئی ضعف نہیں آتا ہے۔ پس چونکہ قرآن موجود ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا قرآن نہیں بنا ہے اور نہ ہی اس میں اختلاف ہوا ہے اس لئے یہ خاصیت اسے دوسری کتب پر فوقیت دیتی ہے کیونکہ دوسری کتب میں تضاد ہے جو مانع الہام ہے۔

اعتراض ۹۴۳:۔ کیا اسی نظریے کے پیشِ نظر آپ انا لہ لحافظون کا مفہوم مسلم طور پر پیش کر سکتے ہیں؟

جواب ۹۴۳:۔ ہم نے عرض کر دیا ہے حفاظت کا وہ مفہوم جو آپ کے زعم

میں ہے میرے لئے قابل قبول ہی نہیں ہے۔ لہٰذا بحث فضول ہوگی۔

اعتراض ۹۴۴: اگر یہ مکر کیا جائے کہ صحیفۂ علویہ ص۲۰۳ میں قرآن مجید کے فضائل موجود ہیں کیا پھر بھی تحریف کے قائل ہونے کی ملامت ہم پر باقی ہے تو سوال یہ ہے کہ بحث فضیلت میں ہے یا ایمان بالقرآن میں۔ پھر کیا آپ فضیلت کے باب میں موجودہ قرآن کی قید دکھا سکتے ہیں؟

جواب ۹۴۴: آپ کو ملامت کرنے کا حق ہی حاصل نہیں ہے کیونکہ نہ ہی آپ کے مذہب کے مطابق آپ کا قرآن پر ایمان ثابت ہو سکتا ہے اور نہ ہی آپ کو تحریف کے جرم کی سزا سے بچایا جانا ممکن ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ جو ہم پر تحریف کا الزام لگاتے ہیں ہمیں اس کا ثبوت دیجئے کہ کون سے نسخۂ قرآن سے آپ ہم کو اس مذموم فعل کا مرتکب قرار دیتے ہیں۔ ڈیڑھ ہزار سال میں کروڑ ہا نسخے قرآن کے لکھے گئے ہیں ان میں سے کوئی ایک ایسا نسخہ لے آئیے جس میں ہم نے تحریف کی ہے۔ جب آپ کے پاس ایسا کوئی ایک بھی ثبوت نہیں ہے تو پھر آپ یہ الزام بلا ثبوت کیوں لگاتے ہیں۔ جب آپ صحیفۂ علویہ کے مرقوم فضائل کی موجودگی تسلیم کرتے ہیں تو بتائیے ایمان کے بغیر بھی کسی چیز کی فضیلت کا اقرار ہوتا ہے اور قرآن کی قید تو تب دکھائی جائے جب ہم دو قرآن تسلیم کریں یہ تو آپ پر واجب ہے کہ آپ ثابت کریں کہ فضائل قرآن کے نہیں بلکہ کسی اور قرآن کے ہیں۔ ہم جب قرآن کی تعداد ہی ایک مانتے ہیں تو پھر تخصیص و وضاحت کیسی؟

اعتراض ۹۴۵: اگر تحریف قرآن کو بقول شما تسلیم کر لیا جائے تو کیا شہادت حسین کی کوئی وقعت رہتی ہے جبکہ آپ حضرات کا اعلان ہے کہ قرآن کی خاطر جان کو قربان کیا تھا

جواب ۹۴۵:۔ چونکہ ہم تحریف قرآن قبول نہیں کرتے اسی لئے کہتے ہیں قرآن کی حفاظت کے لئے حسین علیہ السلام نے سر کٹایا۔ جبکہ آپ تحریف کے قائل ہیں اور آپ کے مذہب کے سرخیل شخص نے یزید کی بیعت کو خدا اور رسولؐ کی بیعت کہا اور قرآن سے محروم ہوا۔ بخاری اور مسلم شریف میں ان صاحب کا تعارف حاصل کر لیجئے۔ آپ کا قرآن وہ ہے جس کے حفاظ و قاریوں نے قتل حسینؑ کا فتویٰ دیا اور ہمارا قرآن وہ ہے جس کی تلاوت کٹے ہوئے سر نے نیزہ پر کی۔

اعتراض ۹۴۶:۔ اگر یہ مکر کیا جائے کہ اہل سنت بھی تو نسخ کے قائل ہیں۔ کیا وہ تحریف میں شمار نہیں ہوتا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ نسخ اور تحریف کے درمیان مابہ الامتیاز لغوی اور اصطلاحی فرق بتائیے۔

جواب ۹۴۶:۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اہل سنتہ والجماعتہ نسخ سے واقف ہی نہیں ہیں اور وہ تحریف ہی کو نسخ کہہ کر اپنا عیب چھپاتے ہیں۔ ورنہ نسخ و تحریف میں بہت فرق ہے۔ نسخ کے لغوی معنی مٹانے کے ہیں اور اصطلاحی معنی نسخ الآیتہ بالآیتہ یعنی ایک آیت کو دوسری آیت کے حکم سے اللہ تعالیٰ کا بدلنا۔ تحریف کا لغوی معنی رُخ بدلنا ہے جبکہ اصطلاحی معنی کسی عبارت کے معنی یا الفاظ بدل دینے کے ہوتے ہیں۔

اعتراض ۹۴۷:۔ کیا "ننسخ من ایتہ" اور "یحرفون الکلم عن مواضعہ" میں پروردگارِ عالم نے یہ واضح نہیں کر دیا کہ نسخ فعل اللہ ہوتا ہے اور تحریف فعل العباد۔

جواب ۹۴۷:۔ یہی تو ہم کہتے ہیں نسخ فعل خدا ہے نسخ معنی ہیں کہ ایک حکم منسوخ ہو تو دوسرا اس کی جگہ ناسخ آئے پس شئی جس کو منسوخ کہتے ہیں اس کی ناسخ دکھانے سے قاصر رہ جاتے ہیں لہٰذا ان کے مذہب میں تحریف ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ منسوخ بلا ناسخ

محرّف ہوگا۔

میری گذارش یہ ہے کہ مذہب اہل سنتہ والجماعتہ میں نسخ فعل اللہ ثابت نہیں ہو سکتا ہے بلکہ یہ نسخ جرم تحریف کے لئے آڑ بنایا گیا ہے۔ پس اب مجھے موقعہ ہاتھ لگ گیا ہے کہ اسی پردہ کو چاک کردوں تاکہ چہرۂ تحریف بے نقاب ہو کر ہر شخص کے سامنے نمایاں ہو جائے۔ اول ہم نسخ کے معنی سُنیوں کی مشہور تفسیر خازن سے نقل کرتے ہیں:

" لفظ نسخ کی وضع لغوی بمعنی نقل و تحویل ہے۔ اسی معنی سے نسخ الکتاب ہے وہ نسخ یہ ہے کہ ایک تحریر ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل کردی جائے۔ نقل کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ عبارت کی صورت اولیٰ مٹادی جائے۔ بلکہ نقل یہ چاہتی ہے کہ نوشتہ اول کی مانند تحریر دوسری جگہ رکھی جائے۔ اس معنی سے پورا قرآن منسوخ ہے اس لئے کہ قرآن لوح محفوظ سے نقل ہو کر آیا تھا اور سب کا سب دنیا پر نازل ہوا تھا اور کبھی نسخ بمعنی رفع و ازالہ بھی مستعمل ہوتا ہے وہ ایک چیز کو دوسری بعد والی چیز سے زائل کر دیتا ہے۔ مثلاً آفتاب کا سایہ کو اور بڑھاپے کا جوانی کو دور کرنا۔ پس بایں معنی بعض قرآن منسوخ ہے اور بعض قرآن ناسخ ہے اور یہی معنی آیہ ما ننسخ آیۃ میں مراد ہے اس آیت میں نسخ کے معنی ہیں۔ ایک حکم کو بعد والے حکم سے زائل کرنا"۔ (تفسیر خازن بغدادی جلد ۱ صفحہ ۸۰)

پس "نسخ" تقاضا کرتا ہے کہ ایک حکم کی جگہ دوسرا حکم قائم مقام آئے پس اگر آپ کا دعویٰ نسخ ہے تو تمام منسوخات کا بدل ناسخات کی صورت میں قرآن میں دکھانا آپ کے ذمہ ہے۔ اس ضعف کو آپ کے علامہ ابن حصّار نے رفع کرنے کی کوشش کی ہے اور لکھتے ہیں کہ " اگر کہا جائے قرآن میں بغیر بدل کے نسخ کیسے ہوگیا حالانکہ خدا نے فرمایا ہے " ما ننسخ من آیتہ الخ " ہم کسی آیت کو نسخ یا ترک نہیں کرتے کہ اس سے بہتر یا اس کا مثل لاتے ہیں اور یہ ایسی چیز ہے جس میں غلطی کو دخل نہیں ہے۔ پس اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کہیں گے جو اس وقت قرآن میں موجود ہے اور منسوخ نہیں ہوا

ہے پس وہ بدل ہے ان آیتوں کا جن کی تلاوت نسخ ہو چکی ہے۔ الغرض اللہ نے قرآن کا جتنا حصہ نسخ فرما دیا جو اس وقت ہم کو معلوم نہیں ہے اسی کے بدلے میں یہ ہے جو ہمارے علم میں آچکا ہے۔ جس کے الفاظ اور معانی تواتر کے ذریعہ سے ہمارے پاس پہنچے ہیں۔" (اتقان جلد ۲ صہ ۲۷)

لیکن مجیب کہتا ہے کہ یہ انتہائی لغو اور مہمل انداز صفائی ہے لہذا علمائے شیعہ نے اس عبارت پر کئی اعتراضات اٹھائے ہیں۔ اول اعتراض یہ ہے کہ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضورؐ کو یقینی طور پر سلسلہ نسخ تلاوت کا ختم ہونا معلوم تھا اور آیت کے بدل کا آجانا علم رسولؐ میں تھا تاکہ قرآن موجود میں ہر ایک منسوخ التلاوۃ کا بدل مقصود ہو سکے حالانکہ سُنی مسلک کے مطابق یہ مطلب صحیح نہیں ہے کیونکہ زمانہ رسولؐ میں قرآن کے جمع نہ ہونے کی دلیل میں اہل سنۃ سر فہرست اسی بات کو لیتے ہیں کہ حضورؐ کو آخر حیات تک نسخ تلاوت کا انتظار تھا لہذا عہد نبوی میں قرآن مجموع و مرتب نہ ہو سکا پس پھر یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ حضورؐ کو سلسلہ نسخ تلاوت کا انتظار تھا لہذا یقین ہو گیا تھا ورنہ بروئے مسلک سُنیہ آپؐ نسخ تلاوت کا انتظار کیوں فرماتے؛ دوم یہ کہ یہ بات واقعتہً غلط ہے کہ جتنی آیات منسوخ التلاوۃ تسلیم کی جاتی ہیں ان کا بدل اس قرآن موجود میں موجود ہے۔ ورنہ آیۂ رجم، آیہ رضاع کبیر پانچ رضعوں والی، سورۂ احزاب کی ۱۲۷ آیتیں منسوخ التلاوۃ کہی جاتی ہیں ہر ایک کا بدل قرآن موجود میں دکھایا جائے اور حدیث متواتر سے ایسا بدل صحیح ثابت کیا جائے۔ پھر روایات سُنیہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جنگ یمامہ میں بہت سا قرآن صحابہ کے ساتھ شہید ہو گیا۔ یہ آیات نہ منسوخ التلاوۃ تھیں کہ قرآن میں ان کا بدل فرض کیا جائے اور نہ ہی اس قرآن میں بروئے اہل سنۃ ان آیات کا وجود ملتا ہے۔ سوم اعتراض یہ ہے کہ یہ بات بھی حقیقت کے خلاف ہے کہ آپ کو منسوخ التلاوۃ آیات کا علم نہیں ہے اگر ایسا ہے تو نسخ تلاوت میں مثالیں کس بنیاد پر لکھی گئی ہیں۔ چہارم اعتراض ہے کہ جب وہ منسوخ التلاوۃ آیات آپ کو معلوم نہیں ہیں اور ان کے احکام کی اطلاع آپ کو نہیں ہوئی ہے تو پھر آپ نے لاعلمی

کے باوجود یہ کیسے سمجھ لیا کہ فلاں فلاں آیت ناسخہ ہے اور ان کی آیات منسوخہ نامعلومہ کا بدل ہے۔ پانچواں اعتراض یہ ہے کہ یہ بات آپ کے مذہب سے ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ الفاظ قرآن متواتر ہیں کیونکہ آج تک آپ یہ فیصلہ کرنے سے قاصر ہیں کہ بسم اللہ جزو سورہ ہے یا نہ۔ نیز اختلاف قرأت بکثرت موجود ہے جو تواتر لفظی کے منافی ہے تواتر معانی کا دعویٰ بھی مہمل ہے ورنہ اہل سنتہ آیات قرآنیہ کے معنی میں اختلاف کر کے متعدد فرقوں میں تقسیم نہ ہو جاتے۔ پھر اگر تواتر ثابت بھی ہوتا ہے تو محرّف۔ پس جب نسخ ثابت نہ ہوا تو لامحالہ تحریف آپ کے حصہ آئی۔

اعتراض ۹۴۸: اگر آپ فکر کریں کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن جلوا دیئے تھے لہٰذا اہل سنت کا ایمان بھی قرآن پر نہ رہا تو سوال یہ ہے کہ یہ کہاں لکھا ہے قرآن جلا دیئے تھے۔ کیا بخاری شریف میں یہ عبارت موجود نہیں "امر ان یحرق بما سواہ من القران"! کیا تفسیری نوٹوں کا جلا دینا بھی قابل عیب ہے؟

جواب ۹۴۸: حضرت عثمان کا قرآنوں کو جلانا کم از کم ان معتبرہ کتب اہل سنتہ میں مرقوم ہے مطابق حوالہ جات ملاحظہ فرمالیں:

۱۔ صحیح بخاری پ باب فضائل القرآن ص۲۵ مطبوعہ بمبئی جلد ۶
۲۔ مشکوٰۃ شریف مطبوعہ محمدی دہلی ص۱۵۰
۳۔ تفسیر خازن جلد ۱ ص۸ ۴۔ اتقان ص۸۴
۵۔ تاریخ اعثم کوفی فارسی ترجمہ مطبوعہ بمبئی ص۱۴۷
۶۔ روضۃ الاحباب جلد ۲ ص۲۲۹
۷۔ صواعق محرقہ مطبوعہ مصر ص۱۰۱
۸۔ تاریخ خمیس مطبوعہ مصر جلد ۲ ص۳۰۴

۹۔ تحفۂ نذریہ صـ۵۵ـ

۱۰۔ فتح الباری اور فیض الباری وغیرہ

بخاری شریف میں جو عبارت لکھی گئی ہے اس سے بھی صاف ظاہر ہے سوائے القرآن (مصحف عثمان) کے سب کا احراق کر دینے کا حکم ہوا۔ اگر کوئی شخص بخاری کے متن سے یہ ثابت کر دے کہ تفسیری نوٹوں کے جلانے کا حکم دیا گیا تو ہم اس کو منہ مانگا انعام دیں گے اور پھر اگر بالفرض محال یہ قیاس آرائی مان لی جائے تو بھی تفسیری نوٹوں کا علیحٰدہ لکھا جانا ثابت نہ ہو سکے گا کیونکہ یہ نوٹ قرآن ہی کے حاشیے میں لکھے گئے تھے اور جب وہ تفسیری نوٹ جلائے گئے تو یقیناً" آیات قرآنیہ بھی جل گئی ہوں گی۔

اعتراض نـ۹۴۹ـ :۔ اگر کوئی شخص کہنہ مسجد کو گرا دے اور اس کے قائم مقام نئی تعمیر کر دے تو کیا یہ بھی قابل اعتراض ہے؟

جواب نـ۹۴۹ـ :۔ پرانی مسجد کو گرا کر نئی مسجد بنا دینا کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے لیکن اگر مسجد ایک کنال کے احاطہ میں ہو اور اس کے قطعۂ زمین میں سے کچھ زمین کو کاٹ کر کسی دوسرے غیر دینی مصرف میں لے لیا جائے اور بقیہ حصہ پر اپنی مرضی کا سامان عمارت لگا مسجد کھڑی کر دی جائے تو یہ حرکت یقیناً" قابل اعتراض ہوگی۔

اعتراض نـ۹۵۰ـ :۔ جس روایت میں خرق آیا ہے اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو کیا پھر تحریق کا مفہوم باقی رہے گا؟

جواب نـ۹۵۰ـ :۔ قتل چاقو سے کیا جائے یا پستول کی گولی سے، مفہوم قتل قائم رہے گا۔ اب تحریق ہو یا احراق بات ایک ہی رہتی ہے جبکہ زیادہ شواہد جلانے کے ہی ہیں اس لئے کثرتِ شہادت کی بنا پر رائے و فیصلہ کا جھکاؤ احراق

کی طرف ہوتا ہے۔

اعتراض ۹۵۱:۔ خرق بعد الغسل تو آپ کے نزدیک قابل عمل ہے پھر اعتراض کیسا؟

جواب ۹۵۱:۔ اعتراض اس لئے ہے کہ وہاں استحباب و استحقاق کا فقدان ہے۔

اعتراض ۹۵۲:۔ اگر تسلیم کر لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ جس قرآن مجید کی اشاعت کی تھی وہی موجودہ قرآن تھا یا کوئی اور، اگر کوئی اور تھا تو ثابت کیجئے؟

جواب ۹۵۲:۔ میں کہتا ہوں کہ جو قرآن جلائے گئے تھے وہ یہی تھے یا کوئی اور۔ اگر کوئی اور تھے صحابی عادل نہ قرار پائے۔ اور اگر یہی تھے تو توہین کا ارتکاب ثابت ہوا۔ بہر حال یہی قرآن تھا جس کی اشاعت ہوئی۔

اعتراض ۹۵۳:۔ اگر موجودہ قرآن تھا تو آپ کا یہ استدلال پیش کرنا تحریف کے قائل ہونے کے سلسلے میں غلط ٹھہرا۔ کیونکہ جس کا ایمان نہ ہو گیا وہ بھی اس پر عمل اور اس کی مذہبی طور پر اشاعت کر سکتا ہے؟

جواب ۹۵۳:۔ تفسیری نوٹوں کا احراق و اخراق آپ نے قبول کیا ہے ظاہر ہے کہ آپ کے مذہب میں صحابہ کی عدالت مسلمہ ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ وہ نوٹ صحابہ نے بمطابق ہدایت و تعلیم رسولؐ ہی محفوظ و مرقوم کئے ہوں گے اور تعلیم رسولؐ سراسر ہدایت تھی پس ان فرمودات رسولؐ کی تضیع دراصل ہدایت کے احکامات و

تعلیمات میں تحریف تھی۔ اگر وہ نوٹ باعثِ گمراہی ہوتے یا بے فائدہ ہوتے یا فضول و بیکار ہوتے تو نہ ہی رسول اللہؐ ان کو بتاتے اور نہ ہی صحابہ لکھتے بصورت دیگر عصمت رسولؐ اور عدالت صحابہ مجروح ہوتی ہے۔ پس ان تفاسیری ارشادات کو ضائع کرنا تعلیم رسولؐ میں تحریف کہی جائے گی۔ باقی جنہوں نے قرآن کو نذر آتش کر دیا ان کا ایمان بالقرآن مشکوک قرار پاگیا۔ باقی رہ گئی اس کی اشاعت کرنا تو یہ ایک سیاسی حربہ تھا۔ اشاعت قرآن اگر دلیل ایمان بن جائے تو پھر آج عیسائی مشنریاں بھی قرآن شائع کر رہی ہیں۔ نولکشور نے بھی قرآن چھاپے تھے۔ مرزائی بھی قرآن ہاتھوں میں لئے ہوئے ہیں لیکن یہ اشاعت قرآن ان کا ایمان ثابت نہیں کر سکتی ہے۔

اعتراض ۹۵۴: اگر یہ بکر کیا جائے کہ اہل سنت کے قرآن کی فلاں سورت کو بکری کھا گئی تھی تو سوال یہ ہے کہ اس سے ایمان بالقرآن کیسے ثابت ہوا۔ سورت کھا جائے بکری اور ثابت ہو آپ کا ایمان بالقرآن۔

جواب ۹۵۴: ہمارے ایمان کے ثبوت کے لئے بکری کی دلیل ضروری ہی نہیں ہے ہم بکرے کو دلیل ایمان نہیں مانتے تو بکری سے کیا بحث۔ یہ روایت بھی آپ ہی کے عدم ایمان کی دلیل ٹھہرتی ہے کہ جو حصہ قرآن بکری ہضم کر گئی اور بی بی عائشہ نے اس کی گواہی بھی دے دی تو پھر کیا وہ آیت جزو قرآن تھی یا نہ۔ اگر تھی تو اپنے مذہب کے مطابق موجودہ قرآن میں دکھائیے اور نہ تھی تو آپ کے مطابق قرآن میں کمی ہوئی اگر نہیں ہوئی تو عائشہ صاحبہ کاذبہ ٹھہریں۔ بہر صورت جو بھی بکری بکرے کا کھیل ہوا آپ کے لئے مضر ہوا۔ ہم جو قرآن پر ایمان رکھتے ہیں ہمارے نزدیک قرآن کی ہر آیت دنیا میں محفوظ ہے اور موجود ہے۔ یہ آپ کے گھر کا معاملہ ہے کہ قرآن میں کمی بھی مانتے ہیں اور پھر بھی تحریف کا الزام بلاوجہ ہم پر تھوپتے ہیں۔ جبکہ ہم قرآن مجید تک انسانی ہاتھ کی رسائی تک کا بھی ہونا ممکن نہیں

جانتے جب ہمارا عقیدہ یہ ہے تو پھر ہم قابل تحریف کیسے ٹھہرے؟

اعتراض ۹۵۵:۔ قرآن کا مقام کاغذ کی سطح ہے یا مسلمانوں کا دل ہے براہ کرم قرآنی آیات سے ثابت کیجئے۔

جواب ۹۵۵:۔ قرآن کا مقام نہ ہی کاغذ کی سطح ہے اور نہ ہی مسلمانوں کا دل ہے بلکہ اس کی منزل قلب محمد مصطفیٰؐ ہے۔

فیصلہ کن نوٹ:۔ ہمارے مخالفین ہمارا دل دکھانے کے لئے اور اپنے جرائم و نقائص چھپانے کی خاطر اکثر ہم پر تحریف کا الزام لگاتے ہیں لیکن اگر بالفرض محال ان کا یہ الزام درست بھی ہو تو بھی ہمارا عقیدہ کم سے کم ایمان بالقرآن تو ثابت ہوتا ہے لیکن مذہب اہل سنت والجماعت کے اگر قرآنی عقائد کو دیکھا جائے تو اس مذہب میں قرآن کا نازل ہونا ہی ثابت نہیں ہوتا ہے ان کے مذہب کے مطابق ان کے پاس نہ ہی اصلی قرآن کا وجود ثابت ہے نہ ہی نقلی قرآن کا۔ نہ ہی ان کے پاس حقیقی قرآن ہے اور نہ ہی فرضی یا جعلی۔ کیونکہ یہ قدامت قرآن پر عقیدہ رکھتے ہیں اس لئے کسی بھی وقت میں ان کے مزعومہ قرآن کا وجود محقق نہیں ہو سکتا ہے عجیب کا نہ ہی یہ عقیدہ ہے اور نہ ہی منکر قرآن ہے۔ ہمارے مسلک کے مطابق قرآن حادث ہے۔ خدا کا مخلوق ہے۔ اس کی صفت ذاتیہ نہیں ہے۔ نہ ہی قدیم ہے ہمارے پاس موجود ہے جس پر ہمارا ایمان ہے۔ مگر سنی مذہب قرآن کو صفت ذاتیہ بھی کہتا ہے اور پھر صفات خدا کو اس کی ذات کا غیر اور زائد بھی مانتا ہے۔ پھر قرآن کو قدیم بھی سمجھتا ہے۔ اب بتائیے کہ آپ کے مذہب کے مطابق خدا کی صفت اس کی ذات سے جدا ہو کر آپ کے پاس کہاں سے اور کیسے آگئی۔ قدیم چیز میں تغیر کس طرح واقع ہوا کہ اسے جبرئیل تھوڑا تھوڑا یعنی قدیم کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کیسے لائے۔ پھر قدیم کو صحابہ نے کیسے کاغذوں پر لکھ لیا۔ پھر قدیم کی ترتیب آپ کے مذہب

سے کیسے بدل گئی پھر قدیم کے ضائع ہونے کا اندیشہ کیوں ہوا کہ اس قدیم کے اجزا پراگندہ کو ایک جگہ بے ترتیب جمع کر لیا۔ پھر جناب عثمان نے اپنے منشا کے مطابق چھ زبانیں خارج کر کے صرف ایک زبان میں اس قدیم کو باقی رکھا۔ ان باتوں کو اپنے مذہب سے حل فرما دیجئے پھر اپنے مذہب کے مطابق قرآن کے وجود کا اور اس پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کیجئے۔

شیعہ مومنین قطعاً تحریف قرآن کے قائل نہیں ہیں

ہم نے گزشتہ مباحث میں حضرات اہل السنتہ والجماعتہ کے مسلمات معتمدہ سے سنی خلفائے راشدین امہات المسلمین، اصحاب النبی، اکابر محدثین اور آئمہ مفسرین کے اقوال و مسانید و شواہد سے اہل سنتہ والجماعتہ کا عقیدہ تحریف حروف الفاظ آیات اور سورہ ہائے قرآن میں کمی زیادتی قرآن میں غلطیوں کا رہ جانا اور تقدیم و تاخیر آیات پورے حوالہ جات سے پیش خدمت کر دی ہیں۔ اب ہم اعلانیہ واضح کرتے ہیں کہ شیعان اہل بیتؑ موجودہ قرآن کو منزل من اللہ غیر محرف مانتے ہیں۔ جو شخص قرآن میں کمی زیادتی کا ہونا ہماری طرف نسبت کرتا ہے وہ کاذب اور مفتری ہے۔ تمام اثنا عشری شیعوں کا یہی عقیدہ ہے۔

شیعہ کتب میں جو ایسی روایات اہل سنتہ نشان کرتے ہیں اپنی عادت کے مطابق ان میں بھی معنوی تحریف کرتے ہیں۔ تفسیری عبارتوں سے متعلقہ یا دیگر صحائف سے متعلقہ باتیں قرآن سے منسوب کر کے ہم پر افتراء باندھتے ہیں۔

عقیدہ توحید نیز عظمت رسالت اور مقام عترت اور عقیدہ رجعت پر نظر ثانی کرنے کی دعوت

اعتراض ۹۵۶ :۔ جب قرآن مجید کے متعلق آپ حضرات کا عقیدہ واضح ہو چکا کہ اس میں تحریف بھی ہو چکی ہے اور تغیر و تبدل بھی۔ تو ذرا توحید کے متعلق بھی ارشاد فرمائیے کہ تاریخ الائمہ معتبر شیعی کتاب میں سیدنا علیؓ کے متعلق لکھا گیا ہے کہ ؎

علیؓ کا معجزہ اک اک ہے نادر۔ علیؓ کی ذات ہے ہر شئے پہ قادر

کیا جناب کا اس سے اتفاق ہے یا نہ؟

جواب ۹۵۶ :۔ جس طرح ہم نے مکمل طور پر ثابت کر دیا ہے کہ سُنی مذہب کے مطابق وجود قرآن ہی ثابت نہیں ہوتا انشاء اللہ اسی طرح سُنی توحید کے ڈھول کا پول بھی کھول دیں گے۔ شعر متذکرہ بالا سے ہمیں اتفاق ہے۔

اعتراض ۹۵۷ :۔ اگر اتفاق ہے تو کیا آیت "ان اللہ علیٰ کل شیئٍ قدیرا" اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ یہ صفت خدا تعالیٰ کے لئے خاص ہے اور جو شخص اس صفت میں کسی مخلوق کو شریک کرتا ہے وہ شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔

جواب ۹۵۷ :۔ خدا کی صفت کا مظہر اس کا مخلوق ہو سکتا ہے۔ وہ خالق ہے۔ مگر اس نے جناب عیسیٰؑ کو قدرت خلق عطا کی اور انہوں نے مٹی کے پرندے میں جان ڈال دی۔ وہ کریم ہے اس نے رسولؐ پر کرم کیا اور رسولِ کریم بنا دیا۔ جب یہ صفت عطائے پروردگار تسلیم ہو گی تو ہرگز شرک نہیں بلکہ اعترافِ سخاوت وعظمت باری تعالیٰ ہے۔ خدا قادر مطلق ہے اس نے اپنی اس صفت کا مظہر اپنے مخلوق حضرت علیؑ کو بنایا۔ علیؑ کی قدرت ذاتی نہیں بلکہ خدا کی بخشندہ ہے۔ پس شرک نہ ہوا۔ بلکہ اس بخشش خدا کا انکار کرنا کفر ہو گا۔ اگر علیؑ کو قادر کہنا یا ماننا شرک ہے تو پھر بتایئے سچی ذات خدا کی ہے اس سے بڑا سچا کوئی نہیں پھر ابوبکر کو "صدیق اکبر" کہنے سے کیوں شرک کا ارتکاب نہیں ہے۔ حق و باطل میں امتیاز کرنا بھی خدائی صفت ہے پھر آپ ایک غیر معصوم صحابی کو "فاروق اعظم" کہہ کر ارتکاب شرک کیوں کرتے ہیں۔ غنی اللہ کے سوا کوئی نہیں پھر عثمان کو اس صفت خاص سے متصف کر کے عثمان غنی" کیوں کہا جاتا ہے۔ اللہ نور ہے۔ حضرت عثمان کو "ذوالنورین" کہہ کر خدا سے کیوں بڑھاتے ہیں؟

اعتراض ۹۵۸ :۔ اور اگر اتفاق نہیں ہے تو ایسے عقیدہ رکھنے والے پر جناب کا کیا فتویٰ ہے۔ نیز یہ بھی فرمایئے کہ جب آپ سیدنا علیؓ کے متعلق ہر شے پر قادر ہونے کے منکر ٹھہرے تو کیا قضائے حاجات میں ان کو امداد کے لئے غائبانہ پکارنے اور ان کے حاجت روا ہونے کے بھی منکر ہیں یا نہ تفصیلی طور پر آگاہی بخشیئے۔

جواب ۹۵۸ :۔ ہمارا اس عقیدے سے اتفاق ہے اسی لئے ہم حضرت علی علیہ السلام کو مشکل کشا اور حاجت روا مانتے ہیں اور اس کی اساس ہمارے عقیدۂ ولایت پر ہے جو قرآن مجید سے ثابت ہے کہ "ولی" کہتے ہی اسے ہیں جو صاحب اختیار ہو اور ولایت کے معنی قرآن مجید میں سورۂ کہف میں

یہی بیان ہوئے ہیں۔ اس موضوع پر مفصل بحث میری کتاب "علی ولی اللہ" میں ملاحظہ فرمائیے اگر ساریہ کو حضرت عمر جو نہ معصوم ہیں نہ منصوص کی آواز جا سکتی ہے تو علیؑ جو معصوم و منصوص ہیں وہ غائبانہ پکارتے کو کیوں نہیں سن سکتے۔ خود حضرت رسول اکرمؐ نے خیبر میں علیؑ کو پکار کر دنیا کو بتا دیا ہے کہ یہ میرا خلیفہ مدینہ میں بیٹھا میری آواز سن کر لبیک کہہ سکتا ہے۔ پس علیؑ کو امداد کے لئے غائبانہ پکارنا سنت رسولؐ سے ثابت ہے۔ عقیدہ استمداد علویہ کو تو ہم سائنس وفن کی مروجہ تصویروں سے بھی ثابت کر سکتے ہیں۔ پروفیسر تصدق حسین بخاری صاحب کی کتاب "کیا یا علیؑ مدد کہنا شرک ہے" ملاحظہ فرمائیں۔

اعتراض ۹۵۹:۔ قرآن و توحید کے بعد حضور علیہ السلام سے متعلق اپنے عقیدے سے آگاہ فرمائیے کہ کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ ساری مخلوقات سے افضل نہیں؟

جواب ۹۵۹:۔ بیشک ہمارا ایمان ہے کہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رتبہ بعد از خدا تمام مخلوقات سے افضل ہے۔

اعتراض ۹۶۰:۔ اگر افضل ہے اور یقیناً افضل ہے تو کیا مرید کا درجہ شیخ کے درجے سے کم نہیں ہوتا اگر نہیں ہوتا تو کیسے؟

جواب ۹۶۰:۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ شیخ کا درجہ مرید سے بلند ہوتا ہے۔

اعتراض ۹۶۱:۔ اور اگر کم ہوتا ہے تو مختصر بصائر الدرجات کی ذیل کی روایت کا کیا جواب ہے جبکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام رجعت کے زمانہ میں حضرت علی مرتضیٰ سمیت حضرت مہدی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔

حضرت مہدی کے ہاتھ پر پہلے	اول ما یبایعہ محمد رسول اللہ

وعلی صلوۃ اللہ
(مختصر بصائر الدرجات صفحہ ۱۴۳ مولفہ شیخ الجلیل حسن بن سلیمان تلمیذ شیخ الشہید الاول مطبوعہ نجف)

بیعت کرنے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہوں گے

جواب ۹۶۱:۔ آپ کی جہالت رفع کرنے کی خاطر گزارش ہے کہ بیعت تصدیق وشہادت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور بیعت صرف حاکم تسلیم کرنے کے لیئے ہی نہیں ہوتی عہد کے لئے بھی کی جا سکتی ہے۔ جیسے بیعت رضوان ہوئی اور اس بیعت میں ید فوق خود خدا کا تھا۔ اب اگر شیخ و مرید کی افضلیت و مفضولیت کی بحث کرتے ہیں تو بتائیے خدا اور رسولؐ میں افضل کون تھا۔ کیا خدا نے رسولؐ کو حاکم سمجھ کر اپنا ہاتھ سب سے اوپر رکھ دیا تھا۔ بلکہ اللہ بطور شاہد ہے اسی طرح حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام حضرت امام مہدی علیہ الصلوۃ والسلام کی تصدیق وشہادت بیان فرمائیں گے ورنہ امام پاک تو دراصل بیعت خدا اور رسولؐ لیں گے۔ کیونکہ وہ امام منصوص اور حجت اللہ ہیں اور بلاشبہ حضرت رسول خداؐ اور جناب امیرؑ امام مہدیؑ سے افضل ہیں۔ بس یہی بات تھی جس کا آپ بتنگڑ بنانا چاہتے تھے۔ قریشی صاحب الحق ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ اب کوئی اور دلیل تلاش کیجئے۔

اعتراض ۹۶۲:۔ جب مفضولیت حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ کا عقیدہ معلوم ہو چکا تو کیا یہ سچ ہے کہ حضرت علی مرتضٰی حضرت مقداد حضرت سلمان حضرت ابو ذر حضرت عمار ابن یاسر کے علاوہ باقی تمام حضرات کو آپ معاذ اللہ (۱) مرتد سمجھتے ہیں
(۲) ابوبکرؓ و عمرؓ کو فرعون و ہامان سمجھتے ہیں۔
(۳) عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق آپ کا عقیدہ ہے کہ

زمانہ رجعت میں ان کی جان پر کوڑے لگیں گے۔

جواب ۹۶۲:۔ اگر آپ کی وضع کی ہوئی کوئی دوسری بات صحیح ہوتی تو شاید ہم اس بات کو سچ مان لیتے لیکن حسب معمول یہ بات بھی غلط اور افترا ہے ہم اُن تمام اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم کو کامل الایمان سمجھتے ہیں جو متمسک بالثقلین تھے۔ ہاں جو بھی دشمن اہل بیتؑ تھا ہم اس کے بارے میں اچھا گمان نہیں رکھتے ہیں اس لئے کہ ہم خلوص نیت سے عقیدت کا انحصار محبت اہل بیتؑ کے معیار کے مطابق رکھتے ہیں تو جس کو محبوب رکھتے تو صرف اس لئے اُس نے اہل بیتؑ کو محبوب رکھا جس سے عداوت رکھتے ہیں تو اسی لئے کہ اس نے اہل بیتؑ سے دشمنی رکھی۔ اس جوش محبت میں اگر خدانخواستہ کوئی ایسا شخص بھی نکل آیا جو دراصل محب اہل بیتؑ تھا مگر غلطی سے اس سے ایسے کبائر منسوب کردیئے گئے جس سے وہ دشمن اہل بیتؑ دکھائی دیتا ہے تو بھی ہم بوجہ خلوص نیت کے بری و محفوظ ہیں۔ کیونکہ صحابہ پر ایمان واعتقاد رکھنا جزو دین نہیں ہے بلکہ سنی مسلک ہی کے مطابق خلفائے راشدین کے قاتل بھی نجات کا استحقاق محفوظ رکھتے ہیں (شرح فقہ اکبر ملا علی قاری) تو پھر ہم تو محض اہل بیت کی محبت کی خاطر ان کے دشمنوں سے بیزاری اختیار کئے ہوئے ہیں۔

اعتراض ۹۶۳:۔ کیا یہ بھی سچ ہے کہ آپ کا یہ عقیدہ ہے حضرات ثلاثہ کے دور خلافت میں سیدنا علیؓ نے تقیہ پر عمل کیا اگرچہ قرآن معاذاللہ بدلتا رہا۔ کفر پھیلتا رہا اور حق والوں کو حق نہ دیا گیا۔

جواب ۹۶۳:۔ اس میں بھی جھوٹ کی آمیزش ہے بلاشبہ حضرت علیؑ نے زمانہ ثلاثہ میں تقیہ اختیار فرمایا اور اپنے پامال حقوق کے لئے دستہ تلوار پہ ہاتھ نہ رکھا مگر قرآن جو کلام خدا ہے محفوظ رہا گو کہ لوگوں نے ایسی مذموم کوشش ضرور کی مگر محافظ قرآن نے اس کی حفاظت کی باقی کفر کا پھیلاؤ تو آج تک بھی نہیں رک سکا ہے۔

اعتراض ۹۶۴: کیا اصول کافی ص ۔۔۔ میں یہ حدیث موجود ہے

لا ایمان لمن تقیۃ لہ جو تقیہ نہ کرے اس کا ایمان نہیں رہتا۔

جواب ۹۶۴: جی ہاں یہ حدیث اصول کافی میں موجود ہے مگر اس کا ترجمہ اس طرح نہیں ہے جو آپ نے کیا ہے اس کا جواب بھی ہم ذکار الافہام کے جواب ۱۶ میں دے چکے ہیں کہ اس کا مطلب ہے "جس کے لئے تقیہ نہیں اس کے لئے ایمان نہیں"۔ یہی حدیث آپ کے ہاں کنز العمال میں بھی موجود ہے۔

اعتراض ۹۶۵: میدان کربلا میں امام العصر سیدنا حسین رض کے متعلق جناب کا کیا خیال ہے کہ آپ نے یزید، ابن زیاد اور شمر اور ان کی افواج کے مقابلہ میں تقیہ پر عمل فرمایا یا نہ؟

جواب ۹۶۵: اس اعتراض کا جواب بھی ہم نے ذکار الافہام کے جواب ۱۷ میں لکھ دیا ہے کہ تقیہ کے معنی ایمان و دین کو فروخت کر دینے کے نہیں ہیں بلکہ حفاظت دین کے لئے تقیہ کیا جاتا ہے اور یزید کے خلاف تقیہ کرنا دین کے لئے نقصان دہ تھا پس امام ؑ نے جہاد فرمایا۔

اعتراض ۹۶۶: اگر عمل فرمایا تو لڑائی کیوں ظہور میں آئی اور اگر عمل نہیں فرمایا تو کیوں؟

جواب ۹۶۶: عرض کر دیا کہ امام ؑ نے جہاد فرمایا کیونکہ محل تقیہ معدوم تھا۔

اعتراض ۹۶۷: کیا اس لئے کہ یہ خلیفہ ان کے نزدیک ناحق تھا یا تقیہ ان پر فرض نہ تھا۔ ہر دو جہتوں پہ تفصیل سے روشنی ڈال کر ہمارے قلوب کو مطمئن فرما دیجیے۔

جواب ۹۶۷: تقیہ حفاظت دین و ناموس کے لئے روا ہوتا ہے اور

یہ فرض یا واجب نہیں ہے۔ یزید نہ صرف ناحق خلیفہ تھا بلکہ اس نے منہیات شرعیہ کو اعلانیہ رواج دینے کی کوشش شروع کر دی تھی اس وقت تقیہ دین کے لئے مضرت بخش تھا لہٰذا امام علیہ السلام نے تقیہ نہ فرمایا اور جابر، غاصب، فاسق اور ظالم حکمران کے خلاف اعلان جہاد فرما دیا۔

اعتراض ۹۶۸ :۔ سیدنا حسنؓ کے متعلق جناب کا کیا خیال ہے جبکہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کو پوری مملکت اسلامیہ جس کو سیدنا علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بامر اللہ ان کے سپرد فرمایا۔ سپرد فرما دیا۔

جواب ۹۶۸ :۔ امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کو سلطنت انتہائی معقول شرائط کے تحت دی کیونکہ اس نے پابند شریعت رہنے کا عہد فرمایا اور اپنے گذشتہ اعمال قبیحہ سے باز رہنے کا وعدہ کیا تھا۔ امام علیہ السلام نے اتمام حجت کی خاطر اس کو انتظام سلطنت سونپ دیا تاکہ اس کا کردار پوری طرح واضح ہو جائے۔

اعتراض ۹۶۹ :۔ فرمائیے آپ کا اور اہل سنت والجماعت کا (کلمہ) ایک ہے یا مختلف؟

جواب ۹۶۹ :۔ کلمہ بظاہر لفظاً ایک ہی سا ہے مگر مفہوم و تشریح مختلف ہے۔

اعتراض ۹۷۰ :۔ فرمائیے آپ کا اور اہل سنت والجماعت کا درود ایک ہے یا مختلف؟

جواب ۹۷۰ :۔ درود بھی لفظی اعتبار سے تو ایک ہی ہے لیکن عملاً اور معناً مختلف ہے کہ اہل سنت درود محویا" ادھورا پڑھتے ہیں۔

اعتراض ۹۷۱ :۔ فرمائیے آپ کا اہل سنت کی صحاح ستہ

سے اتفاق ہے یا اختلاف؟

جواب ۹۷۱:۔ اختلاف ہے۔

اعتراض ۹۷۲:۔ اگر اتفاق ہے تو من کل الوجوہ یا من بعض الوجوہ

جواب ۹۷۲:۔ ہمیں اتفاق ہی نہیں ہے۔

اعتراض ۹۷۳:۔ کیا یہ صحیح ہے کہ آپ حضرات کا اس مذہب سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے جس مذہب کی ترویج زمانہ حال میں بیت اللہ اور مدینۃ الرسول میں ہے۔

جواب ۹۷۳:۔ جی یہ صحیح ہے کہ ہمارا مذہب مکہ و مدینہ میں مروجہ مذہب سے مختلف ہے۔

اعتراض ۹۷۴:۔ کیا آپ اپنی ذمہ داری پر یہ ثابت فرما سکتے ہیں کہ آپ کے مذہب اور اصول مذہب کا رواج فتح مکہ سے لے کر اس دور تک کیوں نہ ہو سکا؟

جواب ۹۷۴:۔ جی ہاں میں پوری ذمہ داری سے کتب اہل سنۃ والجماعۃ سے پورا مذہب شیعہ ثابت کر سکتا ہوں کہ اصلی مذہب اسلام اور دین محمدؐ جو عقل و نقل کے جملہ تقاضے پورے کرتا ہے اور جسے عہد رسالت میں خود حضورؐ نے رائج فرمایا وہ صرف اور صرف مذہب آل محمدؐ یعنی مسلک شیعہ اثنا عشریہ ہے۔ نیز مذہب حنفیہ کی پوری تکذیب عہد نبویؐ سے ثابت کر سکتا ہوں۔

اعتراض ۹۷۵:۔ فرمایئے اس مذہب کو دنیا میں کس طرح پبلش کر سکتے ہیں؟

۱۔ جس کا قرآن محرف، مغیر، مبدل اور ناقص ہو۔

۲۔ جس کا نبی دوسرے کے ہاتھ پر بیعت کرے۔

۳۔ جس میں علی کل شئی قدیر خدا تعالیٰ کے بغیر کسی اور کو بھی تسلیم کیا جائے۔

۴۔ جس کا صحیح خلیفہ تقیہ کر کے دین کو چھپا جائے۔

۵۔ جس کے باطل خلفاء معاذ اللہ اپنی من مانی کاروائیاں کر کے دین میں فساد برپا کریں۔

۶۔ جس کے صحیح خلیفے کا معصوم بیٹا مملکت اسلامیہ کو ایسے شخص کے سپرد کر دے جو اس کے باپ کا معاذ اللہ مخالف ہو اور بارہا اُن کے ساتھ لڑ چکا ہو۔

۷۔ جس کا نہ کلمہ طیبہ پر اتفاق ہو، نہ درود پر اور نہ مذہب رائج فی الکعبہ پر۔

جواب ۹۷۵ ھ (۱) بیشک اس مذہب کو دنیا میں پیش نہیں کیا جا سکتا جس کی الہامی کتاب محرف ثابت ہو اور مذہب سنیہ کے قرآن کو ہم نے نہ صرف کتب سُنیہ سے محرف ہی ثابت کیا ہے بلکہ اس کا عدم وجود بھی ثابت کر دیا۔ لہٰذا سنیوں کو اپنے محرف مذہب کا پرچار بند کر دینا چاہیے۔ شیعوں کا قرآن بفضل خدا محفوظ، غیر محرف، مکمل و غیر مبدل ہے اور اس قرآن کو اپنے محافظ اور وارث کا سایہ نصیب ہے۔ اس تک غیر مطہر ہاتھ کی رسائی ہی ممکن نہیں ہے۔

۲۔ ہمارے مذہب کا نبی خدا کے بعد بزرگ ترین ہے۔ وہ معصوم اور مطہر ہے جب کہ سنی مذہب کا نبی عام بشر ہے۔ خطا کار ہے۔ معاذ اللہ وہ تمام برائیاں اس میں ہیں جس سے رکنے کی اس نے تعلیم دی ہے۔ وہ نبی ایسا ہے کہ بہک جاتا ہے اور

ہذیان بھی کہہ دیتا ہے اکثر اللہ میاں کو اس کے جعلی مریدوں کی رائے پسند آتی ہے اور اللہ میاں رسولؐ کی بجائے ان لوگوں کی بات کو صحیح سمجھ کر آیت نازل کر کے رسولؐ کو شرمندہ کرتا ہے۔ ہمارا نبی کسی غیر کی بیعت نہیں کرتا ہے بلکہ اس کا مقرر کردہ ہادی اس کے لئے بیعت لیتا ہے جس کی وہ اور اس کا وصی تصدیق کرتے ہیں۔ جبکہ سُنی رسولؐ ایک غلط موقف پر بیعت کرتا ہے۔ اپنی شرط کے خلاف بیعت لیتا ہے۔
(بیعت شجرہ مراد ہے)

(۳) سُنی خدا بخیل ہے وہ ہاتھ بند رکھتا ہے اور اپنے انعامات و اکرام اپنے پاس سمیٹے رکھتا ہے۔ جبکہ شیعہ خدا وہ ہے جس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں وہ اپنے بندوں پر کرم نوازی کرتا ہے۔ اپنے مصطفےٰ عباد کو اپنی صفات کا مظہر قرار دیتا ہے۔ اگر وہ قادر ہے تو اس نے انسان کو بھی صفت قدرت بخشی ہے لہٰذا جس مرتبہ کا انسان ہو اس کو اسی مناسبت سے قدرت عطا کرتا ہے۔ تاکہ دنیا کو معرفت حقیقی بالمشاہدہ ہو سکے کہ اگر مخلوق کی قدرت ایسی ہے تو پھر خالق کیسا قدیر مطلق ہو گا۔

(۴) سُنی مذہب کے خلیفے یزید و ولید جیسے بدکار و بدمعاش لوگ ہیں جو احکام دین و شریعت میں تصرف کر کے اعلانیہ فسق و فجور کو رواج دیتے ہیں جبکہ شیعہ خلیفے ہر قدم پر دین کی حفاظت کرتے ہیں کہ تقیہ حفاظت دین کا ایک طریقہ ہے جسے قرآن و حدیث کی تائید حاصل ہے۔

(۵) شیعہ وجود شیاطین کے قائل ہیں اور ان لوگوں کو جنہوں نے اپنی من مانی کاروائیاں کر کے دین میں رخنہ اندازی کی ہے گروہ شیطان کے کارکن سمجھتے ہیں جبکہ سُنی ایسے ابلیس صفت لوگوں کو مذہبی پیشوا مانتے ہیں۔

(۶) جس طرح خدا نے ابلیس جیسے سرکش کو ڈھیل دے دی اور اغواء کی قوت و اقتدار بھی بخش دی تاکہ امتحان خلق ہو جائے اسی طرح شیعوں کے معصوم ابن معصوم خلیفہ نے ایک ابلیس ارض کو سلطنت کا انتظام دیا تاکہ دینداروں بے دین کا امتحان ہو جائے۔ جبکہ سُنیوں نے اس اختیار کو حقیقت سمجھ لیا ہے اور اس کو خلیفہ خدا کی کمزوری سمجھ رکھا ہے اور اس کے ہاتھوں ان کا اغواء ہو گیا ہے۔

۷۔ شیعوں کا کلمہ طیبہ وہ ہے جو در جنت پر حروف ذہبیہ میں مرقوم ہے ان کا دردہ پورا ہے اور زمانہ رسولؐ میں ان کا ہی مذہب رائج ہوا اور آج بھی تمام دنیا میں ان کے مذہب کو برتری حاصل ہے کہ اس کے علاوہ دنیا کے کسی مذہب میں یہ صلاحیت موجود نہیں ہے کہ تقاضائے وقت کے مادی و روحانی مسائل کا حل پیش کر سکے۔ یہ خصوصیت صرف شیعہ مذہب کو ہی نصیب ہے کہ عقل و نقل اس کی تائید کرتے ہیں۔ رواج فی الکعبہ دلیل حق نہیں ہے کہ زمانہ گمراہی کے متعلق ایسے اخبار احادیث میں موجود ہیں کہ ظلمت حرمین کی حدود میں وارد ہو گی۔ اگر کعبہ کے مذہب کو دلیل بنایا جائے تو پھر واقعہ حرّہ میں جو احادیث پیش آئے ان کا کیا جواب ہوگا اور اب سے پہلے جو مذہب تھا اس کا کیا حشر ہوگا۔

پس شیعہ مذہب ہی کو یہ حق ہے کہ اُسے دنیا کے سامنے پیش کیا جائے کیونکہ:

(۱) اس کا خدا ذاتی طور پر صاحب اقتدار ہے ۔ مگر سنی خدا میں صفات موجود نہیں وہ بے اختیار ہے
(۲) شیعوں کا اللہ عادل ہے اور منصف ہے ۔ مگر سنی خدا ظالم ہے، شریر ہے، جہنمی ہے۔
(۳) شیعوں کا رسول معصوم ہے نمونہ اخلاق ہے ۔ سنی رسول گنہگار، خاطی، غلط کار اور بد اخلاق ہے
(۴) شیعوں کا نائب رسول بھی معصوم ہے اور منصوص ہے ۔ سنیوں کے خلیفے آثم، غادر، خائن، کاذب اور جمہوری ہیں
(۵) شیعوں کا قرآن خشک و تر کا علم رکھتا ہے ۔ سنیوں کے قرآن میں تاثیر ہی نہیں ہے کہ اس کا وجود مشکوک ہے
(۷) شیعوں کی احادیث کی اساس معصومین پر ہے ۔ سنی روایات کی اساس خطاکاروں پر ہے۔
(۸) شیعہ کا مذہب خاندان رسولؐ کا مذہب ہے ۔ سنیوں کا مذہب دشمنان خاندان رسولؐ کا مذہب ہے
(۹) شیعوں کا نام اور ہر کام کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ سنیوں کا نہ ہی کتاب و سنت میں نام ملتا ہے اور نہ ہی کسی کام کی تائید ثابت ہے۔
(۱۰) شیعوں کو حضورؐ سے نجات کی ضمانت حاصل ہے ۔ "سنی" نام زبان رسولؐ سے ثابت نہیں ہے۔

الغرض سائنس اور فن کے موجودہ دور میں اور کسی بھی وقت استقبال یا ماضی میں تمام مادی و روحانی مسائل کا حل اور ہر سوال کا تسلی بخش جواب ہر مرض کا شافی علاج تمام گمراہیوں سے نجات پانے کا صحیح راستہ صرف مذہب شیعہ اثنا عشریہ ہے دیکھئے میری کتاب صرف ایک راستہ

"بحث صبر و ردّ فزع"

اعتراض ۹۷۶: جو لوگ جزع فزع کرتے ہیں آپ کے نزدیک صابرین کے گروہ میں داخل ہیں یا نہ۔ اگر داخل ہیں تو دلائل سے واضح کیجئے نیز والصبر ضدہ الجزع مندرجہ صا۱۱ اصول کافی مطبوعہ ایران کا کیا جواب ہے جبکہ صاحب کتاب نے صبر کو جزع فزع کی ضد قرار دیا ہے۔

جواب ۹۷۶: جزع فزع کرنا منافی صبر نہیں ہے بشرطیکہ حدود شرعیہ سے تجاوز نہ کیا جائے۔ "جزع" "فزع" دو الفاظ کا مرکب ہے اور اس کے عام معنی عزاداری سمجھے جاتے ہیں مثلاً رونا پیٹنا، آہ و بکا کرنا وغیرہ۔ صبر کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو ایسی چیز کے اظہار سے روکے جو اس کے مناسب نہیں ہے لیکن فطری و طبعی افعال سے روکنا صبر نہیں کہلاتا۔ کتاب "چودہ مسئلے" میں ثابت کیا ہے کہ غم و رنج کے مواقع پر گریہ و بکا کا سرزد ہونا ایک فطری امر ہے اور عام رواج زمانہ کے مطابق بھی مظلوم پر کیئے گئے ظلم سے متاثر نہ ہونا، کسی دوست و محبوب کی مصیبت سے متالم نہ ہونا قساوت قلب اور سنگدلی کہلاتا ہے جو نہایت ہی مذموم ہے لہٰذا ایسا انسانیت سے گرا ہوا معیوب فعل "صبر" کی فہرست میں جگہ نہیں پا سکتا ہے چنانچہ قرآن مجید شاہد ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی فراق پسر میں آنکھیں سفید ہو گئیں اور اس کثرت سے گریہ کرنے کے باوجود حضرت یعقوبؑ کو اللہ تعالےٰ نے "صبر جمیل کرنے والا" فرمایا ہے پس معلوم ہوا کہ گریہ و زاری خلاف صبر نہیں بلکہ عین صبر ہے۔

جزع اور فزع دونوں لفظوں کے معنی جُدا جُدا ہیں۔ "جزع" بے قراری و بے صبری کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے جبکہ فزع کے معنی ڈرنا، مدد کرنا، فریاد رسی کرنا، پناہ تلاش کرنا، بیدار ہونا، اٹھنا، جاگنا وغیرہ ہوتے ہیں۔ لفظی ترکیب کے لحاظ سے دونوں لفظوں میں ربط معلوم نہیں ہوتا ہے کہ لیکن جب یہ دونوں لفظ مل جاتے ہیں اور "جزع فزع" کی شکل اختیار کر لیتے ہیں تو ان کے انفرادی معنی کی صورت بھی قائم نہیں رہتی ہے بلکہ دونوں کے معنی محاورہ کے تحت استعمال میں لائے جاتے ہیں کہ عزاداری کرنا، رونا پیٹنا وغیرہ۔ جس طرح محاورہ ہے "پانی پھیرنا" پانی کے معنی آب ہیں اور پھیرنا کا مطلب موڑنا ہے جبکہ دونوں کا مل کر معنی ضائع کر دینا ہے اب اگر میں جہالت سے کام لیتے ہوئے کہہ دوں کہ جہاد میں پیٹھ پھیرنا عدم استقامت ہے لہٰذا پانی پینا بھی بے ثباتی ہے تو ہر عقلمند میری عقل کا ماتم کرنا شروع کر دے گا۔ چنانچہ اسی مثال کی روشنی میں قریشی صاحب کے استدلال کو لیجئے کہ "جزع" کے لفظی معنی کو "جزع فزع" کے محاورہ میں لے کر اپنی جہالت کے کرشمے دکھا رہے ہیں۔ صرف "جزع" بلا شبہ صبر کی ضد ہے کہ اس کے معنی بے صبری ہیں لیکن "جزع فزع" کے مرکب کے معنی ہی اور ہیں۔ پس "جزع فزع" صبر کی ضد ہرگز قرار نہیں پا سکتا۔

اعتراض ۹۷۷:۔ اور اگر داخل نہیں تو بے صبر گروہ کی سزا کے متعلق تصریح فرمائیے۔

جواب ۹۷۷:۔ عزادار کو بے صبر کہنا ہی معنوی لحاظ سے درست نہیں ہے اور ہم جزع فزع کرنے والوں کو گروہ صابرین میں جانتے ہیں۔ جیسے خدا نے یعقوبؑ جیسے عزادار نبیؑ کو صبر جمیل کرنے والا فرمایا ہے۔

اعتراض ۹۷۸:۔ اگر آپ جزع فزع کے قائل ہیں تو یقیناً

صبر کے خلاف ہیں پس قرآن مجید کی اس آیت کا جواب عنایت فرمائیے "ان اللہ مع الصابرین" جبکہ خدا تعالیٰ کی تائید و حمایت صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

جواب ۹۷۸:۔ جزع فزع چونکہ منافی صبر ہی نہیں ہے بلکہ فاعل جزع فزع کو خود خدا نے صابر قرار دیا ہے تو پھر ہم صبر کے خلاف کیونکر ہوئے۔ جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے جزع فزع کی اور صبر والے رہے اور خدا کی حمایت و تائید ان کو حاصل رہی اسی طرح اُن کی سنت پر عمل کرنے والوں کے ساتھ بھی اللہ کی تائید و نصرت و حمایت شامل ہے۔

اعتراض ۹۷۹:۔ کیا جزع فزع کرنے والے تارکین صبر آیت ذیل میں درج شدہ بشارت سے محروم نہیں:

"و بشر الصابرین الذین اذا اصابتہم مصیبۃ قالوا انا اللہ و انا الیہ راجعون۔"

"اور خوشخبری دیجئے ان صبر کرنے والوں کو جبکہ ان کو مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں انا للہ و انا الیہ راجعون۔"

جواب ۹۷۹:۔ جی نہیں یہ بشارت دراصل ہے ہی ان صابرین کے لئے جو جزع فزع کرتے ہیں کیونکہ آپ کے زعم کے مطابق مصیبت میں پکارنا منافی صبر ہے جبکہ یہ بشارت اُن صابرین کے لئے جو پکارتے ہیں کہ ہر شئے اللہ ہی کی ہے اور اسی کی طرف لوٹ جانے والی ہے۔ یعنی جزع فزع کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر بوقت مصیبت چپ رہنے والے نہ ہی صابر ہیں اور نہ ہی مستحق بشارت۔

اعتراض ۹۸۰:۔ قرآن مجید میں حضور علیہ السلام کو حکم دیا گیا

ہے صبر کیجئے جس طرح پیغمبروں نے صبر کیا تھا کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تمام پیغمبروں کا دستور العمل صبر ہے اور جو لوگ جزع فزع کرتے ہیں وہ پیغمبروں کے دستور کے خلاف کرتے ہیں۔

جواب ۹۸۰ :۔ جب جزع فزع صبر کے خلاف ہی نہیں ہے تو پھر پیغمبروں کے دستور کی خلاف ورزی کیسے ہوئی۔ اگر عزاداری صبر کی ضد ہوتی تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گریہ وزاری و آہ و بکا کیوں کرتے جیسا کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر کی یا قتل حسینؑ کی اطلاع پانے پر تمام اثبات از کتب اہل سنتہ میں نے اپنی کتاب "چودہ مسئلے" میں پیش کئے ہیں کہ عزاداری سنت رسولؐ ہے۔ سنت قولی بھی ہے اور فعلی بھی۔ عمل اصحاب و تابعین بھی ہے اور سنت آل رسولؐ بھی ہے۔ اگر عزاداری منافی صبر ہوتی یا خلاف سنتِ انبیاء ہوتی تو حضورؐ اصحاب اور آلِ رسولؐ یہ فعل ہرگز نہ کرتے۔

اعتراض ۹۸۱ :۔ اصول کافی مطبوعہ ایران صفحہ ۴۷ میں ہے

الصبر من الایمان بمنزلۃ الراس من الجسد فاذا ذھب الراس ذھب الجسد کذلک اذا ذھب الایمان	"صبر ایمان سے بمنزلہ سر کے ہے جسم سے پس جب سر چلا جائے تو جسم نہیں رہتا اسی طرح جب صبر چلا گیا تو ایمان نہیں رہتا۔

براہِ کرم جواب مرحمت فرمائیے۔

جواب ۹۸۱ :۔ عزاداری سے صبر کا جب ٹکراؤ ہی نہیں ہے تو پھر

عزاداری کے ذیل میں صبر کی بحث ہی بے محل ہے۔

اعتراض ۹۸۲: اصول کافی ص ۳۴۱ مطبوعہ ایران میں ہے

"حضرت زین العابدین سے روایت ہے فرمایا صبر ایمان سے بمنزلہ سر ہے جسم سے اس کا ایمان نہ رہا جس کا صبر نہ رہا	الصبر من الایمان بمنزلة الراس من الجسد فاذا ذهب الراس ذهب الجسد کذلك اذا ذهب الصبر ذهب الایمان۔

جواب ۹۸۲: صبر کی فضیلت میں وارد روایات کو عزاداری کے امتناع کی دلیل بنانا نامعقول ہے جبکہ عزاداری بے صبری نہیں۔

اعتراض ۹۸۳: جواب دیجئے کہ کیا ترک صبر ترک ایمان کو مستلزم ہے یا نہ۔ اگر ہے تو ادعاء ایمان کیسا اور اگر نہیں تو زین العابدین کے فرمان کا مطلب بیان کیجئے۔

جواب ۹۸۳: ترک صبر ترک ایمان کو مستلزم ضرور ہے مگر میرا ادعا یہ ہے کہ جزع فزع سبب ترک صبر ہرگز نہیں ہے۔ جب صبر محفوظ ہے تو دعویٰ ایمان غیر محفوظ کیوں کر ہو گیا۔ اصولی طور پر اولاً آپ کو عزاداری خلاف صبر ہونے کو پایۂ ثبوت تک پہنچانا چاہیے پھر صبر کے دلائل سے جزع فزع کی بحث ہو سکتی ہے۔

اعتراض ۹۸۴: اصول کافی ص ۳۴۲ مطبوعہ ایران میں ہے

"صبر عند المصیبة حسن جمیل" صبر مصیبت کے وقت بہت

بہتر ہے ۔ ان لوگوں کے متعلق جناب کا کیا خیال ہے جو صبر ترک کر کے جزع فزع کو نہ صرف اپناتے ہیں بلکہ اتراتے ہیں ۔

جواب ۹۸۴ :۔ اس کا جواب قرآن میں ہے کہ جزع فزع کرنے کے باوجود یعقوبؑ کے صبر کو جمیل کہا گیا ۔ پس جزع فزع کو اپنانا صبر کے خلاف نہیں بلکہ عین صبر ہے بلکہ صبر جمیل ہے شاید شیعہ اسی جمالِ صبر پر اتراتے ہیں کہ حُسن کے ساتھ نزاکت بھی آ ہی جاتی ہے ۔

اعتراض ۹۸۵ :۔ اصول کافی ص ۲۴۲ مطبوعہ ایران میں ہے

فمن صبر علی المصیبۃ کتب اللہ ثلثمائۃ درجۃ ما بین الدرجتین الی الدرجۃ کما بین السماء الی الارض !	"پس جس نے مصیبت پر صبر کیا خدا تعالیٰ اس کے لئے تین سو درجے ہوں گے دو درجوں کے درمیان اتنا مسافت ہو گی جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے

جواب ۹۸۵ :۔ اس روایت میں بھی صبر کے درجات مرقوم ہیں جبکہ ہم صبر اور عزاداری میں تصادم ہی نہیں مانتے ہیں ۔

اعتراض ۹۸۶ :۔ جب واضح ہو گیا کہ جزع فزع خلاف صبر ہے تو فرمائیے موجودہ طرزِ عزاداری حضور علیہ السلام سے ثابت ہے یعنی کیا آنحضورؐ نے سابقہ انبیاء کے سوگ میں اس قسم کا عمل فرمایا؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو دلائل سے نوازیئے ۔

جواب ۹۸۶: کس طرح واضح ہو گیا کہ جزع فزع صبر کے خلاف ہے گھر بیٹھے ہی! کوئی ایک ہی ایسی روایت صحیح نقل تو کی ہوتی جو ثابت کرتی کہ جزع فزع صبر کے خلاف ہے۔ جبکہ ہم نے ابتدائی سوال ہی میں ثابت کر دیا ہے کہ عزاداری صبر کی ضد ہرگز نہیں ہے۔ باقی حضور علیہ السلام سے عزاداری ثابت ہے۔ مکمل اثبات میری کتاب "چودہ مسئلے" میں دیکھئے۔ عزاداریٔ امام حسینؑ سنت قولی اور سنت فعلی ہے۔ حضورؐ کی گریہ زاری ملاحظہ کیجئے (۱) کنز العمال برحاشیہ مسند احمد بن حنبل۔ (۲) مشکوٰۃ شریف میں تبرکات عزاداری کا استحباب ثابت ہے۔ صحیح مسلم میں صحابہ و رسولؐ کا حضرت آمنہ کی قبر پر گریہ زاری کرنا لکھا ہے۔ وفات ابراہیمؑ پر حضورؐ کا بین کرنا مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ مسند احمد بن حنبل میں وفات رسولؐ پر بی بی عائشہ کا ماتم کرنا لکھا ہوا ہے۔

موجودہ طرز یا غیر موجودہ طرز کا سوال کرنا ٹیڑھی بحث ہے۔ جب اصولی طور پر عزاداری کا استحباب بمطابق سنت رسول قول و فعل سے ثابت ہے تو پھر طرز یا انداز کی شرط لگانا خلاف قاعدہ ہے کیونکہ یہ سوال ویسا ہی ہے کہ اگر کوئی کہہ دے کہ بتایا جائے رسول اللہؐ نے کب تکون بہن کر نماز پڑھی۔ یا حضورؐ نے کب بادشاہی مسجد لاہور میں آکر نماز پڑھائی۔ جب نفس فعل کا مستحب ہونا ثابت ہے تو اس کے طرز پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کہ ہر قوم و وطن کے مراسم و رسومات و رواج الگ الگ ہو سکتے ہیں۔ چونکہ شہادت امام حسین علیہ السلام کا واقعہ وہ ہے جس میں تمام نبیوں و رسولوں کے مصائب کو یکجا کر دیا گیا ہے اس لئے حضورؐ قبل از شہادت حسینؑ ہی عزادار رہتے تھے اور اس مصیبت کا سوگ جمیع سلسلہ انبیاءؑ کو محیط کر لینے کے لئے کافی ہے پھر بڑا سانحہ چھوٹے حادثہ کی اہمیت کو لازمی کم کرتا ہے اور شہادت حسینؑ کے سامنے انبیاء کرامؑ کی مصیبتیں ماند پڑ جاتی ہیں پس حضورؐ نے اسی یادگار واقعہ کی یاد قبل از وقوع گریہ زاری کرتے ہوئے مٹی سامنے رکھ کر منائی۔ تفصیل دیکھئے "چودہ مسئلے" میں۔

اعتراض ۹۸۷ :۔ نیز حسب ذیل ارشاد نبویؐ کا بھی جواب عنایت فرمایئے جبکہ بروایت جعفر صادق حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے بحوالہ حیات القلوب صہ ۵۲۸ ج ۲ :۔

حضرت فرمود کہ در مصیبت با طپانچہ بر روئی خود مزنید و روی خود را مخراشید و موی خود را مکنید و گریبان خود را چاک مکنید و جامہ خود را سیاہ مکنید و واویلا مکنید

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مصیبتوں میں طمانچہ منہ پر نہ مارو۔ اپنے منہ کو نہ نوچو اپنے بال نہ کھسوٹو اپنے گریبان چاک نہ کرو اپنے کپڑے کالے نہ رنگو اور ہائے ہائے نہ کرو

جواب ۹۸۷ :۔ یہ ارشاد عام مصیبت کے لئے ہے عزاداریٔ اہل بیتؑ سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ دیکھئے تحفۃ العوام۔

اعتراض ۹۸۸ :۔ جب حضور علیہ السلام کی وفات ہوئی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ "حضرت فرمود صبر کنید" یعنی میری وفات کے بعد جزع فزع نہ کرنا۔ یہ امر کیا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ حضرت نے جزع فزع سے منع فرمایا اور صبر کا حکم فرمایا۔

جواب ۹۸۸ :۔ چونکہ صبر منافیٔ جزع فزع نہیں ہے لہٰذا دلیل غلط ہے

اعتراض ۹۸۹ :۔ ترجمہ مقبول صہ ۱۰۹۹ کے حاشیہ ۱ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا وہ یہ ہے "کہ تم اپنے رخساروں پر طمانچے

نہ مارو۔ اپنے منہ نہ نوچو۔ اپنے بال نہ کھسوٹو۔ اپنے گریبان چاک نہ کرو اپنے کپڑے کالے نہ رنگو اور ہائے وائے کرکے نہ رؤو"۔ پس یا تو اس فرمان کا جواب دیجئے اور یا ان افعال سے توبہ کیجئے۔

جواب ۹۸۹: یہ ہدایت بھی عام مصیبت کے لئے ہے عزاداری امام مظلوم اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس سوال کے جواب کے طور پر ہم آیت قرآن کا مفہوم پیش کرتے ہیں کہ فتح الباری شرح بخاری شریف میں قرآن مجید کے چھٹے پارے کی آیت۔ لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم ..... الخ کے ذیل میں شرح کی ہے جزع حرام ہے مگر مظلوم کے لئے نہیں۔ پس چونکہ اہل بیت مظلوم ہیں لہٰذا ان کے مصائب پر عزاداری کرنا جائز و مباح ہے۔

اعتراض ۹۹۰: نہج البلاغۃ ج ۳ ص ۱۸۵ مطبوعہ استقامہ میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے:

ینزل الصبر علی قدر المصیبۃ "صبر مصیبت کے انداز پر ہوتی ومن ضرب یدہ علی فخذہ عند ہے جس نے اپنا ہاتھ ران پر مارا مصیبتہ حبط عملہ۔ مصیبت کے وقت، اس کے عمل ضائع ہو گئے"

جب پیٹنا حبط اعمال کا باعث ہے تو اس فعل سے اظہار برأت ......کیوں نہیں کرتے؟

جواب ۹۹۰: یہ بھی عام مصیبت کے پیٹنے کے لئے ہے حالانکہ صحیح بخاری میں خود حضورؐ کا ران پیٹنا مرقوم ہے حوالہ کے لئے دیکھئے میری کتاب "فروع دین"

میں ایک ہزار اعتراضات ۔ یہ عبارت نہج البلاغہ میں ہمیں مل ہی نہیں سکی ہے۔

اعتراض عـــ۹۹۱ـــ: اشعث بن قیس کا بیٹا فوت ہوا سیدنا علی مرتضیٰ نے ان کو تعزیت میں فرمایا:

ان صبرت جری علیک القدر وانت ماجور وان جزعت جری علیک القدر وانت ماذور (نہج البلاغہ ص۲۴۴)	"اگر تو صبر کرے گا تقدیر تیرے اوپر جاری ہو چکی اور تو اجر دیا جائے گا اور اگر تو جزع فزع کرے گا تقدیر تیرے اوپر جاری ہو چکی ہے اور تو عذاب دیا جائیگا"

آپ حضرات کے نزدیک حضور علیہ السلام کے بعد یقیناً "سیدنا علی المرتضیٰ کا درجہ ہے ۔ جب حضور علیہ السلام اور سیدنا علی دونوں جزع فزع کے خلاف ہیں تو آپ کا عمل ان کے احکام کے برعکس کس مصلحت اور کون سی نص پر مبنی ہے؟

جواب عـــ۹۹۱ـــ: اس ارشاد میں بھی "جزع" کا بیان ہے جو کہ صبر کی ضد ہے نہ کہ "جزع فزع" کا چونکہ جزع کے معنی اور "جزع فزع" کے معنوں میں فرق ہے لہٰذا یہ روایت عزاداری کے لئے مانع قرار نہیں دی جاسکتی اور پھر یہ کہ اس کا حکم بھی عام مصیبت کے لئے ہے اور مخصوص ہے اشعث بن قیس سے جبکہ عام حالات مصائب سے ہم بحث نہیں کرتے ہیں بلکہ ہمارا موضوع "عزاداری سید الشہداء علیہ السلام" ہے اور امام مظلوم کی عزاداری کے سلسلے میں کثرت سے ایسی روایات موجود ہیں جو استحباب ثابت کرتی ہیں۔ اثبات و نصوص کے لئے میری کتاب "چودہ مسئلے" ملاحظہ کیجئے

اعتراض ۹۹۲:۔ من لا یحضرہ الفقیہ ص۲۵۹ ج۲ میں ہے:

من ضرب یدہ علی فخذہ عند "جس نے اپنا ہاتھ ران پر مصیبت
مصیبۃ حبط عملہ۔ کے وقت مارا اس کے عمل
برباد ہوگئے۔

فرمائیے کیا جواب ہے؟

جواب ۹۹۲:۔ یہ روایت بھی عام مصیبت سے متعلقہ ہے جب کہ ہم عام عزاداری پر اصرار نہیں کرتے ہیں بلکہ ہمارا موضوع بیان "ماتم شبیرؑ" ہے۔

اعتراض ۹۹۳:۔ من لا یحضرہ الفقیہ ص۸۱ ج۱ میں ذیل کے الفاظ کے معنی بیان کیجئے:۔

"قال امیر المومنین فیما علم اصحابہ لا تلبسوا السواد فانہ لباس فرعون"۔

جواب ۹۹۳:۔ اس کا مطلب ہے کہ کالا لباس نہ پہنو یہ فرعون کا لباس ہے۔ ہم بھی غم معصوم کے علاوہ کالا لباس پہننا ضروری نہیں سمجھتے لیکن اتنا ضرور پوچھتے ہیں کہ کالی کملی والے کے بارے میں کیا خیال شریف ہے؟ کنز الدقائق میں لکھا ہے کہ خلفاء سیاہ لباس پہنتے تھے۔ غلاف کعبہ بھی سیاہ ہے نیز یہ تحقیق ہے کہ روایت بالا مجہول ہے دیکھئے مراۃ العقول جلد۳ ص۱۵۹۔

اعتراض ۹۹۴:۔ جب مدینہ سے سیدنا حسین بعزم کوفہ تشریف لے جانے لگے تو یہ لفظ فرمائے:

بخدا سوگند مے دہم کہ صبر پیش آورید دست از جزع فزع و بے تابی روا رید جلاء العیون ص ۳۵۳	تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ صبر کرنا اور جزع فزع بے تابی سے ہاتھ کو اٹھا لینا ۔

جواب ۹۹۴ :۔ جلاء العیون میں "جزع فزع" کے الفاظ نہیں مل سکے صرف "جزع" ہے جو صبر کی ضد ہے اور عزاداری صبر کی ضد نہیں ہے ۔

اعتراض ۹۹۵ :۔ جلاء العیون ص ۳۸۷ کی اس عبارت کا کیا جواب ہے :

چوں من از تیغ اہل جفا بعالم بقا رحلت نمایم گریباں چاک مکنید و رو مخراشید و واویلا مگوئید	جب میں اہل جفا کی تلوار سے شہید کیا جاؤں تو تم گریبان کو چاک نہ کرنا منہ نہ چھیلنا اور ہائے ہائے نہ کرنا

جواب ۹۹۵ :۔ روایت کے مطابق یہ نصیحت امامؑ عالی مقام نے حضرت سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کو فرمائی کیونکہ شہادت کے بعد اہل بیتؑ کی نگہداشت بی بی ثانی زہراؑ کو سونپنا مقصود تھا لہٰذا آپ کو ایسی تلقین کی گئی تا کہ کہیں بی بی عزاداری میں مصروف ہو کر نگرانی کی ذمہ داری سے غافل نہ رہ جائیں ۔ نیز نسوانی حجاب کو مدنظر فرماتے ہوئے امامؑ نے خاتونِ کربلا کو ایسی ہدایات جاری فرمائیں یہ بھی حکم عام نہیں ہے بلکہ بی بی زینب صلوۃ اللہ علیہا سے مخصوص ہے ایک دفعت خاص کے لیے ۔

اعتراض ۹۹۶ :۔ ہیئت کذایہ طریقہ ماتم و سوگواری جب جملہ انبیاء و رسل اور آئمہ کرام سے ثابت نہیں تو اس کا موجد آپ کی تحقیق میں کون ہے ؟

جواب ۹۹۶ :- ویسے تو یہ فطری امر ہے اور اس کا موجد فطرت ہے اسی لئے باوجود پابندی و ممانعت کے متوفی کے اہل و عیال کو رونے پیٹنے سے روکنے کی کوششیں بارآور ثابت نہیں ہوتی ہیں۔ مشاہدہ گواہ ہے کہ جانور تک پر جب مصیبت پڑتی ہے تو وہ واویلا کئے بغیر نہیں رہتے ہیں۔ اسی لئے کسی بھی طریقہ و مسلک میں عزاداری مذموم نہیں ہے البتہ عدل کے لحاظ سے حدود متعین ہیں اور زمانہ جاہلیت کی رسومات عزاداری پر پابندی نافذ کرنے کا دراصل مقصد یہی تھا کہ ان طریقوں میں بے صبری بے قراری اور ذات باری تعالیٰ سے گلے شکوے کئے جاتے تھے۔ لیکن جس حد تک آدمی پر جذبات کا اثر انداز ہونا ممکن ہے اور اس کو قابو پانا مشکل ہے شرع اسلام نے اس پر پابندی نہیں لگائی ہے کیونکہ اسلام مذہب فطرت ہے۔ اسی لئے انبیاء روتے پیٹتے رہے یا مروجہ ثقافت کے مطابق عزاداری کرتے رہے اور خدا نے ان کی عزاداری اور سوگواری کو منافی صبر قرار نہ دیا۔ آخری دین اسلام کے خاتم النبیین رسولؐ نے بھی اپنی والدہ کی قبر پر گریہ زاری فرمائی، حمزہؓ کی شہادت پر مرثیہ و نوحہ کہا۔ انسانی بے صبری و طبع نزاعی پر بقول بخاری ران پیٹ کر ماتم کیا۔ زندہ حسینؑ کو گود میں لے کر گریہ فرمایا۔ اس کی مٹی قتل گاہ کو سونگھا اور دیکھا پھر متبرک خیال کر کے ام المومنین بی بی ام سلمہؓ نے محفوظ کر کے رکھا اور آپ نے روزانہ اس کی زیارت کرنا شروع کر دی۔ جب ابراہیم فرزند رسولؐ کی وفات ہوئی تو حضور کی اشکباری پر صحابہ نے اعتراض بے صبری کیا جسے خود حضورؐ نے بین کر کے تعلیم دی کہ سوگواری فطری امر ہے اور صبر کے خلاف نہیں ہے۔ اسی طرح تمام اہل بیت کا عزادار ہونا کتب فریقین سے مکمل طور پر ثابت ہے جسے مع حوالہ جات معتبرہ ہم نے "چودہ مسئلے" میں پیش کر دیا ہے۔ سنت رسولؐ مقبول اور آئمہ طاہرینؑ کو رہنے دیجئے کہ وہ پوری طرح ہماری تائید کا ثبوت ہیں۔ ہم برائے خاتمہ بحث اور اتمام حجت ایک ایسی شہادت پیش کرتے ہیں جسے آپ صدیقہ مانتے ہیں۔ اب یا تو اپنی صدیقہ کی تکذیب کر دیجئے یا پھر ماتم کی موجدہ فی الحال ان کو مان لیجئے۔ چنانچہ سنی آئمہ اربعہ میں کے امام احمد حنبل تحریر کرتے ہیں کہ "بی بی عائشہ نے وفات رسولؐ پر ماتم کیا"

مسند جلد ۶ صفحہ ۲۷۴ مزید دیکھئے سیرۃ ابن ہشام جلد ۴ صفحہ ۳۰۵، سیرۃ حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۲۷۶۔ پس ہم مسلمانوں کی صدیقہ ماں کو موجد ماتم قرار دیتے ہیں۔

اعتراض ۹۹۷: سیدنا حسنین رض کا تعزیہ بنانا اور باقی حضرات کا نہ بنانا، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب ۹۹۷: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بقول شہادت امام حسین در حقیقت شہادت سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جس طرح سرکار رسالتمآب کی نبوت و رسالت کی گواہی تمام سلسلۂ انبیاء کے لئے کافی ہے اسی طرح تعزیت حسین مظلوم صفحہ ہستی پر وجود پذیر ہر ظلم کی تعزیت کے لئے کافی ہے کیونکہ شہزادہ کونین کو پرسہ پیش کرنا دراصل ظلم بزمانہ کے خلاف احتجاج کرنا ہے۔ باقی مراسم عزاداری میں عزادار ہر شہید کی یادگار بناتے ہیں اور ہر ناصر دین کو خراج عقیدت اظہار تعزیت سے دیتے ہیں۔ علم عباس، مشک سکینہ، گہوارہ اصغر وغیرہ وغیرہ تمام نشانیاں حسب رسومات بنائی جاتی ہیں۔ اگر تعزیہ سے مراد شبیہ قبر لی جائے تو گذارش یہ ہے کہ کربلائے معلیٰ میں جناب عباس اور حضرت حر کے علاوہ باقی تمام شہدائے کرام ایک ہی حرم میں مدفون ہیں۔ ایک جالی گنج شہیداں کی ہے جس میں انصار حسین مدفون ہیں اور ایک جالی میں امام پاک اپنے دو فرزندوں کے ساتھ دفن ہیں

اعتراض ۹۹۸: بہیئت لا آئیہ مراسم عزاداری کے تارکین پہ آپ کا کیا فتوےٰ ہے؟

جواب ۹۹۸: فطرت کے منحرف اور انتہائی سنگدل اور شقی القلب ہیں وہ لوگ جو مظلومیت حسین میں سوگوار نہیں ہیں۔ فطری و اخلاقی اقدار سے تو ان کی مذمت جتنی بھی کی جائے کم ہے مگر عزاداری کے اثبات میں تو آیات بھی موجود ہیں جن میں سے چند ایک ہم نے کتاب "چودہ مسئلے" میں پیش کر دی ہیں۔

اعتراض ۹۹۹:۔ مراسم اعزاز داری (عزاداری) کے درجہ کی تصریح کیجئے فرض ہے یا واجب؟

جواب ۹۹۹:۔ مستحب ہے اور اگر نذر یا عہد کر لیا جائے تو فرض بن جاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے "چودہ مسئلے"۔

اعتراض ۱۰۰۰:۔ مسلم ممالک میں سے اس سلسلے میں آپ کے ساتھ کونسا مسلک متفق ہے؟

جواب ۱۰۰۰:۔ چونکہ خوشی کے موقع پر خوشی منانا اور غم و رنج کے مواقع پر متالم و سوگوار ہونا فطرت انسانی ہے لہٰذا دنیا کا ہر مسلک اس سے اتفاق کرتا ہے۔ انفرادی ضد سے بحث نہیں بلکہ جو لوگ مخالف عزاداری بھی بنتے ہیں وہ بھی زندگی میں کبھی کبھار روئے پیٹے بغیر نہیں رہ سکتے۔ پس ساری دنیا متفق ہے۔

خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کی توفیق و برکت سے معترض کے تمام اعتراضات کا جواب مکمل ہوا۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ کتاب کو بالکل روزمرہ کی عام زبان میں لکھا جائے اور جوابات میں دقیق ترکیبات اور ثقیل الفاظ استعمال نہ کئے جائیں تاکہ ہر خاص و عام قاری مطالب سے بخوبی واقف ہو جائے اور بوقت ضرورت اپنے مذہب کی مدلل حفاظت اور مضبوط دفاع کر سکے۔ غیر متعلقہ مباحث اور عمیق تشریحات سے بھی اجتناب کیا تاکہ ضخامت کتاب بارِ خاطر نہ گزرے۔ حتی الامکان تک مختصراً مگر مکمل و جامع جوابات دینے کی سعی کی ہے اور ایک مضمون کو دوسرے مضمون سے خلط ملط نہیں ہونے دیا ہے حالانکہ بات میں سے بات نکلتی رہی ہے لیکن خدشہ طوالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اضافی تشریحات کو ترک کر دیا ہے تاہم جہاں ضروری سمجھا گیا ہے اشارۃً تحریر کر دیا ہے

یوں تو اعتراضات کے مطالعہ سے قارئین پر ان کی حقیقت منکشف ہو چکی ہو گی لیکن ایک خاص امر کا اظہار کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ معترض نے جن سوالات میں بعض حضرات کا ایمان ثابت کرنے کے لئے ہاتھ پیر مارے ہیں وہاں وہ تمام خواص و خصلتیں صاحبان ایمان کی بیان کر کے اپنے ممدوحین کے خصائل میں پیش کی ہیں حالانکہ اصولاً پہلے ایمان ثابت کرنا چاہیئے۔ یہاں مجھے ایک مثال یاد آئی ہے کہ میرے میز پر ایک دودھ سے بھرا شیشے کا گلاس رکھا تھا۔ پاس ایک خالی گلاس پڑا تھا۔ میرے ایک دوست تشریف لائے۔ انہوں نے دریافت فرمایا کہ گلاس میں کیا ہے میں نے بتایا کہ دودھ ہے۔ دو منٹ وہ خاموشی سے بیٹھے پھر میز پر سے خالی گلاس اٹھایا اور کمرہ سے باہر چلے گئے کچھ دیر بعد وہ خالی گلاس بھرا ہوا واپس لائے اور میز پر دودھ کے گلاس کے ساتھ لگا دیا اور مجھ سے پوچھا یہ کیا ہے۔ میں ان کے اداکارن کو بھانپ چکا تھا۔ گلاس کو غور سے دیکھا اور انجان بن کر کہا آپ بتائیے یہ کیا ہے مجھے کیا معلوم؟ انہوں نے کہا یہ دودھ ہے۔ میں نے جواباً عرض کیا مجھے یہ دودھ معلوم نہیں ہوتا ہے گو بظاہر ایسا نظر آتا ہے انہوں نے تاڑ لیا کہ معاملہ فہم ہے مگر دل میں کہا ہو گا ذہین و مدبر ہم بھی ہیں۔ شیطان تک ہماری ذہنیت کا معترف ہے اور ہمارے سایہ سے بھاگتا ہے کہ استاد کے سامنے شاگرد کی نہیں چلے گی۔ مگر یہ کل کا بچہ کس طرح ہماری بات پر شک کر سکتا ہے چنانچہ بڑی محبت سے مجھے فرمانے لگے کہ برخوردار تم کیوں اس کو دودھ نہیں تسلیم کرتے۔ ہم نے کہا حضرت جی اس کے عنوان ہی کچھ ایسے دیکھے ہیں۔ انہوں نے رعب جمایا اور فلسفیانہ دلائل شروع کئے۔ دیکھو تمہارے گلاس میں دودھ ہے وہ میز پر رکھا ہوا ہے۔ یہ گلاس بھی اسی میز پر رکھا گیا ہے اور میں جو تمہارا دوست بھی ہوں میں نے رکھا ہے اور میں کہتا ہوں کہ یہ دودھ ہے۔ گلاس کا سائز ایک ہے برتن بھی تمہارے گھر کا ہے رکھا بھی اسی جگہ پر گیا ہے جہاں تمہارا دودھ ہے پھر یہ قدر مشترک کافی نہیں ہے کہ یہ بھی دودھ ہے جبکہ میں تصدیق بھی کر رہا ہوں اور گواہ بھی ہوں اور دوست بھی میں نے عرض کیا "آپ کا فرمانا بجا ہے مگر مجھے اس پر شبہ ہے کہ پہلے خالی پڑا تھا آپ

اس کو اٹھا کر گھر سے باہر لے گئے اور تھوڑی دیر بعد میری اطلاع کے بغیر اس کو میز پر رکھ دیا اور پھر اگر یہ دودھ ہے بھی تو آخر مجھے پوچھنے یا میری تائید حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ استفسار تشکیک کا سبب ہے۔ انہوں نے کہا دیکھو کسی پر شک کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ دوست کے خلوص پر اعتماد کرو اور مان لو کہ یہ دودھ ہے کیونکہ اس کا رنگ بھی سفید ہے اور دودھ کی خاصیت ہے کہ سفید ہوتا ہے۔ یہ مائع ہے اور دودھ بھی ٹھوس نہیں ہوتا ہے۔ یہ ظرف نوشہ میں رکھا ہوا۔ پھر تمہارے دودھ کے بالکل قریب سے صحبت و تاثیر بھی حاصل ہے۔ جب یہ ساری علامتیں اور خواص جو دودھ کی ہوتی ہیں اس میں موجود اور ظاہر ہیں تو پھر تم حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے دودھ کو دودھ کیوں نہیں کہتے۔ ان کی یہ منطق بھری گفتگو جاری تھی اور مجھے قائل کرنے کی سر توڑ کوشش میں مصروف تھے کہ اسی اثنا میں ان کے دودھ کا پانی ہونا شروع ہوا۔ آدھے گلاس کے نیچے سفیدہ سا بیٹھ گیا اور پانی اوپر نظر آنے لگا۔ آدمی وہ بھی منجھے ہوئے تھے میری نگاہ کو بھانپ گئے اور ترکیب سوجھی کہ مجھے کہا دودھ میں چمچہ چلاؤ۔ میں نے عمل کیا اور اسی عمل کو انہوں نے اپنے گلاس پر دہرایا تاکہ رنگت ایک سی ہو جائے۔ پس کہنے لگے دیکھو میاں ہلانے میں دونوں یکساں حالت پر ہیں۔ لہٰذا مان لو کہ دودھ ہے۔

ہم ان کی اس بحث سے اکتاہٹ محسوس کرنے لگے اور چاہا کہ اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچاویں چنانچہ عرض کیا کہ صاحب آپ جو اس کو ظاہری علامات سے دودھ ثابت کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں وہ بار آور ثابت نہ ہوگی کیونکہ معاملہ مشکوک ہو چکا ہے یا تو دودھ والے سے اس کی تصدیق کروا دیجئے اور اگر وہ موجود نہ ہو تو از راہِ مہربانی اس کو چکھ لینے دیجئے۔ چنانچہ اس پر وہ کھسیانے ہوئے کہ اب تو پول کھل جائے گا۔ چنانچہ چکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ دودھ نہ تھا بلکہ چونا تھا۔ اگر دودھ سمجھ کر نوش کر لیا جاتا تو جل جاتے۔

پس یہی طریقہ قریشی صاحب نے ایمان ثابت کرنے کے لئے اختیار کیا ہے۔ مومن کی صفات سے ناقص الایمان کا ایمان ثابت کرنے کی کوشش کی حالانکہ وہ صفات اسی وقت متصور ہو سکتی ہیں جب وجود ایمان ثابت ہو جائے اور ایمان کی شرط اول یہ ہے کہ

کلی طور پر مطیع پیغمبرؐ ہو۔ جبکہ ثقلین رسولؐ کا مخالف کبھی بھی مطیع رسولؐ نہیں ہو سکتا ہے

آخر میں ہم اظہار معذرت پیش کرتے ہیں کہ اگر دوران جوابات کسی مقام پر کسی مکتب فکر پر تنقیدی عبارت ناگوار گذری ہو تو اسے افہام و تفہیم اور تحقیق و تجسس کے جذبات پر محمول فرما کر درگذر کر لیا جائے اور صرف سہو اور قلت علم مجیب سمجھا جائے۔

10000/-

دس ہزار روپیہ کے دس سوال

ہزار سوالات کے جوابات دینے کے بعد اب ہم مذہب شیعہ کی طرف سے صرف دس سوالات دریافت کرتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ جو کوئی غیر شیعہ مسلمان بھائی اِن سوالات کا تسلی بخش جواب دے گا اس کی خدمت میں مبلغ دس ہزار 10000/- روپیہ صرف بطور انعام پیش کیا جائے گا۔ مجیب کے لئے ہماری یہ پیشکش غیر مشروط ہوگی مگر جوابات بمطابق سوالات ہونے چاہیئں اور غیر متعلقہ یا خارج الموضوع مباحث سے اجتناب کیا جائے۔ ظنی استدلات اور نامکمل جوابات ناقابل قبول ہونگے

سوال نمبر ۱:- آپ حضرات خود کو "سنی" یا "اہل سنۃ والجماعت" کہلواتے ہیں۔ براہ مہربانی کتب صحاح ستہ میں کوئی ایسی روایت دکھلائیے جس میں حضرات ثلاثہ (ابوبکر، عمر، عثمان) میں سے کسی ایک نے بھی یہ کہا ہو کہ "میں سنی ہوں" یا "میرا مذہب اہل سنۃ والجماعۃ" ہے۔ حوالہ مکمل دیجیے اور پیش کردہ روائت کی توثیق بھی تحریر فرمائیے۔

سوال ۲ :۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ "افعال قبائح کو قدرت و تمکین بندے پر بخشنا اسی (خدا) کا کام ہے" (تحفہ اثنا عشریہ) جب ہم اس جملے کا تجزیہ کرتے ہیں تو نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اہل سنۃ صدور برائیوں کا باری تعالیٰ سے تجویز کرتے ہیں۔ اس تجویز سے ذاتِ خداوندی کی بے ادبی ظاہر ہوتی ہے عقلاً جواب دیجئے کہ یہ عقیدہ کیونکر معقول ہے؟

سوال ۳ :۔ "رنگیلا رسول" نامی ایک کتاب شانِ رسالت مآبؐ کی گستاخی میں لکھی گئی۔ اس میں تمام روایات معتبر کتبِ سُنّیہ سے نقل کی گئی ہیں۔ کیا کوئی سُنّی المذہب صاحب یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ گستاخِ رسول مصنّف نے کوئی ایک ہی بات کسی شیعہ کتاب سے نقل کی ہو؟ اگر جواب بن پڑے تو مکمل حوالہ درکار ہے۔

سوال ۴ :۔ خلافتِ ثلاثہ کی تائید میں اکثر آپ کی طرف سے قرآن مجید کی آیتِ استخلاف سے استدلال پیش کیا جاتا ہے۔ کیا صحاح ستہ میں کوئی ایک بھی ایسی روایت ملتی ہے جو مرفوع و متواتر ہو اور اس کے تمام راوی ثقہ ہوں جس میں اصحاب ثلاثہ میں سے کسی ایک نے دعویٰ کیا ہو کہ آیت استخلاف ہماری خلافت کی دلیل ہے اگر کوئی ایسی روایت ہے تو اس شرط کے ساتھ مکمل نشاندہی کرائیے

کہ سلسلہ رواۃ میں ثلاثہ میں سے کوئی ایک صاحب ضرور موجود ہوں۔

سوال نمبر ۵:۔ حافظوا علی الصلواۃ والصلواۃ الوسطیٰ وقوموا للہ قانتین" (البقرہ ۲۳۸) یعنی تمام نمازوں کی عموماً اور درمیانی نماز کی خصوصاً حفاظت کرو اور اللہ کے آگے قنوت میں کھڑے رہو۔ یہ حکم قرآن مجید میں موجود ہے لیکن جب ہم کسی سنی المذہب کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ ہمیں قنوت میں کھڑا نظر نہیں آتا ہے۔ بتائیے آپ کی نماز قرآن کے مطابق کیوں نہیں پڑھی جاتی ؟ واضح ہو کہ حکم قرآن کی تنسیخ صرف آیت قرآنی سے ہو سکتی ہے۔

سوال نمبر ۶:۔ اتقان جلد ۱ صفحہ ۶۰ پر علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے اقرار کیا کہ اُن کے جمع کردہ قرآن میں غلطیاں ہیں مگر ان کی تصحیح عرب خود ہی کریں گے۔ جواب دیجئے اس قول کی موجودگی میں قرآن کو غلطیوں سے پاک ماننے کا عقیدہ آپ کے مذہب کے مطابق کس طرح درست ہوا ؟

سوال نمبر ۷:۔ آپ حضرات کو امام مہدیؑ کی غیبت پر اعتراض ہے بتلایئے شیطان غائب ہے یا ظاہر ؟ اگر غائب ہے تو معلوم ہوا کہ وہ عالم غیبت میں گمراہی پھیلاتا ہے لہٰذا جواب دیجئے کہ جب عالم غیبت میں گمراہی پھیلائی جا سکتی ہے تو ہدایت کا سلسلہ کیوں جاری نہیں ہو سکتا ہے ؟

سوال نمبر ۸ :۔ کیا آپ کسی معتبر تاریخی حوالہ سے یہ بات ثابت کر سکتے ہیں کہ جب حضرات شیخین نے جنازہ رسولؐ بلا دفن چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو انہوں نے حضرت علیؑ یا حضرت عباس بن عبدالمطلب کو اپنے عزائم سے آگاہ کیا؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو ثبوت فراہم کریں۔

سوال نمبر ۹ :۔ قرآن مجید کے پانچویں پارے کی ابتدا میں آیتِ متعہ موجود ہے۔ آپ کا پرچار ہے کہ "متعہ" زنا ہے۔ مہربانی کر کے آیت میں مستعمل لفظ "متعہ" کا ترجمہ انہی معنوں میں کیجیے۔

سوال نمبر ۱۰ :۔ قرآن کی اُس آیت کا نشان بتائیے جس میں حکم ہو کہ "ماتم شبیرؑ کرنا حرام ہے"

والسلام

آپ کا خیر اندیش

عبدالکریم مشتاق

۱۱/ج ۶/۳ ۔ ناظم آباد ۔ کراچی ۱۸